آداب نماز

آدابِ نماز

از

حضرت امام خمینیؒ

فہرست

مقالہ اول

وہ آداب جو نماز

بلکہ تمام عبادات ومناسک کے تمام حالات میں لازم ہیں

مقالہ ثانیہ

نماز کے مقدمات اور بعض آداب قلبیہ

مقصد اول

طہارت

مقصد دوم

لباس کے کچھ آداب

مقصد سوم

مکان مصلی کے قلبی آداب

مقصد چہارم

وقت کے قلبی آداب

مقصد پنجم

استقبال کے بعض آداب

مقالہ ثالثہ

مقارنات نماز

باب اول

اذان واقامت کے چند آداب

باب دوم

قیام

باب سوم

نیت کا رمز اور اس کے آداب

باب چہارم

آداب قرائت کا کچھ ذکر

اور بعض اسرار قرائت کا بیان

مصباح اول

قرآن شریف کی قرائت کے مطلق آداب

مصباح دوم

نماز کے ساتھ مخصوص قرائت کے کچھ آداب

فصل ششم

باب پنجم

رکوع کے کچھ آداب واسرار

باب ششم

اسرار وآداب سجود کی طرف اجمالی اشارہ

باب ہفتم

آداب تشہد کی طرف اجمالی اشارہ

فہرست

باب ہشتم

سلام کے آداب

خاتمہ کتاب

نماز کے بعض داخلی و خارجی امور کے آداب

عرض ناشر

کتاب "آداب الصلوۃ" میں جو شنبہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ ق **مطابق ۲۰** فروردین ۱۳۲۱ھ ش کو اختتام پذیر ہوئی تھی، نماز کے معنوی اسرار اور قلبی آداب کے تفصیلات بیان کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف سے تین سال قبل حضرت امام رضوان اللہ علیہ کی گرانقدر تصانیف میں سے ایک تصنیف "سر الصلوۃ" میں انہیں مطالب کو ایجاز واختصار کے ساتھ خواص اہل عرفان کی زبان میں قلمبند کیا گیا تھا(۱)۔ لیکن حضرت امامؒ نے اس بات کے پیش نظر کہ اس کتاب کے مطالب سے زیادہ سے زیادہ افراد مستفید ہو سکیں یہ کتاب زیادہ سادہ زبان میں تحریر فرمائی۔

امامؒ خود فرماتے ہیں :-

"اس سے قبل میں نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں مقدور بھر اسرار نماز کا ذکر کیا تھا لیکن چونکہ وہ رسالہ عوام کے مناسب حال نہ تھا اسلئے میں نے سوچا کہ اس معراج روحانی کے کچھ آداب قلبیہ کو (آسان زبان میں) لکھوں، ممکن ہے برادران ایمانی کے لئے تذکر اور میرے قلب قاسی کے لئے تاثر کا سبب ہو"۔

اس سے قبل کتاب "سر الصلوۃ" کے مضامین، توضیحات و تصرفات کے ساتھ "پرواز در عالم ملکوت" کے عنوان سے چھپے تھے اور اس کے بعد اصل کتاب شائع ہوئی تھی، لیکن سابقہ ایڈیشن بعض اسباب کی بنا پر جن میں ایک سبب شاید اصلی خطی نسخہ کا پیش نظر نہ ہونا تھا، حسب منشا شائع نہ ہو سکے۔ اس لئے "مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ" نے پوری دقت نظر اور امانت داری کے دوسرے نسخوں اور خود مؤسسہ کے پاس موجود اصل نسخہ سے مطابقت کر کے اس کی طباعت واشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔

۱۔ کتاب "سر الصلوۃ" کا مکمل اور تنقیح شدہ متن نسخہ خطی کی تصویروں اور توضیحات اور مختلف فہرستوں کے ساتھ گزشتہ سال اسی مؤسسہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہے

کتاب میں دو مقدمے شامل ہیں، جو حضرت امامؒ نے ۱۳۶۳ھ ش، میں تحریر فرمائے تھے جن میں اس کتاب کو اپنے فرزند گرامی حضرت حجت الاسلام والمسلمین الحاج السید احمد خمینیؒ اور ان کی اہلیہ محترمہ فاطمہ طباطبائی کے لئے ہدیہ کیا ہے، ان دونوں مقدموں کا اصلی متن جو حضرت امامؒ کی تحریر کا عکس ہے اس کتاب میں شامل کیا جارہا ہے۔

یہ ایڈیشن حواشی اور توضیحات پر مشتمل ہے جن میں احادیث واقوال کے مآخذ و مدارک درج کئے گئے ہیں اور عربی جملے اصل متن میں شامل ہیں۔ یہ تمام حواشی چند کے علاوہ جو خود حضرت امامؒ نے تحریر فرمائے ہیں، مؤسسہ کی طرف سے منظّم و مرتب کی گئی ہیں۔

ہم انجمن نشر آثار امام خمینیؒ کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے امام خمینیؒ کی اس عظیم وگرانبہا کتاب "آداب نماز" کو بہترین ترجمہ اور طباعت سے آراستہ کر کے عاشقین وعارفین کی دیرینہ تشنگی کو سیراب کیا۔ اور ہمیں بھی اس انسان ساز نسخہ کو چھاپنے کا موقع فراہم کیا۔ ہم بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ خداوند متعال حضرت امام بزرگ خمینیؒ کے درجات عالیات میں بلندی عطا فرمائے اور ادارۂ نشر آثار امام خمینیؒ کو راہ خدا میں جدوجہد جاری رکھتے ہوئے افکار امام خمینیؒ کی ترویج کی مزید توفیق خیر سے مالامال کرے۔

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

حضرت امام خمینیؒ کا خط

حجۃ الاسلام والمسلمین حاج سید احمد خمینیؒ کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب آداب الصلوۃ کو، جس سے میں نے خود کوئی فائدہ نہیں اٹھایا سوائے ان گزرے ہوئے دنوں میں اپنے قصور و تقصیر پر افسوس کے جب مجھ میں خود سازی کی قوت موجود تھی اور زمانہ پیری میں علاوہ حسرت وندامت کے، جب ہاتھ خالی ہے، بار سنگین ہے، راہ بہت دراز ہے، قدموں میں چلنے کی طاقت نہیں اور آواز "الرحیل" کانوں سے ٹکرا رہی ہے، اپنے فرزند عزیز "احمد" کو ہدیہ کرتا ہوں جو قدرت جوانی سے کامیاب ہے، اس امکان اور امید کے ساتھ کہ انشا اللہ وہ اس کتاب کے مضامین سے جو کتاب کریم اور سنت شریف اور بزرگوں کے افادات سے مرتب کی گئی ہے استفادہ کرے اور اہل معرفت کی راہنمائی میں معراج حقیقی کی راہ پالے اور اس ظلمت کدہ (مادیات) سے دل ہٹالے اور انسانیت کے اس اصلی مقصد کے حصول کی توفیق پائے، جس کا راستہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام صلوات اللہ وسلامہ علیہم نے پایا اور دوسروں کو اس پر چلنے کی دعوت دیتے رہے۔

میرے بیٹے! تمہارا خمیر وجود اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر خلق ہوا ہے۔ خود کو پہچانو! اور خود بینی وخود خواہی کی خوفناک موجوں کی گرداب ضلالت سے نجات حاصل کرو! اور سفینہ نوح پر، جو ولایت الٰہی کا پرتو ہے، سوار ہوجاؤ! کیونکہ "من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک [1]"۔

---

[1] "جو اس (کشتی ولایت) پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے منہ موڑا وہ ہلاک ہوا۔"

میرے بیٹے! کوشش کرو کہ صراط مستقیم پر، جو اللہ کا راستہ ہے، چاہے گرتے پڑتے چلو مگر چلو اور قلبی وقالبی حرکات وسکنات کو معنویت والوہیت کا رنگ دو اور خدمت خلق اس لئے کرو کہ اسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ انبیائے عظام اور خدا کے خاص اولیاء، حالانکہ دوسروں کی طرح کاموں میں مشغول رہتے تھے، مگر کبھی دنیا (کے فریب) میں نہیں آئے، کیونکہ ان کی مشغولیت حق کے سبب سے اور حق کے لئے تھی۔ اسی سلسلہ میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، آپ (ص) نے فرمایا: "لیغان علیٰ قلبی وانی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ [۱]" شاید کثرت میں رؤیت حق کو کدورت شمار فرماتے تھے۔

بیٹا! خود کو تیار رکھو کہ میرے بعد تم پر جفائیں ہوں گی اور جو رقابتیں لوگ مجھ سے رکھتے ہیں وہ تمہارے حساب میں شامل کر دیں گے۔ اگر تم نے اپنے خدا کے ساتھ اپنا حساب صاف رکھا اور ذکر خدا سے پناہ چاہی تو مخلوق کا خوف دل میں لانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ مخلوق کا حساب جلدی ختم ہو جانے والا ہے، جو حساب ازلی ہے وہ بارگاہ خدا میں حساب کے لئے پیشی ہے۔

میرے بیٹے! میرے بعد ممکن ہے کسی خدمت کی پیشکش تمہیں کی جائے۔ اگر تمہارا مقصد اسلام اور جمہوری اسلامی کی خدمت ہو تو رد نہ کرنا اور اگر خدا نخواستہ نفسانی خواہشات اور ہوا وہوس دنیا کے لئے ہو تو اس سے بچے رہنا، کیونکہ دنیاوی عزتیں اتنی قیمتیں نہیں رکھتیں کہ ان تک پہنچنے کے لئے خود کو تباہ کرو۔

بارالٰہا! احمد اور اس کے گھرانے اور متعلقین کو، جو تیرے بندے اور تیرے رسول اکرم (ص) کا گھرانہ ہیں، دنیا وآخرت کی سعادتیں نصیب فرما اور شیطان ملعون کے ہاتھ کو انہیں نقصان پہنچانے سے روک دے۔

مالک! ہم کمزور اور نادار ہیں اور قافلہ سالکان سے پیچھے رہ گئے ہیں، تو خود ہماری دستگیری فرما۔

۱۔ کبھی کبھی میرے دل پر ایک غبار سا بیٹھ جاتا ہے اور میں روزانہ ستر بار خدا سے استغفار کرتا ہوں" مستدرک الوسائل، کتاب الصلوٰۃ، ابواب الذکر، باب ۲۲، حدیث ۱۔

" ربنــــا عاملنا بفضلک ولا تعاملنا بعدلک [1] " والسلام علیٰ عباد اللہ الصالحین ۔

روح اللہ الموسوی الخمینی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۵ ـــ ۲۵ آذر ۱۳۶۳

۱۔ " پروردگارا ! ہم سے اپنے فضل کے ساتھ معاملہ کرنا ، اپنے عــدل کے ساتھ معاملہ نہ کرنا "

حضرت امام خمینیؒ کا خط

حجۃ الاسلام سید احمد خمینی کی اھلیہ کے نام

بسمہ تعالیٰ

افسوس کہ ہنگام عبادت تو گیا　　　باقی ہیں گناہ، وقت طاعت تو گیا
کل یوم جزا توبہ جب آئے گی یاد　　　کہہ دیں گے ملک وقت ندامت تو گیا

کتاب "آداب الصلوۃ"، جو میں اپنی پیاری بیٹی فاطی (۱) کو بطور تحفہ دے رہا ہوں، خدا اسے نمازگزاروں میں شمار کرے، اس کی تکمیل کو چالیس سال سے زیادہ ہو رہے ہیں. اس سے چند سال پہلے میں نے کتاب "سر الصلوۃ" مکمل کی تھی، اسے بھی اب چالیس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، لیکن میں خود نہ نماز کے اسرار کو پا سکا اور نہ آداب نماز کا حق ادا کر سکا ۔ یافت اور ہے بافت کچھ اور ، اور ساخت اور ہے پرداخت کچھ اور ! یہ کتاب مالک کی طرف سے اس بندۂ بے مایہ پر ایک حجت ہے اور میں خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس آیۂ شریفہ میں شامل ہوں جو کمر ہمت کو توڑنے والی ہے : "لم تقولون ما لا تفعلون۔ کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (۲) "۔

۱۔ فاطمہ طباطبائی، اہلیہ حضرت حجت الاسلام والمسلمین الحاج سید احمد خمینیؒ۔

۲۔ "کیوں ایسی بات زبان سے کہتے ہو جس کے خلاف عمل کرتے ہو۔ (ڈرو کہ) خدا سخت غضبناک ہوتا ہے اس بات سے کہ تم کوئی بات کہو اور اس کے خلاف عمل کرو" سورۂ صف / ۲۰۱۔

(ایسی صورت میں) اللہ کی رحمت واسعہ کے سوا کہیں پناہ نہیں ہے۔

اور تم، اے میری بیٹی! امید ہے کہ اس معراج عظیم کے آداب بجا لانے کے لئے موفق رہوگی اور اس براق الٰہی کی راہنمائی میں نفس کے اندھیرے گھر سے ہجرت کر کے اللہ سے لولگاؤ گی۔ میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں تاکہ ان اوراق کا مطالعہ تمہارے خواہشات نفسانی میں اضافہ کا سبب نہ بنے اور تمہیں اس کتاب کے لکھنے والے کی طرح بازیچہ ابلیس ملعون نہ بننے دے۔

میری بیٹی! ہر چند کہ خدا کا شکر ہے میں نے تم میں لطافت روحی پائی، جس کی وجہ سے امید یہی ہے کہ اللہ کی ہدایت تمہارے شامل حال رہے گی اور خدائے جل وعلا کی عنایت سے تم مادیات کے چاہ عمیق سے نجات پاؤ گی اور انسانیت کے صراط مستقیم کو پالو گی لیکن شیطان اور اس سے بھی زیادہ خطرناک، نفس کے جال سے غافل نہ رہنا اور خدائے بزرگ کی پناہ مانگتی رہنا "انه رحیم بعباده" بے شک وہی اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔

بیٹی! ان اوراق کے مطالعہ سے اگر خدا نخواستہ کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو، پھر بھی خود نمائی، مجلس آرائی اور سر جوڑ کر بیٹھنا، بہتر ہے کہ ان چیزوں کے مطالعہ سے احتراز کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری طرح ایک دن تمہیں بھی پچھتانا پڑے اور اگر انشا اللہ تم نے خود کو ان مطالب سے، جو کتاب وسنت، احادیث اہل بیت عصمت اور افادات اہل معرفت سے اخذ کیے گئے ہیں، جی جان سے استفادہ کرنے پر آمادہ کرلیا اور اپنی طبیعت کی اس لطافت واستعداد سے کام لیا جو خدا نے تمہیں عطا فرمائی ہے، تو بسم اللہ! یہ ہے گیند اور یہ ہے میدان!!

امید ہے کہ اس معراج انسانی اور معجون رحمانی میں مشغول ہو کر دل کو غیر اللہ سے خالی رکھو گی اور آب حیات سے دل کو دھولو گی اور چار تکبیریں کہہ کر خود کو خودی سے آزاد کرلو گی تاکہ دوست تک رسائی ہوسکے "ومن یخرج من بیته مهاجراً الی الله و رسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله (۱)"۔

۱۔ "جب کوئی شخص خدا و رسولؐ کی طرف ہجرت کے لئے اپنے گھر سے نکلتا ہے اور سفر میں اسے موت آجاتی ہے تو اس کا اجر وثواب اللہ پر ہے" سورۂ نساء / ۱۰۰

بارالہا! ہمیں مہاجر الی اللہ ورسولہ قرار دے اور فنا تک پہنچا دے اور فاطی و احمد کو توفیق خدمت عطا کر اور انہیں سعادت و خوش بختی تک پہنچا دے۔

والسلام

روح اللہ الموسوی الخمینی

۲ صفر المظفر ۱۴۰۵ ھ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ رب العالمین

وصلی اللّٰہ علیٰ محمد وآلہ الطاھرین

ولعنۃ اللّٰہ علیٰ اعدائھم اجمعین من الآن الیٰ قیام یوم الدین

خداوندا! ہمارا قدم سیر تیری بارگاہ قدس تک پہنچنے سے عاجز ہے اور ہمارا دست طلب تیرے دامن انس تک جانے سے قاصر، شہوت و غفلت کے حجابوں نے ہماری بصیرت کو تیرے جمال جمیل سے محجوب کردیا ہے اور حبّ دنیا اور شیطنت کے سیاہ پردوں نے ہمارے دلوں کو تیرے عز جلال کی طرف توجہ سے مجبور بنا رکھا ہے، راہ آخرت باریک ہے اور طریق انسانیت (تلوار کی دھار کی طرح) تیز اور ہم بے چارے (کمزور ہونے کے باوجود) گوشت خوری اور لذات دنیا کی فکر میں غلطاں ہیں. ہم ایسے حیرت زدہ ہیں کہ ریشم کے کیڑے کی طرح خواہشوں اور امیدوں کے تار اپنے اوپر تنے ہوئے اور عالم غیب اور محفل انس سے یکسر نظریں پھرائے ہوئے ہیں. (ایسی حالت میں نجات کا راستہ کوئی نہیں) سوائے اسکے کہ تو ہی بارقہ الہیہ سے ہمارے دل کی آنکھوں کو روشنی بخشے اور کسی غیبی چنگاری سے ہمیں خود سے بے خود بنا دے.

"الٰھی ھب لی کمال الانقطاع الیک، وانر ابصار قلوبنا بضیاء نظرھا الیک، حتیٰ تخرق ابصار القلوب حجب النور فتصل الی معدن العظمۃ وتصیر ارواحنا معلقۃ بعز قدسک [1]".

۱۔ " بار الہا! دنیاوی متعلقات سے خود تیری اپنی ذات کی طرف توجہ کے لئے مجھے کمال قطع تعلق عنایت فرما اور ہمارے ==

اما بعد، اب سے چند روز پہلے میں نے ایک رسالہ (۱) مرتب کیا تھا جس میں مقدور بھر اسرار صلاۃ درج کیے تھے۔لیکن چونکہ اس رسالہ کو عوام کے احوال سے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لیے میں نے سوچا کہ اس معراج روحانی کے کچھ قلبی آداب ضبط تحریر میں لاؤں،شاید برادران ایمانی کے لئے موجب تذکر اور میرے بے رحم دل کے لئے باعث تاثر ہو۔ خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں تاکہ وہ مجھے تصرف شیطان اور حصول خذلان سے بچائے " انہ ولی قدیر " وہی صاحب قدرت سرپرست ہے۔

اس کتاب کو میں نے

الف۔ ایک مقدمہ

ب۔ چند مقالات

اور ج۔ ایک خاتمہ

پر ترتیب دیا ہے۔

== دلوں کی آنکھوں تیری اپنی ذات کی طرف دیکھنے کے نور سے روشن کردے تاکہ دل کی آنکھیں نور کے پردوں کو چاک کر کے تیری عظمت وجلال کے خزانے تک پہنچ جائیں اور ہماری روحیں تیری عزت قدس سے معلق ہوجائیں۔"

مناجات شعبانیہ، بحار الانوار ج ۹۱ ص ۹۹۔

۱۔ کتاب سر الصلوۃ (معراج السالکین وصلوۃ العارفین کی طرف اشارہ ہے۔ جناب مؤلف قدس سرہ الشریف نے حمد وصلوۃ ودعا کے بعد یوں تحریر فرمایا ہے " وبعد، اس سرگشتہ حیرت وجہالت، وابستہ تعلقات انیت وانانیت، سرگرم بادہ خودی وخود پرستی، مقامات معنویہ وملک ہستی سے بے خبر نے خلوص کے ساتھ ارادہ کیا کہ اس روحانی سلوک اور ایمانی معراج میں اولیائے عظام کے چند روحانی مقامات کو رشتہ تحریر میں لاؤں ..." اس کتاب شریف کی تالیف کا اختتام ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۸ ہجری قمری کو ہوا جو ۱۹ خرداد ۱۳۱۸ ہجری شمسی کے مطابق تھی۔

مقدمہ

یاد رکھنا چاہیے کہ نماز کی عام ظاہری صورت کے علاوہ ایک معنوی صورت ہے اور اس ظاہر کے علاوہ ایک باطن ہے اور جس طرح ظاہر کے آداب ہیں، جن کا لحاظ نہ رکھنے سے یا نماز باطل ہوجاتی ہے یا ناقص رہ جاتی ہے (اور شکیات وسہویات کے احکام پر عمل کر کے اس کی تکمیل کرنا پڑتی ہے) اسی طرح باطن کے بھی قلبی و باطنی آداب ہیں جن کا لحاظ نہ رکھنے سے نماز معنوی باطل یا ناقص رہتی ہے اور ان کا لحاظ رکھنے سے نماز میں روح ملکوتی پیدا ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ باطنی قلبی آداب کا لحاظ رکھنے کی صورت میں نماز گزار کو اہل معرفت اور اصحاب قلوب کی نماز کا الٰہی رمز حاصل ہوجائے جو اہل سلوک کی آنکھوں کی ٹھنڈک (۱) اور معراج قرب محبوب کی حقیقت ہے (۲).

یہ جو کچھ بیان کیا گیا کہ نماز کا ایک باطن اور صورت غیبیہ ملکوتیہ ہے، علاوہ اس کے کہ برہان کی ایک ضرب کے موافق اور اصحاب سلوک وریاضت کے مطابق ہے، قرآنی آیات اور بے شمار عام اور خاص احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں. ہم بطور تبرک کچھ آیات واحادیث سے ان اوراق کو آراستہ کرتے ہیں.

۱۔ بعض روایات کی طرف اشارہ ہے جن میں ایک یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جعل قرة عینی فی الصلوة" فروع کافی، ج ۵ ص ۳۲۱، کتاب النکاح، باب حبّ النساء، حدیث ۷.

۲۔ حضرت رسالتمآبؐ کی ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے. آپؐ نے فرمایا "الصلوة معراج المؤمن" اعتقادات مرحوم علامہ مجلسی، ص ۲۹.

ارشاد الٰہی ہے: "یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضراً وما عملت من سوء تودّ لو ان بینها وبینه امداً بعیداً (۱) " آیۂ مبارکہ بتاتی ہے کہ ہر شخص اپنے اچھے اور برے اعمال کو حاضر دیکھے گا اور اس کی صورت باطنیۂ غیبیہ کا مشاہدہ کرے گا۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "ووجدوا ما عملوا حاضراً (۲) " ایک اور آیت میں ارشاد ہے: "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ... الخ (۳) " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔

احادیث شریفہ اس مقام پر اس قدر ہیں کہ یہ صفحات ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ہم کچھ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

وسائل میں اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: "من صلیٰ الصلوات المفروضات فی اول وقتها واقام حدودها، رفعها الملک الیٰ السماء بیضاء نقیّة؛ تقول: حفظک الله کما حفظتنی، استودعتنی ملکاً کریماً. ومن صلاها بعد وقتها من غیر علة ولم یقم حدودها، رفعها الملک سوداء مظلمة؛ وهی تهتف به: ضیّعتنی ضیّعک الله کما ضیّعتنی ولا رعاک الله کما لم ترعنی. (۴) "

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کو فرشتے اوپر آسمان پر لے جاتے ہیں یا پاکیزہ اور سفید

۱۔ "وہ دن جب ہر شخص اپنے عمل خیر کو حاضر دیکھے گا اور چاہے گا کہ اس کے اور اس برے عمل کے درمیان جو اس نے کیا دور و دراز فاصلہ ہوتا" سورۂ آل عمران / ۳۰۔

۲۔ "اور جو کچھ انہوں نے کیا اسے حاضر دیکھیں گے" سورۂ کہف / ۴۹۔

۳۔ "پس ہر شخص اگر اس نے ذرہ برابر بھی عمل کیا ہے تو اسے دیکھے گا" سورۂ زلزال / ۷۔

۴۔ "جو شخص واجب نمازوں کو اول وقت ادا کرتا ہے اور ان کے حدود کی حفاظت کرتا ہے، فرشتہ ایسی نماز کو سفید اور پاکیزہ شکل میں آسمان پر لے جاتا ہے۔ نماز (نماز گزار سے) کہتی ہے "خدا تیری محافظت کرے جس طرح تو نے میری محافظت کی۔ تو نے مجھے ایک بزرگ فرشتے کے حوالے کیا۔" اور جو شخص بے سبب نماز میں تاخیر کرتا ہے اور اس کے حدود کی محافظت نہیں کرتا، فرشتہ اس کی نماز کو سیاہ اور تاریک شکل میں آسمان پر لے جاتا ہے اور نماز بلند آواز میں (نماز گزار سے) کہتی ہے "تو نے مجھے ضائع کیا، خدا تجھے اسی طرح ضائع کرے جیسے تو نے مجھے ضائع کیا ہے اور خدا تیرے ساتھ اسی طرح رعایت نہ کرے جس طرح تو نے میرے ساتھ رعایت نہیں کی۔"" وسائل الشیعہ ج ۳ ص ۹۰۔ کتاب الصلوۃ۔ ابواب المواقیت۔ باب ۳۔ حدیث ۱۔ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)

شکل میں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اول وقت ادا ہوئی ہو اور آداب نماز کا لحاظ رکھا ہو، اس صورت میں نماز مصلّی کے لئے دعائے خیر کرتی ہے، اور یا تاریک اور سیاہ شکل میں، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب نماز کی ادائیگی میں بغیر کسی عذر کے تاخیر کرے اور اس کے حدود کا لحاظ نہ رکھے، اس صورت میں نماز اس پر نفرین کرتی ہے۔

یہ حدیث علاوہ اس کے کہ نماز کی غیبی ملکوتی صورتوں کو بتاتی ہے، نماز کی حیات پر بھی دلالت کرتی ہے۔ جب کہ اس پر برہان بھی قائم ہے اور آیات واخبار بھی یہی بتاتی ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: " وان الدار الآخرة لھی الحیوان (۱) " مذکورہ حدیث کے مضمون کے مطابق اور بھی احادیث ہیں، مگر اختصار کے خیال سے ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ " جب بندۂ مؤمن قبر میں داخل ہوتا ہے تو نماز اس کے داہنی جانب اور زکات بائیں جانب ہوتی ہے اور اس کی نیکی اس پر سایہ کیے ہوتی ہے اور صبر ایک گوشہ میں ہوتا ہے۔ جب وہ دو فرشتے آتے ہیں جو سوال پر مؤکل ہیں اس وقت صبر، نماز، زکات اور نیکی سے کہتا ہے " اپنے رفیق کی مدد تمہاری ذمہ داری ہے اور اگر تم مدد کرنے سے عاجز ہو تو میں اس کے ساتھ موجود ہوں (۲) " اس حدیث شریف کو کافی میں دو طریقوں سے نقل کیا گیا ہے اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے ثواب الاعمال میں اسے روایت کیا ہے۔ واضح ہے کہ یہ حدیث اعمال کی غیبی اور برزخی صورتوں اور ان کی حیات اور ان کے شعور پر دلالت کرتی ہے۔

اور قرآن کے ملکوتی صورت اختیار کرنے، اسی طرح نماز کے ملکوتی صورت اختیار کرنے کے بارے میں کثرت سے حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

یہ جو کہا گیا کہ نماز اور تمام عبادات کے لئے ان آداب صوریہ کے علاوہ کچھ آداب قلبیہ ہیں جن کے بغیر یا تو نماز ناقص رہ جاتی ہے یا اصلاً مقبول بارگاہ نہیں ہوتی۔ اس کتاب کے صفحات میں آداب

۱۔ " یقیناً سرائے آخرت (حقیقی) زندگی (کی سرائے) ہے " سورۂ عنکبوت / ۶۴۔

۲۔ اصول کافی ج ۳ ص ۱۴۳، کتاب الایمان والکفر، باب الصبر، حدیث ۸۔ ثواب الاعمال، ص ۲۰۳، ثواب الصلوۃ والزکوۃ والبر والصبر، حدیث ۱۔

قلبیہ کے شمار کے وقت ذکر کیا جائے گا انشا اللہ ۔

اس مقام پر جو بات جاننے کی ہے وہ یہ ہے کہ صورت وقشر نماز پر اکتفا کرنا اور اس کے باطنی کمالات وبرکات سے محروم رہنا، جو ابدی سعادتوں کا موجب بلکہ جوار ربّ العزت کا باعث اور محبوب مطلق کے وصال کے مقام تک بلندی حاصل کرنے کا وہ زینہ ہے، جو اولیاء کی امیدوں کی انتہا اور اصحاب معرفت وارباب قلوب کی آخری آرزو ہے، بلکہ سید المرسلین صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خنکی چشم ہے (۱) نقصان وزیاں کاری کا وہ آخری درجہ ہے جو اس عالم سے نکلنے اور محاسبہ الہیٰہ میں وارد ہونے کے بعد ایسی حسرتوں کا موجب ہو گا جن کے ادراک سے ہماری عقل عاجز ہے۔ ہم جب تک عالم ملک کے حجاب اور مادیات کے پردہ میں ہیں اس عالم کا ادراک نہیں کر سکتے اور (اس عالم میں رہ کر اس عالم کے بارے میں سوچنا ایسا ہی ہے جیسے) بہت دور سے آگ پر ہاتھ رکھ رہے ہوں (جس آگ کی حرارت کا واقعی ادراک نہیں کیا جاسکتا ہے)۔ اس سے زیادہ کون سی حسرت وندامت ہو سکتی ہے اور اس نقصان سے بڑا کونسا نقصان ہوسکتا ہے کہ جو چیز انسان کے کمال وسعادت کا وسیلہ اور قلبی نقائص کے درد کی دوا ہے اور حقیقت میں انسان کی صورت کمالیہ ہے، ہم چالیس پچاس سال اس کے لئے زحمتیں اٹھانے کے بعد بھی اس سے کسی قسم کا روحانی فائدہ نہ حاصل کر سکیں اور آسانی سے وہ وسیلہ سعادت، قلبی کدورت اور حجاب ظلمت بن جائے اور جو سید المرسلین (ص) کی خنکی چشم ہے وہی ہماری بصیرت کی کمزوری کا سبب ہوجائے "یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ (۲) "

لہذا اے عزیز! دامن ہمّت سے کمر کو باندھ لو، دست طلب بڑھاؤ اور کتنی ہی زحمت وپریشانی اٹھانا پڑے اپنے حالات کی اصلاح کرو، اہل معرفت کی نماز کے روحانی شرائط کی تحصیل کرو اور اس معجون الٰہی سے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشف تام سے حاصل ہوا ہے، استفادہ کرو اور خود کو جب تک موقع ہے، اس ظلمت وحسرت وندامت کی منزل اور ربوبیّت کے مقدس صحن سے دوری کے گہرے کنویں سے نکالو اور اپنے آپ کو معراج کمال اور قرب ووصال تک پہنچاؤ۔ کیونکہ اگر یہ وسیلہ

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۱۹ ۔

۲۔ " افسوس کہ خدا سے نزدیک ہونے (یا اس کی اطاعت) میں مجھ سے کوتاہی ہوئی " سورۂ زمر / ۵۶ ۔

ہاتھ سے نکل گیا تو دوسرے وسائل بھی خود بخود منقطع ہوجائیں گے " ان قبلت قبل ما سواها وان ردت رد ما سواها[1] "۔

ہم اس سلوک روحانی کے آداب باطنیہ کو جتنا آسان اور جیسا موقع و محل ہوگا بیان کریں گے، شاید کسی صاحب ایمان کو ان آداب میں سے کچھ نصیب ہوجائے اور یہی نصیب، شاید اس پسماندۂ طریق سعادت وانسانیت اور اسیر زندان مادیت وانانیت کے لئے رحمت الٰہی اور توجہ غیبی کا سبب بن جائے۔

انه ولیّ الفضل والعنایة

۱۔ " اگر نماز قبول کرلی گئی تو کل اعمال قبول کرلیے جائیں گے اور اگر نماز رد کردی گئی تو دوسرے اعمال بھی رد کردیے جائیں گے۔" فلاح السائل، ص ۱۲۷، بہ نقل از من لایحضرہ الفقیہ۔ منبع اخیر میں روایت یوں ہے " اول ما یحاسب به العبد عن الصلوة. فاذا قبلت قبل منه سائر عمله، واذا ردت علیه ردّ علیه سائر علمه۔" ج ۱، فضل الصلوة، باب ۳۰، حدیث ۵۔

مقالہ اولیٰ

وہ آداب جو نماز،

بلکہ تمام عبادات ومناسک کے تمام حالات میں لازم ہیں

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

عزت ربوبیّت اور ذلت عبودیّت

سالک طریق آخرت کے باطنی وظائف اور عبادات کے قلبی آداب میں سے ایک وظیفہ اور ایک ادب اس بات کی طرف توجہ ہے کہ عزت ربوبیّت کے لئے ہے اور ذلت عبودیت کے لئے۔ یہ توجہ سالک کی اہم منزلوں میں سے ایک منزل ہے، کیونکہ سلوک کی قوت اسی توجہ کی قوت کے برابر ہوتی ہے، بلکہ انسانیّت کا کمال اور نقص اسی کے کمال اور نقص کا تابع ہے اور جیسے جیسے انیّت وانانیّت اور خود بینی وخود خواہی انسان میں غلبہ کرتی جاتی ہے ویسے ویسے انسان کمال انسانیّت سے دور اور قرب ربوبیّت سے مہجور ہوتا جاتا ہے اور خود بینی وخود پرستی کا حجاب ہر قسم کے حجابوں سے دبیز تر اور تاریک تر ہے اور اس حجاب کو چاک کرنا تمام حجابوں کے چاک کرنے سے زیادہ مشکل اور تمام ہی حجابوں کے چاک کر سکنے کا مقدمہ ہے، بلکہ غیب وشہادت کی کنجیوں کی کنجی اور کمال روحانیّت کی طرف عروج کا باب الابواب (خود بینی وخود پرستی کے پردہ کا چاک ہونا) ہے۔ جب تک انسان صرف اپنی خودی اور اپنے کمال وجمال کے وہم میں کھویا رہے گا، جمال مطلق اور کمال صرف کے مشاہدہ سے محجوب ومہجور رہے گا۔

سلوک الی اللہ کی پہلی شرط اس منزل سے نکل جانا ہے، بلکہ ریاضت حق اور ریاضت باطل کو پرکھنے کا یہی معیار ہے۔ لہذا جو سالک انانیّت وخود بینی کے قدموں سے اور انیّت وخود خواہی کے حجابوں میں رہ کر سلوک کی منزل طے کرتا ہے اس کی ریاضت باطل ہے اور اس کا سلوک اللہ کی طرف نہیں، بلکہ نفس

کی طرف ہے" مادر بت ہا بت نفس شماست (۱) "۔

ارشاد پروردگار عالم ہے :" ومن يخرج من بيته مهاجراً الىٰ الله ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع اجره علىٰ الله (۲) "ہجرت صوری اور صورت ہجرت سے مراد جسم کے ساتھ منزل صوری سے کعبہ یا اولیاء کے مشاہد ومقابر کی طرف جانا ہے اور ہجرت معنوی بیت نفس اور منزل دنیا سے اللہ اور رسول (ص) کی طرف نکلنا ہے۔ رسول (ص) اور ولی کی طرف ہجرت بھی اللہ ہی کی طرف ہجرت ہے اور جب تک نفس کو اپنی خودی سے ذرا بھی تعلق اور انیت کی طرف کچھ بھی توجہ ہے وہ مسافر نہیں کہا جاسکتا اور جب تک سالک کی نظر میں بچی کھچی انانیت باقی ہے اور خودی کے شہر کی دیواریں اور خود خواہی کے اظہار کی آواز اذان کانوں میں آنا بند نہیں ہوجاتی تب تک اسے مسافر ومہاجر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ وہ حالت حضر میں ہے۔

مصباح الشریعہ میں ہے ، امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :" العبودية جوهرة كنهها الربوبية، فما فقد من العبودية وجد فى الربوبية، وما خفى من الربوبية اصيب فى العبودية (۳) "۔

جو شخص عبودیت کے قدموں سے سیر کرتا ہے اور ذلت بندگی کا داغ اپنی پیشانی پر لگاتا ہے وہ عزت ربوبیت تک پہنچنے کی راہ پیدا کرلیتا ہے۔ حقائق ربوبیت تک پہنچنے کا طریقہ مدارج عبودیت میں سیر کرنا ہے اور عبودیت میں جس قدر انیت وانانیت مفقود ہوتی جاتی ہے اسی قدر ربوبیت کی حمایت کے سائے میں ان (حقائق ربوبیت) کو پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کی

۱۔ " مادر بت ہا بت نفس شماست زانکہ آن بت مار واین بت اژدہاست " مولانا رومی
(سب بتوں کی ماں تمہارا نفس ہے کیونکہ وہ ہیں سانپ اور یہ اژدہا)۔

۲۔ " جو شخص اپنے گھر سے اس حال میں نکلے کہ وہ خدا ورسولؐ کی طرف ہجرت کررہا ہو اور اس حالت میں اسے موت آجائے تو اس کا اجر وثواب اللہ پر ہے۔" سورۂ نساء / ۱۰۰ .

۳۔ " بندگی ایسا جوہر ہے جس کا باطن ربوبیت ہے ۔ لہذا جس قدر بندگی حاصل نہیں ہوسکی ہے وہ ربوبیت میں موجود ہے اور جس قدر ربوبیت مخفی رہ جائے وہ بندگی میں حاصل ہوجاتی ہے۔" مصباح الشریعہ ، فی حقیقۃ العبودیۃ ، باب ۱۰۰ .

سماعت وبصارت اور اس کا ہاتھ اور پیر ہوجاتا ہے. جیسا کہ فریقین کے درمیان مشہور حدیث میں وارد ہوا ہے [1].

بندہ جب اپنے ذاتی تصرفات سے گزر جائے گا اور اپنے وجود کی سلطنت کو یکسر سپرد حق کردے گا اور گھر کو گھر کے مالک کے حوالہ کردے گا اور خود عزت ربوبیّت میں فنا ہوجائے گا، صاحب خانہ خود امور میں تصرف کردے گا، تو اس کے تصرفات، تصرفات الٰہی ہوجائیں گے، اس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہوجائے گی اور چشم حق سے دیکھنے لگے گی، اس کے کان اللہ کے کان ہوجائیں گے اور گوش حق سے سننے لگیں گے اور جس قدر نفس کی ربوبیّت کامل ہوتی جائے گی اور اس کی عزت منظور نظر ہوگی عزت ربوبیّت کے مقابلے میں اسی قدر شکستہ اور ناقص ہوتی جائے گی، کیونکہ یہ دونوں (ربوبیّت نفس اور ربوبیّت الٰہی) ایک دوسرے سے متقابل ومتضاد ہیں " الدنیا والآخرۃ ضرتان [2] ".

لہذا سالک الیٰ اللہ کے لئے ضروری ہے کہ خود کو حقیر وناچیز سمجھے اور ذلت عبودیت اور عزت ربوبیّت کو اپنا نصب العین بنائے. یہ نصب العین جتنا قوی ہوتا جائے گا عبادت اسی قدر زیادہ روحانی ہوتی جائے گی اور روح عبادت زیادہ سے زیادہ قوی، یہاں تک کہ دستگیری حق اور اولیائے کاملین علیہم السلام کی مدد سے اگر عبودیت کی حقیقت تک پہنچ سکا تو ایک لحہ کی عبادت کا راز پالے گا اور تمام عبادات میں، خصوصاً نماز میں جو جامعیّت کا رخ رکھتی ہے اور عبادات میں اس کی منزل انسان کامل جیسی ہے اور اسم اعظم کا مقام رکھتی ہے بلکہ خود اسم اعظم ہے. یہ دو مقام، یعنی مقام عزت ربوبیّت کہ حقیقت ہے اور مقام ذلت عبودیت جو اس کا رقیقہ ہے، ہی مرموز ہیں.

اعمال مستحبہ میں "قنوت" اور اعمال واجبہ میں "سجدہ" کو ایک خصوصیّت حاصل ہے جس کی

۱۔ روایت "قرب نوافل" کی طرف اشارہ ہے " وانہ لیتقرب الیّ بالنافلة حتی احبه، فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ولسانه الذی ینطق به ویده التی یبطش بها ؛ ان دعانی اجبته وان سالنی اعطیته..." اصول کافی ج ۴ ص ۵۳، کتاب الایمان الکفر، باب من اذی المسلمین احتقرهم، روایت ۷ و ۸.

۲۔ " دنیا وآخرت ایک دوسرے کی سوکنیں ہیں" عوالی اللئالی ج ۱ ص ۲۷۷ و ج ۴ ص ۱۱۵ اور نہج البلاغہ فیض الاسلام، حکمت ۱۰۰.

طرف بعد میں انشا اللہ ہم اشارہ کریں گے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ عبودیت مطلقہ انسانیت کے بلند ترین مراتب کمال اور رفیع ترین مقامات میں سے ہے اور اصلی طور پر کامل ترین خلق خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اتباع میں دوسرے اولیاء کاملین کے علاوہ کسی اور کا اس مرتبہ ومقام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ دوسروں کا پائے عبودیت عاجز اور ان کی عبادت و بندگی بیمار ہے اور قدم عبودیت کے بغیر معراج حقیقی مطلق تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اسی لئے آیہ مبارکہ میں ارشاد ہے "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ (۱) " بندگی کے قدم اور ربوبیّت کی کشش نے اس ذات مقدس کو معراج قرب ووصول تک سیر کرائی۔

نماز کے تشہد میں، جو اس فنائے مطلق سے واپسی ہے جو سجدہ میں حاصل ہوئی تھی، پھر رسالت کی طرف توجہ سے پہلے عبودیت کی طرف توجہ کرنا ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہ توجہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ مقام رسالت بھی حقیقی عبودیت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس مفہوم کی ایک طولانی تفصیل ہے جس کا بیان اس کتاب کے مقصد تحریر سے خارج ہے۔

۱۔ " پاک ہے وہ جس نے اپنے بندہ کو سیر کرائی " سورۂ اسراء ۱/ ۔

فصل دوم

مقامات اہل سلوک کے مراتب

اہل سلوک کے اس مقام عبودیت اور دوسرے تمام مقامات کے بے شمار مدارج و مراتب ہیں. ہم بعض مراتب کا بطور کلی ذکر کرتے ہیں، کیونکہ تمام پہلوؤں کا احاطہ اور تمام مراتب کا احصاء ہماری ذمہ داری سے (اس کتاب کے اختصار کے مقصد کے پیش نظر) باہر ہے. "الطرق الیٰ اللہ بعدد انفاس الخلائق [1]".

علوم عالیہ اور حکمت متعالیہ میں یہ واضح ہو چکی ہے کہ خانہ ہستی اور دائرۂ وجود کل کا کل صرف باہمی ربط و تعلق اور فقر و فاقہ ہے. عزت اور ملک و سلطنت صرف ذات پاک کبریا کے لئے ہے. اس کے سوا کسی اور کو عزت و کبریائی سے کچھ نصیب نہیں. اس کے علاوہ عبودیت کی ذلت اور فقر و احتیاج ہر ایک کی پیشانی پر ثبت اور ہر ایک کی اصل حقیقت میں ثابت و موجود ہے. یہی عرفان و شہود کی حقیقت ہے اور یہی ریاضت و سلوک کا نتیجہ کہ حقیقت کے چہرے سے حجاب ہٹیں اور عبودیت اور اصل فقر کی ذلت خود میں

۱۔ "مخلوقات کی سانسوں کی برابر اللہ کی طرف جانے کی راہیں ہیں" پیغمبرؐ کی طرف منسوب حدیث ہے. جامع الاسرار و منبع الانوار، سید حیدر آملی، ص ۸، ۹۵، ۱۲۱ نیز "گلشن راز" پر شرح لاہیجی، ص ۱۵۳؛ نقد النصوص، ص ۱۸۵؛ منہاج الطالبین، ص ۲۲۱؛ الاصول العشرۃ، ص ۲۱.

اور تمام موجودات میں نظر آئے ۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف منسوب دعا " اللھم ارنی الاشیاء کما ھی (۱) " شاید ایسی مقام کی طرف اشارہ ہے، یعنی ذلت عبودیت کے مشاہدہ کی آرزو جس سے لازمی طور پر عزت ربوبیت کا مشاہدہ ہوتا ہے ۔

لہذا اگر راہ حقیقت کا سالک اور طریق عبودیت کا مسافر سلوک علمی کے قدم سے اور سیر فکری کی سواری پر اس منزل کو طے کرلے تو " حجاب علم " میں پہنچ جاتا ہے اور انسانیت کے پہلے مقام کو پالیتا ہے ۔

لیکن یہ حجاب بہت گہرا ہے ۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ " العلم ھو الحجاب الاکبر (۲) " سالک کو اس حجاب میں ٹھہرا نہ رہنا چاہئے اور اسے چاک کردینا چاہئے ۔ ہوسکتا ہے کہ اسی مقام پر قناعت کرنے اور دل کو اسی زندان میں مقید رہنے دینے سے استدراج میں پڑجائے ۔ استدراج کا مطلب اس مقام پر یہ ہے کہ علم کے کثیر فروعی مسائل میں مشغول ہوجائے اور اس مقصد کے لئے جولان فکری کے ذریعہ کثرت سے براہین تو قائم کرلے لیکن دوسرے منازل سے محروم ہوجائے ۔ اس کا دل اسی مقام پر پڑا رہ جائے اور اس مطلوب نتیجہ سے غافل ہوجائے جو وصول " الیٰ فناء اللہ " (اللہ کے لئے فنا ہونے کے مقام تک پہنچنا) ہے اور اپنی عمر برہان اور اس کے شعبوں کے حجاب ہی میں صرف کرتا رہے ۔ فروع جتنے کثیر ہوتے جائیں گے حجاب اسی قدر زیادہ ہوتے جائیں گے اور حقیقت سے محجوبی اتنی ہی بڑھتی جائے گی ۔ لہذا سالک کو چاہئے کہ اس مقام پر شیطان کے دھوکہ میں نہ آئے اور برہان کی کثرت وفراوانی اور قوت کی وجہ سے حق و حقیقت سے محجوب نہ ہو اور طلب میں سیر کرنے سے رک نہ جائے ۔ دامن ہمت سے کمر کو باندھے اور کوشش و کاوش کے ساتھ مطلوب حقیقی کی تلاش سے غفلت نہ برتے اور خود کو آگے مقام تک پہونچائے جو (علم سے آگے) دوسرا مقام ہے ۔

دوسرا مقام یوں ہے کہ جو کچھ عقل نے قوت برہان اور سلوک علمی سے دریافت کیا ہے اسے عقل

۱۔ " خدایا ! اشیاء (اور امور) جیسے وہ ہیں ، مجھے دکھا ۔ " عوالی اللئالی میں روایت ہے " اللھم ارنی الحقائق کما ھی " پالنے والے ! حقیقتوں کو مجھے ویسے ہی دکھا جیسے وہ ہیں ۔ اور اسی کتاب کی تعلیق میں شرح کبیر فخر رازی ، ج ۶ ، ص ۲۶ سے اور مرصاد العباد ، ص ۳۰۹ سے " ارنا الاشیاء کما ھی " نقل کیا گیا ہے ۔

۲۔ " علم سب سے بڑا حجاب ہے " ۔

کے قلم سے دل کے صفحہ پر تحریر کرے اور ذلت عبودیت اور عزت ربوبیت کی حقیقت کو دل تک پہنچائے اور علم کے قیود و حجابات سے فارغ ہوجائے. ہم اس مقام کی طرف عنقریب اشارہ کریں گے، انشا اللہ. لہذا مقام دوم تک پہنچنے کا نتیجہ "حقائق پر ایمان" کا حصول ہے.

مقام سوم، مقام "اطمینان وطمانینت نفس" ہے جو در اصل ایمان کا کامل مرتبہ ہے. خداوند عالم نے اپنے خلیلؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اولم تؤمن ؟ قال بلیٰ ولکن لیطمئنّ قلبی [۱]" شاید اس مرتبہ کی طرف اشارہ بھی اس کے بعد میں آئے.

مقام چہارم، مقام "مشاہدہ" ہے جو ایک نور الہی اور تجلی رحمانی ہے جو تجلیات اسمائیہ وصفاتیہ کے تحت سالک کے باطن میں ظہور کرتی ہے اور اس کے سارے دل کو نور شہود سے روشن کردیتی ہے. اس مقام میں بہت درجات ہیں. اس مختصر کتاب میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے. اس مقام پر ایک نمونہ قرب نوافل (کنت سمعه وبصره ویده [۲]) کا ظاہر ہوتا ہے اور سالک خود کو ایک دریائے ناپیدا کنار میں مستغرق پاتا ہے. اس کے بعد ایک اور انتہائی عمیق دریا ہے جس میں مستغرق ہونے سے اسرار "قدر" میں سے شمہ بھر کا کشف ہوجاتا ہے.

ان مقامات میں سے ہر مقام کا اسی مقام سے مختص الگ الگ استدراج ہے. جس میں سالک کو ایک بڑی ہلاکت سے سابقہ ہوتا ہے. سالک کو چاہئے کہ ہر مقام میں خود کو انیت وانانیت سے خالی رکھے اور خود بین وخود خواہ نہ ہونے پائے کہ اکثر مفاسد کا سرچشمہ یہی ہے، خصوصاً سالک کے لئے. اس مطلب کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے.

۱۔ "خدائے تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیمؑ سے خطاب کیا: "کیا ایمان نہیں لائے ؟ کہا: کیوں نہیں، لیکن (یہ تقاضا) اس لئے ہے کہ میرا دل اطمینان وراحت پائے." سورۂ بقرہ / ۲۶۰.

۲۔ حاشیہ نمبر ۱ ص ۲۹.

فصل سوم

خشوع

تمام عبادات خصوصاً نماز میں، جو تمام عبادات میں برتر اور مقام جامعیت رکھتی ہے، جن امور کا لحاظ سالک کے لئے لازم ہے ان میں ایک "خشوع" ہے. اس کی حقیقی تعریف ہے "ایسا خضوع یعنی تواضع جس میں محبت یا خوف شامل ہو" خشوع تب حاصل ہوتا ہے جب عظمت وسطوت اور جلال وجمال کی ہیبت کا ادراک ہوجائے.

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اہل سلوک کے قلوب جبلت وفطرت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں: چنانچہ بعض قلوب "قلوب عشقی اور مظاہر جمال" ہوتے ہیں. لہذا فطری طور پر جمال محبوب کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور سلوک میں جب ظل جمیل (صاحب جمال کا سایہ) یا اصل جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو سر جمال میں پوشیدہ عظمت انہیں محو کردیتی ہے اور خود سے بیخود بنا دیتی ہے. چونکہ ہر جمال میں ایک جلال اور ہر جلال میں ایک جمال پوشیدہ ہے. ممکن ہے حضرت مولائے عارفین، امیر مؤمنین وسالکین نے شاید اسی کی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہو: "سبحان من اتسعت رحمته لاولیائه فی شدة نقمته واشتدت نقصته لاعدائه فی سعة رحمته [1] " لہذا جمال کی ہیبت وعظمت وسطوت ان پر

---

[1] "پاک ہے وہ جس کا عذاب اور انتقام شدید ہے اور اس حال میں اس کی رحمت اس کے دوستوں پر چھائی ہے اور حالانکہ اس کی رحمت کا دائرہ وسیع ہے اس کا عذاب وانتقام اس کے دشمنوں پر سخت ہے" نہج البلاغہ، ص ۲۱۵، خطبہ ۸۹.

چھا جاتی ہے اور جمال محبوب کے سامنے ان کے اندر حالت خشوع پیدا ہوجاتی ہے. ابتدا میں یہ حالت دل میں تزلزل واضطراب پیدا کرتی ہے اور سنبھلنے کی قوت حاصل ہونے کے بعد حالت انس میں بدل جاتی ہے. وحشت واضطراب، جو عظمت وسطوت سے پیدا ہوا تھا انس وسکینہ کا رخ اختیار کرلیتا ہے اور حالت طمانینت پیدا ہوجاتی ہے. چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی یہی حالت تھی.

بعض قلوب " خوفی اور مظاہر جلال " ہوتے ہیں. یہ ہمیشہ عظمت وکبریائی اور جلال کا ادراک واحساس کرتے ہیں اور ان کا خشوع " خوفی " ہوتا ہے اور اسمائے قہریہ وجلالیہ ان کے قلوب پر جلوہ ریزی کرتے رہتے ہیں. چنانچہ حضرت یحییٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام ایسے ہی تھے.

لہذا خشوع کبھی محبت سے مخلوط ہوتا ہے اور کبھی خوف ووحشت میں ممزوج. اگرچہ ہر محبت میں ایک وحشت اور ہر خوف میں ایک محبت ہوتی ہے.

خشوع کے مراتب عظمت وجلال اور حسن وجمال کے ادراک کے مطابق قائم ہوتے ہیں اور چونکہ ہم جیسے لوگ نور مشاہدات سے محروم ہیں، مجبوراً لازم ہے کہ ہم علم یا ایمان کے راستہ سے خشوع حاصل کرنے کی فکر میں رہیں. خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے :" قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون [۱] " نماز میں خشوع کو ایمان کے حدود اور علامات میں قرار دیا گیا ہے. لہذا جو شخص خشوع کے بغیر نماز ادا کرے، وہ ارشاد خداوندی کی بنا پر اہل ایمان کے دائرہ سے خارج ہے اور ہم لوگوں کی نمازیں جو خشوع کے بغیر ہوتی ہیں اس کا سبب یا نقصان ایمان ہے یا فقدان ایمان. (یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ) اعتقاد وعلم اور ہے اور ایمان اور. اس طرح حق اور اسماء وصفات کا جو علم ہم میں پیدا ہوجاتا ہے وہ ایمان کے علاوہ کچھ اور ہے. شیطان ذات مقدس حق کی شہادت کے ساتھ ہی مبدا ومعاد کا علم رکھتا ہے اس کے باوجود کافر ہے " خلقتنی من نار وخلقته من طین [۲] " کہتا ہے لہذا حق تعالیٰ کی خالقیت کا اقرار ہے " انظرنی الیٰ یوم یبعثون [۳] " کہتا ہے لہذا معاد کا اعتقاد رکھتا ہے. کتب ورسل اور ملائکہ کا علم

۱۔ " ضرور وہ مؤمنین کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں خاشع ہیں " سورۂ مؤمنون / ۲۰۱ .

۲۔ " تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے " سورۂ اعراف / ۱۲ .

۳۔ " مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے " سورۂ اعراف / ۱۴ .

اس کو ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود خدا نے اس کو کافر کہہ کر خطاب کیا ہے اور اہل ایمان کی فہرست سے خارج کردیا ہے۔

لہذا اہل علم اور اہل ایمان ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ہر صاحب علم صاحب ایمان نہیں ہے۔ لہذا سلوک علمی سے آگے بڑھ کر خود کو مؤمنین کے زمرہ میں شامل کرنا ضروری ہے اور حق جل جلالہ کی عظمت اور اس کے جلال و جمال کو دل میں جگہ دینا لازم ہے تاکہ قلب "خاشع" ہوجائے۔ ورنہ محض علم سے خشوع نہیں پیدا ہوتا۔ جیسا کہ تم خود کو دیکھتے ہو کہ مبدا و معاد اور عظمت و جلال حق کے اعتقاد کے باوجود تمہارا دل خاشع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق (۱)" اس آیت میں شاید ایمان سے ایمان صوری مراد ہو یعنی ان چیزوں کا اعتقاد جو نبی (ص) لے کر آئے۔ ورنہ ایمان حقیقی کے لئے کم سے کم خشوع کے ایک مرتبہ پر پہنچنا لازم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیۂ کریمہ میں خشوع سے مراد خشوع اپنے پورے مراتب کے ساتھ مراد ہو۔ جیسے عالم کا اطلاق کبھی اس صاحب علم پر ہوتا ہے جو حدّ علم سے بڑھ کر حدّ ایمان تک پہنچ چکا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیہ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (۲)" میں علما سے ایسے ہی علما کی طرف اشارہ ہو۔

کتاب و سنت کی زبان میں علم و ایمان و اسلام کا اطلاق مختلف مراتب پر ہوا ہے۔ مگر ان کا بیان اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

مختصر یہ کہ سالک طریق آخرت کے لئے لازم ہے کہ اپنے دل کو علم و ایمان کی روشنی سے خاشع بنائے، خصوصاً نماز کے ذریعہ اور اس الٰہی گداز اور رحمانی نور کو، جتنا ممکن ہو، دل میں متمکن و جاگزین کرے، بلکہ وہ اس حالت کو پوری نماز میں باقی رکھ سکتا ہے۔ یہ حالت تمکن و استقرار ہم جیسوں کے لئے اگرچہ ابتدا میں کچھ مشکل اور دشوار معلوم ہوگی لیکن تھوڑی پابندی اور ریاضت قلب کے بعد آسان ہوجائے گی۔

۱۔ "کیا ایمان داروں کیلئے ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد اور قرآن کیلئے جو (خدا کی طرف سے) نازل ہوا ہے ان کے دل نرم ہو" سورۂ حدید / ۱۶۔

۲۔ "بندوں میں خدا کا خوف کرنے والے تو بس علما ہیں" سورۂ فاطر / ۲۸۔

میرے عزیز! کمال اور توشہ آخرت کا حصول شوق اور کوشش و کاوش چاہتا ہے اور مقصد جتنا بڑا ہوتا ہے اس کی راہ میں اتنی ہی بڑی کوشش مناسب ہوتی ہے اور یقیناً قرب الٰہی کی منزل معراج اور جوار ربّ العزت کا مقام تقرب سستی و کاہلی، آرام طلبی وسہولت پسندی سے ہاتھ نہیں آتا۔ مردانہ وار مقصد تک پہنچنے کے لئے اٹھ کھڑے ہونا چاہیے۔

آپ تو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس عالم کو اس عالم پر کسی طرح سے بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سعادت و کمال کا رخ ہو یا شقاوت و وبال کا رخ، کیونکہ وہ عالم ابدی اور دائمی ہے جس میں موت اور فنا کچھ نہیں۔ جو وہاں سعادت مند ہوگا وہ ہمیشہ کے لئے راحت اور عزت و نعمت پائے گا۔ راحت ایسی جس کی مثال اس دنیا میں نہیں ہے۔ عزت و سلطنت الٰہی کہ یہاں اس کی نظیر نہیں۔ نعمتیں ایسی جو قوت متخیلہ میں آنہیں سکتیں۔ اسی طرح وہاں کی شقاوت کا رخ ہے۔ وہاں کے عذاب و عقاب اور وبال کی بھی اس دنیا کے آفات و مصائب سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

سعادت تک پہنچنے کی راہ اطاعت ربّ العزت ہے اور تمام طاعتوں اور عبادتوں میں کوئی طاعت اور کوئی عبادت اس نماز کے برابر مرتبہ نہیں رکھتی جو سعادتوں کا ایسا جامع الٰہی معجون ہے جو سعادت انسانی کا کفیل ہے اور جس کی قبولیت پر تمام اعمال کی قبولیت کا انحصار ہے۔

لہٰذا اس کو حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کرنا چاہیے اور اس کوشش میں کوئی کمی نہ کرنا چاہیے۔ اس راہ میں تکلیفوں اور مشقتوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ حالانکہ یہ کوئی مشقت کا کام بھی نہیں ہے، بلکہ اگر ذرا پابندی کرلی جائے اور دل کو مانوس بنالیا جائے تو اسی دنیا میں اللہ سے مناجات اور راز و نیاز کی وہ لذت حاصل کی جاسکتی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی لذت نہیں آسکتی۔ جیسا کہ اہل مناجات کے احوال کے مطالعہ سے یہ بات واضح و روشن ہوجاتی ہے۔

الغرض اس فصل میں ہمارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان نے برہان اور دلیل سے یا انبیا علیہم السلام کے بیانات سے جمال و جلال حق کی عظمت کو سمجھ لیا تو قلب کو اس کی یاد دہانی کرانا چاہیے اور دھیرے دھیرے تذکر و توجہ قلبی عظمت و جلال حق کی عظمت کے ذکر کی مداومت سے دل میں خشوع پیدا کرنا چاہیے تاکہ وہ نتیجہ حاصل ہو جو مطلوب ہے۔ سالک کو چاہیے کہ کسی حال میں بھی سالک کو اس مقام پر

قناعت نہ کرلینا چاہیے جس کو اس نے پالیا ہے، کیونکہ جو مقام بھی ہم جیسے لوگوں کو حاصل ہو جائے، اہل معرفت کے بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور اصحاب قلوب کی نظر میں رائی کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ سالک کو چاہیے کہ تمام حالات میں اپنے نقائص و معائب کو دیکھتا رہے تاکہ سعادت تک پہنچنے کی کسی راہ کے کھلنے کا امکان پیدا ہو سکے۔

والحمد للّٰہ

فصل چہارم

طمانینت

قلبی عبادات کے اہم آداب میں، خصوصاً وہ عبادات جن میں (زبان سے) ذکر خدا کیا جاتا ہے، ایک ادب "طمانینت" ہے۔ یہ طمانینت اس طمانینت کے علاوہ ہے جس کو فقہا رضوان اللہ علیہم نے نماز میں خصوصیت کے ساتھ معتبر جانا ہے۔ قلبی عبادات کی طمانینت یہ ہے کہ سالک عبادت کو سکون قلب اور اطمینان خاطر کے ساتھ بجالائے، کیونکہ اگر عبادت اضطراب اور گھبراہٹ کی حالت میں ادا کی گئی تو دل ایسی عبادت سے متاثر نہیں ہوگا اور دل کی آسمانی مملکت میں عبادت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا اور حقیقت عبادت قلب کی باطنی صورت میں نہیں آسکے گی۔

عبادات کی تکرار اور کثرت اوراد واذکار میں ایک راز یہ بھی ہے کہ اس سے عبادات واذکار میں تاثیر پیدا ہوتی ہے اور عبادت گزار اور پابند اذکار ان سے متاثر ہوتا ہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ذکر وعبادت کی حقیقت ذات سالک کے باطن میں متشکل ہوجاتی ہے اور اس کا قلب روح عبادت سے متحد ہوجاتا ہے (یعنی قلب اور روح عبادت دونوں ایک ہوجاتے ہیں)۔

جب تک قلب کو سکون واطمینان اور طمانینت ووقار حاصل نہ ہوگا اس وقت تک اذکار ونسک بے اثر رہیں گے اور ظاہر اور ملک بدن کی حد سے آگے بڑھ کر ملکوت اور باطن نفس میں سرایت نہ کر پائیں گے اور حقیقت عبادت کے قلبی سعادت کے حقوق ادا نہ ہوسکیں گے۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ ذرا غور کرنے

سے معلوم ہوجاتی ہے. زیادہ بیان کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر عبادت اس انداز سے کی جائے کہ قلب کو اس کی کچھ خبر ہی نہ ہو اور باطن پر اس کے اثرات مترتب نہ ہوں تو دوسرے عالم میں محفوظ نہیں رہے گی اور عالم ملک سے عالم ملکوت کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکے گی اور ممکن ہے مرض الموت کی سختیوں، احتضار کے ہولناک لمحوں اور موت کے بعد کے آفات ومصائب میں خدا نخواستہ اس کی صورت بالکل ہی صفحہ قلب سے مٹ جائے اور انسان خالی ہاتھ بارگاہ قدس الٰہی میں پہنچے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ذکر شریف "لا الہ الا اللہ ، محمد رسول اللہ" کو سکون قلب اور اطمینان نفس کے ساتھ ادا کرے اور قلب کو اسی ذکر کی تعلیم دے تو آہستہ آہستہ دل کی زبان گویا ہونے لگے گی اور زبان ظاہر زبان قلب کی تابع ہوجائے گی، نتیجہ میں پہلے قلب ذکر کیا کرے گا پھر زبان۔

اسی مفہوم کی طرف امام جعفر صادق علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔ "مصباح الشریعہ" میں روایت ہے، آپ نے فرمایا: "فاجعل قلبک قبلة للسانک، لاتحرکه الا باشارة القلب وموافقة العقل ورضی الایمان [1]"۔

اول جب زبان قلب گویا نہ ہوئی ہو، سالک راہ آخرت کو چاہئے کہ قلب کو سکھائے اور طمانینت وسکون کے ساتھ ذکر کر کے بتائے۔ زبان قلب کے کھلنے کے ساتھ ہی قلب زبان اور تمام اعضاء کا قبلہ ہوجائے گا اور اس کے ذکر کے ساتھ انسان کے وجود کی تمام مملکت ذاکر بن جائے گی۔

لیکن اگر یہ ذکر شریف سکون قلب وطمانینت کے بغیر اور جلد بازی واضطراب اور بے حواسی وبد حواسی میں ادا کیا تو دل پر کوئی اثر پیدا نہ ہوگا اور ظاہری حیوانی زبان اور کان سے بڑھ کر انسانی سماعت اور قلب تک نہ پہنچ سکے گا. اس کی حقیقت قلب میں جگہ نہ بنا سکے گی اور قلب کی ایسی صورت کمالیہ نہ بن سکے گا جس کا زائل ہونا ممکن نہیں ہوتا. ایسے میں اگر خوف وشدت کا سامنا ہو خصوصاً احتضار کا خوف اور شدائد اور جانکنی جیسی تکلیفیں، تو بالکل ہی وہ ذکر یاد سے نکل جائے گا اور صفحہ دل سے محو ہوجائے گا۔

۱۔ "اپنے قلب کو اپنی زبان کا قبلہ قرار دو، اشارۂ قلب، موافقت عقل اور رضائے ایمان کے بغیر زبان نہ ہلاؤ" مصباح الشریعہ، باب ۵ (فی الذکر)، مستدرک الوسائل، کتاب الصلوۃ، ابواب الذکر، باب النوادر، حدیث ۲۔

ذکر تو ذکر خدا و رسول (ص) ، دین اسلام، کتاب الٰہی، ائمہ ھدیٰ (ع) اور سارے ہی معارف جو زبان تک رہ گئے تھے اور دل تک نہیں پہنچے تھے فراموش ہوجائیں گے اور جب سوالات قبر کا وقت آئے گا تو کسی سوال کا جواب نہ بن پڑے گا. تلقین بھی کوئی فائدہ نہ دے گی. اس لئے کہ اپنے میں حقیقت ربوبیت و رسالت اور دوسرے معارف کا کوئی اثر نظر نہیں آئے گا اور جو کچھ یوں ہی زبان سے کہا تھا اور دل میں اس نے کوئی جگہ نہیں بنائی تھی وہ سب اس کے خیال سے نکل چکا ہوگا اور ربوبیت و رسالت اور دیگر معارف کی گواہی سے کچھ بھی نصیب نہ ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ امت رسول (ص) کے کچھ لوگ، جن کو داخل جہنم کیا جائے گا، مالک جہنم کی ہیبت سے رسول (ص) کا نام بھول جائیں گے. حالانکہ اسی حدیث میں ہے کہ یہ لوگ اہل ایمان ہوں گے اور ان کے دل اور صورتیں نور ایمان سے تابان و درخشاں ہوں گی (۱).

محدث عظیم الشان جناب مجلسی علیہ الرحمہ ، کتاب " مرآۃ العقول " میں حدیث " کنت سمعه و بصره " کی شرح تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :" جو شخص اپنی آنکھ، کان اور دوسرے اعضاء کو اطاعت حق تعالیٰ میں مصروف نہیں رکھتا وہ روحانی آنکھ نہیں رکھتا اور چونکہ یہ ملکی و جسمانی آنکھ، کان اس عالم میں نہیں جائیں گے لہذا وہ عالم قبر اور عالم قیامت میں آنکھ، کان کے بغیر ہوگا. میزان سوال و جواب قبر وہی اعضائے روحانی ہیں " (یہ جسمانی اعضاء نہیں) (۲).

الغرض اس طرح طمانینت اور اس کے اثرات کے بارے میں احادیث شریفہ بہت ہیں.

قرآن مجید میں ترتیل قرآن کا حکم دیا گیا ہے (یعنی ٹھہر ٹھہر کے تلاوت کرنے کا تاکہ دل میں اترتا چلا جائے) احادیث شریفہ میں ہے " جو شخص قرآن کے کسی سورہ کو بھول جائے، تو وہ بہشت میں ایسی صورت میں ہوگا جو اچھی نہ ہوگی، تو جب یہ شخص اس کو دیکھے گا، تو اس سے کہے گا : تو کیا ہے، تو کتنا اچھا ہے، کاش تو میرا ہوتا! تو وہ سورہ جواب دے گا : مجھے نہیں پہچانتا ؟ میں فلاں سورہ ہوں. اگر تو نے مجھے

۱۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۱۰۳۹ .

۲۔ مرآۃ العقول، ج ۱۰ ص ۳۹۲ .

بھلایا نہ ہوتا تو تجھے اس بلند درجے تک پہنچا دیتا (۱)"

حدیث میں ہے کہ "جو شخص جوانی میں قرآن پڑھتا ہے، تو قرآن اس کے گوشت اور خون میں مخلوط ہوجاتا ہے (۲)" اس میں نکتہ یہ ہے کہ جوانی میں دل کی مشغولیت اور کدورت کم ہوتی ہے اس لئے دل اس سے بہت زیادہ اور بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور اس کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں بہت حدیثیں ہیں جن کا ذکر ہم باب "قرائت" میں کریں گے انشا اللہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ "خدا کے نزدیک اس عمل سے زیادہ کوئی شے محبوب نہیں جو برابر کیا جاتا رہے، چاہے تھوڑا ہو (۳)" شاید اس میں بڑا نکتہ یہ ہو کہ برابر انجام دیا جانے والا عمل قلب کی باطنی صورت اختیار کرلیتا ہے۔جیسا کہ ذکر ہوچکا۔

۱۔ اصول کافی ج ۴، ص ۴۱۰، کتاب فضل القرآن، باب من حفظ القرآن ثم نسیہ، حدیث ۲۔

۲۔ اصول کافی ج ۴، ص ۴۰۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل حامل القرآن، حدیث ۴۔

۳۔ اصول کافی ج ۳، ص ۱۳۷، کتاب الایمان والکفر، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث ۲۔

فصل پنجم

شیطان کے تصرف سے عبادت کی محافظت

نماز اور تمام ہی عبادت کے اہم قلبی آداب میں سے ایک، جو قلبی آداب کی ایک اصل وبنیاد ہے اور اس کے لئے قیام کرنا ایک عظیم امر اور دقیق مشکل ہے، وہ تصرفات شیطانی سے محافظت ہے. شاید مؤمنین کی مدح میں آیۂ شریفہ کا ارشاد: "الذین هم علی صلواتهم یحافظون [1] " حفاظت کے تمام مراتب کی طرف اشارہ ہو جن میں سے ایک مرتبہ، بلکہ اہم ترین مرتبہ تصرف شیطان سے حفاظت ہے.

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اصحاب معرفت اور ارباب قلوب کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ جس طرح جسموں کے لئے جسمانی غذا ہوتی ہے جس سے جسم پرورش پاتا ہے اور یہ غذا جسم کی حالت کے مناسب اور اس کی نشو ونما کے موافق ہونی چاہئے تاکہ اس سے جسم کی تربیت ہو اور روئیدگی وبالیدگی میں کام آئے، اسی طرح دلوں اور روحوں کی بھی ایک غذا ہوتی ہے اور ان کی غذا بھی ان کے مناسب حال اور ان کی نشو ونما کے لائق ہونی چاہئے تاکہ دل اور روح کی تربیت ہو اور ان کی روئیدگی وبالیدگی میں کام آئے اور معنوی نمو اور باطنی ترقی میں کام آئے. روحوں کی پرورش کے مناسب غذا مبادی وجود کے مبدا سے لے کر نظام ہستی کی آخری انتہا تک کے الٰہی معارف ہیں. جیسا کہ فلسفہ کی تعریف میں بزرگ ارباب فن کہتے ہیں کہ:

۱۔ "جو لوگ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں" سورۂ معارج / ۳۴، مؤمنون / ۹.

هی صیرورۃ الانسان عالَماً عقلیاً مضاهیاً للعالَم العینیّ فی صورتہ و کمالہ (۱) اور یہ اسی معنوی پرورش کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ دلوں کی بالیدگی فضائل نفسانیہ اور مناسک الٰہیہ سے ہوتی ہے۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ اس طرح کی ہر غذا شیطانی تصرف سے پاک اور خالص ہونی چاہیے اور رسالت مآب حضرت رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ولایت مآب حضرت ولی اللہ الاعظمؑ کے دست حق پرست کی مہیا کی ہوئی ہونی چاہیے۔ ایسی ہی غذا سے روح ودل پرورش پا سکتے ہیں اور انسانیت کے کمال اور تقرب خدا کی معراج تک پہنچ سکتے ہیں۔

شیطانی تصرف سے چھٹکارہ اخلاص کا مقدمہ ہے اور یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک سالک اپنے سلوک میں خدا خواہ نہ ہو اور خود خواہی و خودپرستی کو جو تمام مفاسد کا سرچشمہ اور تمام باطنی بیماریوں کی ماں ہے، پائے حقارت سے کچل نہ دے۔ یہ اخلاص اپنے تمام معنی میں انسان کامل اور ان کے اتباع میں اولیائے خالصین علیہم السلام کے علاوہ کسی شخص کو میسر نہیں ہے لیکن سالک کو بہرحال حق تعالیٰ کے باطنی لطف وکرم سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی رحمت اور اس کی مہربانی سے مایوسی، ہر قسم کی افسردگی اور کاہلی وسستی کی اصل وبنیاد ہے اور سب سے بڑے گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ جیسا اور جتنا کچھ عام لوگوں کے امکان میں بھی ہے وہی ارباب معرفت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

لہٰذا سالک راہ آخرت کے لئے حتماً لازم ہے کہ جتنی کوشش وکاوش ممکن ہو، اپنے معارف ومناسک کو شیطان اور نفس امارہ سے بچانے میں صرف کردے اور پوری دقت نظر اور جذبہ تجسس کے ساتھ اپنے حرکات وسکنات اور طلب ومطلوب کے بارے میں غور کرے اور انتہائی سیر وتحصیل اور باطنی حرکات اور روحانی غذا کے مبادیات کو حاصل کرے اور نفس اور شیطان کی فریب کاریوں سے غافل نہ ہو اور اپنے تمام حرکات وافعال کے بارے میں اپنے آپ سے کامل سوء ظن رکھے اور خود کو ہرگز

۱۔ "فلسفہ، انسان کا عالم عقلی کے قالب میں آجانا ہے (اس طرح کہ صورت وکمال میں) جہان خارج کے مانند ہوجائے۔" ملا صدرا" اور ان کے پیروؤں نے فلسفہ کی یہی تعریف کی ہے اور ان میں سے چند لوگوں نے "فی صورتہ و کمالہ" کی قید کا بھی اضافہ کیا ہے۔

خود سر و آزاد نہ ہونے دے، کیونکہ اکثر ذرا سی غفلت اور ڈھیل انسان کو مغلوب کر دیتی ہے. زمین پر پٹخ دیتی ہے اور ہلاکت وفنا کی طرف کھینچ لے جاتی ہے. کیونکہ روحانی غذائیں اگر شیطانی تصرفات سے محفوظ نہ ہوں اور شیطانی ہاتھ ان کے فراہم کرنے میں دخیل ہو تو علاوہ اس کے کہ روح وقلب کو ان سے بالیدگی حاصل نہیں ہوتی اور اپنے کمال تک نہیں پہنچتے، ایک نہایت ہی برا اور بڑا نقصان ان میں پیدا ہوجاتی ہے اور ممکن ہے کہ ایسی غذائیں استعمال کرنے سے خود بھی شیطان بن جائے یا چوپایوں اور درندوں کے زمرہ میں خود کو شامل کرلے اور اس روحانی غذا کا جو سرمایہ سعادت ہے اور کمال انسانیت کا راس المال اور مدارج عالیہ تک پہنچنے کا زینہ ہے، برعکس نتیجہ سامنے آئے اور انسان کو بدبختی وشقاوت کے اندھیر جہنم کی طرف کھینچ لے جائے. چنانچہ بعض " اصطلاحی اہل عرفان " میں ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں. جن کو عرفانی اصطلاحات اور ان کے بارے میں غور وفکر ہی نے بے راہ وگمراہ کردیا. ان کے دلوں کو پست اور ان کے باطن کو تاریک کردیا اور معارف کی پابندی ہی نے ان کی انیّت وانانیّت کی قوت کو بڑھاوا دیا اور وہ ناشائستہ دعوے اور شرع کے مقابلہ میں گستاخیاں کرنے لگے. ارباب ریاضت اور اصحاب سلوک میں بھی ایسے افراد ہیں جن کی تصفیہ قلب میں مشغولیت وریاضت نے ان کے دلوں میں اور زیادہ خس وخاشاک بھر دیے اور ان کے باطن کو اور بھی تاریک بنا دیا.

ایسا اس لیے ہوا کہ انہوں نے سلوک معنوی اور مہاجرت الی اللہ کا خیال نہیں رکھا. ان کا علمی سلوک اور ان کی ریاضتیں میں شیطان اور نفس کے تصرفات کی وجہ سے اللہ کے لیے نہیں رہ گئی تھیں بلکہ شیطان اور نفس کے لئے تھیں.

علوم عقلیہ کے طلبہ کی طرح علوم نقلیہ شرعیہ کے طلبہ میں بھی ہم نے ایسے لوگ دیکھے جن پر علم نے برا اثر ڈالا ان میں اخلاقی مفاسد کا اضافہ کیا اور علم جو ان کی فلاح ونجاح کا باعث ہونا چاہیے تھا، ہلاکت کا سبب بن گیا اور انہیں جہالت، مرارات، سرکشی وغرور اور خودپسندی کی طرف کھینچ لے گیا.

اہل عبادت اور اہل مناسک اور آداب وسنن کی پابندی کرنے والوں میں بھی ایسے اشخاص ہیں جن کے دلوں کو عبادات ومناسک آلودہ اور تاریک کردیتی ہیں اور ان لوگوں کو خودپسندی اور خود بینی، تکبر، خودنمائی، فیشن پرست، بد اخلاق اور بندگان خدا سے بدگمانی میں مبتلا کردیتی ہیں. حالانکہ ان عبادات

ومناسک سے احوال ونفوس کی بہترین اصلاح ہونا چاہیے۔

یہ برائیاں بھی ان الٰہی معجونوں کو پابندی سے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یقیناً جو معجون شیطان خبیث کے ہاتھ لگ جائے اور نفس سرکش کے تصرف میں آجائے اس سے سوائے شیطانی بد اخلاقیوں کے اور کچھ بھی پیدا نہیں ہوگا اور جب دل ہر حال میں انہیں سے غذا حاصل کرتا رہے گا اور وہی نفس کی باطنی صورت بن جائیں گے اور اسی کی مداومت کے بعد انسان (آدمؑ کی اولاد ہونے کے بجائے) فرزند شیطان ہوجائے گا کیونکہ اسی کے ہاتھ کے نیچے تربیت پائے اور اسی کے تصرفات کے تحت اس کی نشو ونما ہوگی اور جب چشم ملکی بند ہوگی اور چشم ملکوتی کھلے گی تو اپنے آپ کو منجملہ اور شیطانوں کے ایک شیطان پائے گا اور اس وقت نقصان کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا اور اپنے حال پر حسرت وافسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

لہٰذا طریق آخرت پر چلنے والا ہر دینی رشتہ میں منسلک اور ہر الٰہی طریق کا راہی ہے ایک تو اس کو چاہیے کہ ایک ہمدرد طبیب اور مہربان تیماردار کی طرح پوری توجہ اور پابندی کے ساتھ اپنے حال کی نگہداری کرے اور اپنی سیر وسلوک کے عیوب اور کوتاہیوں کی گہرائی اور باریکی سے تفتیش کرے۔ دوسرے اس طرح سیر وسلوک کے درمیان تنہائیوں میں حق تعالیٰ کی ذات پاک سے خلوات میں پناہ مانگنے استغفار اور درگاہ ذوالجلال میں تضرع وزاری سے غافل نہ رہے۔

مالک! تو ہمارے ہماری کمزوریوں اور مجبوریوں سے واقف ہے، تو جانتا ہے کہ ہم تیری ذات پاک کی دستگیری کے بغیر اس دشمن کے ہاتھ سے بچ نکلنے کا راستہ نہیں رکھتے جو اتنا قوی وپر زور ہے کہ انبیاء کرام اور اولیائے والامقام کو بھی راہ سے بے راہ کرنے پر کمربستہ رہا ہے اور اگر تیرے لطف وکرم کی روشنی نہ ہو تو ہم کو یہ طاقتور دشمن ہلاک کرکے خاک میں ملا دے اور تاریکی وشقاوت کے لق ودق بیابان میں گرفتار کردے۔ تجھ کو اپنے خاصان درگاہ اور محرمان بارگاہ کی قسم ہے کہ ہم وادی ضلالت میں حیران وپریشان پھرنے والوں اور سرگردانی کے صحرا میں بھٹکنے والوں کی دستگیری فرما اور ہمارے دلوں کو کینہ ونفاق اور شرک وشک سے پاک رکھ۔

انک ولیّ الهدایة

فصل ششم

نشاط و بہجت

نماز اور دوسرے عبادات کے قلبی آداب میں ایک ادب، جو عمدہ نتائج کا سبب، بلکہ بعض ابواب کے کھلنے اور عبادت کے بعد اسرار کے کشف ہونے کا سبب ہے، یہ ہے سالک کوشش کرے کہ عبادات کو قلبی بہجت ونشاط اور دلی فرحت وانبساط کے ساتھ انجام دے اور عبادت کے وقت کاہلی وبے دلی سے سخت احتراز کرے۔ لہذا عبادت کے لیے ایسا وقت معین کرے کہ نفس عبادت کی طرف خوشی اور ذوق وشوق سے مائل ہو اور اس مصروفیت سے نشاط وتازگی محسوس کررہا ہو اور کوئی خستگی اور کسی قسم کا فتور نہ پیدا ہورہا ہو، کیونکہ اگر نفس کو کسالت اور خستگی کے وقت عبادت کی ذمہ داری سونپے گا تو ممکن ہے کہ اس کے برے اثرات پیدا ہوں۔ جن میں ایک برا اثر یہ ہوسکتا ہے کہ انسان عبادت سے بددل ہوجائے اور تکلف وتصنّع زیادہ ہوجائے اور دھیرے دھیرے نفس کی طبیعت میں تنفر پیدا ہوجائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان یکسر ذکر خدا ہی سے روگرداں ہوجائے اور روح کو مقام عبودیت سے، جو تمام سعادتوں کا مصدر ہے، رنجش وآویزش پیدا ہوجائے۔ ایسی عبادت سے نہ قلب نورانی ہوتا ہے اور نہ نفس متاثر ہوتا ہے اور صورت عبادت قلب کی باطنی صورت نہیں بن پاتی اور ایس سے قبل ہم بتا چکے ہیں عبادت کا مقصد یہ ہے کہ باطن نفس عبادت کی صورت بن جائے۔

اب ہم یوں کہتے ہیں کہ عبادتوں وریاضتوں کے اسرار ونتائج میں سے ایک یہ ہے کہ نفس کا ارادہ

ملک بدن میں نافذ ہو اور مملکت بدن پورے طور سے نفس کی بزرگی کے سامنے سرنگوں ہوجائے اور ملک بدن میں بکھری ہوئی قوتیں اور پھیلے ہوئے لشکر نافرمانی وسرکشی اور انانیت وخودسری سے باز رہیں اور باطن قلب کی طاقت وملکوت کے سامنے سر تسلیم خم کردیں، بلکہ رفتہ رفتہ ملکوت میں تمام قوتیں فنا ہوجائیں اور حکم ملکوت ملک بدن میں جاری ونافذ ہوجائے۔ نفس کے ارادہ کو قوت حاصل ہو اور عنان حکومت شیطان اور نفس امارہ کے ہاتھوں سے نکل کے نفس کے ہاتھ میں آجائے اور نفس کے لشکر ایمان سے تسلیم، تسلیم سے رضا اور رضا سے فنا کی طرف کھنچ آئیں۔ اس حال میں عبادت کے اسرار میں سے کچھ کا ادارک ہوگا اور تجلیات فعلی سے تھوڑا بہت حصّہ مل جائے گا۔

یہ جو کچھ بیان ہوا، اس وقت تک وجود میں نہیں آتا جب تک عبادت بہجت ونشاط کے ساتھ نہ بجالائی جائے اور تکلف وبددلی اور سستی وکاہلی پوری طرح کنارہ کشی نہ کرلی جائے۔ تاکہ ذکر حق اور مقام عبودیّت میں محبت وعشق کی کیفیّت پیدا ہوجائے اور انس وتمکّن ظاہر ہونے لگے۔ حق سے انس اور حق کا ذکر اہم امور میں سب سے عظیم ہے۔ جس کی اہل معرفت شدید حفاظت کرتے ہیں اور اصحاب سیر وسلوک اس کے لئے تنافس کرتے ہیں اور جس طرح اطبا کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر غذا خوشی اور میل طبعی کے ساتھ استعمال کی جائے تو بہت جلد ہضم ہوجاتی ہے۔ اسی طرح طبّ روحانی کا تقاضا ہے کہ اگر انسان روحانی غذائیں بہجت واشتیاق کے ساتھ استعمال کرے اور سستی وتکلف سے پرہیز کرے تو ان کا اثر دل پر جلدی ہوتا ہے اور باطن قلب کا جلد تصفیہ ہوجاتا ہے۔

عبادت کے اس ادب کی طرف اللہ کی کتاب کریم اور صحیفہ قویم میں اس جگہ اشارہ کیا گیا ہے جہاں کفار ومنافقین کی تکذیب کی گئی ہے " لا یاتون الصلاۃ الا وھم کسالیٰ ولا ینفقون الا وھم کارھون [۱] " اسی طرح یہ آیۂ شریفہ ہے "لا تقربوا الصلاۃ وانتم سکاریٰ [۲] "

ایک حدیث میں کسالت کی تفسیر کی گئی ہے اور روایات میں اس ادب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۔ "وہ نماز نہیں ادا کرتے مگر ملال اور سستی کی حالت میں، اور (راہ خدا میں) خرچ نہیں کرتے لیکن کراہت اور ناخوشی کے ساتھ"۔ سورۂ توبہ / ۵۴۔

۲۔ "مستی کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ"۔ سورۂ نساء / ۴۳۔

ہم ان اوراق میں بعض کا ذکر کرتے ہیں:

محمد بن یعقوب نے اپنے اسناد کے ساتھ حضرت ابو عبداللہ (ع) سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: " لا تکرھوا الیٰ انفسکم العبادۃ [۱] " اور حضرت ابو عبداللہ (ع) سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: " قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یا علیؑ: ان ھذا الدین متین، فاوغل فیہ برفق ولاتبغض الیٰ نفسک عبادۃ ربک [۲] " اور حضرت امام حسن عسکری (ع) سے حدیث ہے: " اذا نشطت القلوب فاودعوھا واذا نفرت فودعوھا [۳] ".

اور یہ ایک عام اور جامع دستور ہے کہ دلوں کی بہجت اور نشاط کے وقت ہی امانت ان کے سپرد کرتے ہیں اور نفرت وفرار کے وقت ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں. لہٰذا کسب علوم ومعارف میں بھی اس ادب کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور دلوں کو ان کی کراہت وتنفر کے باوجود زبردستی ذمہ داری نہ سونپنا چاہیے.

ان احادیث اور دوسری حدیثوں سے ایک اور ادب کا پتہ چلتا ہے اور وہ ادب بھی باب ریاضت کے اہم امور میں سے ایک ہے. اس کو " مراعات " کہتے ہیں. وہ یوں ہے کہ سالک علمی، نفسانی یا عملی جس ریاضات ومجاہدات کے جس مرتبہ میں بھی ہو، اپنے حال کی مراعات کرے اور اپنے نفس کے ساتھ رفق ومدارات اور نرمی کے ساتھ پیش آئے اور اپنی حالت اور طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہ تھوپے، خصوصاً جوانوں اور نئے عمل کرنے والوں کے لیے یہ انتہائی اہم ہے کہ اگر جوان اپنے نفس کے ساتھ رفق ومدارات نہ کریں اور طبعی حقوق کو بقدر ضرورت حلال طریقوں سے ادا نہ کریں تو بڑے خطرہ میں گرفتار ہوجائیں گے جن کا علاج نہ کیا جاسکے گا. وہ بڑا خطرہ یہ ہے کہ کبھی کبھی نفس عادت سے زیادہ سخت گیری

۱۔ " خود کو اکراہ کے ساتھ عبادت میں مصروف نہ کرو " اصول کافی، ج ۲ ص ۱۲۹ " کتاب الایمان والکفر " " باب استواء العمل والمداومۃ علیہ " حدیث ۳.

۲۔ " اے علیؑ! یہ دین متین واستوار ہے، نرمی اور مدارات کے ساتھ اس میں قدم رکھو اور اپنے پروردگار کی عبادت سے خود کو متنفر نہ کرو " اصول کافی، ج ۲ ص ۱۳۸ " کتاب الایمان والکفر " باب الاقتصاد فی العبادۃ " حدیث ۲.

۳۔ " جب دلوں میں بہجت ونشاط نظر آئے اس وقت امانت ان کے حوالہ کرو اور جب گریزاں دیکھو تو ان کو چھوڑ دو " بحار الانوار، ج ۷۵ ص ۳۷۷ " کتاب الروضۃ " باب ۲۹ حدیث ۳.

اور حد سے بڑھی ہوئی پابندی کی وجہ سے رسی تڑانے لگتا ہے اور زمام اختیار اپنے اختیار میں لے لیتا ہے اور طبیعت کے تقاضے جب موجزن ہوتے ہیں اور خواہش نفس کی تیز آگ جب بے اندازہ ریاضت کے دباؤ میں رہتی ہے تو قہری طور پر بھڑک اٹھتی ہے اور مملکت بدن کو جلا دیتی ہے اور اگر خدا نکردہ کوئی سالک بے مہار ہوجائے یا کوئی زاہد بے اختیار ہوجائے تو وہ سعادت کی بلندی سے تباہی کی گہرائی میں اس طرح گر پڑتا ہے کہ پھر کبھی نجات کی صورت نہیں دیکھ پاتا اور طریق سعادت وخلاص کی طرف کبھی لوٹ کے نہیں آتا۔

لہٰذا سالک کو چاہئے ایک ماہر طبیب کی طرح ایام سلوک میں اپنے نفس کی نبض پر ہاتھ رکھے رہے اور احوال وایام سلوک کے تقاضے کے مطابق نفس کے ساتھ پیش آئے اور اشتعال شہوت کے زمانے میں جو جوانی کا فریب ہے، طبیعت کو اس کے حقوق ولذات سے بالکل ہی روک نہ دے اور شرعی طریقوں کے مطابق آتش شہوت کو بجھا دے، کیونکہ طریق الٰہی کے مطابق شہوت کے بجھانا سلوک راہ حق میں مکمل طور سے تعاون کرتا ہے۔ لہٰذا نکاح وازدواج کرے جو اللہ کی معین کردہ عظیم سنتوں میں ہے اور نوع انسانی کی بقا کا ذریعہ ہونے کے علاوہ سلوک راہ آخرت میں بھی مناسب دخل رکھتا ہے۔ اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص شادی کرتا ہے وہ اپنے آدھے دین کو محفوظ کرلیتا ہے (۱)" دوسری حدیث میں ہے: "جو شخص خدا سے پاک وپاکیزہ حالت میں ملاقات کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ شادی شدہ ہوکر اس سے ملاقات کرے (۲)" رسول اکرم (ص) ہی سے منقول ہے کہ: "اہل جہنم میں سے اکثر کنوارے ہوں گے (۳)" حدیث میں ہے کہ حضرت امیرالمؤمنین (ع) نے فرمایا: "اصحاب کی ایک جماعت نے اپنے لیے عورتوں کو، دن کے وقت افطار کو اور رات کے وقت سونے کو حرام قرار دے رکھا ہے۔ ام سلمہ نے یہ بات حضرت رسول اکرم (ص) کو بتائی۔ حضور (ص) ان لوگوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۰۰ ص ۲۲۰ "کتاب العقود والایقاعات" "ابواب النکاح" باب ۱ حدیث ۱۴، بحوالہ امالی شیخ طوسیؒ ج ۲ ص ۱۳۲۔

۲۔ منبع سابق، حدیث ۱۸ ـ ۳۵، بحوالہ روضۃ الواعظین، ص ۳۷۳ ونوادر راوندی، ص ۱۲

۳۔ وسائل الشیعہ، ص ۱۵ "کتاب النکاح" باب ۲ حدیث ۲۔

" کیا تم عورتوں سے منہ موڑے ہوئے ہو؟ میں خود عورتوں کے پاس جاتا ہوں، دن میں غذا کھاتا ہوں اور رات میں سوتا ہوں اور جو شخص میری سنتوں سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے " خدائے تعالیٰ یہ حکم نازل فرمایا ہے :" لا تحرموا طیّبات ما احلّ اللہ لکم ولا تعتدوا انّ اللہ لا یحبّ المعتدین، وکلوا ممّا رزقکم اللہ حلالاً طیباً واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون [۱] ".

الغرض سالک راہ آخرت کو یہ مراعات لازم ہے کہ کہاں نفس کو پیچھے ڈھکیلا جائے اور کہاں سامنے لایا جائے اور جس طرح نفس کی لگام کو بالکل ہی کھینچے نہ رہنا چاہیے کہ اس سے بڑے مفاسد پیدا ہوتے ہیں. اسی طرح سلوک میں بھی عبادات اور عملی ریاضتوں کے لئے سخت گیر نہ ہونا چاہیے اور اس پر حد سے زیادہ دباؤ نہیں ڈالنا چاہیے. خصوصاً عہد شباب میں اور ابتدائے سلوک میں کہ اس سے بھی نفس میں تنفر اور تنگدلی پیدا ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ انسان کو ذکر حق سے روگرداں کردے.

احادیث شریفہ میں اس مطلب کی طرف کثرت سے اشارہ کیا گیا ہے. چنانچہ کافی شریف میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا :" میں نے ایام جوانی میں عبادات میں بہت کوشش اور محنت کی، میرے والد بزرگوار نے مجھ سے فرمایا : بیٹا ! کچھ کم عمل بجا لاؤ، کیونکہ جب خدا کسی بندی کو دوست رکھتا ہے تو اس کے تھوڑے ہی عمل سے راضی ہوجاتا ہے [۲] " اور تقریباً یہی مضمون دوسری حدیث میں بھی بیان ہوا ہے [۳] .

کافی میں یہ بھی روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقر (ع) نے حضرت رسولخدا (ص) سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا :" یہی دین محکم ہے. اس میں نرمی اور مدارات کے ساتھ داخل ہو اور عبادت خدا سے بندگان خدا کو متنفر نہ کرو اور اس سوار کی طرح نہ ہوجاؤ جو نہ سفر کو قطع کرتا ہے اور نہ اپنی سواری

۱۔ " جو کچھ خدا نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے اسے حرام نہ قرار دو اور ظلم نہ کرو، خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور کھاؤ جو کچھ خدا نے تمہیں حلال وپاکیزہ رزق دیا ہے اور اس خدا سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو "۔ سورۂ مائدہ / ۸۷. حوالہ سابق، حدیث ۸ .

۲۔ اصول کافی، ج ۳ ص ۱۳۸ " کتاب الایمان والکفر " " باب الاقتصاد فی العبادۃ " حدیث ۵

۳۔ حوالہ سابق، حدیث ۴ .

سے اترتا ہے (۱)"۔ دوسری حدیث میں ہے کہ:"اپنے نفس میں عبادت پروردگار کی دشمنی نہ پیدا کرو (۲)"۔

الغرض "مراعات" کے سلسلے میں میزان یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے احوال کی طرف ملتفت رہے اور نفس کی قوت اور اس کے ضعف کے مطابق سلوک کرے۔ اگر نفس عبادات و ریاضات کی قوت اور تاب مقاومت رکھتا ہے تو عبادت میں ضرور کوشش و محنت کرے۔

وہ لوگ جو فریب جوانی کے دور کو طے کرکے آگے سے بڑھ چکے ہیں اور ان کی آتش شہوات ایک حد تک سرد ہوچکی ہے ان کے لیے مناسب ہے کہ ریاضات نفسانیہ کچھ زیادہ بجالائیں اور کوشش و کاوش کے ساتھ مردانہ وار سلوک و ریاضت میں لگ جائیں اور جیسے جیسے نفس کو ریاضتوں کا عادی بناتے جائیں ویسے ویسے ریاضات کے مزید دروازے نفس کے لیے کھولتے جائیں، یہاں تک کہ دھیرے دھیرے نفس مادی قوتوں پر غالب آجائے اور مادی قوتیں نفس کی برتری کے سامنے مقہور و مسخر ہوجائیں اور احادیث شریفہ میں جو وارد ہوا ہے کہ عبادت میں کوشش اور محنت کرو اور ان لوگوں کی ستائش کی گئی ہے جو عبادت و ریاضت میں کوشش کرتے ہیں اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے عبادات و ریاضات کے تذکرے کیے گئے ہیں وہ ان احادیث شریفہ سے متضاد و متناقض نہیں ہے جن میں عبادات میں میانہ روی کی مدح کی گئی ہے، کیونکہ یہ سب اہل سلوک اور احوال و درجات نفوس کے مختلف ہونے کی بناپر ہے اور قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ نفس کے نشاط و قوت اور تنفر و ضعف کے مطابق کوشش و محنت یا میانہ روی سے کام لینا چاہیے۔

۱۔ حوالہ سابق، حدیث ۱۔

۲۔ حوالہ سابق، حدیث ۲۔

فصل ہفتم

تفہیم

عبادات، خصوصاً ذکری عبادات کے قلبی آداب میں سے ایک ادب " تفہیم " ہے. وہ یوں ہے کہ انسان اپنے قلب کو ابتدا میں ایک بچہ کی طرح فرض کرلے. جس نے ابھی بولنا نہیں سیکھا ہے اور سالک اسے تعلیم دینا چاہتا ہے. اس لیے ہر ذکر، ہر ورد اور عبادات کی ہر حقیقت اور راز پوری باریکی اور محنت سے اس کو سکھائے اور کمال کے جس مرتبہ میں بھی ہے اس حقیقت کو خود دریافت کرے اور پھر دل کو سمجھائے. اب اگر قرآن اور اذکار کے معانی کو نہیں سمجھتا ہے اور عبادات کے اسرار سے خود ہی بے بہرہ ہے تو قرآن کے اجمالی معنی ہی قلب کو بتائے کہ قرآن کلام خدا ہے، اذکار سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور عبادات اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کا نام ہے، قلب کو بس یہی اجمالی معنی سمجھا دے اور اگر قرآن واذکار کے صوری معانی کو سمجھتا ہے تو قلب کو صوری معانی سمجھائے. جیسے وعدہ وعید، امر ونہی، مبدا ومعاد کا علم جس قدر خود حاصل کیا ہے قلب کو تعلیم دے اور اگر معارف کی کوئی حقیقت یا عبادات کا کوئی رمز اس پر کشف ہوا ہے تو اسے پوری سعی وکوشش کے ساتھ قلب کو بتائے اور اس کو یاد کرادے.

اس تفہیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک مدت کی مواظبت اور پابندی کے بعد قلب کی زبان کھل جائے گی اور اسے بولنا آجائے گا اور وہ ذاکر ومتذکر ہوجائے گا. پہلی منزل میں قلب متعلّم (شاگرد) ہوگا اور زبان معلّم (استاد) ہوگی اور زبان کے ذکر کو سمجھ کر قلب ذاکر بنے گا. یعنی قلب زبان کا تابع ہوگا، لیکن جب دل

کی زبان کھل جائے گی تو صورت حال برعکس ہوجائے گی قلب ذاکر ہو گا اور زبان اس کے ذکر کو سن کر ذکر کرے گی اور اس کے اتباع میں حرکت کرے گی، بلکہ پھر تو ایسا بھی ہو گا کہ حالت خواب میں بھی انسان ذکر قلب کے زیر اثر ذکر لسانی کرے گا۔ کیونکہ ذکر قلب بیداری کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اگر قلب متذکر ہوجائے تو زبان اس کی تابع ہو کر ذکر کرے گی اور ذکر ملکوت قلب سے ظاہر میں سرایت کیا کرے گا" قل کلٌ یعمل علیٰ شاکلته (۱) "

الغرض ابتدائے سلوک میں انسان کو ادب "تفہیم" کا لحاظ رکھنا چاہیے تاکہ زبان قلب، جو مطلوب حقیقی ہے، کھل جائے۔

زبان قلب کے گویا ہونے کی علامت یہ ہے کہ ذکر میں تھکن اور زحمت محسوس ہونا بند ہوجاتی ہے اور نشاط و فرحت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ خستگی اور بے زاری زائل ہوجاتی ہے۔ جس طرح کسی ایسے بچے کو تعلیم دینا چاہتا ہے جس نے ابھی زبان نہیں کھولی تو جب تک بچہ زبان نہیں کھولتا ہے اس وقت تک معلّم خستہ اور ملول رہتا ہے اور جیسے ہی بچہ نے زبان کھولی اور وہ لفظ جو معلّم سکھانا چاہتا ہے بچہ نے اپنی زبان سے ادا کیا ویسے ہی معلّم کی خستگی رفع ہوجاتی ہے اور اب معلّم بے رنج وتعب بچہ کا اتباع کرتے ہوئے (اس کی ذہانت اور قوت گویائی کے مطابق) لفظ کو ادا کرتا ہے۔ دل بھی ابتدا میں اس بچے ہی کی طرح ہوتا ہے جس نے ابھی زبان نہیں کھولی۔ مگر اسے تعلیم دی جانی چاہیے اور اذکار و اوراد اس کی زبان سے ادا کرائے جانے چاہئیں۔ اس کی زبان کھلنے کے بعد انسان خود اس کے تابع ہوجاتا ہے اور اس کو سکھانے کے دوران جو خستگی پیدا ہوتی ہے اور ذکر کے وقت جو رنج وتعب ہوتا ہے وہ ختم ہوجاتا ہے۔ یہ ادب ان لوگوں کے لیے بہت ہی ضروری ہے جو مبتدی ہیں۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ اذکار اور دعاؤں کی تکرار اور ذکر و عبادت کرتے رہنے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ زبان قلب کھلے اور قلب خود ذاکر، دعا کنندہ اور عبادت گزار بن جائے اور جب تک ادب "تفہیم" کا لحاظ نہ رکھا جائے گا اس وقت تک قلب کی زبان نہیں کھل سکے گی۔

احادیث شریفہ میں اس مطلب کی اشارہ کیا گیا ہے: چنانچہ کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادقؑ

۱۔ "کہہ دو کہ ہر شخص اپنی سرشت کے مطابق عمل کرتا ہے"۔ سورۂ اسراء / ۸۴۔

سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت امیرالمؤمنینؑ نے قرائت کے بعض آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے :" ولکن اقرعوا قلوبکم القاسیۃ، ولا یکن ھم احدکم آخر السورۃ [۱] " اور کافی کی حدیث میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابو اسامہ سے فرمایا :" یا ابا اسامہ ادعوا (ارعوا) قلوبکم ذکر اللہ واحذروا النکت [۲] " یہاں تک کہ اولیائے کاملین علیہم السلام بھی اس ادب کو ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ پر نماز میں ایسی حالت طاری ہوگئی کہ آپ کو غش آگیا۔ جب افاقہ ہوا تو اس حالت کا سبب آپ سے پوچھا گیا۔ فرمایا :" مازلت اردد ھذہ الایۃ علیٰ قلبی حتی سمعتھا من المتکلم بھا فلم یثبت جسمی لمعاینۃ قدرتہ [۳] "۔

جناب ابوذرؓ سے منقول ہے کہ :" قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ لیلۃ یردد قولہ تعالیٰ: ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم [۴] "۔

بالجملہ، حقیقت ذکر وتذکر ذکر قلبی ہے اور ذکر لسانی اس کے بغیر بے روح اور کلی طور پر درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ چنانچہ احادیث شریفہ میں اس کی طرف بکثرت اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا :" یا ابا ذر، رکعتان مقتصدتان فی تفکر خیر من قیام لیلۃ والقلب لاہ (نسخہ : ساہ) [۵] "

۱۔ "... بلکہ قرآن سے اپنے سخت دلوں (کے بند دروازوں) کو کھٹکھٹاتے جاؤ اور اس پر نہ رہو کہ کسی طرح سورہ ختم ہو جائے" اصول کافی، ج ۴ ص ۴۱۸ "کتاب فضل القرآن" " باب ترتیل القرآن بالصوت الحسن" حدیث ۱۔

۲۔ " اے ابو اسامہ! خدا کو اپنے دلوں سے یاد کرو اور جن باتوں (نکت) کا سوچنا اسے ناپسند ہے ان سے پرہیز کرو" کافی (روضہ) ج ۸ ص ۱۴۷؛ بحار الانوار، ج ۷۴ ص ۵۹، "کتاب الایمان والکفر" باب ۴۴ حدیث ۳۸ حوالہ سابق۔

۳۔ "میں نے اس آیت کو دل میں اس قدر دہرایا کہ اس آیت کے کلام کرنے والے سے اسے سنا اور میرے جسم میں اس کی قدرت کو دیکھنے کی تاب نہ رہی" المحجۃ البیضاء، ج ۱ ص ۳۵۲ "کتاب اسرار الصلاۃ" " باب فضیلۃ الخشوع ومعناہ"۔

۴۔ "ایک رات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ اٹھے اور بار بار اس آیت کی تلاوۃ فرما رہے تھے : اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو یقیناً تو ہی صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے" (مائدہ / ۱۱۸) روح المعانی فی تفسیر القرآن... علامہ آلوسی، ج ۷، ص ۷۰، منقول از سنن نسائی وبیہقی۔

۵۔ "اے ابوذر! میانہ روی کے ساتھ دو رکعتیں جو تفکر کے ساتھ پڑھی جائیں، اس شب بیداری (رات بھر کی عبادت) ==

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ: "خداوند عالم تمہاری صورتوں پر نظر نہیں کرے گا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھے گا (۱)"۔

حضور قلب سے متعلق احادیث میں ہم بیان کریں گے کہ حضور قلب کے بقدر نماز کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور جس قدر قلب غافل ہوتا ہے اسی قدر نماز کی قبولیت میں کمی ہوجاتی ہے. جب تک یہ ادب، جس کا ذکر کیا گیا، ملحوظ نہ رہے گا اس وقت تک ذکر قلبی حاصل نہ ہوگا اور قلب سہو وغفلت سے باہر نہیں آئے گا۔

حدیث میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "فاجعل قلبک قبلة للسانک لا تحرکه الا باشارة القلب (۲)" قلب کا قبلہ ہونا اور زبان اور تمام اعضاء کا قلب کے تابع ہونا تب تک ممکن نہیں جب تک ادب "تفہیم" کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور اگر اس ادب کے بغیر یہ امور حاصل ہوجائیں تو یہ اتفاقی اور شاذ ونادر بات ہوگی اور انسان کو اس پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔

(العیاذ باللّٰہ)

== سے بہتر ہیں جن میں قلب لہو ولعب میں پڑا ہو اور غافل ہو" بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۸۲ "کتاب الروضہ" "باب مواعظ النبی" حدیث ۲۰. بحوالہ مکارم الاخلاق ص ۴۶۵۔

۱۔ سابقہ حوالہ، بحار الانوار ج ۶۷ ص ۲۴۸. بحوالہ جامع الاخبار، ص ۱۱۷ (کچھ اضافہ کے ساتھ)۔

۲۔ حوالہ نمبر ۱ ص ۴۲.

فصل ہشتم

حضور قلب

قلبی اہم آداب میں سے ایک ادب "حضور قلب" ہے کہ شاید کثیر آداب اسی کا مقدمہ ہیں اور عبادت اس کے بغیر بے روح ہے اور یہ خود کمالات کی کنجی اور سعادت و خوش بختی کا صدر دروازہ ہے. احادیث شریفہ میں کم امور ہیں جن کا ذکر اتنا زیادہ ہوا ہو جتنا حضور قلب کا ذکر ہوا ہے اور کسی اور ادب کو کم ہی اتنی اہمیت دی گئی ہے جتنی اہمیت حضور قلب کو دی گئی ہے. ہم نے اگرچہ کتاب سر الصلاۃ (۱) اور اربعین (۲) میں اس کا کافی ذکر کیا ہے اور اس کے درجات و مراتب بیان کیے ہیں. لیکن یہاں بھی افادۂ قارئین کے تکملہ کے لئے اور حوالہ سے بچنے کے لئے ان کا کچھ ذکر کرتے ہیں.

۱۔ حوالہ نمبر ۱ ص ۱۸.

۲۔ کتاب اربعین (شرح اربعین حدیث) جناب مؤلف (قدس سرہ الشریف) کے آثار میں سے ہے جو محرم ۱۳۵۸ ھ ق میں لکھی گئی. اس کتاب کے مقدمہ میں حمد وصلاۃ ودعا کے بعد آیا ہے: "وبعد، ایک عرصہ ہوا کہ اس بندہ بے مایہ ضعیف نے سوچا تھا کہ اہل بیت عصمت وطہارت کی حدیثوں میں سے چالیس حدیثیں، جو اصحاب وعلما (رضوان اللہ علیہم) کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں، جمع کرے اور ہر ایک کی عوام کے مناسب حال شرح کرے اس لیے اس کو فارسی زبان میں لکھا تا کہ فارسی بولنے والے اس سے فائدہ حاصل کریں. شاید انشا اللہ پیغمبر ختمی مرتبتؐ کی اس حدیث میں شامل ہوجاؤں جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ: "من حفظ علی امتی اربعین حدیثاً ینتفعون بھا بعثہ اللہ یوم القیامۃ فقیھاً عالماً" یہاں تک کہ خدا کا شکر ہے کہ اس کی بہترین توفیق سے اس کو شروع کرنے میں کامیاب ہوا اور خدا سے اتمام کی توفیق چاہتا ہوں.

"انہ ولیّ التوفیق"

جیسا کہ سابق میں بیان کیا گیا، عبادات ومناسک اور اذکار واوراد مکمل طور سے تب نتیجہ خیز ہوتے ہیں جب قلب کی صورت باطنہ بن جائیں اور انسان کے باطن ذات کا خمیر ہوجائیں۔ انسان کا ان سے عبودیت کی صورت حاصل کرے اور خودسری وسرکشی سے نکل آئے۔ یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ عبادات کے اسرار وفوائد میں سے ایک یہ ہے کہ نفس کا ارادہ قوی ہوجائے اور نفس مادیت پر غلبہ حاصل کرے اور مادی قوتیں نفس کی قدرت وسلطنت کے سامنے مقہور ومسخر ہوجائیں۔ نفس ملکوتی کا ارادہ ملک بدن میں اس طرح نافذ ہو کہ قوتیں ویسی ہی مطیع وفرمانبردار ہوجائیں جیسے اللہ کے فرشتے اللہ کے مطیع وفرمانبردار ہوتے ہیں کہ "ایک لحہ کے لئے بھی اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کے لئے صادر ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرتے ہیں (۱)"۔

اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عبادات کے اسرار اور اہم فوائد میں ایک، کہ اور تمام اسرار وفوائد اسی کا مقدمہ ہیں، یہ ہے کہ تمام مملکت باطن وظاہر اللہ کے ارادہ کے تحت مسخر ومقہور ہوجائے اور اللہ کے حرکت میں لانے سے حرکت میں آجائے۔ نفس کی ملکوتی اور ملکی قوتیں اللہ کا لشکر ہوجائیں اور سب کی سب اللہ کے معاملہ میں ملائکہ اللہ کا انداز پیدا کرلیں۔ یہ خود ارادۂ حق میں انسانی قوتوں اور ارادوں کی فنا کے ادنیٰ درجات میں سے ایک درجہ ہے اور رفتہ رفتہ اسی پر بڑے بڑے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ انسان طبعی، انسان الٰہی ہوجاتا ہے اور نفس عبادت خدا میں ریاضت کرنے لگتا ہے۔ جنود ابلیس یکسر شکست خوردہ ہوجاتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں اور قلب اور اس کی قوتیں حق کے سامنے خم ہوجاتی ہیں۔ اسلام بعض باطنی مراتب کے ساتھ نفس میں نمودار ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ دار آخرت میں اپنے ارادہ کو حق کے ارادہ واختیار میں دے دینے کی صورت میں نکلتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے ارادہ کو عالم غیب میں نافذ کرتا ہے اور اس کو اپنی مثل اعلیٰ بنالیتا ہے اور جس طرح خود ذات مقدس جو کچھ ایجاد کرنا چاہتی ہے وہ محض ارادہ کے ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے۔ اس بندہ کے ارادہ کو بھی ایسا ہی بنا دیتی ہے۔

چنانچہ بعض اہل معرفت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اہل بہشت کے بارے میں

۱۔ آیہ شریفہ کا مفہوم ہے جس میں ملائکہ کے بارے میں فرمایا ہے: "لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون" سورۂ تحریم/۶۔

روایت کی ہے کہ ان کے پاس ایک ملک آتا ہے۔ اذن ورود طلب کرتا ہے اور اذن پا کے قریب آتا ہے اور پروردگار کی طرف سے ان کو سلام پہنچا کر ایک خط دیتا ہے، جو شخص بھی اس خط کا مخاطب ہوتا ہے اس کے لئے یہ پیغام اس میں لکھا ہوتا ہے:

"من الحیّ القیوم الذی لا یموت الیٰ الحیّ القیوم الذی لا یموت.

اما بعد؛ فانی اقول للشی کن فیکون، وقد جعلتک تقول للشی کن فیکون. فقال صلی اللہ علیہ وآلہ: فلا یقول احد من اھل الجنۃ للشی کن الا ویکون [1] "۔

یہ وہ سلطنت الٰہیہ ہے جو بندہ کو اپنا ارادہ ترک کرنے، خواہشات نفسانی کو چھوڑنے اور ابلیس اور اس کے لشکر کی اطاعت سے دور رہنے کے سبب سے ملے گی اور مذکورہ نتائج میں سے ایک بھی کامل حضور قلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اگر قلب عبادت کے وقت غافل اور سہو میں مبتلا ہو تو ایسی عبادت کھیل تماشا کی طرح ہے۔ اس سے حقیقت ظہور میں نہیں آتی اور یقیناً ایسی عبادت سے نفس پر کسی طرح کا اثر پیدا نہیں ہوتا اور جب تک عبادت صورت وظاہر سے آگے بڑھ کر باطن وملکوت تک نہیں پہنچتی، جیسا کہ احادیث میں اسی معنیٰ طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایسی عبادت سے نفس کی قوتیں نفس کے آگے سرنگوں نہیں ہوتی ہیں اور نفس کی سلطنت ان پر غالب نہیں آتی۔ اسی طرح ظاہری وباطنی قوتیں اللہ کے ارادہ کے سامنے بھی خم نہیں ہوتیں اور مملکت حق کی کبریائی کے تحت مقہور نہیں ہوتیں، جیسا کہ واضح ہے۔ اسی سبب سے چالیس پچاس برس عبادت میں گزارنے کے باوجود ہم میں کوئی اثر پیدا نہیں ہوا بلکہ روز بروز قلب کی تاریکی اور قوتوں کی نافرمانی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے اور یہ اضافہ ہمارے مادی شوق اور ہوائے نفسانیہ ووساوس شیطانیہ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ سب صرف اس لیے ہے کہ ہماری عبادتیں بے روح، باطنی شرائط سے عاری اور آداب قلبیہ سے خالی ہیں۔ ورنہ کتاب الٰہی کی آیہ مبارکہ

۱۔ "حیّ قیوم کی طرف سے جسے موت نہیں آئے گی حیّ قیوم کی طرف جسے موت نہیں آئے گی۔ اما بعد، میں جب کسی شے سے کہتا ہوں، ہوجا، تو وہ ہوجاتی ہے۔ میں نے تجھے بھی ایسا ہی کردیا کہ جس شے کو تو کہے گا کہ ہوجا، وہ ہوجائے گی۔ اس وقت رسول خدا ؐ نے فرمایا: اہل بہشت میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو کسی شے کے لئے کہے ہوجا، اور وہ ہو نہ جائے" علم الیقین، ج ۲ ص ۱۰۶ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)۔

کی نص کے مطابق "نماز تو فحشاء ومنکر سے روکتی ہے (۱) " یقیناً یہ نہی ظاہری صوری نہی نہیں ہے. لازمی طور سے دل میں ایک چراغ روشن ہونا چاہئے اور باطن میں ایک نور فروزاں ہونا چاہئے. جس سے انسان عالم غیب کی طرف راہنمائی حاصل کرے اور ایک الٰہی تنبیہ کرنے والا ہو جو انسان کو سرکشی ونافرمانی سے بازرکھے.

ہم خود کو نمازیوں میں شمار کرتے ہیں اور سالہا سال سے یہ عظیم عبادت ہمارا مشغلہ ہے. پھر بھی خود میں وہ نور نہیں دیکھتے اور ہمارے باطن میں ایسا تنبیہ کرنے والا اور ٹوکنے والا نہیں پیدا ہوا؛ پھر اس روز ہمارا کیا برا حال ہوگا جس روز ہمارے اعمال کی صورتیں اور ہماری کارگزاریوں کا صحیفہ اس عالم میں ہمارے ہاتھ میں دیا جائے گا اور کہا جائے گا "اپنا محاسبہ کرو (۲) " دیکھو! کیا ایسے درگاہ الٰہی میں قبول ہونے کے لائق ہیں؟ اور ایسی نماز اس گنجلک اور تاریک صورت میں بارگاہ کبریائی میں تقرب کا درجہ حاصل کرنے کے قابل ہے؟ اور کیا اس عظیم امانت الٰہی کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہئے؟ اور کیا دشمن خدا شیطان خیانت کار کو اس میں دست درازی کے لیے اس طرح راستہ دے دینا چاہئے؟ آخر وہ نماز جو معراج مؤمنین اور قربانی متقین ہے (۳). تمہیں درگاہ مقدس سے کیوں دور رکھتی ہے اور تقرب الٰہی کی بارگاہ تک کیوں نہیں پہنچنے دیتی؟ کیا اس روز حسرت وندامت، بیچارگی وبدبختی اور خجالت وشرمساری کے علاوہ کچھ اور ہاتھ آسکتا ہے؟ حسرت وندامت، جس کی اس دنیا میں مثال نہیں، خجالت وشرمساری جس کی نظیر سوچی بھی نہیں جاسکتی. اس عالم کی حسرتیں جیسی بھی ہوں ان میں بہرحال ہزار طرح کی امیدوں کا شائبہ پایا جاتا ہے اور یہاں کی شرمساری جلد ہی زائل ہوجاتی ہے. برخلاف اس کے وہاں روز بروز حسرت وندامت بڑھتی جاتی ہے. جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے " وانذرھم یوم الحسرۃ اذ قضی الامر (۴) " گزری باتوں کی تلافی نہیں ہوسکتی اور تلف شدہ زندگی کو پلٹایا نہیں جاسکتا " یا حسرتنا علیٰ ما فرطت

۱۔ " ان الصلاۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر " سورۂ عنکبوت / ۴۵.

۲۔ اشارہ ہے آیت ۱۴ سورۂ اسراء کی طرف، " اقرا کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیباً "

۳۔ " الصلاۃ معراج المؤمن " اعتقادات مرحوم مجلسی، ص ۲۹ " الصلوۃ قربان کل تقی " (نماز ہر پرہیزگار کے لئے تقرب خدا کا وسیلہ ہے). فروع کافی، ج ۳ ص ۲۶۵ " کتاب الصلاۃ " " باب فضل الصلاۃ " حدیث ۶.

۴۔ " روز حسرت سے ان کو ڈراؤ؛ جس دن کام تمام ہوجائے گا " سورۂ مریم / ۳۹.

فی جنب اللہ (۱) "

اے عزیز! آج مہلت اور عمل کا دن ہے۔ انبیاء آئے، کتابیں لائے اور دعوتیں دیتے رہے۔ ان تمام عزت افزائیوں اور ان تمام اذیتوں اور تکلیفوں کے تحمّل کے باوجود ہم ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ حالانکہ انہوں نے ہم کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہا اور مادیّت کے خمار سے ہشیار کرنے کی کوشش کی، ہم کو عالم نور اور نشاۃ بہجت وسرور تک پہنچانا چاہا اور حیات ابدی، نعمات سرمدی اور لذات جاودانی عطا کرنا چاہیں۔ ہلاکت وشقاوت، نار وظلمت اور حسرت وندامت سے رہائی دلانا چاہی۔ یہ سب کچھ ہمارے لیے کیا۔ حالانکہ اس میں خود اپنا کوئی فائدہ ان کے پیش نظر نہ تھا اور ان مقدس شخصیتوں کو ہمارے ایمان واعمال کی کوئی احتیاج نہ تھی۔ شیطان نے ہمارے دل کے کانوں کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور ہمارے باطن وظاہر کو اس طرح قابو میں کرلیا ہے کہ ان کے مواعظ ونصائح سے ہم پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا، بلکہ کوئی آیت اور کوئی حدیث ہمارے دل کے کانوں تک نہیں پہنچ پاتی اور ظاہری حیوانی کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔

الغرض، اے قاری محترم! آپ ان اوراق کا مطالعہ کررہے ہیں تو ان کے لکھنے والے کی طرح تمام انوار سے خالی، تمام نیک اعمال سے تہی دست اور خواہشات نفسانی میں گرفتار نہ رہیں۔ اپنے حال پر رحم کھائیں اور اپنے زندگی سے کوئی نتیجہ اخذ کریں۔ انبیا اور اولیائے کاملین کے احوال پر غور کریں اور جھوٹی خواہشوں اور شیطان کے وعدوں کو ٹھوکر ماریں، شیطان کے فریب میں نہ آئیں، اور نفس امارہ سے دھوکہ نہ کھائیں، کیونکہ ان کی سازش بہت گہری ہے۔ یہ ہر باطل کو حق کا رنگ دے کر انسان کو الجھا دیتے ہیں اور اسے دھوکہ میں ڈال دیتے ہیں اور کبھی آخر عمر میں توبہ سے امید دلا کر انسان کو شقاوت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ حالانکہ توبہ عمر کے آخری حصّہ میں، جب گناہوں کا بحر ظلمات تھپیڑے لے رہا ہوتا ہے اور بندوں اور خدا کے حقوق کا بھاری بوجھ کمر توڑنا ہوتا ہے، سخت وشوار اور مشکل ہے۔ آج (عہد شباب میں) جب انسان کی قوت ارادی قوی اور جوانی کی قوتیں برقرار ہیں، گناہوں کا شجر بار آور نہیں ہوا ہے، شیطان کا تسلط نفس پر پوری طرح نہیں قائم ہوا اور نفس اپنی نئی نئی روحانیت کے ساتھ اللہ کی بنائی ہوئی

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۴۲۔

فطرت سے قریب ہے، آسان شرطوں پر توبہ کا حصول بھی ممکن ہے اور قبول بھی۔ اس عمر میں گناہوں کا شجر کمزور ہوتا ہے اور اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا آسان ہے۔ نفس اور شیطان کی سلطنت پائیدار نہیں ہوتی اور اس کا تختہ پلٹ دینا کچھ مشکل نہیں۔ مگر شیطان اور نفس انسان کو توبہ نہیں کرنے دیتے اور ایام پیری کے وعدہ پر ٹالے رکھتے ہیں۔ جب جوانی کے برعکس ارادہ کمزور، قوتیں ضعف سے دوچار اور طرح طرح کے گناہوں کا درخت پرانا اور بار آور ہوجاتا ہے اور شیطان کی سلطنت کو ظاہر و باطن میں استقلال واستقرار حاصل ہوچکا ہوتا ہے، مادیات کی محبت شدید اور ملکوت سے فاصلہ طویل ہوچکا ہوتا ہے، فطرت کا نور خاموش اور سرد ہوچکا ہوتا ہے اور توبہ کی شرطیں سخت اور تلخ ہوچکی ہوتی ہیں، فریب خوردگی کے علاوہ یہ سب اور کیا ہے؟

ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان اور نفس شفاعت کا وعدہ یاد دلا کے انسان کو شافعین علیہم السلام کی بارگاہ قدس سے دور اور ان کی شفاعت سے محروم کردیتے ہیں، کیونکہ گناہوں میں ڈوبے رہنے سے دل آہستہ آہستہ سیاہ ہوجاتا ہے اور انسان کو برے انجام تک کھینچ لے جاتا ہے۔ شیطان کا انسان سے ایک ہی لالچ ہے، ایمان کی چوری !! گناہوں میں ڈالنا اس کے نزدیک ایمان کی چوری کا مقدمہ ہے تاکہ آخر میں ایمان کو چرا لے جائے اور انسان کو بے ایمان بنا دے۔ انسان کو اگر شفاعت کی تمنا ہے توچاہئے کہ پوری کوشش کرے کہ اس کے اور شافعین علیہم السلام کے درمیان رابطہ باقی رہے اور شافعان محشر کے احوال پر غور کرے کہ خود ان کا حال، عبادت وریاضت کے معاملہ میں کس منزل تک پہنچا ہوا تھا۔ فرض کیجئے کہ آپ دنیا سے باایمان جائیں گے، لیکن اگر گناہوں اور حقوق کا بار گراں سر پر ہوا تو ممکن ہے کہ برزخ اور قبر میں طرح طرح کے عذاب سے بچانے کے لیے شفاعت حاصل نہ ہوسکے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق (ع) سے منقول ہے " تمہارا برزخ تمہارے ساتھ ہے [1] " اور برزخ کی سختیوں کا اس دنیا کی سختیوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور زمانہ برزخ کتنا طویل ہوگا خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ممکن ہے لاکھوں کروڑوں ملین سال طویل ہو۔ پھر ممکن ہے قیامت ہی میں طولانی مدتوں اور طرح طرح کے عذاب کے بعد ہی شفاعت

۱۔ فروع کافی، ج ۳ ص ۲۴۲ اور علم الیقین، ج ۲ ص ۱۰۵۱ پر عمرو بن یزید کی رایت سے یہی معنی مستفاد ہوتے ہیں۔

نصیب ہو سکے. جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے (۱). پس ایسا نہ ہو کہ غرور شیطانی انسان کو عمل صالح سے روکے اور انسان کو بے ایمان بنا کر یا گناہوں کے بار سنگین کے ساتھ دنیا سے جانے پر مجبور کر دے اور شقاوت و بد بختی میں گرفتار کر دے.

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ارحم الراحمین کی رحمت واسعہ کے وعدہ کو یاد دلا کے انسان کا ہاتھ دامن رحمت تک پہنچنے سے روک دیتا ہے اور اس بات سے غافل کر دیتا ہے کہ یہ سب بعثت مرسلین، نزول کتب، فرشتوں کو بھیجنا، وحی والہام اور طریق حق کی طرف راہنمائی ارحم الراحمین کی رحمت ہی تو ہے. خدا کی رحمت سارے عالم کو سایہ میں لیے ہے اور ہم چشمہ آب حیات پر کھڑے تشنگی سے ہلاک ہو رہے ہیں.

اللہ کی سب سے بڑی رحمت قرآن ہے. اگر ارحم الراحمین کی وسیع رحمت کی آرزو ہے تو قرآن جیسی رحمت سے استفادہ کرنا چاہیے. جس میں سعادت تک پہنچنے کا راستہ کھول دیا گیا ہے اور چاہ اور راہ کی پہچان بتا دی گئی ہے. اب تو آپ خود اپنے پیروں سے چل کر چاہ میں گرتے ہیں اور راہ سے کتراتے ہیں. اس میں رحمت کا کیا نقصان ہے؟ اگر قرآن کے علاوہ کسی اور طریقہ سے ممکن ہوتا تو لوگوں کو اسی طریقہ سے خیر و سعادت کی نشان دہی کی جاتی کیونکہ رحمت تو بہرحال وسیع ہے، ممکن ہوتا تو جبراً لوگوں کو منزل سعادت تک پہنچایا جاتا، لیکن افسوس کہ آخرت کا راستہ ایسا راستہ ہے کہ اس کو اپنے اختیار ہی سے طے کیا جاسکتا ہے. سعادت زبردستی حاصل نہیں کی جاسکتی. نہ فضیلت بغیر اختیار کے فضیلت ہے. نہ عمل صالح بغیر اختیار کے عمل صالح. ممکن ہے آیۂ "لا اکراہ فی الدین" کے یہی معنی ہوں.

ہاں! اس میں جو کچھ اکراہ واجبار کا دخل ممکن تھا وہ دین الٰہی کی صورت ہے اس کی حقیقت (وجود میں آنا) نہیں، انبیا علیہم السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ صورت دین جس طرح ممکن ہو لوگوں کے حوالہ کریں تاکہ صورت عالم عدل الٰہی کی صورت اختیار کرے اور لوگوں کی باطن کی طرف راہنمائی کریں تاکہ لوگ خود اپنے قدموں سے اس راہ کو طے کر کے سعادت تک پہنچ سکیں.

الغرض، یہ بھی ایک شیطانی فریب ہے کہ رحمت ہی کی لالچ دلائے اور انسان کو رحمت ہی تک نہ پہنچنے دے.

۱۔ منجملہ اور کتابوں کے بحار الانوار، ج ۸ ص ۳۶۲ "کتاب العدل والمعاد" باب ۱۲ حدیث ۳۵-۳۶.

فصل نہم

حضور قلب کے بارے میں حدیثیں

اہل بیت عصمت وطہارت کی کچھ حدیثیں جن میں حضور قلب کی ترغیب دلائی گئی ہے، ہم اس مقام پر بعض روایات کا ترجمہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ: "عبادت خدا اس طرح کرو جیسے اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (۱)"۔

اس حدیث شریف سے حضور قلب کے مراتب میں سے دو مرتبے معلوم ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ سالک کو جمال جمیل کے مشاہدہ میں اس طرح محو اور تجلیات حضرت محبوب میں یوں مستغرق رہنا چاہئے کہ قلب کے تمام آلات سماعت دیگر موجودات سے ہٹ جائیں اور چشم بصیرت جمال پاک ذو الجلال کی طرف اٹھی ہوئی ہو اور اس کے سوا کچھ نہ دیکھ رہی ہو۔ غرض ایسا مشغول اور حاضر ہو کہ خدا کے سوا حضور و محضر تک سے غافل ہو جائے۔

دوسرا مرتبہ، جو پہلے مقام سے ادنیٰ ہے، یہ ہے کہ خود کو محضر الٰہی میں حاضر دیکھے اور حضور و محضر کے آداب کو ملحوظ رکھے۔ جناب رسول اکرم (ص) فرماتے ہیں: "اگر چاہتے ہو کہ مقام اول پانے والوں میں شامل ہو تو اس کے آداب بجا لاؤ، ورنہ اس بات سے غافل نہ رہو کہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہو" یقیناً محضر

۱۔ بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۷۴، "کتاب الروضہ" باب ۴ حدیث ۳؛ مکارم الاخلاق، ص ۴۵۹۔

حق کا ایک ادب ہے جہاں مقام عبودیت سے غفلت نہیں کی جا سکتی۔ اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے جو جناب ابو حمزۂ ثمالیؒ نے نقل کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں: "میں نے حضرت امام زین العابدینؑ کو دیکھا کہ آپؑ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپؑ کی عبا دوش سے گر گئی مگر آپؑ نے اس کو درست اور برابر نہ کیا، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا: "تم پر افسوس ہے۔ تم جانتے ہو میں کس کی بارگاہ میں تھا؟ (۱)"۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے منقول ہے کہ: "میری امت کے دو افراد نماز کے لئے قیام کرتے ہیں۔ اس طرح کہ دونوں کا رکوع اور سجود تو ایک ہوتا ہے مگر ان دونوں کی نماز میں زمین و آسمان کا فرق ہے (۲)"۔

حضور (ص) نے فرمایا: "کیا اس شخص کو خوف نہیں معلوم ہوتا جو نماز میں اپنی صورت کو پھرالیتا ہے تو اس کی صورت گدھے کی طرح ہوجاتی ہے (۳)"۔

حضور (ص) ہی نے یہ بھی فرمایا: "جو شخص دو رکعت نماز ادا کرے اور اس کے درمیان دنیا کی کسی شے کی طرف توجہ نہ کرے خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے (۴)"۔

یہ بھی فرمایا: "بعض نمازیں ایسی ہوتی ہیں جو آدھی یا تہائی یا چوتھائی قبول ہوتی ہیں (باقی رد ہوجاتی ہیں) یا ان کا پانچواں حصّہ قبول ہوجاتا ہے (اور چار حصّے رد ہوجاتے ہیں) یہاں تک کہ دسواں حصّہ (قبول ہوتا ہے باقی نو حصّے رد ہوجاتے ہیں) بعض نمازیں پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر، جس کی نمازیں ہیں، اس کے منہ پر مار دی جاتی ہیں اور نماز میں تیرا وہی حصّہ ہے جو تو دل سے پیش کرے (۵)"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "رسول خدا (ص) کا ارشاد ہے: جب بندۂ مؤمن نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو خــدائے تعالیٰ اس کی طرف نظر کرتا ہے۔ یا یوں فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۶۸۸ "کتاب الصلاۃ" "ابواب افعال الصلاۃ" باب ۳ حدیث ۲۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۸۱ ص ۲۴۹ "کتاب الصلاۃ" باب ۱۶ حدیث ۴۱۔

۳۔ مستدرک الوسائل، "کتاب الصلاۃ" "ابواب افعال الصلاۃ" باب ۲ حدیث ۲۰۔

۴۔ حوالہ سابق، حدیث ۱۳۔

۵۔ بحار الانوار، ج ۸۱ ص ۲۶۰ "کتاب الصلاۃ" باب ۱۶ حدیث ۵۹۔

ہے۔ یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ کے واپس ہوجاتا ہے اور اللہ کی رحمت اس کے سر پر سایہ کیے رہتی ہے اور ملائکہ اس کے چاروں طرف ہوتے ہیں افق آسمان تک اور خدائے تعالیٰ ایک فرشتے کو موکل کرتا ہے کہ اس کے سرہانے کھڑا رہے اور کہے :" اے نماز گزار! اگر تجھے معلوم ہوجائے کہ تیری طرف کون دیکھ رہا ہے اور تو کس سے مناجات کر رہا ہے تو تیری توجہ کسی اور جگہ کی طرف نہ ہو اور اپنی جگہ سے کبھی الگ نہ ہو (۱) "۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ :" کسی دل میں (خدا کی ملاقات کا) شوق اور (جلال خدا کا) خوف جمع نہیں ہوتا مگر یہ کہ بہشت اس پر واجب ہوجاتی ہے. لہذا جب تم نماز پڑھ رہے ہو تو اپنے دل کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوجاؤ، کیونکہ کوئی بندۂ مومن ایسا نہیں ہے جو نماز و دعا میں دل سے اللہ کے سامنے حاضر ہو مگر یہ کہ اللہ مؤمنین کے دلوں کو اس کے سامنے حاضر کر دیتا ہے (یعنی مؤمنین کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتا ہے) اور ان کی دوستی سے اس کی مدد کرتا ہے اور اس کو جنت میں داخل کرتا ہے (۲) "۔

حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا :" تمہاری نماز میں تمہارا وہی حصہ ہے جو تم نے دل سے ادا کیا ہو لہذا اگر غلط ادا کی تمام نماز، یا اس کے آداب سے غفلت برتی تو وہ نماز لپیٹ دی جاتی ہے اور صاحب نماز کے منہ پر مار دی جاتی ہے (۳) "۔

حضرت باقر العلوم علیہ السلام سے روایت ہے کہ :" یقیناً بندہ کی نماز کا آدھا حصہ یا تہائی حصہ یا چوتھائی حصہ یا پانچواں حصہ عالم بالا کی طرف جاتا ہے تو عالم بالا کی طرف اس کے لیے وہی حصہ جاتا ہے جو دل کو حاضر رکھ کر ادا کیا ہے. ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ نوافل کے ذریعہ فرائض کا نقص پورا کریں (۴) "۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا :" جب نماز کا احرام باندھ

۱۔ مستدرک الوسائل، "کتاب الصلاۃ" "ابواب افعال الصلاۃ" باب ۲ حدیث ۲۲ ۔

۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۶۸۷ "کتاب الصلاۃ" "ابواب افعال الصلاۃ" باب ۳ حدیث ۳ ۔

۳۔ حوالہ سابق، حدیث ۱ ۔

۴۔ علل الشرائع، ج ۲ ص ۳۲۷ باب ۲۴ حدیث ۲ ۔

لو تو نماز کی طرف توجہ رکھو، کیونکہ جب تم توجہ رکھو گے تو خدا تمہاری طرف توجہ رکھے گا اور اگر تم توجہ ہٹاؤ گے تو خدا تم سے توجہ ہٹالے گا۔ کبھی کبھی اسی لیے ایسا ہوتا ہے کہ نماز عالم بالا کی طرف نہیں جاتی مگر تہائی یا چوتھائی یا اس کا چھٹا حصہ۔ اسی قدر جتنی نماز گزار نے نماز میں توجہ رکھی ہو اور خدا غافل کو کچھ بھی عطا نہیں فرماتا ہے [۱]"۔

حضرت رسول خدا (ص) سے روایت ہے کہ آپ (ص) نے ابوذرؓ سے فرمایا: "دو رکعت نماز اعتدال اور فکر کے ساتھ اس رات بھر کے قیام سے بہتر ہے جو غفلت قلب کے ساتھ ادا ہو [۲]"۔

اس سلسلہ میں بہت حدیثیں ہیں اور اصحاب اعتبار اور ارباب قلوب بیدار کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

۱۔ مستدرک الوسائل، "کتاب الصلاۃ" "ابواب افعال الصلاۃ" باب ۳ حدیث ۷۔

۲۔ حاشیہ نمبر ۵ ص ۵۷

فصل دھم

حضور قلب حاصل کیجئے

حضور قلب کے فضائل و خواص آپ نے عقل اور نقل سے جان لیے اور اس کو ترک کرنے کے نقصانات بھی سمجھ لیے۔ علم تنہا کافی نہیں ہوتا بلکہ حجت تمام کر دیتا ہے۔ کمر ہمت کس کے جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اسے حاصل کرنے کے لیے مستعد ہو جائیے اور علم کو عمل کی شکل دیجئے تاکہ اس سے فائدہ حاصل ہو اور محنت کا پھل ملے۔ ذرا سوچو تو کہ اہل بیت عصمت علیہم السلام کی روایات کے مطابق، جو معادن وحی ہیں، ان کے تمام ارشادات اور علوم وحی الٰہی اور کشف محمدی (ص) کے مطابق ہیں، نماز کی قبولیت تمام اعمال کے قبول ہونے کی شرط ہے۔ اگر نماز قبول نہ ہوئی تو دوسرے اعمال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی (۱) اور نماز توجہ قلب سے قبول ہوتی ہے۔ اگر نماز میں توجہ قلب نہ ہو تو درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے اور بارگاہ حق میں پیش کیے جانے کے لائق نہیں رہتی اور قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا۔ لہذا اعمال کے خزانے کی کنجی اور تمام سعادتوں کا صدر دروازہ حضور قلب ہے۔ اسی سے انسان پر سعادت کے دروازے کھلتے ہیں اور اس اس کے بغیر کوئی عبادت لائق اعتبار نہیں ہوتی۔

اب ذرا عبرت کی نظر سے غور کرو اور حضور قلب کے مقام کی اہمیت و عظمت کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھو اور پوری کوشش و کاوش کے ساتھ اس کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ سعادت اور جنت کے

۱۔ حاشیہ نمبر ۱ ص ۲۳۔

دروازوں کی کنجی بھی تمہاری جیب میں ہے اور شقاوت اور جہنم کے دروازوں کی کنجی بھی اور اسی دنیا میں؛ تم جنت اور سعادت کے دروازے بھی اپنے لیے کھول سکتے ہو اور اس کے برعکس بھی کر سکتے ہو. سب تمہارے ہاتھ میں ہے. خدائے تعالیٰ نے حجت تمام کردی ہے اور سعادت وشقاوت کی راہیں دکھا دی ہیں اور ظاہری وباطنی توفیقات عطا فرما دی ہیں. اس کی طرف سے جو کچھ آیا اور اس کے اولیاء نے جو کچھ بتایا وہ مکمل ہے. اب تو ہمارے قدم بڑھانے کی باری ہے. وہ راہ دکھانے والے ہیں انھوں نے راہ دکھا دی. ہم راہرو ہیں. ہمیں راہ چلناچاہیے. انھوں نے اپنا کام پورا کردیا اور بہترین طریقہ سے پورا کردیا کہ کسی کے لیے عذر کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور ایک لمحہ بھی کوتاہی نہیں کی، تم بھی غفلت کی نیند سے چونکو اور اپنی سعادت کی راہ طے کرو. اپنی عمر اور قوت کو کام میں لاؤ، کیونکہ اگر موقع ہاتھ سے نکل گیا اور عمر وجوانی کا سرمایہ اور قوت وتوانائی کا خزانہ ختم ہوگیا تو دوبارہ ہاتھ نہ آئے گا. اگر تم جوان ہو تو بڑھاپے کے آنے کی راہ نہ دیکھو، کیونکہ بڑھاپے کی مصیبتوں کو بوڑھے ہی جانتے ہیں، تم کیا جانو ؟! حالت پیری وضعف میں اصلاح امور بہت مشکل ہے اور اگر تم بوڑھے ہو تو باقی عمر کو ہاتھ سے نہ جانے دو کہ کچھ بھی ہو جب تک اس دنیا میں ہو سعادت تک پہنچنے کا راستہ موجود ہے اور تمہارے سامنے سعادت کا دروازہ کھلا ہوا ہے. خدا نہ کرے کہ در بند اور یہ راہ مسدود ہوجائے، کیونکہ پھر اختیار تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور گزری ہوئی باتوں پر حسرت وندامت اور افسوس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے گا.

لہٰذا اے عزیز! اگر مذکورہ باتوں پر جو انبیاء علیہم السلام کے فرمودات ہیں، ایمان رکھتے ہو اور خود کو تحصیل سعادت اور سفر آخرت کے لیے تیار کرلیا ہے اور حضور قلب کو حاصل کرنا، جو خزانہ سعادت کی کنجی ہے، لازم سمجھ لیا ہے تو اسے حاصل کرنے کی راہ یہ ہے کہ پہلے حضور قلب پیدا ہونے کی رکاوٹوں کو دور کرو اور سلوک کی راہ میں جو کانٹے بچھے ہیں انہیں ہٹاؤ. اس کے بعد حضور قلب کی طرف قدم بڑھاؤ.

عبادات میں حضور قلب سے مانع انتشار ذہن اور واردات قلبی کی کثرت ہے. ایسا کبھی خارجی امور اور حواس ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے جیسے انسان کے کان میں عین عبادت کے دوران کوئی آواز آئے اور دل اس میں الجھ جائے اور یہیں سے باطن میں تخیلات وتفکرات پیدا ہونے لگیں اور قوت واہمہ اور قوت متصرفہ انہیں میں مصروف ہوکر تخیلات وتفکرات کی ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پرواز کرنے لگے یا

انسان کی آنکھ کچھ دیکھے اور اسی سے انتشار ذہن اور قوت متصرفہ کا انحراف شروع ہوجائے یا سارے ہی حواس کسی چیز کا ادراک کریں اور ایک کے بعد ایک خیال آنے لگے۔

ان امور کے علاج کے لیے اگرچہ (علما نے) فرمایا ہے کہ ان اسباب کو دور کرنا ہے. مثلاً یہ کہ کسی اندھیرے کمرے میں یا تنہا مکان میں بیٹھ جائے اور نماز کے وقت اپنی آنکھوں بند کرلے اور ایسے مقامات پر نماز نہ پڑھے جہاں نظر کسی اور طرف کھینچے. چنانچہ مرحوم شہید ثانیؒ نے بعض عبادت گزاروں کے بارے میں نقل کیا ہے کہ کسی چھوٹے سے تاریک مکان میں جس کی وسعت اتنی تھی کہ اس میں نماز پڑھی جاسکے عبادت کیا کرتے تھے (۱)۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مانع دور نہیں ہوتا اور بنیاد منہدم نہیں ہوتی، کیونکہ خیال کا سب سے بڑا تصرف یہ ہے کہ کسی جزئی منشا ومبدا سے اپنا کام شروع کرتا ہے بلکہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹے اور تاریک گھر میں واہمہ اور خیال زیادہ تصرف کرتا ہے اور دوسری باتوں کی طرف لہو ولعب اور فضولیات دخل انداز ہوجاتا ہے. لہذا اصل مادہ کو خیال ووہم کی اصلاح کرکے ختم کیا جاسکتا ہے. ہم بعد میں اس کی طرف اشارہ کریں گے. ہاں کبھی کبھی اس طرح کا علاج بھی بعض نفوس کے بے اثر اور فائدہ سے خالی نہیں ہے. لیکن ہم علاج قطعی کی بات کررہے ہیں اور سبب حقیقی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے بارے میں بحث کررہے ہیں اور یہ بات مذکورہ طریقہ سے حاصل نہیں ہوتی۔

کبھی انتشار ذہنی کا سبب اور حضور قلب کا مانع امور باطنہ میں سے کوئی امر ہوتا ہے اور اس کے کلی طور پر دو بڑے اسباب ہیں. اس طرح کے اہم امور انہیں دو سے پیدا ہوتے ہیں۔

ایک تو خود خیال کا ہرزہ گردی اور فرار کا عادی ہوتا ہے. کیونکہ خیال ہے ہی ایسی قوت جو برابر ایک شاخ سے دوسری شاخ فکر پر معلق ہوتی رہتی ہے اور ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ پر پرواز کرتی ہی رہتی ہے. اصل میں اس کا ربط حبّ دنیا اور ادنیٰ امور اور دنیاوی مال ومنال کی طرف توجہ سے ہے. بلکہ خیال کا فرار ہونا خود ایک ایسی مصیبت ہے جس میں تارک دنیا بھی مبتلا رہتا ہے اور سکون خاطر، طمانینت نفس

۱۔ التنبیہات العلیۃ علی وظائف الصلاۃ القلبیۃ، ص ۱۱۰ مطبوع در مجموعہ افادات شہید ثانیؒ چاپ سنگی ۱۳۱۳، خط محمد حسن جرفادقانی۔

اور خیال کا ٹھہراؤ حاصل کرنا ایک اہم کام ہے جس کی اصلاح سے قطعی علاج حاصل ہوجاتا ہے. بعد میں ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے.

حضور قلب کا دوسرا مانع جہاں سے پیدا ہوتا ہے وہ ہے حبّ دنیا اور دنیاوی حیثیات سے تعلق خاطر ہے جو تمام خطاؤں کا مرجع اور باطنی امراض کی ماں ہے. اہل سلوک کی راہ کا کانٹا اور مصیبتوں کا سرچشمہ ہے اور جب تک دل کا اس سے تعلق رہے گا اور اس کی محبت میں غرق رہے گا قلوب کی اصلاح کی راہ مسدود اور جملہ سعادتوں کا دروازہ بند رہے گا. ہم دو فصلوں کے ذریعہ ان دو بڑے مصدر اور دو قوی مانع کو رفع کرنے کے طریقوں کی طرف اشادہ کریں گے.

انشاء اللہ

فصل یازدھم

خیال کی ہرزہ گردی کا علاج

خیال کے فرار ہونے اور اس کی ہرزہ گردی کے علاج کے لیے نفع بخش دوا جس سے حضور قلب پیدا ہوتا ہے۔

معلوم رہنا چاہیے کہ نفس کی ہر ظاہری اور باطنی قوت قابل تعلیم اور قابل تربیت ہے جس کے لیے مخصوص ریاضت کی ضرورت ہے۔ مثلاً انسان کی آنکھ میں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ وہ ایک معین نقطہ یا تیز روشنی جیسے سورج کی روشنی کو دیر تک دیکھتا رہے اور پلک نہ جھپکے، لیکن اگر انسان آنکھ کو تربیت دے لے، جیسا کہ بعض اصحاب ریاضات باطلہ اپنے مقاصد کے لیے کام میں لاتے ہیں، تو ممکن ہے کہ مسلسل چند گھنٹوں تک آفتاب کے گولے سے نظر ملائے رہے اور نہ پلک جھپکائے نہ تھکن محسوس کرے۔ اسی طرح ایک معین نقطہ پر نظر جمائے رہے اور بغیر حرکت کیے گھنٹوں اسی حالت پر ٹھہرا رہے۔ اسی طرح دوسری ساری قوتوں کو تربیت دے سکتا ہے، یہاں تک گھنٹوں سانس کو روکے رکھ سکتا ہے، جیسا کہ اس سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے، ریاضات باطلہ کرنے والوں میں ایسے لوگ ہیں جو متعارف عرصہ سے کہیں زیادہ سانس روکے رہتے ہیں۔

قابل تربیت قوتوں میں قوت خیال اور قوت واہمہ بھی ہے جو تربیت سے پہلے تو ایسی چڑیا کی طرح ہوتے ہیں جو سخت فرار اور بے حد متحرک رہتی ہے اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اور ایک چیز سے

دوسری چیز کی طرف پھدکتی رہتی ہے کہ اگر ایک منٹ کے لیے حساب لگائے تو پتہ چلے گا کہ مسلسل تبدیلیاں اور نقل و حرکت انتہائی مہمل اور کمزور مناسبتوں کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہیں. بعض لوگوں کا گمان ہے کہ طائر خیال کو گرفت میں لینا اور رام کرنا امکان سے باہر ہے اور محال عادی ہے. لیکن ایسا نہیں ہے، ریاضت و تربیت اور کچھ وقت صرف کرنے کے بعد اسے رام کیا جاسکتا ہے اور طائر خیال کو گرفت میں لیا جاسکتا ہے کہ پھر وہ اختیار اور ارادہ کے تحت حرکت کرے کہ جب انسان چاہے اس کو کسی مقصد کے لیے بند کرلے اور چند گھنٹوں کے لیے اسے اسی مقصد کے لیے بند کیے رہے.

خیال کو قابو میں کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ اس کے خلاف عمل کرنا ہے. یہ اس طرح کہ انسان نماز کے وقت خود کو تیار کرے کہ نماز میں خیال کو قابو میں رکھے اور اسے ادھر ادھر نہ جانے دے اور جیسے ہی انسان کے قابو سے نکلنا چاہے اسے پھر نماز کی طرف پلٹا لائے. نماز کی تمام حرکات و سکنات اور اذکار و اعمال میں خیال کی حالت پر نظر رکھے رہے اور اس کے حال کی تفتیش کرتا رہے اور اسے سرکشی نہ کرنے دے.

ابتداءً یہ کام دشوار نظر آئے گا، لیکن ایک مدت کے بعد لازمی طور پر رام ہوجائے گا اور ریاضت پر آمادہ ہوجائے گا. یہ توقع نہ رکھئے گا کہ آغاز ہی میں نماز کی ابتدا سے لے کر انتہا تک طائر خیال قابو میں رہے گا. جی نہیں! ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا، ناممکن ہے اور شاید جن لوگوں نے خیال کا قابو میں آنا محال سمجھا ہے انھوں نے ایسی ہی توقع کی ہے، لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ عمل انتہائی تدریجی انداز میں صبر اور ہمت سے انجام دیا جانا چاہیے. ممکن ہے ابتدا میں نماز کے صرف دسویں حصہ میں یا اس بھی کم خیال کو پابند بنایا جاسکے اور اسی قدر حضور قلب حاصل ہوسکے. لیکن آہستہ آہستہ انسان اگر اسی فکر میں لگا رہے اور خود کو اس کا محتاج سمجھے تو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے گا اور رفتہ رفتہ وہم کے شیطان اور خیال کے طائر پر غالب آجائے گا کہ نماز کے بیشتر حصول میں ان کی عنان اختیار اپنے ہاتھ میں لیے رہے گا اور انسان کو مایوس تو کبھی ہونا ہی نہ چاہیے، کیونکہ مایوسی تمام کاہلیوں اور کمزوریوں کا سرچشمہ ہے، جبکہ امید کی روشنی انسان کو کمال سعادت تک پہنچا دیتی ہے.

لیکن اس بارے میں سب سے عمدہ اور مفید چیز احتیاج کا احساس ہے جو ہم میں بہت کم ہے. ہمارا دل

باور ہی نہیں کر رہا ہے کہ عالم آخرت کا سرمایہ سعادت اور لامحدود زمانے کی زندگی کا وسیلہ نماز ہے. ہم نماز کو اپنی زندگی کا بوجھ سمجھتے ہیں اور زبردستی تھوپی گئی بے گار اور مصیبت سمجھتے ہیں. کسی شے کی محبت تب پیدا ہوتی ہے جب اس کے خوشگوار نتائج معلوم ہوں. ہم دنیا سے اس لیے محبت کرتے ہیں کہ اس کا نتیجہ سمجھ چکے ہیں اور دل کو اس نتیجہ پر ایمان ہے. لہذا اسے حاصل کرنے کے لیے نہ دعوت کے محتاج ہیں نہ وعظ و نصیحت کے.

جن لوگوں کو یہ گمان ہے کہ نبی ختمی مرتبت رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے دو پہلو ہیں. ایک دنیاوی اور دوسرا اخروی اور اسی کو صاحب شریعت کی عظمت اور ان کی نبوت کا کمال سمجھتے ہیں. انہیں دین و دیانت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم اور دعوت و مقصد نبوت سے یکسر عاری اور بے خبر ہیں. دنیا کی طرف دعوت دینا انبیائے کرام کے مقصد سے بالکل خارج ہے. دنیا کی طرف دعوت دینے کے لیے شہوت و غضب کی حس اور شیطان ظاہر و باطن بہت ہیں. اس کے لیے انبیا کو مبعوث کرنے کی ضرورت نہیں ہے. شہوت و غضب کے انتظام کے لیے قرآن و نبی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ انبیا تو لوگوں کو دنیا میں پڑنے سے روکتے ہیں اور شہوت و غضب کی آزادی کو محدود و مقید کرتے ہیں. منافع کے حصول کے موارد کی حد بندی کرتے ہیں. غافلوں کو گمان ہے کہ وہ دنیا کی طرف دعوت دیتے ہیں. وہ فرماتے ہیں کہ مال ہر راہ سے حاصل نہ کرو اور شہوت کی آگ کو ہر طریقہ سے نہ بجھاؤ بلکہ نکاح کرو. تجارت کرو، زراعت کرو، کوئی ہنر سیکھو. حالانکہ شہوت و غضب کا دروازہ تو کھلا رہتا ہے. وہ اس کھلے دروازہ کی نگرانی کرتے ہیں. نہ کہ دنیا کی طرف دعوت دیتے ہیں. تجارت کی طرف دعوت کی روح حصول دنیا کو مقید کرنا اور باطل و ناجائز چیزوں کو حاصل کرنے سے روکتا ہے اور نکاح کی دعوت مادیت کو حد بندی، گناہ سے بچانا اور قوت شہوت کی آزادی کی نگرانی ہے. ہاں! یقیناً وہ حصول دنیا کے سرے سے مخالف نہیں ہیں، کیونکہ ایسا کرنا ایک مکمل نظام سے مطابقت نہیں رکھتا (اور اسلام ایک مکمل نظام ہے).

الغرض ہم چونکہ دنیا کی احتیاج کا احساس کر چکے ہیں اور اسے سرمایہ حیات اور سرچشمہ لذات سمجھ بیٹھے ہیں، لہذا اس حاضر و موجود کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اسے حاصل کرنے میں کوشاں رہتے ہیں، لیکن اگر آخرت پر ایمان پیدا کر لیں اور وہاں کی زندگی کی ضرورت کا احساس کر لیں اور عبادات، خصوصاً نماز،

کو اس عالم کے عیش و آرام کا سرمایہ اور اس زندگی کی سعادت کا سرچشمہ سمجھ لیں تو یقیناً اسے حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنے لگیں اور اس سعی و کوشش میں کوئی زحمت اور رنج و تکلف اپنے اندر نہ پائیں، بلکہ پورے ذوق و شوق کے ساتھ اس کی تحصیل میں لگ جائیں اور اس کے حصول و قبول کے شرائط بھی جان و دل سے پورے کرنے لگیں۔

یہ سرد مہری اور سست گامی جو ہمارے اندر پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ایمان ہی سرد و سست ہے۔ ورنہ اگر انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی احادیث اور حکماء کے براہین اور بزرگوں کے ادلہ سے ہم میں احتمال بھی پیدا ہو گیا ہوتا تو ہم اس سے بہتر کوشش و کاوش کرتے۔ مگر ہزار قسم کے افسوس کا مقام ہے کہ شیطان نے ہمارے باطن پر تسلط حاصل کر لیا ہے اور ہمارے دل کی قوتوں اور باطن کے کانوں پر قبضہ جمائے ہے۔ خدا اور اس کے رسولوں کے ارشادات، علما کے فرمودات اور کتب الٰہی کی مواعظ کو ہمارے کانوں اور دلوں تک پہنچنے نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں ہمارے کان ایک دنیاوی جاندار کے ایسے کان ہیں اور حق کی نصیحتیں ظاہری حد سے اور حیوانی کانوں سے آگے بڑھ کر ہمارے باطن تک نہیں پہنچ پاتیں "وذلک لمن کان له قلب او القی السمع و هو شهید [1] "۔

سالک راہ خدا اور مجاہد فی سبیل اللہ کا یہ بھی ایک بڑا فریضہ ہے کہ مجاہدہ و سلوک کے دوران نفس پر بھروسہ کرنے سے قطعی طور پر ہاتھ کھینچ لے اور فطری انداز میں مسبب الاسباب کی طرف متوجہ رہے اور خلقی طور پر مبدا حقیقی (خدا) سے تعلق پیدا کر لے اور اس وجود مقدس سے نگہداری و حفاظت کی دعا مانگے۔ اسی کی دستگیری پر اعتماد کرے اور خلوتوں میں اس کے حضور میں تضرع و زاری اور فریاد کرے اور اپنے اصلاح حال کی کوشش کے ساتھ اس سے اصلاح حال کی توفیق مانگے۔ کیونکہ اس کی ذات پاک کے علاوہ اور کہیں پناہ نہیں ہے۔

والحمد للہ

۱۔ "یہ اس کے لئے ہے جو دل (آگاہ) رکھتا ہو یا پوری طرح گوش سماعت کو (کلام حق کے) حوالہ کر دے" سورۂ ق / ۳۷۔

فصل دوازدهم

حبّ دنیا سے انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے

اس بات کی طرف اشارہ کہ دنیا کی محبت خیال کے انتشار کا مصدر اور حضور قلب سے مانع ہے اور بقدر ممکن اس کے عـــلاج کا بیان۔

معلوم رہے کہ فطرت وخلقت کے اعتبار سے قلب جس چیز سے بھی علاقہ اور محبت پیدا کرلے، اس کی توجہ کا قبلہ وہی محبوب ہے اور اگر کوئی مشغولیت حال محبوب اور جمال مطلوب کے بارے میں تفکر سے مانع ہوجائے تو مشغولیت کم ہوتے ہی مانع دور ہوجاتا ہے اور قلب فوراً اپنے محبوب کی طرف پرواز کر کے پھر اسی کے دامن سے لپٹ جاتا ہے۔ اہل معرفت اور صاحبان جذبہ الہیہ اگر قوت قلب کے حامل ہوں اور جذبہ ومحبت میں متمکن ہوں تو ہر آئینہ میں وہ جمال محبوب کا اور ہر موجود میں کمال مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور "وما رایت الا (و) رایت الله فیه ومعه [1] " اور اگر ان کے سرور وسردار نے یہ فرمایا ہے کہ: "لیغان علی قلبی وانّی لا ستغفر الله فی کل یوم سبعین مرة [2] " تو اس لیے فرمایا ہے کہ جمال محبوب کو آئینہ میں، خصوصاً دھندلے آئینہ میں، جیسے ابو جہلی آئینہ میں دیکھنا کاملین کے لیے کدورت

۱۔ "کوئی چیز میں نے نہیں دیکھی مگر یہ کہ اس میں اور اس کے ساتھ خدا کو دیکھا" (منقول از امیر المؤمنین علیہ السلام) علم الیقین، ج ۱ ص ۴۹۔

۲۔ "کبھی کبھی میرے دلّ پر ایک غبار سا بیٹھ جاتا ہے اور میں ہر روز ستر بار خدا سے استغفار کرتا ہوں" مستدرک الوسائل، "کتاب الصلاۃ" "ابواب الذکر" باب ۲۲، حدیث ۱۔

ہے اور اگر ان کا دل قوی نہ ہو اور کثرت میں اشتغال حضور قلب سے مانع ہوجائے تو جیسے ہی یہ اشتغال کم ہوتا ہے ان کا طائر قلب اپنے آشیانہ قدس کی طرف پرواز کرجاتا ہے اور جمال جمیل میں محو ہوجاتا ہے۔

طالبان غیر حق بھی، جب اہل معرفت کی نظر میں سب کے سب طالب دنیا ہیں، جو بھی ان کا مطلوب ہے، اسی کی طرف متوجہ اور اسی سے متعلق رہتے ہیں۔ وہ بھی اپنے مطلوب کی محبت میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور حبّ دنیا نے ان کے دلوں کی تمام قوتوں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ کسی وقت بھی دنیا کی محبت سے علیحدہ نہیں ہوتے اور ہر حال اور ہر چیز میں اپنے محبوب کا جمال دیکھتے ہیں اور اگر ان کی محبت ذرا کم ہوجائے تو فرصت پاتے ہی ان کا قلب محبوب کی طرف مڑجاتا ہے۔ وہ لوگ جن کے دل میں مال اور ریاست وشرف کی محبت ہے، خواب میں بھی اپنے محبوب ہی کو دیکھتے ہیں اور بیداری میں بھی اپنے محبوب کے ساتھ وقت گزارتے ہیں اور جب وہ دنیا میں مشغول ہوتے ہیں تو گویا اپنے محبوب سے بغلگیر رہتے ہیں اور جب نماز کا وقت آتا ہے تو یوں کہنا چاہیے کہ تکبیرۃ الاحرام ان کی دوکان کنجی بن جاتی ہے یا ان کے اور ان کے محبوب کے درمیان حائل پردہ کو ہٹا دیتی ہے۔ بس اس وقت ہوش میں آتے ہیں جب سلام پھیرتے ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ کوئی توجہ اس کی طرف نہیں رکھے ہوتے ہیں اور ساری نماز فکر دنیا میں مخلوط ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ ظلمت وکدورت کا اثر جس کے علاوہ چالیس پچاس سال کی نمازوں سے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور جو تقرب حق کی معراج اور اس کی بارگاہ پاک سے انس کا سرمایہ ہونا چاہیے تھی وہی ساحت تقرب سے مہجور اور مقام انس تک عروج پانے سے ہمیں میلوں دور کردیتی ہے۔ اگر نماز میں بندگی کی ذرا بھی بو ہوتی تو اس کا نتیجہ خاکساری وتواضع اور فروتنی کی شکل میں نکلتا نہ کہ خود پسندی، خود فروشی اور کبر ونخوت کی صورت میں جو سب کی سب انسان کی ہلاکت وشقاوت کے مستقل اسباب ہیں اور ان میں سے ہر ایک بدبختی وتباہی کا ایک انفرادی سبب ہے۔

الغرض چونکہ ہمارا دل محبت دنیا سے آمیزش رکھتا ہے اور دنیا بنانے کے سوا اور کوئی مقصد ومقصود نہیں ہے، لہٰذا قہری طور پر یہ محبت دنیا فراغت وحضور قلب سے مانع ہوجاتی ہے اور علم وعمل دونوں سے اس مہلک مرض اور گھر اور گھرانوں کو برباد کرنے والے اس فساد کا علاج نفع بخش ہے۔

وہ علم جو اس مرض کے علاج کے لیے نفع بخش ہے، وہ اس کے نتائج پر نظر رکھنا اور ان کے اور ان

سے پیدا ہونے والے نقصانات اور تباہیوں کے درمیان تقابل کرنا ہے۔ مؤلف نے شرح "اربعین" میں اس موضوع سے متعلق ایک شرح لکھی ہے اور بقدر امکان تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس مقام پر بھی اہلبیت عصمتؑ کی بعض احادیث کی شرح پر اکتفا کر رہا ہوں۔

"فی الکافی عن ابی عبداللہ علیہ السلام، قال: راس کل خطیئۃ حبّ الدنیا [۱] " اور بھی کثیر روایات اس مضمون کی عبارت کے اختلاف کے ساتھ وارد ہوئی ہیں [۲]۔

جاگتے ہوئے انسان کے لیے یہی ایک حدیث شریف کافی ہے اور اس بڑی مہلک خطا سے بچنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تمام خطاؤں کا سرچشمہ اور تمام فسادات کی اصل و بنیاد دنیا کی محبت ہے۔ تھوڑے تامل سے تقریباً تمام اخلاقی اور اعمالی مفاسد اسی شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار ہیں۔ کوئی جھوٹا مذہب اور باطل دین ہو اس دنیا میں اس کی بنیاد اسی سے پڑی ہے اور کوئی فساد دنیا میں پیدا نہیں ہوا مگر اس کے پیدا ہونے اسی کی تباہ کاریوں کا دخل ہے۔ قتل وغارت، ظلم وزیادتی اسی ایک غلطی کے نتائج ہیں۔ فجور وفحشاء (گناہگاری، بدکاری، جھوٹ، حق کی نافرمانی، تباہ کاری۔ حد سے بڑھی ہوئی برائیاں۔ بدترین کردار وگفتار) چوری اور تمام سختیوں اور مصیبتیں فساد کے اسی جرثومہ سے جنم لیتی ہیں۔ محبت دنیا میں پڑا ہوا انسان تمام معنوی فضائل اور روحانی شمائل سے دور ہوتا ہے۔ شجاعت وبہادری، عفت وپاک دامنی، سخاوت وکرم اور عدالت وانصاف، جن سے تمام فضائل نفسانیہ کی ابتدا ہوتی ہے، دنیا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ معارف الہیہ۔ اسماء وصفات اور افعال وذات میں توحید، حق جوئی وحق بینی۔ محبت دنیا کی ضد ہیں۔ طمانینت نفس، سکون خاطر اور راحت قلب، جو دونوں جہان کی روح سعادت ہیں، دنیا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ استغنائے قلب، عزت وعظمت نفس، حریت وآزادی کا حصول دنیا سے بے اعتنائی کے نتیجہ ہی ہوتا ہے۔ جبکہ محتاجی اور ذلت، حرص اور لالچ، کمزوری اور چاپلوسی محبت دنیا کے لوازم ہیں۔ عطوفت ورحم، میل جول، باہمی مودت ومحبت، دنیا کی محبت سے مختلف ہیں۔ بغض وکینہ، ظلم وجور، قطع رحم، نفاق اور دوہرا کردار اور دوسرے فاسد اخلاق واطوار اسی ام الامراض کی اولاد ہیں۔

۱۔ "ہر خطا کا منشا ومصدر دنیا کی محبت ہے" اصول کافی "کتاب الایمان والکفر" "باب حبّ الدنیا والحرص علیہا" حدیث ۱۔

۲۔ باب مذکور کی تمام روایات نمبر ۱ سے نمبر ۷ تک کے لئے سابقہ حوالہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

"وفی مصباح الشریعة، قال الصادق علیه السلام:

الدنیا بمنزلة صورة: راسها الکبر، وعینها الحرص، واذنها الطمع، ولسانها الریاء، ویدها الشهوة، ورجلها العجب، وقلبها الغفلة، وکونها الفناء، وحاصلها الزوال.

فمن احبها اورثته الکبر، ومن استحسنها اورثته الحرص، ومن طلبها اوردته الی الطمع، ومن مدحها البسته الریاء، ومن ارادها مکنته من العجب، ومن اطمان (خ ل: رکن) الیها اولته الغفلة، ومن اعجبه متاعها افتنته، ومن جمعها وبخل بها ردته الی مستقرها وهی النار (۱)".

دیلمی نے ارشاد القلوب میں حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "شب معراج خدائے تعالیٰ نے فرمایا: اے احمد! اگر کوئی بندہ اہل آسمان وزمین کی نمازوں کے برابر نمازیں پڑھے، ان کے روزوں کے برابر روزے رکھے، ملائکہ کی طرح غذا کو ترک کردے، عبادت گزاروں کا لباس پہنے تب بھی میں اس کے دل کے اندر دیکھتا ہوں کہ محبت دنیا کا کوئی ذرہ یا شہرت کا شوق یا اقتدار کی خواہش یا ریاکاری یا زینت دنیا کی طلب تو نہیں ہے، کیونکہ یہ چیزیں ہوں تو میری ساتھ نہیں رہ سکتا اور میں اپنی محبت اس کے دل سے نکال باہر کرتا ہوں۔ اس کے دل کو تاریک کردیتا ہوں تاکہ مجھے بھول جائے اور اپنی محبت کی مٹھاس اسے چکھنے نہیں دیتا (۲)"۔ اچھی طرح واضح ہے کہ دنیا کی محبت خدا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں اس قدر حدیثیں ہیں کہ ان

۱۔ "دنیا اس جسم کی طرح ہے جس کا سر تکبر، آنکھ لالچ، کان طمع، زبان ریاکاری وخودنمائی، ہاتھ شہوت، پاؤں خود پسندی، دل غفلت وبیخبری، وجود عدم اور اس کا نتیجہ زوال ہے۔ پس جو اس سے محبت کرتا ہے اسے تکبر وخودبینی دیتی ہے، جو اسے اچھا سمجھتا ہے اسے حرص وطمع پیش کرتی ہے اور جو اس کی طلب میں رہتا ہے اسے حرص وطمع میں ڈال دیتی ہے، جو اس کی تعریف کرتا ہے اسے ریاکاری کا لباس پہناتی ہے، جو اس سے ارادت رکھتا ہے اسے خود پسندی وخودبینی میں گرفتار کرتی ہے، جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اسے غافل کردیتی ہے، جسے اس کا مال ومتاع پسند آجائے اسے فنا کردیتی ہے اور جو دنیاوی مال ومتاع کو ذخیرہ کرتا ہے اور کنجوسی سے کام لیتا ہے اس کی قرارگاہ (قبر) کی طرف آگ بھیج دیتی ہے۔" مصباح الشریعہ، باب ۳۲ (فی صفة الدنیا)۔

۲۔ ارشاد القلوب، ج ۱ ص ۲۰۶۔

صفحات میں ان سب کے لیے گنجائش نہیں ہے۔

جب معلوم ہو گیا کہ دنیا کی محبت ہی تمام مفاسد کا منشا و مصدر ہے تو صاحب عقل اور اپنی سعادت سے دلچسپی رکھنے والے انسان کے لیے لازم ہے کہ اس درخت کو اپنے دل (کی زمین) سے اکھاڑ کر پھینک دے۔

اس بیماری کے علاج کا عملی طریقہ یہ ہے کہ محبت دنیا کے برخلاف عمل کرے۔ پس اگر مال و منال سے دلچسپی رکھتا ہے تو ہاتھ کھلا رکھے اور واجب و مستحب صدقات ادا کر کے محبت دنیا کو دل سے نکالے اور صدقات کی ادائیگی کا ایک راز دنیا سے تعلق کو کم کرنا ہے۔ اسی لیے مستحب ہے کہ انسان جس چیز کو دوست رکھتا ہے اور اس سے تعلق خاطر ہو، اس کو صدقہ کر دے۔ چنانچہ کتاب الٰہی میں ارشاد ہے: "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون [1]" اور اگر فخر و تقدم اور ریاست و اقتدار اور بڑا سمجھے جانے کا شوق ہے تو ان کے برخلاف کرے اور نفس امارہ کے دماغ کو خاک میں ملا دے تاکہ اصلاح ہو جائے۔

انسان کو جان لینا چاہئے کہ دنیا ایسی ہی ہے کہ جتنا زیادہ اس کے پیچھے پڑو گے اور اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے میں لگے رہو گے، اتنا ہی اس سے زیادہ علاقہ پیدا ہوتا جائے گا اور جب نہ ملے گی تو افسوس بھی روز بروز بڑھتا جائے گا۔ یوں کہنا چاہئے کہ دنیا کی طلب ایسی طلب ہے جس کا حاصل ہونا انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ انسان گمان کرتا ہے کہ میں بس فلاں حد تک دنیا کا طالب ہوں اس سے آگے نہیں اور جب تک اس حد تک نہیں پا لیتا ہے اس پانے میں لگا رہتا ہے۔ اس راہ میں تکلیفیں جھیلتا ہے اور خود کو تباہیوں میں ڈالتا ہے۔ جیسے ہی دنیا کسی حد تک مل جاتی ہے تو اب اسے عادت پڑ جاتی ہے اور اس کا عشق و علاقہ دوسری چیز سے مربوط ہو جاتا ہے جو اس سے بالاتر ہے اور خود کو اب بالاتر کے حاصل کرنے کے لیے زحمت و مشقت میں ڈالتا ہے اور یہ عشق کہیں رکنے کا نام نہیں لیتا، بلکہ ہر لحہ بڑھتا ہی جاتا ہے اور زحمت و مشقت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس فطرت و جبلت کو ہرگز قرار نہیں ہے۔ اہل معرفت نے اسی فطرت سے بہت سے معارف کا اثبات کیا ہے، جن کو بیان کرنے کا ان اوراق میں حوصلہ نہیں ہے۔ ان

۱۔ "ہرگز تم نیکی (اور اللہ کے احسان) تک نہ پہنچو گے جب تک وہ چیز راہ خدا میں نہ دے دو جسے تم دوست رکھتے ہو" سورۃ آل عمران / ۹۲۔

مطالب کی طرف بعض احادیث میں اشارہ ہوا ہے؛ چنانچہ کافی شریف میں حضرت باقر العلوم (ع) سے روایت کی گئی ہے کہ: "دنیا کے حریص کی مثال ریشم کے کیڑے کی ہے جس قدر بھی وہ اپنے چاروں طرف (لعاب کے تار) لپیٹتا جاتا ہے اسی قدر اس جال سے چھٹکارا پانے سے دور ہوتا جاتا ہے اور ایک دن اسی غم میں مرجاتا ہے [۱]".

حضرت امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے کہ: "دنیا کی مثال دریا کے پانی کی ہے کہ جتنا زیادہ انسان پیتا ہے اس کی پیاس اور بھڑکتی جاتی ہے، یہاں تک یہی پانی اسے پیاسا مار ڈالتا ہے [۲]".

۱۔ اصول کافی، ج ۳ ص ۲۰۲ "کتاب الایمان والکفر" "باب ذم الدنیا والزہد فیہا" حدیث ۲۰ اور "باب حبّ الدنیا والحرص علیہا" حدیث ۷۔

۲۔ حوالہ سابق، حدیث ۲۴۔

تتمیم

نفس کا رخ دنیا کی طرف سے موڑے رہیے

اے طالب حق! اور اے سالک راہ خدا! جب تم نے طائر خیال کو گرفت میں لے لیا اور واہمہ کے شیطان کو زنجیر پہنا دی اور زن وفرزند سمیت دنیا کے تمام احوال کی نعلین اتار دی اور اللہ کے فطری عشق کی چنگاری سے انس پیدا کرلیا اور "انّی آنست ناراً [1]" کہہ دیا اور خود کو سیر کے موانع سے خالی پالیا اور اسباب سفر فراہم کرلیے تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہو اور اس مادی اندھیر نے گھر اور دنیا کی تنگ وتاریک گزر گاہ سے ہجرت کرجاؤ. زمانے کی زنجیروں اور ہتھکڑیوں بیڑیوں کو توڑ ڈالو اور اس زندان سے خود کو آزاد کرلو اور طائر قدس کو محفل انس کی طرف پرواز دو.

تورا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر ندانمت کہ در این دام گہ چہ افتاد ست [2]

صدائیں عرش سے دیتے ہیں ہمصفیر تجھے! پتہ نہیں، تجھے اس دام کی پڑی کیوں ہے؟

لہذا اپنے "عزم" کو مستحکم کرو اور قوت ارادی کو مضبوط بناؤ کیونکہ سلوک کی پہلی شرط عزم ہے

۱۔ حضرت موسیٰؑ کی اپنے عیال سے گفتگو کا ایک حصہ "اذ رایٰ ناراً فقال لاھلہ امکثوا انی آنست ناراً..." سورۂ طٰہٰ / ۱۰ سورۂ نمل / ۷.

۲۔ حافظ کا شعر ہے.

اور عزم کے بغیر راہ طے نہیں ہو سکتی اور کمال تک رسائی ممکن نہیں۔ شیخ بزرگ شادہ آبادی (۱) روحی فداہ عزم کو مغز انسانیت سے تعبیر کرتے تھے ، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ تقوی اور خواہشات نفسانی سے بچنے ، ریاضیات شرعیہ اور عبادات ومناسک الٰہیہ کے نکات میں سے ایک نکتہ قوت عزم اور ملکی قوتوں کا ملکوت نفس کے زیر اثر مقہور ہوجانا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہوچکا۔ اب ہم اس مقالہ کو ذات پاک کبریا جلّ جلالہ ، کی حمد و تسبیح اور سید مصطفیٰ اور نبی مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پر تمام کرتے ہیں اور ان ذوات مقدسہ کی روحانیت سے تائید چاہتے ہیں اس سفر روحانی اور معراج ایمانی کے لئے۔

۱۔ مرحوم آیت اللہ میرزا محمد علی اصفہانی شاہ آبادی ، فقیہ ، اصولی ، عارف و فیلسوف عظیم ، فرزند مرحوم آیت اللہ میرزا محمد جواد حسین آبادی اصفہانی ، ۱۲۹۲ ھ ق میں اصفہان میں پیدا ہوئے ۔ اصفہان اور تہران میں مقدمات علمی کے مراحل طے کرنے کے بعد حوزہ ہائے مقدسہ نجف وسامراء تشریف لے گئے اور وہاں کے بزرگ اساتذہ جیسے مرحوم صاحب جواہر ، آخوند خراسانی ، شریعت اصفہانی کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوئے اور جلد ہی درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے ۔ آپ نے فقہ ، فلسفہ وعرفان میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا اور ان علوم کی تدریس میں مشغول ہوئے اور ان کا حوزۂ درس سامراء کے مستحکم ترین حوزات میں شمار ہونے لگا۔ عراق سے واپسی کے بعد پہلے تہران میں قیام کیا۔ پھر قم چلے گئے اور سات سال تک قم میں قیام پذیر رہے ۔ ان کی قم میں رہائش کے دوران حضرت امام خمینیؒ نے ان کے درس اخلاق وعرفان سے استفادہ کیا۔ امام امتؒ نے اس کتاب اور دوسری کتب ورسائل میں متعدد مواقع پر اپنے استاد عالی قدر کا ذکر نہایت احترام واجلال کے ساتھ فرمایا ہے اور ان کے افادات کو نقل کیا ہے ۔ مرحوم شاہ آبادی نے مختلف علوم وفنون کی تدریس اور لائق شاگردوں کی تربیت کے علاوہ مختلف موضوعات پر متعدد تالیفات (علمی میراث کے طور پر) چھوڑی ہیں۔ یہ مرد بزرگ علم وعمل ۱۳۶۹ ھ ق میں ۷۷ سال کی عمر میں تہران میں ملا اعلیٰ سے جاملے اور حضرت شہزادہ عبدالعظیم حسنی کے جوار میں مقبرۂ شیخ ابو الفتوح رازی میں مدفون ہوئے۔

حشرہ اللہ مع النبی محمد وآلہ الطاہرین ۔

مقالہ ثانیہ

نماز کے مقدمات اور بعض آداب قلبیّہ

اس میں چند مقاصد ہیں

مقصد اول

طہــــارت

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

"طہور" کا اجمالی بیان

جیسا کہ سابق میں اشارہ کیا جاچکا، نماز کی ظاہری صورت کے علاوہ ایک حقیقت ہے اور اس ظاہر کے علاوہ ایک باطن ہے اور جس طرح صورت نماز کے صوری آداب و شرائط ہیں، اسی طرح باطن کے بھی آداب و شرائط ہیں. سالک کو جن کی مراعات کرنا چاہیے. چنانچہ طہارت کی ایک صورت اور اس صورت کے مخصوص آداب ہیں، جن کا بیان اس کتاب کے موضوع سے خارج اور فقہائے مذہب جعفری نے، خدا ان کا بول بالا کرے اور ان کے درجات کو بلند کرے، انہیں بیان کیا ہے. البتہ آداب باطنی اور طہارت باطنی کو ہم اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں.

معلوم رہنا چاہیے کہ چونکہ نماز کی حقیقت مقام قرب کی طرف عروج اور مقام حضور حق تک پہنچنا ہے، لہذا اس عظیم مقصد اور بلند ترین منزل تک پہنچنے کے لیے کچھ طہارتیں لازم ہیں جو ظاہری طہارت کے علاوہ ہیں. اس راہ کے کانٹے اور اس عروج کے موانع وہ آلودگیاں ہیں جن میں کسی ایک میں بھی سالک اگر گر پڑ جائے تو اس زینہ پر نہیں چڑھ سکتا اور معراج کی اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا. ان آلودگیوں میں سے جو کچھ بھی ہے وہ مانع نماز اور شیطانی نجاست ہے اور جو کچھ سیر میں سالک کے لیے معاون ہے اور آداب حضور میں شامل ہے وہ اس حقیقت کے شرائط میں سے ہے. سالک الی اللہ کو لازم ہے کہ سب سے پہلے موانع اور آلودگیوں کو دور کرے تاکہ طہارت سے متصف ہوجائے اور

حصول طہور، جو عالم نور سے ہے، اس کے لیے آسان ہوجائے، کیونکہ جب تک ظاہری و باطنی آلودگیوں سے تطہیر نہ ہوجائے گی اس وقت تک سالک کو نہ محضر سے فائدہ ہو گا نہ حضور سے۔

آلودگیوں کے مراتب میں سب سے پہلا نفس کے ظاہری آلات اور قوتیں ہیں جو گناہوں اور منعم حقیقی کی نافرمائیوں سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ ابلیس کا ظاہری صوری جال ہے۔ جب تک انسان اس جال میں گرفتار رہے گا اس وقت تک محضر قدرت کے فیض اور قرب الٰہی کے حصول سے محروم رہے گا۔ کوئی بھی اس گمان میں نہ رہے کہ مملکت انسانیت کی ظاہری تطہیر کے بغیر حقیقت انسانیت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے یا باطن قلب کی تطہیر کرسکتا ہے۔ یہ ایک شیطانی غرور اور ایک بڑا ابلیسی فریب ہے، کیونکہ گناہوں کے ساتھ ہی، جو روحانیت پر مادیت کے غلبہ سے ہوتے ہیں، قلبی آلودگیاں اور تاریکیاں بڑھ جاتی ہیں اور جب تک ظاہری مملکت کو فتح نہ کرلے اس وقت تک باطنی فتوحات، جو بڑا مقصد ہیں، یکسر محروم رہے گا اور سعادت کی کوئی راہ اس کے لیے نہ کھل سکے گی۔

لہٰذا اس سلوک کے بڑے موانع میں سے ایک مانع گناہ اور آلودگیاں ہیں جو عبرت آمیز توبہ کے پاک وپاکیزہ پانی سے پاک کی جانی چاہئیں۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ تمام ظاہری و باطنی قوتیں جو خدائے تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں، خدا کی امانتیں ہیں، جو تمام آلودگیوں سے پاک وپاکیزہ تھیں، بلکہ فطرت الٰہی کے نور سے روشن تھیں اور ابلیس کے تصرف کی ظلمت وکدورت سے دور تھیں اور جب عالم مادی کے ظلمتکدہ میں نازل ہوئیں اور واہمہ کے شیطان کا دست تصرف اور ابلیس کا دست خیانت ان کی طرف بڑھا تو طہارت اصلی اور فطرت اولی سے باہر آگئیں اور طرح طرح کی شیطانی گندگیوں اور نجاستوں سے آلودہ ہوگئیں۔ اب اگر سالک الی اللہ نے عنایت ولی اللہ کے دامن سے متمسک ہوکے شیطان کے دست تصرف کو دور کردیا اور مملکت ظاہر کو پاک کرلیا اور الٰہی امانتوں کو ویسا ہی واپس کردیا جیسی ملی تھیں تو اس نے امانت میں خیانت نہیں کی اور اگر کی ہو تو اللہ ستار العیوب ہے، بخش دے گا۔ ظاہری لحاظ سے آسودہ خاطر ہوجانا چاہیے اور اخلاق فاسدہ کی نجاستوں سے باطن کو خالی کرنے میں لگ جانا چاہیے۔

یہ (اخلاق فاسدہ کی گندگی) آلودگیوں کا دوسرا مرتبہ ہے جس کا فساد بیشتر اور علاج دشوار تر

ہے اور ارباب ریاضت کی نظر میں بہت اہم ہے، کیونکہ جب تک نفس کا باطنی اخلاق فاسد رہے گا اور معنوی آلودگیاں دل کو گھیرے میں لیے رہیں گی تب تک مقام قدس اور خلوت انس میں جانے کی اہلیت نہیں پیدا ہوسکتی، بلکہ اخلاق فاسدہ اور عادات خبیثہ ہی سے نفس کی ظاہری مملکت میں فساد رونما ہوتا ہے اور جب تک سالک بری عادتوں کو اچھی عادتوں میں تبدیل نہ کردے اس وقت تک اعمال شر اور فساد سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور اگر توبہ کی توفیق بھی حاصل ہوجائے پھر بھی وہ استقامت نہیں حاصل ہوسکتی جو اہم امور میں سے ایک ہے۔

لہذا ظاہر کی تطہیر بھی باطن کی تطہیر پر موقوف ہے. علاوہ اس کے خود باطنی آلودگیاں سعادت سے محرومی کا سبب اور اخلاقی دوزخ کے پیدا ہونے کا مصدر ہیں جو اہل معرفت کے بیان سے باہر اور اعمال کے دوزخ سے زیادہ گرم ہے. اس کی طرف احادیث اہل بیت علیہم السلام میں بہت اشارہ کیا گیا ہے۔

لہذا سالک الیٰ اللہ کے لیے یہ طہارت بھی ضروری ہے. اخلاق فاسدہ کی آلودگی کو علم اور عمل صالح کے پاک وپاکیزہ پانی سے لوح نفس سے دور کرلینے کے بعد تطہیر قلب میں مشغول ہونا چاہیے جو (مملکت بدن کا) ام القریٰ ہے اور اس کی صلاح پر تمام ممالک کی صلاح موقوف ہے اور اس کے فاسد ہونے سے سب فاسد ہوجاتے ہیں. عالم دل کی آلودگیاں تمام آلودگیوں کا مبدا ومنشا ہیں. دل کی آلودگیوں کا مطلب غیر حق سے تعلق اور اپنی ذات اور عالم کی طرف توجہ ہے. یہ دو قسم کی محبتوں سے پیدا ہوتی ہیں. ایک محبت دنیا سے پیدا ہوتی ہیں جو سب سے بڑی خطا ہے. دوسری محبت نفس جو تمام بیماریوں کی ماں ہے. جب اس محبت کا ریشہ سالک کے دل میں باقی ہے تب تک اللہ کی محبت کا کوئی اثر پیدا نہیں ہوگا اور منزل مقصود کی طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آئے گا اور جب تک اس محبت کا کچھ بھی بچا کھچا حصہ سالک کے دل میں ہے اس وقت تک اس کی سیر اللہ کی طرف نہیں ہے، بلکہ نفس کی طرف، دنیا کی طرف اور شیطان کی طرف ہے. لہذا حقیقی سلوک الیٰ اللہ کا پہلا مرتبہ طہارت محبت نفس اور محبت دنیا سے تطہیر ہے. اس لیے کہ اس تطہیر سے پہلے سلوک اللہ کی طرف نہیں ہوسکتا اور بڑی آسانی کہہ دیا جاتا ہے " سلوک " اور " سالک " !

اس منزل کے بعد وہ منزلیں ہیں جن کے بعد "عطار" کے عشق کے "سات شہروں" کا ایک نمونہ حاصل ہوتا ہے اور اس قائل سالک نے ایک خم میں ایک ہی کوچہ کو دیکھا ہے اور ایک ہم ہیں جو ابھی شہر پناہ کی دیواروں اور دبیز پردوں کے پیچھے ہی پڑے ہوئے ہیں اور ان شہروں اور شہریاروں صرف اشعار کا حصہ سمجھتے ہیں۔

مجھے شیخ "عطار" یا "میثم تمسار" سے کوئی کام نہیں ہے، لیکن میں اصل مقامات کا انکار بھی نہیں کرسکتا اور جسے یہ مقامات حاصل ہیں اس کو دل وجان سے چاہتا ہوں اور اس محبت میں کامیابی وخوشحالی کی امید بھی رکھتا ہوں۔ تم جو چاہتے ہو چاہو اور جس کے ساتھ ہونا ہے ہوجاؤ۔

مدعی خواست کہ آید بہ تماشا گہ دوست   دست غیب آمد و بر سینہ نامحرم زد [1]

سوئے تماشا گہ یار بڑھ رہا تھا حریف

کہ دست غیب پڑا اجنبی کے سینہ پر

لیکن بنائے عرفانی کے ساتھ اخوت ایمانی اور محبت روحانی میں خیانت روا نہیں رکھتا اور نصیحت سے باز نہیں آسکتا جو مؤمنین کے ایک دوسرے پر حقوق میں سے ایک حق ہے۔

معنوی آلودگیوں میں سے ایک آلودگی "جہل مرکب" ہے جو سات سمندروں میں غوطہ دینے سے بھی پاک نہیں ہوتی۔ انبیائے کرام علیہم السلام بھی اس کو پاک کرنے سے عاجز آگئے۔ جہل مرکب وہ مصدر ہے جس سے اہل اللہ اور اہل معرفت کہ مقامات کے انکار کی پیچیدہ بیماری پیدا ہوتی ہے اور اصحاب قلوب کے بارے میں بدگمانی جنم لیتی ہے اور جب تک انسان اس گندگی سے آلودہ ہے تب تک ایک قدم بھی معارف کی طرف نہیں اٹھا سکتا، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ کدورت نور فطرت کو جو چراغ ہدایت ہے، خاموش کردیتی ہے اور آتش عشق کو جو مقامات کی طرف عروج کا براق ہے، بجھا دیتی ہے اور انسان کو ہمیشہ کے لیے مادیات کی زمین پر چھوڑ دیتی ہے۔

لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ انبیاء واولیائے کاملین صلوات اللہ علیہم کے احوال کے بارے میں تفکر

۱۔ حافظ کا شعر ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں "تماشا گہ راز" ہے۔

اور ان مقامات کے بارے میں تذکر کرکے باطن قلب سے ان گندگیوں کو دھو ڈالے اور جس حد پر پہنچا ہے اس پر قناعت نہ کرے، کیونکہ کسی بھی حد پر ٹھہر جانا اور معارف پر قناعت کرلینا ابلیس اور نفس امارہ کی حقیقت پوشی ہے "نعوذ باللہ منہما".

اور چونکہ یہ رسالہ عوام کے ذوق کے موافق لکھا جا رہا ہے لہذا اولیاء کی تطہیرات ثلاثہ کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے.

فصل دوم

مراتب طہور کی طرف کچھ اشارہ

معلوم رہے کہ انسان جب تک عالم طبیعت اور مادۂ ہیولانی کی منزل میں ہے، لشکر الٰہی اور لشکر ابلیسی کے تصرف میں ہے۔ لشکر الٰہی لشکر رحمت وسلامت وسعادت ونور وطہارت وکمال ہے اور لشکر ابلیسی اسی کے مقابل ومخالف ہے اور چونکہ جہات ربوبیت جہات ابلیسیت پر غلبہ رکھتی ہیں اس لیے بدو فطرت میں انسان کو قدرت کی طرف سے نورانیت، سلامتی اور سعادت ملی ہے۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں صراحتاً اور کتاب شریف میں اشارۃً بیان کردیا گیا ہے [1] اور جب تک انسان اس عالم میں ہے اپنے اختیار کے قدموں سے خود کو ربوبیت اور ابلیسیت دونوں میں سے کسی ایک کے تصرف میں دے سکتا ہے تو اگر اول فطرت سے آخر تک ابلیس اس پر تصرف ہی نہ کرسکے تو ایسا انسان "الٰہی لاہوتی" ہوتا ہے جو سر سے پا تک نور وسعادت وطہارت ہے۔ اس کا قلب نور حق ہوتا ہے جو حق کے علاوہ کسی طرف توجہ نہیں کرتا اور اس کی ظاہری وباطنی قوتیں پاک اور نورانی ہوتی ہیں جن میں حق کے سوا کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ ابلیس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور ابلیس کے لشکر کو کبھی اس

۱۔ ان میں ایک یہ آیت شریفہ ہے "فاقم وجھک للدین حنیفاً فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا..."۔ سورۂ روم ۳۰/۔ اور بحار الانوار کی روایات کی طرف رجوع کیا جائے، ج ۳ ص ۲۷۶، وج ۶۴ ص ۱۳۰؛ والتوحید، ص ۳۲۸ باب ۵۳۔

پر کسی قسم کا تصرف حاصل نہیں ہوسکتا اور وہ ایک شریف وکریم موجود کی طرح طاہر مطلق اور نور خالص ہوتا ہے اور اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں (۱)۔ وہی اصلی طور پر فتح مطلق کا مالک اور عصمت کبریٰ کا حامل ہے اور دوسرے معصومینؑ بھی اسی کی ذات مقدس کے اتباع کی وجہ سے انہیں مقامات کے حامل ہیں۔ آنحضرت (ص) مقام خاتمیت کے حامل ہیں جو کمال علی الاطلاق ہے اور چونکہ اوصیاء انہیں کی طینت کی پیدا ہوئے ہیں اور انہیں کی فطرت سے متصل ہیں، لہذا انہیں کے اتباع میں وہ بھی صاحبان عصمت مطلقہ ہیں اور انہیں رسول (ص) کی تبعیت کاملہ حاصل ہے، لیکن انبیاء واولیاء میں بعض معصومین (ع) عصمت مطلقہ کے حامل نہیں ہیں اور شیطان کے تصرفات سے خالی نہیں ہوتے۔ چنانچہ آدمؑ کا شجرۂ ممنوعہ کی طرف متوجہ ہونا اس شیطان اکبر کے تصرفات میں سے ایک تصرف ہے جو شیطانوں کا شیطان ہے۔ حالانکہ وہ درخت اللہ کی بنائی ہوئی جنت کا درخت تھا مگر اس کے باوجود "کثرت اسمائی" کا حامل ہے جو آدمیت کاملہ کے مقام کے منافی ہے۔ یہ شجرۂ ممنوعہ کے معانی میں سے ایک معنی یا اس کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔

اور اگر نور فطرت صوری ومعنوی میل اور گرد وغبار سے آلودہ ہوگیا تو جس قدر آلودگی ہوگی اسی کے بقدر تقرب کی بساط اور انس کی حاضری سے دور اور مہجور ہوجائے گا، یہاں تک کہ اگر یہ آلودگی بڑھتی چلی گئی تو اس حد تک پہنچ جائے گی کہ نور فطرت بالکل ہی خاموش ہوجائے اور مملکت بالکل ہی مملکت شیطانی بن جائے اور ظاہر وباطن، سر وعلن سب شیطان کے تصرف واختیار میں چلا جائے، اس وقت شیطان ہی اس کا دل ہوگا اور شیطان ہی اس کے کان اور آنکھیں اور وہی اس کے ہاتھ پاؤں، اس کا تمام اعضاء شیطانی ہوجائیں گے اور اگر کوئی شخص ـ خدا نہ کرے ـ اس مقام تک پہنچ گیا تو وہ شقی مطلق ہوجائے گا۔ سب سے بڑی بدبختی اس کی تقدیر بن جائے گی اور سعادت کا رخ اسے کبھی نظر نہ آسکے گا۔ انتہائے سعادت اور انتہائے شقاوت کے درمیان میں بہت سے مقامات اور مراتب ہیں جو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور جو شخص بھی نبوت کے افق سے قریب ہوجائے وہ اصحاب یمین

۱۔ آیہ شریفہ " لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر " کی طرف اشارہ ہے۔ سورۂ فتح / ۲۔

میں سے ہے اور جو ابلیسیت کے افق سے نزدیک ہوجائے وہ اصحاب یسار میں شمار ہوگا۔

معلوم رہے کہ فطرت میں آلودگی پیدا ہوجائے تو اس کو صاف و پاک کرنا ممکن ہے اور جب تک انسان اس دنیا میں ہے اس وقت تک شیطان کے تصرف سے نکلنا اختیاری اور آسان ہے اور ملائکۃ اللہ کے گروہ میں شامل ہونا جو اللہ کے لشکر رحمانی ہیں، یسر ہوسکتا ہے اور حقیقت جہاد نفس، جو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اعدائے دین کے مقابل جہاد کرنے سے افضل وبہتر ہے اور وہی "جہاد اکبر" ہے [1] در اصل لشکر ابلیس کے تصرف سے نکلنا اور لشکر خدا کے تصرف میں داخل ہونا ہے۔

لہذا طہارت کا پہلا مرتبہ سنن الہیہ کو عمل میں لانا اور احکام حق کو بجا لانا ہے۔

دوسرا مرتبہ اخلاقی فضائل اور اعلیٰ شمائل سے آراستہ ہونا ہے۔

تیسرا مرتبہ قلبی طہارت ہے جس کا مطلب ہے "قلب کو حق کے سپرد کردینا" اس سپردگی اور تسلیم کے بعد ہی قلب نورانی ہوجاتا ہے بلکہ خود عالم نور درجات نور الہی کا ایک جزء بن جاتا ہے اور قلب کی نورانیت قلب سے آگے بڑھ کر تمام دوسرے اعضاء وجوارح اور باطنی قوتوں میں سرایت کرجاتی ہے۔ تمام مملکت نور بلکہ "نور علیٰ نور" ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ طہارت اس منزل تک پہنچ جاتی ہے کہ قلب "الہٰی لاہوتی" ہوجاتا ہے اور لاہوت کی تجلی ظاہر و باطن کے تمام مراتب میں پھیل جاتی ہے۔ تب عبودیت کلی طور پر فانی اور مخفی ہوجاتی ہے اور ربوبیت ظاہر وہویدا ہوتی ہے۔ اس عالم میں قلب سالک کو ایک طمانینت اور ایک انس حاصل ہوتا ہے اور سارا عالم اس کا محبوب ہوجاتا ہے۔ الہی جذب وکشش کا وہ حال ہوجاتا ہے۔ خطائیں اور لغزشیں اس کی نظر میں مغفور اور تجلیات محبت کے سایہ میں مستور ہوجاتی ہیں اور اس کے لیے ولایت کے ظہور کی ابتدا ہوجاتی ہے۔ وہ محضر انس میں باریاب ہونے کی لیاقت پیدا کرلیتا ہے۔ اس کے بعد اور بھی منزلیں ہیں جن کا ذکر ان اوراق کی گنجائش سے مناسبت نہیں رکھتا۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۶۷ ص ۶۵ و ج ۱۹ ص ۱۸۲۔

فصل سوم

طہارت کی غرض سے پانی کی طرف متوجہ ہوتے وقت سالک کیلیے قلبی آداب

اس سلسلہ میں ہم مصباح الشریعہ سے ایک حدیث نقل کرکے اس کا ترجمہ کرتے ہیں تاکہ اہل ایمان کے شفاف دلوں کو اس سے نورانیت حاصل ہو۔

فی مصباح الشریعة، قال الصادق علیه السلام: " اذا اردت الطهارة والوضوء، فتقدم الی الماء تقدمک الیٰ رحمة الله، فان الله تعالیٰ قدجعل الماء مفتاح قربته ودلیلاً الیٰ بساط خدمته. وکما ان رحمة الله تطهر ذنوب العباد، کذلک النجاسات الظاهرة یطهرها الماء لا غیر. قال الله تعالیٰ: " هو الذی ارسل الریاح بشراً بین یدی رحمته وانزلنا من السماء ماءً طهوراً " وقال الله تعالیٰ: " وجعلنا من الماء کل شی حیٍ، افلا یؤمنون " فکما احیا به کل شی من نعم الدنیا، کذلک برحمته وفضله جعل حیوة القلوب الطاعات، وتفکر فی صفاء الماء ورقته وطهره وبرکته ولطیف امتزاجه بکل شی واستعمله فی تطهیر الاعضاء التی امرک الله بتطهیرها (خ ل: وتعبدک باداء ها) وآت بآدابها فی فرائضه وسننه؛ فان تحت کل واحدة منها فوائد کثیرة. فاذا استعملتها بالحرمة، انفجرت لک عیون فوائده عن قریب.

ثم عاشر خلق الله کامتزاج الماء بالاشیاء : یؤدی کل شی حقه ولا یتغیر عن معناه، معتبراً لقول رسول الله صلی الله وآله وسلم مثل المؤمن المخلص (خ ل: الخاص) کمثل الماء. ولتکن صفوتک مع الله تعالیٰ فی جمیع طاعتک کصفوة الماء حین انزله من السماء وسماه طهوراً. وطهر قلبک بالتقویٰ والیقین عند طهارة جوارحک بالماء [۱] ".

اس حدیث شریف میں لطیف وباریک رموز اور حقائق واشارات ہیں، جن سے اہل معرفت کے قلوب زندہ ہوتے ہیں اور اصحاب قلوب کی شفاف روحوں کو حیات تازہ ملتی ہے. فرماتے ہیں:

جب تم طہارت اور وضو کا ارادہ کرو تو پانی کی طرف اس طرح متوجہ ہو جیسے رحمت حق کی طرف متوجہ ہوتے ہو، کیونکہ اللہ نے پانی کو اپنے تقرب، مناجات اور اپنی بارگاہ میں راہنمائی کی کنجی قرار دیا ہے اور جس طرح رحمت خدا گناہوں کو دور کر دیتی ہے اسی طرح پانی صرف ظاہری نجاستوں کو پاک کر دیتا ہے. خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے: "وہی ہے جس نے ہواؤں کو رحمت کے آنے کی بشارت دینے کے لیے بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک وپاکیزہ برسایا [۲] " اور خدائے تعالیٰ نے فرمایا: "اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا [۳] ".

اس حدیث میں پانی کی رحمت سے تشبیہ، بلکہ تاویل کی گئی ہے. اس کے نکات میں ایک نکتہ یہ ہے کہ پانی رحمت حق کے عظیم مظاہر میں سے ایک مظہرہ ہے. جسے عالم مادیات میں نازل کیا ہے اور اسے موجودات کے لیے سرمایہ زندگی قرار دیا ہے، بلکہ اہل معرفت اللہ کی " اس رحمت واسعہ کو "آب" سے تعبیر کرتے ہیں جو حضرت اسماء وصفات کے رفیع الدرجات آسمان سے نازل ہوتا ہے اور تعینات اعیان کی زمینیں اس سے زندہ ہوتی ہیں " اور چونکہ اللہ کی رحمت واسعہ کا جلوہ دنیا کے دیگر موجودات کی بہ نسبت آب ملکی ظاہری میں زیادہ ہے، لہذا اللہ نے اسے ظاہری میل کچیل سے تطہیر کا ذریعہ بنایا اور اپنے تقرب ومناجات کے دروازہ کی کنجی قرار دیا اور اپنی بارگاہ میں باریابی کیلیے

۱۔ مصباح الشریعہ، "الباب العاشر" فی الطہارۃ.

۲۔ سورۂ فرقان / ۴۸.

۳۔ سورۂ انبیاء / ۳۰.

رہنما مقرر فرمایا جو اس کی باطنی رحمتوں کا باب الابواب ہے، بلکہ آب رحمت حق ہر عالم وجود میں اور غیب وشہود کے ہر منظرستان میں نازل وظاہر ہوتا ہے (اور ہر عالم کے موافق ومناسب کتاب) بندگان خدا کے گناہوں کو دھوتا ہے۔ اور آسمان احدیت سے نازل ہونے والے آب رحمت سے وہ گناہ دھلتے ہیں جو تعینات اعیان کی غیبت سے پیدا ہوتے ہیں اور آسمان واحدیت کے پانی سے ان گناہوں کی تطہیر ہوتی ہے جو خارجی آمادگی اور مستعدی نہ ہونے سے وجود میں آتے ہیں اور یہ تطہیر وجود کے مراتب میں سے ہر مرتبہ پر اس مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔

انسان کی خلقت کے مراتب میں بھی آب رحمت طرح طرح سے ظہور کرتا ہے۔ چنانچہ جو آب رحمت حضرت ذات سے تعینات، جمعیہ برزخیہ پر برستا ہے اس سے وجود کے اندرونی گناہ دور ہوتے ہیں۔ "وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب [1]" اور جو آب رحمت اسماء وصفات اور تجلی فعلی سے نازل ہوتا ہے اس سے رویت صفت وفعل کی تطہیر ہوتی ہے اور حکم عدل کے آسمان سے آسمان سے جو پانی برستا ہے اس سے باطنی خلقی میل صاف ہوتا ہے اور غفاریت کے آسمان سے جو پانی آتا ہے اس سے بندوں کے گناہ دھل جاتے ہیں اور آسمان ملکوت سے جو بارش رحمت ہوتی ہے اس سے صوری غلاظتیں صاف ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے پانی کو کلید تقرب اور رہنمائے بارگاہ رحمت قرار دیا ہے۔ اس کے بعد حدیث شریف ایک اور حکم دیتی ہے اور اہل سلوک ومراقبہ کے لیے ایک اور راہ کھولتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: اور پانی کی شفافیت اس کی نرمی ونزاکت اور پاکیزگی وبرکت اور ہر چیز کے ساتھ گھل مل جانے پر غور کرتے جاؤ اور اسے ان اعضاء کی طہارت میں استعمال کرو جن کی طہارت کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے اور واجبات ومسنونات وضو میں ان کے آداب (طہارت) بجالاؤ، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی تہ میں کثیر فائدے پوشیدہ ہیں۔ جب تم احترام کے ساتھ انہیں بجالاؤ گے تو جلد ہی ان کے فوائد کے چشمے تمہارے لیے پھوٹ نکلیں گے۔

۱۔ "تیرا وجود ایک ایسا گناہ ہے جس کے سامنے کسی گناہ کا قیاس نہیں ہوسکتا"

اس حدیث میں قاعدۂ کلیہ کے طور پر طہارت کے مراتب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور طہارت کے چار مرتبے بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک مرتبہ حدیث کے ہمارے نقل کردہ حصہ میں بیان ہوا ہے اور وہ ہے تطہیر اعضاء۔ اشارہ اس بات کی طرف کیا گیا ہے کہ اہل سلوک اور اہل مراقبہ کو محض صورتوں اور ظواہر پر ٹھہرے نہ رہنا چاہیے بلکہ ظاہر کو باطن کا آئینہ بنالینا چاہیے اور صورتوں سے حقیقتوں کو کشف کرتے رہنا چاہیے۔ صرف ظاہری تطہیر پر قناعت نہ کرنا چاہیے، کیونکہ یہ ایک دام ابلیس ہے۔ لہذا صفائے آب کے ذریعہ اعضاء کے تصفیہ سے فارغ ہونے کے بعد انہیں اعضاء کو فرائض وسنن الٰہیہ کی ادائیگی سے صاف کریں اور ان میں صفا پیدا کریں اور ان عبادات کی شفافیت سے اعضا کو شفاف بنائیں اور عصیان کی کثافت سے باہر آئیں اور طہور کو تمام اعضاء میں سرایت کردیں اور اشیاء میں پانی کے گھل مل جانے کی لطافت سے ادراک کریں کہ الٰہی ملکوتی قوتیں عالم مادی میں کیسے گھل مل جاتی ہیں، لیکن مادی آلودگیوں کو ان پر اثر انداز نہ ہونے دیں۔ جب اعضاء سنن وفرائض الٰہیہ اور ان کے آداب سے آراستہ ہوجائیں تو رفتہ رفتہ باطنی فوائد ظاہر ہونے لگیں گے اور اسرار الٰہیہ کے چشمے پھوٹنا شروع ہوجائیں گے اور اسرار عبادت وطہارت کی ایک جھلک اس کو نظر آئے گی۔ طہارت کے پہلے مرتبہ اور اس کا دستور بتانے کے بعد امامؑ نے دوسرا مرتبہ اور دوسرا دستور بتایا۔

فرماتے ہیں: اس کے بعد خلق خدا کے ساتھ اس طرح میل جول رکھو جیسے پانی چیزوں کے ساتھ گھل مل جاتا ہے کہ ہر چیز کا حق اسے دیتا ہے مگر اپنی معنویت کو نہیں بدلتا اور قول رسول خدا صلی علیہ وآلہ وسلم پر غور کرو۔ آپ (ص) نے فرمایا ہے: "مؤمن خالص (خ ل: خاص) کی مثال پانی کی مثال ہے"۔

پہلا دستور کا تعلق انسان سالک کے اپنے اعضاء اور داخلی قوتوں کے ساتھ معاملہ سے ہے اور دوسرا دستور جو حدیث شریف کے اس فقرہ میں ہے، انسان کے خلق خدا کے ساتھ معاملہ سے ہے۔ یہ ایک ایسا جامع دستور ہے جس میں خلق خدا کے ساتھ سالک کے لیے زندگی بسر کرنے کا طریقہ بھی بیان کردیا ہے جس کے ضمن میں خلوت کی حقیقت بھی معلوم ہوجاتی ہے اور وہ یوں ہے کہ سالک الی اللہ

عین اس حال میں جب لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرتے ہوئے میل جول رکھے ہوئے ہے اور مخلوق کے حقوق ادا کررہا ہے اور ہر شخص کے ساتھ اس کے مناسب حال معاملہ کررہا ہے، حقوق الٰہیہ کی محافظت کرے اور اپنی معنویت کو جو عبودیت اور حق کی طرف توجہ سے عبارت ہے، ہاتھ سے نہ جانے دے اور عین اس حال میں، جب کثرت میں ڈوبا ہوا ہے. خلوت میں ہو اور اس کا دل جو منزلگاہ محبوب ہے، اغیار سے خالی اور نقش ونگار سے پاک ہو. اس کے بعد امامؑ نے تیسرا دستور بیان فرمایا اور وہ "خدائے تعالیٰ کے ساتھ سالک کے معاملہ کی کیفیت ہے".

فرماتے ہیں: خدائے تعالیٰ کے ساتھ تمام اطاعات میں تمہیں اسی طرح صاف ہونا چاہئے جیسے پانی صاف ہوتا ہے جب خدا اسے آسمان سے نازل کرتا ہے اور اس کا نام "طہور" رکھا ہے.

یعنی سالک الی اللہ کو مادیت کے تصرف سے خالص ہونا چاہئے اور کدورت وظلمت کو اس کے دل میں راہ نہ پانا چاہئے اور اس کی عبادات کو ظاہری وباطنی ہر قسم کے شرک سے پاک ہونا چاہئے اور بالکل اسی طرح جیسے پانی آسمان سے برستے وقت پاک ہوتا ہے! اور کسی طرح کی کثافت کے تصرف کا ہاتھ اس کو چھو نہیں سکا ہے. قلب سالک کو جو غیب ملکوت کی بلندیوں سے پاک وپاکیزہ اتارا گیا ہے، شیطان اور مادیت کے تصرف میں آکے گندگیوں سے آلودہ نہ ہونے دے. اس دستور کے بعد امامؑ نے چوتھا اور آخری دستور اہل ریاضت وسلوک کے لیے بیان فرمایا.

فرماتے ہیں: آب تقویٰ ویقین سے اپنے دل کو بھی پاک کرتے جاؤ جس وقت تم اپنے اعضاء کو پانی سے پاک وپاکیزہ کررہے ہو.

اس میں اہل معرفت کے دو بلند مقامات کی طرف اشارہ ہے:

ایک تقویٰ، جس کا کمال ترک غیر حق ہے.

دوسرا یقین، جس کا کمال حضور محبوب کا مشاہدہ ہے.

فصل چہارم

طہور

"طہور" یا تو "پانی" ہوتا ہے اور وہی اس باب میں اصل ہے اور یا "زمین" ہے۔

معلوم رہے کہ انسان سالک کے لیے مقصد اعلیٰ اور مقام قرب ربوبیت تک پہنچنے کے لیے کلی طور پر دو طریقے ہیں۔ ان دو میں سے ایک، جو مقام اولیت واصالت رکھتا ہے، سیر الی اللہ ہے، مقام رحمت مطلقہ کی طرف توجہ کے ساتھ اور خصوصاً رحمت رحیمیہ کی طرف جو ایسی رحمت ہے جو ہر موجود کو اس کے لائق ومناسب مقام تک پہنچاتی ہے۔ رحمت رحیمیہ کے شعبوں ہی میں سے ایک شعبہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی بعثت ہے جو راہنمایان منزل اور پیچھے رہ جانے والوں کی دستگیری کرنے والے ہیں، بلکہ اہل معرفت اور اصحاب قلوب کی نظر میں رحمت الٰہیہ ہی دار تحقق صورت ہے اور مخلوقات ہمیشہ رحمت حق کے دریاؤں میں مستغرق رہتے ہیں۔ مگر اس سے فیض حاصل نہیں کرتے۔ خدا کی یہ عظیم کتاب، جو عالم غیب اور قرب ربوبیت سے نازل ہوئی ہے اور ہم مہجوروں اور محروموں کے استفادہ اور ہم زندان مادیات کے اسیروں کی رہائی اور تمناؤں اور خواہشات نفس کی پیچ در پیچ زنجیروں میں جکڑے ہوؤں کی نجات کے لیے لفظ وکلام کی شکل میں آئی ہے، رحمت الٰہی کے عظیم ترین مظاہر میں سے ہے جس سے ہم اندھے بہروں نے کسی طرح سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ آخری رسول اور ولی مطلق جس نے ربوبیت کی بارگاہ قدس سے اور الوہیت کی محفل قرب وانس سے اس

غربت ووحشت میں قدم رنجہ فرمایا اور ابوجہلوں بلکہ ان سے بھی بدتر لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ان کے پاس آنے جانے کی مصیبت میں گرفتار رہا اور اس کا نالہ " لیغان علی قلبی [۱] " اہل معرفت وولایت کے دلوں کو تڑپاتا رہا اور تڑپا رہا ہے، اللہ کی رحمت واسعہ اور کرامت مطلقہ ہے جس کی اس خرابہ عالم میں تشریف آوری عالم اسفل وادنیٰ کے باشندوں پر رحمت کے لیے اور ان کو اس دار غربت ووحشت سے نکالنے کے لیے تھی. جیسے طوقدار کبوترا پنے ساتھیوں کی رہائی کے لیے خود کو دام بلا میں گرفتار کرادیتا ہے [۲] .

سالک الیٰ اللہ کو چاہیے کہ آب رحمت سے تطہیر کو اللہ کی نازل کردہ رحمت سے استفادہ کی صورت سمجھے اور جب تک اس کو رحمت سے استفادہ میسر ہے، اس کے لیے اٹھ کھڑا ہو. لیکن جب کسی ذاتی کوتاہی وخطا یا معذوری ومجبوری کی بناپر (تقصیر یا قصور) استفادہ سے محروم ہوجائے اور آب رحمت مفقود ہوجائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی ذلت ومسکنت اور فقر وفاقہ کی طرف متوجہ ہوجائے. جب ذلت عبودیّت کو اپنا نصب العین بنالے گا اور اپنے مضطر وفقیر ہونے اور ممکن بالذات ہونے کی طرف ہوجائے گا اور تکبر وغرور اور خود خواہی سے باہر آجائے گا تو رحمت کا ایک دروازہ اس کے لیے کھل جائے گا اور مادی زمین اس کے لیے رحمت کی صاف وشفاف زمین میں تبدیل ہوجائے گی اور " تراب احد الطہورین [۳] " ہوجائے گی اور رحمت ولطف حق کا نزول اس پر ہوگا. یہ فکر، یعنی اپنی ذلت کا احساس، جس قدر انسان میں قوی ہوتا جائے گا اسی قدر اس پر زیادہ ورود رحمت ہوگا اور اگر صرف اپنے قدم پر اعتماد کرتے ہوئے اور اپنے عمل پر انحصار رکھتے ہوئے یہ راہ طے کرنا چاہی تو ہلاک ہوجائے گا، کیونکہ ممکن ہے اس کو دستگیری حاصل نہ ہوسکے. جیسے کوئی بچہ جب خود اپنی

۱۔ حاشیہ نمبر ۲ ص ۷۹ .

۲۔ کلیلہ ودمنہ ، باب الحمامۃ المطوقۃ .

۳۔ اس روایت کی طرف اشارہ ہے جو مرحوم آخوند خراسانی (قدس سرہ) نے کفایۃ الاصول ، ج ۱ ص ۱۳۰ پر یوں تحریر فرمائی ہے، قولہ علیہ السلام: " التراب احد الطہورین یکفیک عشر سنین " (خاک دو پاک کرنے والی چیزوں میں سے ایک ہے اور تمہارے لیے دس سال کے واسطے کافی ہے) .

ہمت وجسارت سے چلتا ہے اور اپنے قدموں پر نازاں اور اپنی قوت پر مغرور ہوجاتا ہے تو باپ کی عنایت وتوجہ اس کی طرف نہیں رہتی اور باپ اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے. لیکن جب اپنی مجبور اور عاجزی کو اپنے باپ کے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنے اوپر اعتماد اور اپنی قوت پر انحصار کرنے سے یکسر الگ ہوجاتا ہے تو باپ کی عنایت وتوجہ کا مستحق ہوجاتا ہے اور وہ اس کی دستگیری کرتا ہے، بلکہ (فرط محبت سے) اس کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے اور اپنے قدموں سے اس کی راہ طے کرادیتا ہے. لہذا بہتر یہی ہے کہ سالک اپنے پائے سلوک کو شکستہ کردے اور اپنے اور اپنی ریاضت وعمل پر اعتماد کرنے سے بالکل بری الذمہ ہوجائے اور اپنی خودی اور خودی کی قدرت وقوت سے فانی ہوجائے اور اپنی فنا اور اپنے اضطرار کو ہمیشہ نظر میں رکھے تاکہ عنایت حق کا مستحق ہوجائے اور سو سال کی راہ جذبۂ ربوبیت کے ایک ہی رات میں طے کرلے اور اس کی زبان باطن اور زبان حال عجز وانکسار کے ساتھ محضر ربوبیت میں عرض کرے " امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء [1] ".

۱۔ "وہ کون ہے کہ پریشاں حال جب اس کو پکارتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے اور اس کی پریشانی کو دور کرتا ہے" نمل / ۶۲.

فصل پنجم

وضو کے کچھ باطنی و قلبی آداب

من ذلک ما ورد عن الرضا علیہ السلام: "انما امر بالوضوء لیکون العبد طاہراً اذا قام بین یدی الجبار وعند مناجاتہ ایاہ، مطیعاً لہ فیما امرہ، نقیاً من الادناس والنجاسۃ، مع ما فیہ من ذہاب الکسل وطرد النعاس وتزکیۃ الفؤاد للقیام بین یدی الجبار۔

وانما وجب علی الوجہ والیدین والراس والرجلین لان العبد اذا قام بین یدی الجبار، فانما ینکشف من جوارحہ ویظہر ما وجب فیہ الوضوء، وذلک انہ بوجہہ یسجد ویخضع، وبیدہ یسال ویرغب ویرہب ویتبتل، وبراسہ یستقبلہ فی رکوعہ وسجودہ وبرجلیہ یقوم ویقعد... [1]۔

فرماتے ہیں: وضو کا حکم صرف اس لیے دیا گیا ہے تاکہ بندہ خدائے جبار کے سامنے اور حق سے مناجات کے وقت پاک وصاف ہو کر کھڑا ہو اور اس لیے کہ اس کے احکام کی پابندی کرے اور نجاستوں اور کثافتوں سے پاک رہے۔ اس میں اور بھی فائدے ہیں جیسے کسالت و سستی کا دور ہونا، نیند کا خمار اتر جانا، خدائے جبار کے سامنے حاضری کے لیے دل کا پاکیزہ ہونا۔

یہاں تک وضو کا اصل رمز اور نکتہ بیان کیا گیا ہے اور اہل معرفت اور اصحاب سلوک کو متنبہ

۱۔ عیون اخبار الرضا، ج ۲ ص ۱۰۴ باب ۳۴ حدیث ۱۔

کیا گیا کہ محضر حق جلّ جلالہ میں حاضری اور قاضی الحاجات کی بارگاہ میں مناجات کے کچھ آداب ہیں جو پیش نظر رہنا چاہئیں، یہاں تک کہ صوری پلیدگیوں اور ظاہری کثافتوں اور چشم ظاہر کی کسالت کے ساتھ بھی اس بارگاہ میں نہیں جانا چاہیۓ چہ جائیکہ ایسی حالت میں جانا جب دل کثافتوں کی کان بنا ہوا ہے اور قلب، معنوی آلودگیوں میں مبتلا ہو جو تمام آلودگیوں کی اصل و بنیاد ہے۔ حالانکہ روایت میں ہے کہ " خدائے تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے [۱] " اور جس چیز کی طرف حق تعالیٰ نظر کرتا ہے اور جو کچھ تخلیق کی دنیاؤں میں کبریائے عظمت وجلال کی توجہ کے لائق ہے، وہ دل ہے۔ دوسرے اعضاء وجوارح کو اس نظر وتوجہ میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔ اس کے باوجود صوری طہارت اور ظاہری پاکیزگی کو بھی فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔ صورت طہارت کو صرف صورت انسان کے لیے قرار دے لیا گیا ہے اور باطن کو باطن کے لیے اور اس حدیث شریف میں تزکیہ نفس کو وضو کے فوائد میں قرار دیے جانے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ظاہر کے علاوہ وضو کا ایک باطن بھی ہے جس سے انسان کے باطن کا تزکیہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر وباطن اور شہادت وغیب ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ نیز یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ظاہری طہارت اور صوری وضو ایک عبادت اور اللہ کی اطاعت ہے۔ لہٰذا ظاہری طہارت باطنی طہارت کا موجب ہوتی ہے اور صوری طہارت سے قلبی تزکیہ پیدا ہوتا ہے۔

الغرض سالک الیٰ اللہ کو وضو کرتے وقت اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہیۓ کہ وہ حضرت کبریا کی بارگاہ مقدس کی طرف رخ کرنے جا رہا ہے اور دل کے ان احوال کے ساتھ جو اس وقت موجود ہیں اس محضر مقدس میں جانے کی لیاقت نہیں رکھتا، بلکہ شاید عزت ربوبیّت کے محضر میں جانے سے روک دیا جائے۔ لہذا ہمّت وحوصلہ کے ساتھ طہارت ظاہری کو باطن میں نفوذ دے اور اپنے دل کو جو مورد نظر حق بلکہ منزل گاہ حضرت قدس ہے، غیر حق سے پاک کرے اور خود اور خودی کی فرعونیت کو جو آلودگیوں کی اصلی جڑ ہے، بالکل اکھاڑ پھینکے تاکہ مقام مقدس کے لائق ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت امام رضا علیہ السلام وضو میں بعض اعضا کی تخصیص کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

۱۔ حاشیہ نمبر ۱ ص ۵۸۔

وضو صرف چہرے، دونوں ہاتھوں، سر اور دونوں پیروں پر اس لیے واجب کیا گیا ہے کہ بندہ جس وقت بارگاہ حضرت جبار میں کھڑا ہوتا ہے تو یہی اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں، کھلے ہوتے ہیں، کیونکہ چہرے سے سجدہ کرتا ہے اور خضوع کا اظہار کرتا ہے. ہاتھوں سے سوال ورغبت اور خوف ظاہر کرتا ہے اور سب سے الگ ہو کے حق کی طرف توجہ کا اظہار کرتا ہے. سر سے رکوع وسجد میں حق کے سامنے پیش ہوتا ہے اور پیروں سے اٹھتا بیٹھتا ہے اور قعود وقیام کرتا ہے۔

امام علیہ السلام کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ یہ اعضاء بندگی حق میں دخل رکھتے ہیں اور بندگی انہیں اعضاء سے ظاہر ہوتی ہے، اس لیے ان کی تطہیر لازم کی گئی ہے. اس کے بعد امامؒ نے ان باتوں کو بیان فرمایا ہے جو ان اعضاء سے ظاہر ہوتی ہیں اور ان افراد کے لیے عبرت اور استفادہ کی راہیں کھولی ہیں جو اہل ہیں اور اہل معرفت کو ان کے اسرار سے آگاہ فرمایا ہے کہ جس جس چیز سے محضر حق میں بندگی کا ظہور ہوتا ہے اسے پاک وپاکیزہ ہونا چاہیے اور ظاہری اعضاء وجوارح جو ان معنویات کا ایک نامکمل حصہ ہیں، طہارت کے بغیر اس مقام کے لائق نہیں ہیں. رہا خضوع تو حقیقی طور پر توجہ کے صفات میں شامل نہیں اور سوال اور رغبت وخوف اور تبتل (اتصال) واستقبال میں سے کوئی اعضائے حسیہ کے احوال میں شامل نہیں ہے. البتہ چونکہ اعضائے حسیہ ان کے مظاہر ہیں اس لیے ان کی تطہیر ضروری ہوئی. لہذا قلب کی تطہیر جو عبودیت کا حقیقی محل اور ان معنویات کا اصلی مرکز ہے، اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اور قلب کی تطہیر کے بغیر اگر ساتوں سمندروں میں بھی اعضائے صوریہ کو غوطہ دیا جائے تب بھی پاک نہ ہوں گے. بلکہ شیطان ان پر تصرف حاصل کرلے گا اور انسان درگاہ عزت سے نکال دیا جائے گا۔

وصل:

ومن ذلک ما عن العلل باسناده قال: جاء نفر من الیهود الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله فسالوه عن مسائل، وکان فیما سالوه: اخبرنا یا محمد (صلی اللہ علیه وآله) لای علة توضا هذه الجوارح الاربع وهی انظف المواضع فی الجسد ؟

فقال النبی (صلی اللہ علیه وآله): لما وسوس الشیطان الیٰ آدم (علیه السلام) ودنا من

الشجرة فنظر اليها، فذهب ماء وجهه، ثم قام ومشى اليها، وهى اول قدم مشت الى الخطيئة، ثم تناول بيده منها ما عليها واكل، فتطاير الحلى والحلل عن جسده فوضع آدم يده على ام راسه وبكى.

فلما تاب الله عليه، فرض الله عليه وعلى ذريتـه تطهير هذه الجوارح الاربع، فامر بغسل الوجه لما نظر الى الشجرة، وامر بغسل اليدين الى المرفقين لما تناول بهما، وامر بمسح الراس لما وضع يده على ام راسه، وامره بمسح القدمين لما مشى بهما الى الخطيئة (۱).

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ: یہودیوں نے حضرت رسول خدا (ص) سے پوچھا کہ وضو ان چار اعضا کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا حالانکہ یہ اعضاء تمام اعضاء بدن سے زیادہ پاک وصاف ہیں؟

آپ (ص) نے فرمایا: شیطان نے جب آدمؑ کو وسوسہ میں ڈالا اور وہ درخت کے نزدیک گئے اور اس کی طرف نظر کی، تو ان کے چہرے کی آب جاتی رہی، پھر اٹھے اور اس درخت کی طرف چلے اور یہ پہلا قدم تھا جو خطا کی طرف اٹھا۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ جو کچھ اس درخت میں تھا اس کو توڑا اور کھالیا، تو ان کے جسم سے زینت وزیور سب اڑ گئے اور آدمؑ نے اپنا ہاتھ اپنے سر کے اوپر رکھ لیا اور رونے لگے۔ پھر جب اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی تو ان پر اور ان کی اولاد پر ان چار اعضاء کو پاکیزہ کرنا واجب قرار دے دیا۔ چنانچہ چہرہ دھونے کا حکم اس لیے دیا کیونکہ اس سے درخت پر نظر کی اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا حکم اس لیے دیا کیونکہ ان سے ہی کھایا تھا اور سر کے مسح کا حکم اس لیے دیا کیونکہ آدمؑ نے اپنا وہی ہاتھ سر پر رکھا تھا اور پاؤں کا مسح اس لیے واجب قرار دیا کہ انہیں سے درخت کی طرف گئے تھے۔

روزہ واجب ہونے کے بارے میں بھی حدیث شریف ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا کہ آپ کی امت پر تیس دن کے روزے کیوں واجب کیے گئے (اور وہ بھی صرف دن کے وقت) آپ (ص) نے فرمایا: "آدمؑ نے جب درخت سے جو کچھ کھایا تھا تو وہ تیس دن تک ان کے پیٹ میں باقی رہا۔ لہذا اللہ

۱۔ علل الشرائع، ج ۱ ص ۲۸۰ باب ۱۹۱ حدیث ۱۔

نے آدمؑ اور ان کی اولاد پر تیس ہی دن بھوکا اور پیاسا رہنا واجب قرار دیا، لیکن ان پر یہ فضل وکرم بھی کیا کہ راتوں میں انہیں کھانے پینے کی اجازت دے دی (۱)"۔

ان احادیث شریفہ سے اہل اشارات اور اصحاب قلوب کے لیے استفادہ کے بہت مواقع ہیں کہ آدمؑ کی خطا حالانکہ دوسروں کی خطاؤں جیسی نہ تھی بلکہ شاید طبعی خطا تھی یا کثرت کی طرف توجہ کی خطا جو طبیعت اور مادیّت کا درخت تھا یا فنائے ذاتی میں جذب ہونے کے بعد کثرت اسمائی کی طرف توجہ تھی، لیکن ایسی خطا آدم علیہ السلام جیسی شخصیت سے جو صفی اللہ اور قرب وفنائے ذاتی سے مخصوص کیے گئے تھے، متوقع نہ تھی۔ لہٰذا غیرت محبت کے تقاضے کی بنا پر ذات پاک حق نے تمام عالموں میں اور تمام انبیاء علیہم السلام کی زبان سے ان کی خطا اور گمراہی کا اعلان کرایا اور فرمایا: "فعصی آدم ربه فغوی (۲)" اس وجہ سے یہ تطہیر لازم ہوئی۔ خود آدمؑ کے لیے بھی اور ان کی اولاد کے لیے بھی جو ان کے صلب میں موجود تھی اور خطا میں شریک تھی، بلکہ صلب سے الگ ہونے کے بعد بھی شرکت کی۔

پس آدمؑ اور آدمؑ کی اولاد کی خطاؤں کے جس طرح مراتب ودرجات ہیں، جن میں پہلا درجہ کثرت اسمائی کی طرف توجہ ہے اور آخری مرتبہ ممنوعہ درخت سے کھانا ہے جو اس درخت کی ملکوتی صورت ہے جس میں ان پھلوں اور میووں کی بہت سی انواع واقسام ہیں اور اس کی ملکی صورت مادیّت اور اس کے احوال ہیں اور محبت دنیا اور نفس جو اب اولاد آدمؑ میں موجود ہے درخت اور اس میں سے کھانے کی طرف میلان ہے۔ اسی طرح اولاد آدمؑ کی تطہیر و تنزیہ اور طہارت وصلاۃ وصوم کے لیے جو باپ کی خطاؤں سے باہر آنے کے لیے ہے اور جو اصل ہے، خطاؤں کے مراتب کے مطابق بہت سے مراتب ہیں۔

اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ ابن آدم کے ہر قسم کے جسمانی گناہ اور مادی خطائیں بھی اکل شجرہ کے احوال سے ہیں اور ان کی تطہیر کا ایک طریقہ ہے اور ان کے ہر قسم کے روحانی گناہ بھی اسی سے

۱۔ علل الشرائع، ج ۲ ص ۳۷۸ باب ۱۰۹ حدیث ۱۔

۲۔ "پس آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور گمراہ ہو گئے" سورۂ طٰہٰ / ۱۲۱۔

ہیں اور ان کی تطہیر کا بھی ایک طریقہ ہے۔

کاملین کے لیے اعضائے ظاہریہ کی تطہیر، قلبی اور روحانی تطہیر کا "سایہ" ہے اور اہل سلوک کے لیے ظاہر کی تطہیر قلبی وروحانی تطہیر کا دستور اور "وسیلہ" ہے اور انسان جب تک اعضاء اور ان کی طہارت کے تعین میں پڑا ہوا ہے اور اسی حد پر رکا ہوا ہے۔ اہل سلوک میں شامل نہیں ہے اور خطا میں لتی ہے، لیکن جب طہارت ظاہریہ و باطنیہ کے مراتب سے اشتغال پیدا کرلے گا اور طہارات صوریہ کو جو قشری ہے، طہارات معنویہ کا جو مغز ہیں، وسیلہ قرار دے لے گا اور تمام عبادات ومناسک میں قلبی حقوق وفرائض کا بھی لحاظ رکھے گا اور ان سے مستفید ہوگا، بلکہ جہات باطنیہ کو جہات ظاہریہ سے زیادہ اہمیت دے گا اور ان کو اہم اور بلند مقصد قرار دے گا تو راہ انسانیت کے باب سلوک میں داخل ہوجائے گا. جیسا کہ مصباح الشریعہ کی حدیث شریف میں اشارہ ہوا ہے، جہاں ارشاد ہے: "وطھّر قلبک بالتقویٰ والیقین عند طھارۃ جوارحک بالماء [1] "۔

لہذا انسان سالک کو سلوک علمی کے آغاز ہی سے لازم ہے کہ اہل ذکر سلام اللہ علیہم کی برکت سے مراتب عبادت کی تشخیص کرے اور عبادات صوریہ کو عبادات قلبیہ وروحیہ سے اتر کے آنے والی ذمہ داریاں سمجھے، تب علمی سلوک کا آغاز کرے جو سلوک کی حقیقت ہے. اس سلوک کی انتہا غیرحق سے تخلیہ نفس اور تجلیات اسمائی وذاتی سے آراستگی پر ہوتی ہے اور جب اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اس کا سلوک انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور غایت سیر کمال حاصل ہوجاتی ہے. پھر نسک وعبادات کے اسرار اور سلوک کی لطافتوں کا ادراک کرلیتا ہے اور وہی تجلیات جلالیہ ہیں جو اسرار طہارت ہیں اور تجلیات جمالیہ ہیں اور دوسری عبادتوں کا ہدف اور غرض وغایت ہیں. ان کی تفصیل ان اوراق کی ذمہ داری سے خارج ہے۔

۱۔ "اپنے اعضا کو پانی سے پاک کرتے وقت اپنے دل کو پرہیزگاری اور یقین کے ذریعہ پاک کرو" مصباح الشریعہ "الباب العاشر فی الطہارۃ"۔

فصل ششم

غسل اور اس کے قلبی آداب

اہل معرفت کا کہنا ہے کہ جنابت عبودیت کے وطن سے نکل کر غربت ومسافرت میں داخل ہونے، اپنی ربوبیت کا اظہار اور منیت کے دعوے، حدود مولا میں داخل ہونے اور سیادت کی صفت سے متصف ہونے کا نام ہے اور غسل ان آلودگیوں سے پاک ہونا اور اپنی تقصیر کا اعتراف ہے۔

بعض مشایخ (۱) نے دس فصلوں کے ضمن میں ایک سو پچاس حال بیان کیے ہیں۔ جن سے سالک کو غسل کے درمیان تطہیر کرنا چاہیے جن میں اکثر یا کل کے کل نفس کی عزت وجبروت اور تکبر وغرور اور خود بینی وخود خواہی کی طرف پلٹتے ہیں۔

مؤلف کہتا ہے کہ جنابت مادیت میں فنا اور روحانیت سے غفلت کا نام ہے اور اس کا آخری مقصد سلطنت حیوانیت وبہیمیت کا کمال اور اسفل السافلین میں داخل ہونا ہے اور غسل اسی خطا سے نکلنا اور مادیت کے حکم سے باہر آنا اور تمام مملکت نفس کو جو مادیت میں فانی اور غرور شیطانی میں مبتلا ہو گئی تھی، دھو مانج کر سلطنت رحمانی اور تصرف رحمانی میں داخل ہونا ہے۔

لہٰذا اس کے آداب قلبیہ میں یہ ہے کہ سالک الی اللہ غسل کے وقت تطہیر ظاہر اور غسل بدن ہی پر جو ایک معمولی قشر اور دنیاوی حصہ ہے، نہ ٹھہرا رہے، بلکہ باطن قلب اور سر روح کی جنابت کی

۱۔ شیخ محی الدین ابن عربی مراد ہیں۔ الفتوحات المکیہ، ج ۱ ص ۳۶۳۔

طرف توجہ رکھے اور ان کے غسل کو زیادہ ضروری خیال کرے۔ اس کے لیے نفس بہیمیہ اور شان حیوانی کو نفس انسانی وشؤون رحمانی پر غلبہ نہ کرنے دے اور شیطانی عذاب وغرور سے توبہ کرے اور باطن روح کو جو نفخہ الٰہیہ ہے اور نفس رحمانی کے ذریعہ اس میں ودیعت کیا گیا ہے۔ شیطانی حصہ داریوں سے جو غیر کی طرف توجہ یعنی اصل شجر ممنوعہ ہے (ہوسکتا ہے) پاک کرے تاکہ اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی جنّت کے لائق ہوجائے اور یاد رکھے کہ اس مادیّت کے درخت سے کھانا اور دنیا کی طرف توجہ اور کثرت کی طرف نظر اصل اصول جنابت ہے اور جب تک آب رحمت حق میں جو عرش رحمانی سے جاری اور تصرف شیطانی سے پاک ہے غوطہ لگا کے یا تطہیر تام کرکے اس جنابت سے پاک نہ ہوجائے اس وقت تک اس نماز کے لائق نہیں ہوتا جو حقیقت معراج قرب ہے " فانہ لا صلاۃ الا بطھور [1] "۔

مذکورہ حقائق کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے جو وسائل میں شیخ صدوق (رضوان اللہ علیہ) نے نقل کی ہے:

قال وباسنادہ قال: جاء نفر من الیھود الیٰ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فسالہ اعلمھم عن مسائل، وکان فیما سالہ ان قال: لای شی امر اللہ بالاغتسال من الجنابۃ ولم یامر بالغسل من الغائط والبول؟

فقال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ): ان آدم (علیہ السلام) لما اکل من الشجرۃ، دب ذلک فی عروقہ وشعرہ وبشرہ، فاذا جامع الرجل اھلہ خرج الماء من کل عرق وشعرۃ فی جسدہ، فاوجب اللہ عزوجل علیٰ ذریتہ الاغتسال من الجنابۃ الیٰ یوم القیامۃ... [2]۔

وفی روایۃ اخریٰ عن الرضا علیہ السلام: ... انما امروا بالغسل من الجنابۃ ولم یؤمروا بالغسل من الخلاء، وھو انجس من الجنابۃ واقذر. من اجل ان الجنابۃ من نفس

۱۔ "طہارت کے بغیر نماز نہیں" وسائل الشیعہ، ج ۱ ص ۲۶۱ "کتاب الطہارۃ، ابواب الوضوء" باب ۴ حدیث ۱۔

۲۔ "یہودیوں کا ایک گروہ رسول اللہؐ کے پاس آیا۔ ان کے سب سے بڑے عالم نے آپؐ سے سوالات کیے، جن میں ایک سوال یہ تھا: "خدا نے غسل جنابت کا حکم کیوں دیا اور پیشاب پاخانہ کے بعد غسل کا حکم کیوں نہیں دیا؟"

الانسان و هو شي يخرج من جميع جسده، والخلاء ليس هو نفس الانسان، انما هو غذاء يدخل من باب ويخرج من باب (۱).

اگرچہ ارباب ظاہر کے نزدیک اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ چونکہ نطفہ انسان کے سارے بدن سے خارج ہوتا ہے، اس لیے تمام بدن کا غسل لازم ہوا: یہ اطبا اور حکمائے طبیعی کی رائے کے مطابق ہے، لیکن اس کو اکل شجرہ کے سبب سے بتایا جانا، جیسا کہ حدیث اول میں ہے اور جنابت کی نفس کی طرف نسبت، جیسا کہ حدیث دوم میں ہے، اہل معرفت واشارت کے لئے معارف کی ایک راہ کھولتا ہے، کیونکہ درخت اور حضرت آدم علیہ السلام کا اس سے کھانا علوم قرآن اور علوم اہل بیت عصمت وطہارت کے اسرار میں ہے جس میں کثیر معارف پوشیدہ ہیں۔ اسی لیے احادیث شریفہ میں کثیر عبادات کی تشریع کی علت وہی قضیہ اور اکل شجرہ کو قرار دیا گیا ہے۔ جیسے وضو، غسل، نماز، صوم ماہ رمضان اور ان کا تیس دن واجب ہونا اور بہت سے مناسک حج۔ مؤلف کی نظر میں برسوں سے یہ بات ہے کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ مرتب کروں، لیکن دوسرے مشاغل مانع ہوتے رہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے توفیق وسعادت کی دعا کرتا ہوں۔

الغرض، تم فرزند آدم، دیدار قدرت کا دانہ اور لقائے الٰہی کا تخم ہو اور تمھیں معرفت کے لیے خلق کیا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ نے تمھیں اپنے لیے منتخب کیا ہے اور اپنے جلال و جمال کے دو ہاتھوں سے

== رسول اللہ نے فرمایا: "جب آدم نے درخت ممنوع سے کھایا تو وہ ان کی تمام رگوں، جلد اور بالوں میں سرایت کر گیا اور مرد جب اپنی زوجہ سے ملتا ہے تو پانی (منی) اس کی تمام رگوں اور بالوں سے نکلتا ہے۔ اس لیے خدا نے قیامت تک کے لیے فرزندان آدم پر غسل جنابت واجب کیا۔

وسائل الشیعہ، ج ۱ ص ۴۶۶ "کتاب الطہارۃ، ابواب الجنابۃ" باب ۲ حدیث ۲، بحوالہ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۱ ص ۲۲؛ والمجالس، ص ۱۱۵؛ والعلل، ص ۱۰۳۔

۱۔ امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: "یہ جو غسل جنابت کا حکم دیا گیا لیکن قضائے حاجت کے بعد حکم غسل نہیں دیا گیا ہے، حالانکہ یہ زیادہ نجس اور پلید ہے، یہ اس لیے کہ جنابت کا تعلق آدمی کے نفس سے ہے اور وہ ایسی چیز ہے جو انسان کے سارے بدن سے خارج ہوتی ہے، لیکن خلا (پیشاب پاخانہ) ایک غذا ہے جو ایک دروازہ سے داخل ہوتی ہے اور دوسرے دروازہ سے خارج ہو جاتی ہے" سابقہ حوالہ، حدیث ۴، بحوالہ العلل، ج ۱ ص ۲۸۱؛ وعیون اخبار الرضا ص ۲۹۱

تمہارا خمیر تیار کیا ہے اور مسجود ملائکہ اور محسود ابلیس قرار دیا ہے۔ اگر چاہتے کہ جنابت پدر سے جو تمہاری اصل ہے، نکل آؤ اور لقائے محبوب کے لائق ہوجاؤ اور مقام انس اور محضر قدس تک پہنچنے کی استعداد پیدا ہوجائے تو لازم ہے کہ رحمت حق کے پانی سے باطن دل کو غسل دو اور اقبال بہ دنیا (دنیا کی طرف توجہ) سے جو شجرۂ ممنوعہ کے مظاہر میں سے ایک ہے توبہ کرلو اور اپنے دل کو جو جلال جمیل اور جمال جلیل کی محفل ہے، محبت دنیا اور اس کے احوال خبیثہ سے جو شیطانی گندگی ہے، دھو کر الگ کر ڈالو، کیونکہ ملاقات حق کی جنت پاک وپاکیزہ لوگوں کے لئے ہے " ولا یدخل الجنة الا الطیّب [۱]"

شست وشوئی کن وآنگہ بخرابات خرام [۲]
آب رحمت سے نہا دھو کے خرابات میں جا

۱۔ "... والجنة لا یدخلها الا الطیّب" (جنت میں پاکیزہ کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا) اصول کافی، ج ۳ ص ۳۷۱ "کتاب الایمان والکفر" باب الذنوب، حدیث ۷۔

۲۔ "شست وشوئی کن وآنگہ بہ خرابات خرام تا نگردد ز تو این دیر خراب آلودہ" حافظ"۔

فصل ہفتم

ازالہ نجاست اور تطہیر خبائث کے کچھ قلبی آداب

ازالہ حدث، جیسا کہ بیان ہوچکا، انیت وانانیت سے نکلنا اور نفسیت سے فنا ہوجانا ہے، بلکہ بیت النفس سے کلیتہً نکل آنا ہے اور جب تک بندہ میں خودی سے کچھ بھی باقی ہے وہ محدث ہے اور حدث اکبر کی حالت میں ہے اور عابد و معبود اس کی ذات میں شیطان اور نفس ہیں. اہل طریقت وسلوک کی منازل سیر، اگر مقامات تک پہنچنا اور معارج ومدارج تک کو حاصل کرنا ہے اور یہ سیر وسلوک تصرف شیطان سے خارج نہیں ہے بلکہ ذاتی اغراض کے لیے ہے. یہ سیر وسلوک نفس کی منزلوں میں ہے اور سیر بیت النفس کے بیچوں بیچ ہو رہی ہے. ایسا سالک مسافر وسالک نہیں، نہ اللہ ورسول (ص) کی طرف ہجرت کر رہا ہے اور حدث اکبر سے جو عین عبد ہے، پاک نہیں ہوا. جب اس حدث سے پوری طرح تطہیر ہوجائے گی تو عابد بھی حق ہوگا اور معبود بھی حق ہوگا. " و کنت سمعه وبصره (۱) " جو قرب نافلہ کا نتیجہ ہے، اسی اعتبار سے حدث سے طہارت میں تمام بدن کا غسل لازم ہے، کیونکہ کسی طرح سے بھی عین عبد باقی ہے اس وقت تک حدث مرتفع نہیں ہوتا. " فان تحت کل شعرہ جنابۃ (۲) " لہذا حدث سے تطہیر اصل میں حدوث سے تطہیر ہے اور بحر قدوم میں فنا

۱۔ حاشیہ نمبر ۱ ص ۲۹ .

۲۔ " ہر بال کے نیچے جنابت ہے " بحارالانوار، ج ۸۷، ص ۵۱ " کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل الجنابۃ " حدیث ۲۳ .

ہوجانا ہے اور اس کا کمال کثرت اسمائی سے خروج ہے جو باطن شجر ہے۔ اس خروج کے بعد آدمؑ کی اس خطا سے باہر آجائے گا جو آدم کی اولاد میں سرایت کیے ہے اور وہی اصل ذریت ہے۔

پس حدث ایک معنوی آلودگی ہے اور اس کی تطہیر امور غیبیۂ باطنیہ میں ہے اور نور ہے۔ لیکن وضو نور محدود ہے اور غسل نور مطلق ہے " وایی وضوء انقیٰ من الغسل [۱] " خبث اور نجاسات ظاہریہ کے ازالہ کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے، کیونکہ وہ صوری تنظیف اور ظاہری تطہیر ہے اور اس کے قلبی آداب یہ ہیں کہ جو بندۂ سالک محضر حق میں حاضری کا ارادہ کررہا ہے وہ جان لے کہ شیطان خبیث کے رجس وخبث کے ساتھ محضر حق میں راہ پانا ممکن نہیں اور جب تک بنیادی اخلاقی برائیوں کو جو انسانیت کے ترقی یافتہ اور باکمال شہر کا مبدا فساد اور ظاہری و باطنی خطاؤں کا منشا ہیں، راہ پانے دے گا، مقصد کی طرف کوئی راستہ نہ ملے گا اور مقصود کو حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ہاتھ نہ آئے گا۔

شیطان، جو عالم قدس کے جوار میں رہتا تھا اور کروبین کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا، آخر کار عادات خبیثہ کی وجہ سے مقربین بارگاہ کے مقام سے دور اور " فاخرج منها فانک رجیم [۲] " کی پکار کے ساتھ راندۂ درگاہ کردیا گیا، تو ہم جو کاروان عالم غیب سے بچھڑ گئے ہیں، مادیات کے گہرے کنویں میں پڑے ہوئے ہیں اور اسفل السافلین میں پلٹا دیے گئے ہیں، شیطانی خبیث عادات واطوار رکھتے ہوئے کس طرح محضر قدس کے لائق ہوسکتے ہیں اور کیسے روحانیین کا جوار اور مقربین کی رفاقت حاصل کرسکتے ہیں۔ شیطان نے خود بینی کا مظاہرہ کیا تھا اور اپنی ناریت پر توجہ کی اور " انا خیر منه [۳] " کہا تھا۔ نفس کی یہ خود پسندی تکبر وخود پرستی کا سبب بن گئی اور آدم علیہ السلام کی تحقیر وتوہین کرنے لگا۔ " خلقته من طین " کہہ کے ایک غلط اور باطل قیاس کیا۔ آدمؑ کی خوبی اور ان کا روحانی کمال نہیں دیکھا۔ آدمؑ کے ظاہر اور مقام طینیت وترابیت کو دیکھا اور اپنے مقام ناریت کو اپنی خود بینی وخود خواہی کے شرک سے غافل ہوگیا۔ حبِّ نفس رویت نقص کا پردہ اور اس کے عیوب کے شہود کا حجاب بن

۱۔ " غسل سے زیادہ پاکیزہ کون سا وضو ہے " جامع احادیث الشیعہ، " کتاب الطہارۃ، ابواب الغسل واحکامہ " باب ۱۲۔

۲۔ " (جنت سے) باہر ہو کیونکہ تو دھتکارا ہوا ہے " سورۂ ص / ۷۷ اور سورۂ حجر / ۳۴۔

۳۔ " قال انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین " سورۂ ص / ۷۶۔

گئی۔ یہ خود بینی و خود خواہی، تکبر و خود پرستی، ریا و خود نمائی اور معصیت و خود رائی کا سبب بن گئی اور معراج قدس سے مادیت کے اندھیرے گھر کی سرگرانی میں پھینک دیا گیا۔

لہٰذا سالک الی اللہ کو چاہیے کہ صوری ارجاس وادناس کی تطہیر کے وقت بنیادی رذائل اور باطنی شیطانی گندگیوں سے اپنی تطہیر کرے اور آب رحمت حق اور شرعی ریاضت سے اپنے عالی شان شہر کی دھلائی کرے۔ قلب کا تصفیہ کرے جو حق کی جلوہ گاہ ہے۔ حب جاہ و شرف کی نعلین اتار دے تاکہ وادی مقدس "ایمن" میں داخل ہونے کے لائق ہوجائے اور تجلی رب کے قابل ہوجائے اور جب تک ارجاس خبیثہ سے تطہیر نہ ہوجائے گی احداث سے تطہیر ممکن نہ ہوگی، کیونکہ ظاہر کی تطہیر باطن کی تطہیر کا مقدمہ ہے۔ جب تک دستور شریعت کے مطابق مکمل ملکی و دنیائی تقویٰ حاصل نہ ہوجائے گا، اس وقت تک تقوائے قلبی ظاہر نہ ہوگا اور جب تک ان امور کے ذریعہ جن کا شمار کیا جاچکا، تقوائے قلبی حاصل نہ ہوگا۔ باطنی اور حقیقی روحانی تقویٰ نہیں پیدا ہوسکتا اور تقویٰ کے تمام مراتب اسی باطنی تقویٰ کا مقدمہ ہیں جو ترک غیر حق سے عبارت ہے۔

جب تک سالک میں انانیت کا کوئی ذرہ باقی ہے، اس کے باطن میں تجلی نہیں پیدا ہوسکتی۔ ہاں! کبھی ایسا ضرور ہوسکتا ہے کہ رحمت خود ہی بڑھے اور جذبہ ید اللہی کے غلبہ کی وجہ سے سالک کی غیبی دستگیری ہوجائے اور شعلہ الہیٰ انیت کے باقی ماندہ خس وخاشاک کو جلا کر خاکستر کردے۔ ہوسکتا ہے کہ پہاڑ پر حق کی تجلی اور اس کا ریزہ ریزہ ہونا اور حضرت موسیٰؑ کا غش کھا جانا اسی بات کی طرف اشارہ ہو۔ سالک مجذوب اور مجذوب سالک کے درمیان بھی یہی فرق ہے اور اہل حقیقت انہیں ذکر شدہ باتوں میں سے جاننے کے قابل کسی ایسے ایک نکتے اور اہم مطلب کو گرفت میں لے لیتے ہیں، جس سے ناواقف رہنا بہت سی گمراہیوں اور سرگردانیوں کے پیدا ہونے اور راہ حق سے پیچھے رہ جانے کا سبب ہوتا ہے اور کسی طالب حق کے لیے اس سے ناواقف رہنا روا اور اس سے غفلت کرنا جائز نہیں ہے۔

جاننے کے قابل وہ نکتہ اور اہم مطلب یہ ہے کہ شخص سالک اور طالب حق کو چاہیے کہ خود کو بعض جاہل اہل تصوف اور ظاہر بیں غافلوں کی افراط وتفریط سے دور رکھے تاکہ اس کے لیے سیر الی اللہ ممکن

ہوجائے، کیونکہ ان میں سے بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ ظاہری علم و عمل ایک زائد اور فالتو چیز ہے اور جاہلوں اور عام لوگوں کے لیے ہے، لیکن وہ لوگ جو اہل اسرار اور اہل حقیقت ہیں اور اصحاب قلوب اور ارباب سابقہ حسنیٰ ہیں انہیں ان اعمال کی احتیاج نہیں ہے. یہ ظاہری اور قالبی اعمال قلبی حقائق کو حاصل کرنے اور مقصد تک پہنچنے کے لیے ہیں اور جب سالک اپنے مقصد تک پہنچ چکا تو مقدمات میں پڑے رہنا مقصد سے دور ہوجاتا ہے اور کثرت میں مشغول رہنا حجاب ہے.

اسی کے مقابل دوسرے گروہ نے تفریط کا رخ اختیار کیا ہے اور معنوی مقامات اور الٰہی اسرار ہی کے منکر ہوگئے ہیں. محض ظاہر و صورت اور قشر کے سوا دیگر امور کو یکسر نہیں مانتے اور ان امور کو تخیلات اور اوہام قرار دیتے ہیں. ان دونوں گروہوں کے برابر کشمکش اور آویزش و خصومت چلی آرہی ہے. ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کو مخالف شریعت سمجھتا ہے.

مگر حق یہ ہے کہ دونوں ہی گروہ حد اعتدال سے کچھ الگ ہوگئے ہیں. ایک افراط کا شکار ہے دوسرا تفریط کا. ہم نے رسالہ "سر الصلوۃ" میں اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس مقام پر بھی راہ اعتدال، جو صراط مستقیم ہے، بتاتے ہیں.

معلوم ہونا چاہیے کہ صوری مناسک اور قالبی عبادات صرف کامل روحانی ملکات اور قلبی حقائق حاصل کرنے کے لیے نہیں ہیں، بلکہ یہ تو ان عبادات کا ایک ثمرہ ہیں. لیکن اہل معرفت کے نزدیک اور اصحاب قلوب کی نظر میں تمام عبادات معارف الٰہیہ کو باطن سے ظاہر میں اور رمز سے آشکارا شکل میں نفوذ دینے کا نام ہے اور جس طرح رحمت رحمانیہ بلکہ رحیمیہ کی نعمت تمام انسانی قلبی و قالبی نشئات میں پھیلی ہوئی ہے اور اللہ کی جامع نعمتوں میں سے ہر مرتبہ کا ایک حصہ ہے، ہر ایک کو واجب مطلق کی رحمانی و رحیمی نعمت پر شکر اور ثنائے حق کا حصہ اور نصیب ہے اور جب تک نفس کا دنیا کے صوری خلقت میں حصہ ہے اور حیات ملکی نصیب ہے، اس وقت تک کثرت کی بساط یکسر اٹھ نہیں جاتی ہے اور مادیت کے حظوظ و حقوق مرتفع نہیں ہوجاتے اور سالک الی اللہ کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ قلب کو غیر حق میں مشغول نہ ہونے دے اسی طرح سینہ، خیال اور ملک طبیعت کو بھی غیر حق میں مصروف نہیں کرنا چاہیے تاکہ قدم کے تمام نشئات میں توحید و تقدیس راسخ ہوجائے اور اگر

روحانی جذبہ کو ملک طبیعت (مادیّت) میں حق کے لیے تواضع و بندگی کے علاوہ اور بھی کچھ نتیجہ حاصل ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انانیت نفس کچھ باقی رہ گئی ہے اور سالک کی سیر بیت نفس کے بیچ ہی میں ہے۔ سیر الی اللہ نہیں ہے۔

اہل اللہ کی سیر کی انتہا یہ ہے کہ طبیعت و ملک کو صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگ دیں اور شاید حدیث شریف کے مراتب و بواطن میں ہے جو لسان حق تعالیٰ سے نکلی ہے (حدیث قدسی میں ہے) " انا اللہ ، انا الرحمن. خلقت الرحم و شققت لها اسماً من اسمی، فمن وصلها وصلته، و من قطعها قطعته [1] " ایک مرتبہ اور ایک باطن یہی قطع طبیعت (مادیّت) کو اس کے اصلی مرکز سے قطع کرنا ہو اور اس کا وصل اس کی ریاضت اور اس کو اس کے موطن عبودیّت کی پلٹانا ہے، کیونکہ طبیعت ہی ام الارواح ہے۔

وفی الحدیث عن ابی عبداللہ ؑ قال: "استوصوا بعمتکم النخلة خیراً؛ فانها خلقت من طینه آدم [2] " اس حدیث شریف میں اسی "رحیمیت" کی طرف اشارہ ہے جو مذکور ہوئی۔

الغرض، مملکت ظاہر کو موطن عبودیّت سے نکال باہر کرنا اور اسے خود سر بنانا اہل معرفت کے مقامات سے انتہائی ناواقفیّت کا ثبوت ہے اور شیطان مردود کی ایک چال ہے جو ہر گروہ کو کسی بھی طریقہ سے حق تعالیٰ کی عبادت سے روکتا ہے۔ چنانچہ مقامات کا انکار اور طریق معارف کو روکنا جو اولیائے خدا کی خنکی چشم ہے اور شرائع الٰہیہ کو ظاہر میں محدود کرنا جو نفس کے ملک اور اس کے مقام حیوانیت کا ایک حصہ ہے اور عبادت کے باطنی اسرار و آداب سے غفلت جو روح کی تطہیر اور قلب کی تعمیر اور باطن کی ترقی کا موجب ہے انتہا درجہ کی غفلت و نادانی ہے۔ ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک انسانیت کے طریق سعادت اور صراط مستقیم سے دور اور اہل معارف کے مقامات سے مہجور ہے

۱۔ "میں ہوں اللہ، میں ہوں رحمان. رحم (قرابت داری) کو میں نے پیدا کیا اور اس کے نام کو اپنے ہی نام سے نکالا. پس جو شخص صلہ رحم کرتا ہے میں اس سے قریب ہوجاتا ہوں اور جو قطع رحم کرتا ہے میں اس سے رشتہ توڑ لیتا ہوں"۔
بحارالانوار، ج ۷۱، ص ۹۵، بحوالہ معانی الاخبار، ص ۳۰۲۔

۲۔ "اپنی پھوپی، درخت خرما کے بارے میں اچھا سلوک کرو، کیونکہ اسے طینت آدم سے پیدا کیا گیا ہے"۔ بحارالانوار، ج ۶۶ ص ۱۲۹، بحوالہ محاسن ص ۵۲۸۔

جبکہ عارف باللہ اور مقامات کے جاننے والے کو چاہیے کہ تمام باطنی اور ظاہری حقوق کی مراعات کرے اور صاحب حق کو اس کا حق دے اور غلو وتقصیر اور افراط وتفریط سے اپنی تطہیر کرے اور صورت شریعت کے انکار کی آلودگیوں کا ازالہ بھی کرے جو فی الحقیقہ تحدید ہے اور باطن شریعت کے انکار کی خباثت کا ازالہ بھی کرے جو تقیید ہے، اور یہ دونوں شیطان لعین کے وسوسے اور خباثتیں ہیں، تاکہ سیر الی اللہ اور مقامات معنویہ تک رسائی آسان ہوجائے.

پس، ازالہ خبث کے مراتب میں سے ایک اوہام فاسدہ کی خباثت کا ازالہ ہے جو قرب خدا اور معراج مؤمنین سے مانع ہے. نبوت ختمی مرتبت (ص) کی جامعیت کے معانی ومقامات میں ایک، بلکہ ان کی خاتمیت کا ایک ثبوت، یہ ہے کہ تمام نفسانی مقامات میں نفس کے حقوق کا شریعت کے تمام احوال میں پورا پورا خیال رکھا ہے اور جس طرح ربوبیت کا اعلیٰ ترین اور ادنیٰ ترین حق پہنچوا دیا ہے اور جامعیت کی ساتھ اس کی معرفت کرادی ہے اور کبھی ارشاد ہوا ہے " هو الاول والاخر والظاهر والباطن (۱) " کبھی فرمایا ہے " الله نور السموات والارض... الایة (۲) " کبھی سمجھایا ہے " ولو دليتم بحبل الى الارضين السفلىٰ لهبطتم على الله (۳) " اور کبھی اس طرح راہنمائی کی گئی ہے " اینما تولوا فثم وجه الله (۴) " معارف الٰہیہ کے جاننے والے کو اور مجذوب جذبات رحمانیہ کو ان آیات کے مطالعہ سے ایک ملکوتی کیف وطرب اور ایک لاہوتی وجد پیدا ہوتا ہے. اسی طرح توحید عملی قلبی کو بھی افق طبیعت اور ملک بدن کے آخری مراتب تک نفوذ دے دیا ہے اور کسی موجود ومخلوق کو اللہ کی معرفت کے حق سے محروم نہیں رکھا.

الغرض، اہل تصوف حکمت عیسویہ کی بات کرتے ہیں، حالانکہ اسے کچھ بھی نہیں جانتے اور اہل ظاہر حکمت موسویہ کا دم بھرتے ہیں، حالانکہ اس کی کچھ بھی معرفت نہیں رکھتے اور محمدیوں ان دونوں سے

۱۔ " وہی آغاز ہے وہی انجام، وہی آشکار ہے وہی پوشیدہ" سورۂ حدید / ۳.

۲۔ " خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے" سورۂ نور / ۳۵.

۳۔ " اگر رسیوں کے ذریعہ تم زمینوں کے نیچے بھیجے جاؤ تو خدا تک پہنچ جاؤ گے" علم الیقین، ج ۱ ص ۵۴.

۴۔ " کسی طرف بھی رخ کرو اسی طرف خدا کا رخ ہے" سورۂ بقرہ / ۱۱۵.

بطور تقیید بری ہیں. اس اجمال کی تفصیل ان اوراق کی ذمہ داری سے خارج ہے اور یہاں بیان کیے جانے کے قابل نہیں ہے۔

وصل:

عن مصباح الشريعة قال الصادق عليه السلام: سمى المستراح مستراحاً لاستراحة النفوس من اثقال النجاسات واستفراغ الكثافات (كذا) والقذر فيها.

والمؤمن يعتبر عندها ان الخالص من حطام الدنيا كذلك يصير عاقبته، فيستريح بالعدول عنها وتركها، ويفرغ نفسه وقلبه عن شغلها، ويستنكف عن جمعها واخذها استنكافه عن النجاسة والغائط والقذر. ويتفكر فى نفسه المكرمة فى حال كيف تصير ذليلة فى حال، ويعلم ان التمسك بالقناعة والتقوىٰ يورث له راحة الدارين، وان الراحة فى هوان (كذا) الدنيا والفراغ من التمتع بها، وفى ازالة النجاسة من الحرام والشبهة، فيغلق عن نفسه باب الكبر بعد معرفته اياها ويفر من الذنوب، ويفتح باب التواضع والندم والحياء، ويجتهد فى اداء اوامره واجتناب نواهيه طلباً لحسن المآب وطيب الزلفى، ويسجن نفسه فى سجن الخوف والصبر والكف عن الشهوات الى ان يتصل بامان الله فى دار القرار ويذوق طعم رضاه. فان المعول ذلك، وما عداه لا شى [1].

اس مبارک کلام میں اہل معرفت وسلوک کیلئے ایک جامع دستور بیان کیا گیا ہے کہ دار آخرت

۱۔ " مستراح (بیت الخلاء) کو مستراح اس لیے کہتے ہیں کہ نفوس اس جگہ نجاسات کی سنگینی سے راحت پاتے ہیں اور گندگیں (بدن سے) خارج ہوجاتی ہیں اور مرد مؤمن عبرت حاصل کرتا ہے کہ خالص ترین متاع دنیا آخر میں اس صورت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ تب مال دنیا سے آسانی کے ساتھ منہ پھیر لیتا ہے اور اس کی طرف نہیں جاتا اور جان ودل کو اس کی فکر سے آزاد کرلیتا ہے اور جس طرح اپنی نجاست وگندگی سے پرہیز کرتا ہے اسی طرح مال کی محبت اور جمع آوری سے بچتا ہے اور اپنے نفس کے بارے میں سوچتا ہے کہ کس طرح کبھی باعزت ومحترم ہے اور کبھی ذلیل وخوار اور جان لیتا ہے کہ تقویٰ اور قناعت کا التزام دونوں جہان کی راحت کا سبب ہے اور یہ کہ آرام دنیا کو معمولی سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے سے بے نیاز رہنے اور حرام وشبہہ کی نجاست سے پاک رہنے میں ہے اور اپنے نفس کو پہچاننے کے بعد تکبر کا دروازہ اس پر بند کردیتا ہے اور گناہوں سے دور بھاگتا ہے اور تواضع وشرم وحیا کا دروازہ اس کے لیے کھول دیتا ہے اور حسن عاقبت اور قرب حق کی لذت حاصل ==

کے بیدار سالک کو چاہیے کہ ہر حال میں روحانی حقوق کو ادا کرے اور کسی حال میں بھی اپنی بازگشت سے غافل نہ ہو۔ لہذا حکماء نے کہا ہے "النبی خادم القضاء کما ان الطبیب خادم البدن [۱] " انبیائے عظام اور اولیائے کرام علیہم السلام کی نظر چونکہ قضائے الٰہی اور جنبۂ ید الٰہی کے علاوہ کسی اور طرف نہیں ہوتی اور ان کے دلوں پر ملکوت قضائے الٰہی کی حکومت ہوتی ہے اس لیے وہ جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تمام امور کا اجراء اللہ کے فرشتوں اور اللہ کے لشکر کے ہاتھ میں ہے اور طبیب جسمانی چونکہ اس مرحلہ سے دور اور اس وادی سے ناواقف ہے اس لیے امور طبیعیہ کے اجراء کی نسبت طبعی قوتوں کی طرف دیتا ہے۔

الغرض، انسان سالک کو تمام احوال میں اور تمام امور سے اپنے مملوک کے حقوق سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ پھر جب مال دنیا اور عالم ملک کی لذتیں رو بہ زوال نظر آنے لگیں اور آخر کار ان کا فاسد ہونا اور ختم ہونا نظر آئے، تو آرام کے ساتھ دل کو ان سے روگرداں کرلے، اور اپنے قلب کو ان میں مشغول رہنے اور ان کے جمع کرنے سے فارغ کرلے اور ان سے اس طرح کنارہ کش ہوجائے جیسے گندگیوں سے کنارہ کشی کی جاتی ہے۔ عالم طبیعت کا باطن گندگیاں ہی ہیں اور نیند کے عالم میں جو مکاشفہ کا ایک باب ہے دنیا اور مال دنیا کی تعبیر کثافت اور آلودگیوں ہی سے کی گئی ہے اور امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے مکاشفہ میں دنیا جیفہ اور مردار ہے [۲]۔ پس مؤمن کو چاہیے کہ جس طرح مادی فضلات اور اثقال سے خود کو فارغ کرتا ہے اور مادی شہر کو ان کی اذیت کاری سے نجات دلاکر راحت وآرام پہنچاتا ہے اسی طرح قلب کو اس کی کثافتوں اور اشتغال وتعلق دنیا ومال دنیا سے نجات دلاکر راحت وآرام پہنچائے اور حبّ دنیا اور حبّ جاہ کا باز دل سے ہٹا دے اور روحانی فضائل کے شہر کو

= کرنے کے لیے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کی کوشش کرتا ہے اور اپنے نفس کو خوف صبر اور شہوات کے روکنے کے زندان میں قید کردیتا ہے، یہاں تک دار القرار میں خدا کی امان سے متصل ہوجائے اور اس کی خوشنودی کا ذائقہ چکھے کیونکہ یہی اعتماد کے لائق ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے" مصباح الشریعہ "الباب التاسع، فی المبرز"۔

۱۔ "پیغمبر خادم قضا ہوتا ہے جیسے طبیب خادم بدن ہوتا ہے"۔

۲۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۱۰۸ "اقبلوا علی جیفۃ قد افتضحوا باکلھا..." وخطبہ ۱۵۱ "ویتکالبون علی جیفۃ مریحۃ"۔

ان سے فارغ و مطمئن کردے اور غور کرے کہ دنیا کا اشتغال چند گھنٹوں ہی میں نفس شریف کو کس قدر ذلیل و خوار کردیتا ہے اور اس کو کیسے بدترین اور انتہائی ذلت آمیز حالات سے دوچار کردیتا ہے۔ سمجھے کہ عالم سے قلبی اشتغال پردہ ملک اٹھنے کے ذرا دیر بعد ہی اور حجاب مادیت کے چاک ہوتے ہی انسان کو ذلیل و خوار اور حساب و عقاب میں گرفتار کردیتا ہے۔ جان لے کہ تقویٰ اور قناعت سے وابستگی ہی دنیا میں راحت کا موجب ہوتی ہے اور راحت اس میں ہے کہ دنیا کو ذلیل و ناچیز خیال کرے اور اس سے لذت و فائدہ حاصل نہ کرے اور جب خود کو صوری نجاسات سے پاک کرلے تو حرام اور شبہ کی نجاستوں سے بھی پاک کرے اور جب خود کو پہچان لے اور اپنی احتیاج کی ذلت کو سمجھ لے تو کبر و بزرگی کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے اور سرکشی و گناہ سے دور بھاگ جائے اور اپنے اوپر تواضع و ندامت اور خجالت کا دروازہ کھول لے اور حق کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی سے دوری کی جد و جہد کرے تاکہ بحسن و خوبی حق کی طرف رجوع کرسکے اور پاکیزگی و صفائے نفس کے ساتھ بارگاہ قدس میں تقرب حاصل کرلے اور خود کو اپنے نفس کے ساتھ خوف و صبر اور خواہشات نفسانی سے بچاؤ کے زندان میں قید کرلے تاکہ عذاب الٰہی کے زندان سے امان مل جائے اور دار قرار میں خدا کی ذات مقدس کی پناہ میں آجائے اور اس حال میں رضائے حق کا ذائقہ چکھے۔ یہی اہل سلوک کی آخری امید ہے۔ اس کے سامنے کسی اور چیز کی کوئی قیمت نہیں۔

مقصد دوم

لباس کے کچھ آداب

اور

اس میں دو مقامات ہیں

مقام اول

مطلق لباس کے آداب

نفس ناطقہ انسانی ایک ایسی حقیقت ہے جو عین وحدت اور کمال بساطت میں چند نشئات کا حامل ہے۔ جن میں کلی طور سے سب سے اہم تین نشئات ہیں۔

اول، نشئہ ملکیۂ دنیاویۂ ظاہرہ، جس کا مظہر حواس ظاہرہ ہیں اور اس ملک بدن کا ایک ادنیٰ قشر ہے۔

دوم، نشئہ برزخیۂ متوسطہ، جس کا مظہر حواس باطنہ، بدن برزخی اور قالب مثالی ہے۔

سوم، نشئہ غیبیۂ باطنہ، جس کا مظہر قلب اور احوال قلب ہیں۔

ان مراتب میں ہر ایک کی دوسرے سے نسبت وہی ہے جو ظاہر کو باطن سے اور جلوہ کو جلوہ گاہ سے ہوتی ہے۔ اسی لیے ہر مرتبہ کے آثار و خواص اور انفعالات دوسرے مرتبے میں سرایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر حاسۂ بصری کسی شے کا ادراک کرے تو اس کا اثر حس بصری برزخی پر بھی، اس نشئہ کے تناسب سے پڑتا ہے اور اس سے بصر قلبی باطنی پر اس نشئہ کے تناسب سے اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح قلبی آثار دوسرے نشئہ میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بات جہاں محکم وقوی برہان سے ثابت ہوتی ہے وہاں وجدان کے مطابق بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ہی شرعی صوری آداب کا باطن پر اثر بلکہ آثار مترتب ہوتے ہیں اور اخلاق جمیلہ میں سے بھی ہر ایک کے جو نفس کے مقام برزخیت کے حقوق میں سے ہیں، ظاہر و باطن پر اثرات ہوتے ہیں۔ مثلاً ایمان اس بات پر کہ مملکت وجود اور عوالم غیب وشہود میں

حق تعالیٰ متصرف ہے اور دوسرے موجودات کا ان پر کوئی تصرف نہیں ہے، اور ہے تو تصرف اذنی ظلی، انسان کے بہت سے نفسانی کمالات اور اخلاق فاضلہ کا سبب ہوتا ہے. مثلاً حق پر توکل واعتماد اور مخلوق سے طمع نہ رکھنا جو تمام کمالات کی اصل (ام الکمالات) ہے اور بہت سے اعمال صالحہ اور افعال حسنہ کے بجا لانے اور بہت سی برائیوں کو ترک کرنے کا موجب ہوتا ہے. اسی طرح تمام معارف، جن کا شمار اور ان کی تاثیرات کے بیان کا نہ ان اوراق میں حوصلہ ہے اور نہ مؤلف کے شکستہ قلم میں طاقت ہے. اس کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے جو کسی اہل معرفت کے مضبوط قلم یا اہل حال کے نفس گرم سے وجود میں آئے.

دست ما کوتاہ وخرما بر نخیـــل (۱)

بطور مثال " رضا " کا خلق بھی انسانیت کے اخلاق کمالیہ میں سے ایک ہے اور نفس کو جلاء وصفا دینے میں کثیر اثرات رکھتا ہے. جس سے قلب پر خاص الٰہی تجلیات کا ورود ہوتا ہے اور ایمان کو کمال ایمان اور کمال ایمان کو طمانینت اور کمال کو کمال طمانینت اور کمال طمانینت کو مشاہدہ تک اور مشاہدہ کو کمال مشاہدہ تک اور کمال مشاہدہ کو معاشقہ تک اور معاشقہ کو کمال معاشقہ تک اور کمال معاشقہ کو مراودت تک اور مراودت کو کمال مراودت تک اور کمال مراودت کو مواصلت تک اور کمال مواصلت کو کمال مواصلت تک اور وہاں تک (خلق رضا) انسان کو پہنچا دیتا ہے جو ہمارے آپ کے گمان میں بھی نہیں آسکتا. ملک بدن اور صوری آثار وافعال میں جو شاخ وبرگ کی حیثیت رکھتے ہیں، عجیب وغریب تاثیر کرتا ہے. سماعت وبصارت اور دوسرے اعضاء کو الٰہی بنا دیتا ہے اور " کنت سمعہ وبصرہ (۲) " کے راز کو ایک حد تک ظاہر کرتا ہے اور جس طرح ان مراتب کی ظاہر پر تاثیر، بلکہ تاثیرات ہوتی ہیں اسی طرح ظاہری ہیئت اور تمام عادی اور غیر عادی حرکات وسکنات اور تمام تروک وافعال ان مراتب پر اثر انداز ہوتے ہیں اور بہت عجیب انداز میں. چنانچہ کبھی ایسا ہوتا

۱۔ " پائے ما لنگ است ومنزل بس دراز   دست ما کوتاہ وخرما بر نخیل " حافظ؂
" زخمی ہمارے پاؤں ہیں، منزل بہت دراز   کوتہ ہمارا ہاتھ ہے، خرما نخیل پر ".

۲۔ حاشیہ نمبر ۱ ص ۲۹ .

ہے کہ بندگان خدا پر ایک ہی حقارت آمیز نظر ڈالنے سے سالک اوج کمال سے اسفل سافلین میں گر پڑتا ہے اور مدتوں اس کی تلافی ممکن نہیں ہو پاتی ۔

چونکہ ہم مجبوروں کے دل ضعیف وناتواں ہیں اور بید مجنوں اور نرم ہوا کی طرح لرز جاتے ہیں اور حالت سکون سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں. اس لیے ضروری ہے کہ امور عادی میں بھی، جن میں سے ایک لباس کا تیار کرنا ہے، قلبی حالات کے لحاظ سے قلب کی حفاظت کریں اور چونکہ شیطان کے پاس بڑے مضبوط جال اور ایسے گہرے سازشی پھندے ہیں، جن کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے ، لہذا مجبوراً اپنی وسعت وطاقت کے مطابق اور مقدور بھر ان کا مقابلہ اور حق تعالیٰ سے ہر حال میں توفیق وتائید کی دعا مانگنا چاہیے ۔

اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب یہ واضح ہو چکا کہ باطن ظاہر پر اثر انداز ہوتا ہے اور ظاہر باطن پر تو طالب حق اور ارتقائے روحانی چاہنے والے انسان کے لئے لازم ہے کہ لباس ایسا منتخب نہ کرے جو ایسی چیزوں سے اور اور ایسے ڈیزائن (مادہ اور ہیئت) پر بنا ہو جو روح پر بڑا اثر ڈالے اور دل کو مستقیم نہ رہنے دے اور حق سے غافل کر دے اور روح کا رخ دنیا کی طرف موڑ دے. یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ شیطانی وسوسے اور نفس کی فریب کاری خوبصورت لباس فاخرہ اور ظاہری فیشن اور زینت ہی میں مضمر ہے، بلکہ کبھی پھٹے پرانے اور معمولی بے قیمت لباس میں بھی یہ وسوسے اور فریب کاریاں نمود کرتی ہیں اور انسان کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں. اس لیے انسان کو چاہیے کہ لباس شہرت، بلکہ معمول ومتعارف کے خلاف چال ڈھال اختیار کرنے سے بھی پرہیز کرے جس طرح ایسی لباس فاخرہ سے اجتناب کرنا چاہیے جو بہت زیادہ قیمتی ہونے کے ساتھ ہی اس قدر جاذب نظر اور جالب توجہ ہو کہ لوگ انگشت نمائی کرنے لگیں، کیونکہ ہمارا دل بہت کمزور اور سخت بے قرار و بے ثبات ہے، ذرا سے فرق وامتیاز اور تبدیلی وتعین کو دیکھ کر لڑکھڑا جاتا ہے اور راہ اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے. اکثر ہوتا ہے کہ کوئی بے چارہ کمزور انسان جو شرف وانسانیت عزت نفس اور کمال آدمیت کے کسی مرحلہ سے نہیں گزرا ، دو چار میٹر ریشمی یا اونی لباس پہن کر ، جس کا ڈیزائن اور کٹائی سلائی میں غیروں کی نقالی کی گئی ہوتی ہے یا طرح طرح کی ذلتیں اٹھا کے اور آبرو کو داؤں پر لگا کے حاصل کیا گیا ہوتا ہے،

بند گان خدا پر حقارت اور تکبر و ناز سے نظر ڈالتا ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ نفس کی کمزوری انتہا اور کم ظرفی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جو کیڑوں کے فضلے اور بھیڑ کے بالوں کو اپنے شرف واعتبار کا سرمایہ سمجھ بیٹھا ہے۔

اے مجبور انسان! تو کس قدر کمزور اور بے مایہ مخلوق ہے؟ تجھے تو عالم امکان کے لیے سرمایہ افتخار اور کون ومکان کا خلاصہ ہونا چاہیے تو آدمؑ کا بیٹا ہے، تجھے تو معلم اسماء وصفات ہونا چاہیے تو خلیفہ خدا کا فرزند ہے تجھے تو آیات باہرات میں سے ہونا چاہیے۔

تورا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر (۱) صدائیں عرش سے دیتے ہیں ہم صفیر تجھے

بد بخت، ناخلف! بے چارے حیوانات کے مٹھی بھر فضلات وملبوسات کو چھین کر ناز فروشی کر رہا ہے!! یہ ناز ریشم کے کیڑے، بھیڑ بکریوں، اونٹ، سنجاب اور لومڑیوں سے حاصل کیا ہے اور تو دوسروں کے لباس پہن کے نخرے دکھا رہا ہے؟ یہ افتخار وناز ہے تو دوسروں کا ہے اس میں تیرا کیا ہے؟

الغرض، جس طرح لباس کا مادہ اور جنس اور اس قیمتی اور جدید ترین فیشن کے مطابق ہونا نفوس میں تاثیر کرتا ہے جس کی وجہ سے حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے اور قطب راوندی علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے:" جو شخص اعلیٰ قسم کا لباس پہنے وہ ضرور تکبر کرے گا اور جو تکبر کرے گا اس کے لیے ضرور جہنم ہے (۲) " اسی طرح لباس کی ہیئت، کٹائی سلائی اور ڈیزائن کے بھی اثرات ہوتے ہیں کہ کبھی صرف اس سبب سے کہ انسان نے اپنا لباس غیروں کے مشابہ کرلیا ہے غیروں کے حق اور ان کی حمایت میں جاہلانہ تعصب وتنگ نظری کا شکار ہوجاتا ہے اور دوستان خدا اور رسول (ص) سے متنفر دشمن ہی اس کے محبوب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت کے مطابق خدائے تعالیٰ نے اپنی کسی نبی پر وحی نازل کی" مومنین سے کہو کہ میرے دشمنوں کا سا لباس نہ پہنیں، میرے دشمنوں کی طرح نہ کھائیں اور میرے دشمنوں کی طرح نہ چلیں، تا کہ ان کی طرح وہ

۱۔ " ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر ندانمت کہ درین دام گہ چہ افتاد ست" حافظؒ۔

۲۔ مستدرک الوسائل "کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس" باب ۱۲ حدیث ۵، بحوالہ لب اللباب، قطب راوندی۔

بھی (رفتہ رفتہ) میرے دشمن نہ بن جائیں (۱)"۔

جس طرح بہت زیادہ فاخرہ لباس نفوس میں تاثیر کرتے ہیں اسی طرح بہت حقیر وپست لباس بھی، چاہے وہ جنس اور مادہ کے اعتبار سے پست ہوں یا ہیئت وشکل کے لحاظ سے اثر انداز ہوتے ہیں، بلکہ اکثر اس قسم کے لباس، لباس فاخرہ سے بھی زیادہ مضر ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ نفس کے پھندے بہت باریک ہوتے ہیں۔ جیسے ہی انسان نے خود کو موٹا اور کھدّر کا لباس پہنے اور دوسروں کو نرم اور لطیف لباس پہنے دیکھا، ویسے ہی اپنے امتیاز اور انفرادیت کا احساس پیدا ہوگیا۔ حبّ ذات کی وجہ سے اپنے عیوب سے غافل ہوگیا اور ایسے لباس ہی کو جو ذاتی نہیں عارضی ہے اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھ بیٹھا۔ وہ اکثر خود پسندی کا بھی شکار ہوجاتا ہے، بندگان خدا کے مقابلہ میں متکبر بھی ہوجاتا ہے، اپنے کو مقربین بارگاہ الٰہی اور خدا کے خالص بندوں میں شمار کرنے اور دوسروں کو اس کے ساحت قدس سے دور سمجھنے لگتا ہے اور اکثر ریا وخود نمائی اور دیگر مفاسد میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ بےچارہ معرفت وتقویٰ اور کمالات نفسانی میں سے بس موٹے اور پھٹے پرانے لباس پر قناعت کیے ہوئے ہے اور اپنے ہزاروں عیوب سے غافل ہے جن میں سب سے بڑا عیب یہی ہے جو اس لباس کی بری تاثیر سے پیدا ہوا ہے اور ہے تو اولیائے شیطان میں مگر خود کو اہل اللہ میں سمجھ بیٹھا ہے اور بندگان خدا کو حقیر وبے قیمت خیال کر رہا ہے۔ اسی طرح لباس کی ہیئت اور طرز اکثر انسان کو مفسدہ میں ڈال دیتی ہے۔ چنانچہ وہ اس طرح کا لباس اختیار کرتا ہے جس سے زاہد ومقدس سمجھا جائے۔

الغرض، لباس شہرت میں افراط برتی جائے یا تفریط، وہ ایسے امور میں ہے جو کمزور دلوں کو متزلزل اور مکارم اخلاق سے عریاں کردیتا ہے اور خودپسندی، ریا کاری اور کبر ونخوت کا سبب بن جاتا ہے جن میں ہر ایک نفس کے بنیادی نقائص اور امہات رذائل میں ہے، بلکہ دنیا کی طرف میلان اور دلبستگی کا سبب ہے جو تمام خطاؤں کی اصل اور تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ احادیث میں بھی بہت سے مذکورہ امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

۱۔ الجواہر السنیۃ "باب ابی عبداللہ جعفر بن محمد الصادقؑ" حدیث ۲۰۔

سے منقول ہے، آپ نے فرمایا: "خدائے تعالی شہرت لباس سے غضبناک ہوتا ہے [۱]".

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ فرمایا: "شہرت، اچھی ہو یا بری، جہنم میں ہے [۲]".

حضرت سے یہ بھی منقول ہے کہ: "خداوند عالم دو قسم کی شہرت سے غضبناک ہوتا ہے: ایک لباس کی شہرت سے، دوسرے نماز کی شہرت سے! [۳]".

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے روایت ہے، آپ (ص) نے فرمایا: "جو شخص دنیا میں لباس شہرت پہنے گا خدا اس کو آخرت میں لباس ذلت پہنائے گا [۴]".

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۳ ص ۳۰۴ "کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس" باب ۱۲ حدیث ۱۔

۲۔ حوالہ سابق، حدیث ۳۔

۳۔ مستدرک الوسائل "کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس" باب ۸ حدیث ۲۔

۴۔ حوالہ سابق، حدیث ۱۔

مقام دوم

لباس مصلّی کے کچھ آداب

باب اول : طہارت لباس کا رمز

معلوم رہے کہ نماز محضر انس میں حاضری اور مقام قرب کی طرف عروج کا ذریعہ ہے اور سالک کے لیے ملک الملوک کے محضر مقدس میں حاضر ہونے کے آداب کا لحاظ ضروری ہے اور چونکہ ظہور نفس کے ادنیٰ مراتب و مراحل سے لے کر، جو قشر قشر اور نفس کا بدن ملکی صوری ہے، اس کے اعلیٰ حقائق ومقامات تک جو لبّ لباب اور مقام سر قلب ہے سب جس طرح حق کے محضر مقدس میں حاضر ہیں، سالک کو بھی حاضر ہونا چاہیے اور ممالک سر وعلن کے تمام ظاہری و باطنی لشکروں کا محضر حق جلّ جلالہ میں مظاہرہ کرنا چاہیے اور ان تمام امانتوں کو جو اس کی ذات مقدس نے کمال طہارت وصفا کے ساتھ اور موجودات میں سے کسی کے تصرف کے بغیر اپنے جلال و جمال کے دست قدرت سے اس کو مرحمت فرمائی ہیں، اس کے حضور میں پیش کرنا چاہیے اور امانتیں جس طرح عطا ہوئی تھیں ویسی ہی واپس کرنا چاہیے۔

پس ادب حضور میں بہت خطرات ہیں کہ ایک لحظہ کے لیے بھی سالک کو ان سے غفلت نہیں کرنا چاہیے اور طہارت لباس کو جو ساتر قشر، بلکہ ساتر قشر قشر ہے، لباس باطنی کی طہارت کا وسیلہ بنانا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح یہ لباس صوری ساتر ہے اور بدن ملکی کا لباس ہے خود بدن، بدن

برزخی کا ساتر ہے اور بدن برزخی اسی وقت موجود ہے. اگرچہ بدن دنیائی کے حجاب وستر میں ہے اور یہ بدن اس کو پوشیدہ کیے ہوئے ہے اور قلب ساتر روح ہے اور روح ساتر سر ہے اور سر ساتر لطیفہ خفیہ ہے اور اسی طرح دوسرے مراتب ہیں. ہر پست مرتبہ بلند مرتبہ کا ساتر ہے اور یہ سارے مراتب اگرچہ اللہ کے اولیائے خالص میں موجود ہیں اور دوسرے ان سے محروم ہیں، لیکن ان میں سے چونکہ بعض مراتب سب ہی رکھتے ہیں، لہذا انہیں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

معلوم رہنا چاہئے کہ جس طرح نماز کی صورت طہارت بدن ولباس سے وجود میں نہیں آتی اور آلودگی، جو شیطانی نجاست اور محضر رحمان سے دور کردینے والی ہے، محضر مقدس میں باریابی کے موانع میں سے ہے اور نمازگزار کو نجاست شیطانی سے آلودہ لباس وبدن کے ساتھ محضر قدس سے دور رکھتی ہے اور مقام انس میں باریاب نہیں ہونے دیتی. اسی طرح معاصی اور نافرمانی کی گندگیاں بھی جو شیطانی تصرفات ونجاسات ہیں، محضر مقدس میں باریابی کے موانع میں سے ہیں. پس جو شخص گناہوں سے آلودہ ہے اس نے سارے بدن برزخی کو نجس کردیا ہے اور ان نجاستوں کے ساتھ محضر حق میں وارد نہیں ہوسکتا اور اس لباس کی تطہیر نماز باطنی کی صحت اور اس کے تحقق کی ایک شرط ہے اور انسان جب تک حجاب دنیا میں ہے اس غیبی بدن، اس کے لباس کی طہارت ونجاست، طہارت کی شرائط اور نجاسات کے مانع ہونے کو نہیں سمجھ سکتا. جس روز اس حجاب سے نکلے گا اور سلطنت باطن اور یوم الجمع تفرقۂ ظاہر کی بساط کو الٹ دے گا اور حقیقت کا سورج دنیا کے تاریک حجابوں کے پیچھے سے نمودار ہوگا، باطنی ملکوتی آنکھ کھلے گی اور حیوانی ملکی آنکھ بند ہوگی، تب چشم بصیرت دریافت کرلے گی کہ آخر تک نہ طہارت کی تھی نہ نماز پڑھی تھی اور ہزارہا موانع میں مبتلا رہا، جن میں ہر ایک محضر مقدس حق سے دور کرنے کا ایک مستقل سبب تھا اور ہزار افسوس کہ اس روز تلافی کی کوئی راہ اور گلو خلاصی کی کوئی تدبیر انسان کے لیے نہیں ہے. جو چیز رہ جائے گی وہ صرف حسرت وندامت ہوگی. وہ حسرت وندامت جو کبھی ختم ہونے والی نہیں" وانذرھم یوم الحسرۃ اذ قضی الامر... [1] "۔

۱۔ حاشیہ نمبر ۴ ص ۴۲

جب بدن باطنی کے لباس کی تطہیر ہو چکی تو رجز شیطانی سے بدن ملکوتی کی طہارت بھی لازم ہے.
بدن ملکوتی کی تطہیر کا مطلب اخلاق ذمیمہ کی نجاستوں کو دور کرنا ہے. جن میں سے ہر ایک باطن کو آلودہ کر دیتی ہے اور انسان کو محضر سے دور اور بساط قرب حق سے مجبور کرنے والی ہے اور یہ سب رجس شیطانی ہیں جو خود تو رحمت سے دور ہے ہی، دوسروں کو دور کرنے کی کوشش سے باز نہیں آتا. تمام برائیوں کی اصلی شروعات خود بینی و خود خواہی، خود فروشی و خودنمائی اور خود رائی سے ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک بیشمار اخلاقی برائیوں اور کثیر خطاؤں کی بنیاد ہے.

اور جب سالک بدن ملکوتی کی تطہیر کر چکا اور لباس تقویٰ کو نصیحت حاصل والے گنہگار کی توبہ اور شرعی ریاضتوں سے پاک کر چکا تو اب ضروری ہے کہ قلب کی تطہیر میں مشغول ہو جائے جو حقیقی ساتر ہے اور شیطان کا تصرف سب سے زیادہ قلب ہی پر ہوتا ہے اور اس کی آلودگیاں تمام لباسوں اور ساتروں میں سرایت کر جاتی ہیں اور جب تک کی تطہیر نہ ہو جائے دوسری طہارتیں یسر نہیں آ سکتیں.
قلب کی تطہیر کے کچھ مراتب ہیں جن میں سے ان اوراق کی مناسبت سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے.

ایک مرتبہ، محبت دنیا سے قلب کی تطہیر ہے جو تمام خطاؤں کی بنیاد اور تمام مفاسد کا سرچشمہ ہے اور جب تک انسان کے دل میں یہ محبت باقی ہے اس وقت تک محضر حق تک رسای ممکن نہیں ہے اور محبت الٰہی، جو ام الطہارات (تمام طہارتوں کی ماں) ہے، محبت دنیا کی آلودگی کے ہوتے ہوئے وجود میں نہیں آتی اور شاید کتاب خدا، انبیاء واولیاء علیہم السلام کی وصیتوں، خصوصاً امیر المؤمنین علیہ السلام کی وصیت میں ترک دنیا اور زہد کی بہ نسبت جو تقویٰ کے حقائق میں سے ہے کسی اور چیز کی طرف کم ہی اشارہ کیا گیا ہے اور تطہیر کا یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک نفع بخش علم نہ حاصل کیا جائے، سخت قلبی ریاضتیں نہ کی جائیں، مبدا و معاد کے بارے میں گہرائی سے غور و فکر نہ کیا جائے اور قلب کو دنیا کی خرابی اور تباہی اور غیبی جہانوں کی سعادتوں اور کرامتوں میں مشغول نہ کر لیا جائے." رحم اللہ امرءً علم من این ؟ وفی این ؟ والیٰ این ؟ [1] ".

۱. " خدا رحمت کرے اس شخص پر جو جان لے کہ وہ کہاں سے آیا، کہاں ہے اور کہاں جائے گا " مفاتیح الغیب ملاصدرا، ==

قلب کی تطہیر کا ایک اور مرتبہ مخلوق پر اعتماد سے تطہیر ہے جو شرک خفی، بلکہ اہل معرفت کے نزدیک شرک جلی ہے۔ یہ تطہیر توحید فعلی حق تعالیٰ سے حاصل ہوتی ہے جو تمام طہارتوں کا سرچشمہ ہے۔ معلوم رہنا چاہیے کہ توحید فعلی کے بارے میں محض علم برہانی اور اقدام فکری سے نتیجہ مطلوبہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کبھی علوم برہانیہ میں زیادہ اشتغال قلب کی ظلمت و کدورت کا سبب ہوجاتا ہے اور انسان کو مقصد اعلیٰ سے روکے رکھتا ہے۔ اس مقام پر کہا گیا ہے: " العلم ہو الحجاب الاکبر [1] "۔

مؤلف کے عقیدہ میں تمام علوم عملی ہیں، یہاں تک کہ علم توحید بھی۔ شاید لفظ " توحید " سے جو باب تفعیل سے ہے، توحید کے عملی ہونے کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اشتقاق کی مناسبت سے توحید کا مطلب " کثرت سے وحدت کی طرف جانا اور جہات کثرت کو عین جمع میں مستہلک اور مضمحل کردینا " ہے اور یہ معنی برہان سے حاصل نہیں ہوتے، بلکہ قلبی ریاضتوں اور مالک القلوب کی طرف بھرپور توجہ کے ذریعہ برہان سے حاصل شدہ نتیجہ سے قلب کو آگاہ کرنا چاہیے تاکہ حقیقت توحید حاصل ہوجائے۔ ہاں! برہان ہم سے کہتا ہے: " لا موثر فی الوجود الا اللہ [2] " اور یہ " لا الہ الا اللہ " کے ایک معنی ہیں اور اس برہان کی برکت سے ہم موجودات کے دست تصرف کو کبریائی وجود کے میدان سے دور رکھتے ہیں اور عوالم کے ملک اور ملکوت کو ان کے مالک کی طرف پلٹاتے ہیں اور " لہ ما فی السموات وما فی الارض [3] " اور " وبیدہ ملکوت کل شی [4] " اور " ہو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ [5] " کی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن جب تک یہ مطلب

= تصحیح خواجوی، ص ۵۰ ۔

۱۔ حاشیہ نمبر ۲ ص ۳۲ ۔

۲۔ " خدا کے سوا وجود میں کوئی مؤثر نہیں "۔ منسوب بہ حکمائے الٰہی جب کہ میرزا ابوالحسن شعرانی نے مقدمہ " اسرار الحکم " ص ۴۲ حکماء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

۳۔ " جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اسی کا ہے " سورۂ نحل / ۵۲ ۔

۴۔ " ہر چیز پر آسمانی قدرت اللہ کے ہاتھ میں ہے " سورۂ یس / ۸۳ ۔

۵۔ " وہی ہے جو آسمان میں خدا ہے اور زمین میں خدا ہے " سورۂ زخرف / ۸۴ ۔

قلب میں نہ پہنچ جائے اور قلب کی صورت باطنی نہ بن جائے، ہم علم کی حد سے بڑھ کر ایمان کی حد تک نہیں پہنچ سکتے اور نور ایمان سے جو مملکت ظاہر و باطن کو نورانی کر دیتا ہے، سے کوئی فیض نہیں پا سکتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس بلند و بالا مفہوم پر برہان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود پھر بھی تکثیر میں پڑے ہیں اور توحید سے بے خبر ہیں جو اہل اللہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے "لا مؤثر فی الوجود الا اللہ" کا ڈھنڈورہ تو پیٹتے ہیں، لیکن چشم طمع ہر ایک سے رکھتے ہیں اور دست طلب ہر کس و ناکس کے سامنے دراز کیے رہتے ہیں۔

پائے استدلالیان چوبین بود　　　پائے چوبین سخت بے تمکین بود (۱)

یہ برہان کے پاؤں لکڑی کے ہیں　　　چلیں گے کہاں تک یہ لکڑی کے پاؤں

یہ تطہیر سالکین کے عظیم مقامات میں سے ہے۔ اس مقام کے بعد اور مقامات ہیں جو ہمارے موضوع کی حد سے باہر ہیں۔ پھر بھی ہو سکتا ہے کہ ان اوراق میں کسی مناسب موقع پر ان کا ذکر آئے۔

انشاء اللہ

۱۔ رومی کا شعر ہے۔

باب دوم: ستر عورتین کے قلبی اعتبارات

جب سالک الیٰ اللہ خود کو محضر مقدس حق میں حاضر دیکھے، بلکہ اپنے ظاہر و باطن اور سر وعلن کو عین حضور پائے، جیسا کہ کافی و توحید میں روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا: "ان روح المؤمن لا شد اتصالاً بروح اللہ من اتصال شعاع الشمس بها (۱) " بلکہ قوی و محکم برہان سے علوم عالیہ میں ثابت ہے کہ وجود کا پورا دائرہ اعلیٰ مراتب غیب سے ادنیٰ منازل شہود تک قیوم مطلق سے عین تعلق و ربط اور محض تدلی و فقر ہے۔ شاید آیۂ مبارکہ "یا ایها الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ هو الغنی الحمید (۲) " اسی مطلب کی طرف اشارہ کر رہا ہے، کیونکہ اگر کوئی موجود کسی حال میں اور کسی لمحہ اور کسی حیثیت سے عزت قدس ربوبیت سے تعلق نہ رکھتا ہو گا تو دائرۂ امکان و فقر ذاتی سے خارج اور حریم غنا و وجوب ذاتی میں داخل ہو جائے گا اور عارف باللہ اور سالک الیٰ اللہ کو چاہیے کہ برہان سے ثابت شدہ اس مطلب حق کو اور اس الٰہی عرفانی لطیف بات کو قلبی ریاضتوں کے ذریعہ عقل و برہان کی حد سے آگے بڑھا کر لوح قلب پر لکھ لے اور سرحد عرفان تک پہنچائے، تاکہ حقیقت ایمان اور نور ایمان اس کے دل میں جلوہ ریز ہو اور اصحاب قلوب اور اہل اللہ ایمان کی حد سے بڑھ کر کشف و شہود کی منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ منزل شدت مجاہدہ اور اللہ کے ساتھ خلوت اور اللہ سے عشق کے بغیر نہیں ملتی۔ چنانچہ مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی

۱۔ "مؤمن کی روح کا تعلق اللہ کی روح سے دھوپ کے آفتاب سے تعلق سے بھی زیادہ استوار ہے"۔ اصول کافی، ج ۳ ص ۲۴۲ "کتاب الایمان والکفر، باب اخوۃ المؤمنین بعضهم لبعض" حدیث ۴۔

۲۔ "لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز اور محمود ہے" سورۂ فاطر / ۱۵۔

گئی ہے، آپؑ نے فرمایا:

العارف شخصه مع الخلق وقلبه مع الله، لو سهیٰ قلبه عن لله طرفة عين لمات شوقاً اليه. والعارف امين ودائع الله، وكنز اسراه، ومعدن نوره ودليل رحمته على خلقه، ومطيّة علومه، وميزان فضله وعدله، قد غني عن الخلق والمراد والدنيا، ولا مؤنس له سوى الله، ولا نطق ولا اشارة ولا نفس الا بالله، لله من الله مع الله (۱).

الغرض، سالک جب خود کو عین حضور کے تمام احوال میں دیکھتا ہے تو حفظ محضر اور ادب حضور کی حفاظت کے لیے تمام ظاہری اور باطنی شرمگاہوں کو پوشیدہ کرے اور جب معلوم ہو گیا کہ محضر حق میں ظاہری شرمگاہوں کو ظاہر کرنے سے زیادہ قبیح باطنی شرمگاہوں کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے "ان الله لا ينظر الىٰ صوركم ولكن ينظر الىٰ قلوبكم (۲)" اور باطنی شرمگاہیں برے اخلاق، خراب عادات اور پست اخلاقی احوال ہیں جو انسان کو محضر قدس کے لائق نہیں رہنے دیتیں اور ادب حضور سے ساقط کر دیتی ہیں اور یہ بے پردگی اور عریانی کا پہلا مرتبہ ہے۔

معلوم رہنا چاہیے کہ اگر ستاریت و غفاریت خدا اپنے بندہ کی پردہ داری نہ کرے اور بندہ غفاریت و ستاریت کی طلب کر کے اسم "ستار" و "غفار" کے تحت نہ آئے تو اکثر ایسا ہو کہ جیسے ہی حجاب ملک ہٹے اور پردۂ دنیا چاک ہو تو ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین علیہم السلام کی موجودگی ہی میں اس کے عیوب کی پردہ دری ہو جائے، لیکن خدا جانتا ہے کہ اگر وہ باطنی شرمگاہیں ظاہر ہو جائیں تو کسی قیامت و فضیحت اور گندگی و رسوائی اس کے بندہ کی سامنے آجائے۔

۱۔ "عارف کا جسم خلق کے ساتھ اور دل خدا کے ساتھ ہے۔ اگر چشم زدن کے لیے بھی اس کا دل خدا سے غافل ہو جائے تو خدا کی طرف شوق کی شدت سے مر جائے۔ عارف امانات الٰہیہ کا امین ہے، اسرار خدا کا خزینہ، اس کے نور کی کان، خلق کے لیے اس کی رحمت کی طرف راہنما، اس کے علوم کا حامل اور اس کے فضل و عدل کی میزان ہے۔ عارف خلق سے، دنیاوی مقاصد اور دنیا سے بے نیاز رہتا ہے اور خدا کے سوا اس کا کوئی مؤنس نہیں۔ نہیں بولتا اور نہیں اشارہ کرتا اور نہیں سانس لیتا مگر خدا کے بارے میں، خدا کے لیے، خدا سے اور خدا کے ساتھ" مصباح الشریعہ "الباب الخامس والتسعون، فی المعرفۃ"۔

۲۔ حوالہ ۱ ص ۵۸۔

اے عزیز! عالم آخرت کی طرز وساخت کا قیام اس عالم پر نہ کرو، کیونکہ اس عالم میں تو اس عالم کی نعمتوں میں سے نہ کوئی نعمت ظاہر ہے نہ زحمت۔ یہ عالم اپنے آسمانوں اور دوسری تمام وسعتوں کے باوجود ملکوت سفلی، جن میں ایک عالم قبر بھی ہے کے پردوں میں سے ایک پردہ کے ظہور کی بھی گنجائش نہیں رکھتا چہ جائیکہ ملکوت اعلیٰ یہاں ظاہر ہوسکیں، جن کا ایک نمونہ عالم قیامت ہے۔ ایک تفصیلی حدیث میں، جو جناب شہید ثانی علیہ الرحمہ نے منیۃ المرید میں حضرت صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا سے نقل کی ہے، وارد ہے کہ فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:" ہمارے شیعہ علماء اس طرح محشور ہوں گے کہ اپنے علوم کی کثرت اور بندگان خدا کی راہنمائی میں اپنی محنت وکوشش کے مطابق عزت وکرامت کے خلعت پہنے ہوں گے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو نور کے ہزار ہزار (دس لاکھ) خلعت دیے جائیں گے ..." یہاں تک کہ حضور (ص) فرماتے ہیں: "ایک تار ان خلعتوں کا ہزار ہزار گنا بہتر ہے ان تمام موجودات سے جن پر سورج طلوع کرتا ہے" (۱)"۔

یہ تو ہے قیامت کی نعمتوں کا ذکر، لیکن قیامت کے عذاب کے بارے میں جناب ملا محسن فیض کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب "علم الیقین" میں مرحوم صدوقؒ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے ایک حدیث کے ضمن میں کہ جبرئیل نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: "اگر ایک حلقہ اس زنجیر کا جس لمبائی ستر ہاتھ ہے، دنیا پر رکھ دیا جائے تو اس کی گرمی کی تاب نہ لاکر یہ دنیا پگھل جائے اور اگر اس کے زقوم وضریع کا ایک قطرہ دنیا کے پانیوں میں گرجائے تو تمام اہل دنیا اس کی بدبو سے مرجائیں (۲)"۔ نعوذ باللہ من غضب الرحمن۔

لہٰذا سالک الی اللہ کے لیے لازم ہے کہ اپنے اخلاق ذمیمہ اور عادات قبیحہ کو اخلاق حسنہ اور عادات پسندیدہ میں تبدیل کردے اور اوصاف کمالیہ حق کے دریائے بے کراں میں فانی ہوجائے اور شیطانی طبیعت کی تاریک زمین کو نورانی اور تابناک زمین بنا دے۔ "واشرقت الارض بنور

۱۔ منیۃ المرید، ص ۲۴۔

۲۔ علم الیقین، ج ۲ ص ۱۰۳۳۔

رہے (۱) " کی معنویت کا اپنے اندر ادراک کرے اور ذات مقدس کے اسمائے جلال و جمال کا مقام اپنے وجود کی مملکت میں پیدا کرنے اور اس مقام پر پہنچ کر جمال وجلال کے حجاب میں چلا جائے گا اور اخلاق الٰہی سے خود کو آراستہ کرلے گا اور تعینات نفسیہ کی قباحتیں اور وہم کی تاریکیاں یکسر پوشیدہ ہوجائیں گی. اگر اس مقام تک پہنچ گیا تو حق تعالیٰ کی عنایات خاصہ کا مستحق قرار پائے گا اور خدا اپنے خاص لطف خفی سے اس کی دستگیری فرمائے گا اور اپنی کبریائی کے پردہ کے نیچے اس کو اس طرح مستور کرلے گا کہ خود اس کے علاوہ اسے کوئی دوسرا نہیں پہچان سکے گا اور اس کو بھی حق تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہ پہچان سکے گا." ان اولیائی تحت قبابی لایعرفهم غیری (۲) " اور خدا کی مقدس کتاب نے اہلیت وصلاحیت رکھنے والوں کے لیے اس سلسلہ میں بہت اشارے کیے ہیں. چنانچہ ارشاد ہے :" اللہ ولیّ الذین آمنوا یخرجهم من الظلمات الی النور (۳) " اہل معرفت اور اصحاب سابقہ حسنیٰ جانتے ہیں کہ تمام خلقی تعینات اور اعیانی کثرتیں ظلمت ہیں اور نور مطلق تب ہی حاصل ہوتا ہے جب تمام اضافات کو ساقط کردیا جائے اور ان تعینات کو توڑ دیا جائے جو سالک کی راہ کے بت ہیں. جب کثرات وصفی وفعلی کی ظلمتیں مضمحل اور کمزور ہوجائیں گی اور عین جمع میں غرق ہوجائیں گی تو تمام شرمگاہوں کا ستر ہوجائے گا اور حضور مطلق اور وصول تام عالم وجود میں آجائے گا اور نماز گزار اس مقام میں چونکہ حق کی پردہ پوشی میں ہے، لہذا اس کی نماز، نماز حق ہے اور شاید حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز معراج بعض مقامات ومدارج میں اسی طریقہ سے ادا ہوئی تھی.

واللہ العالم

۱۔ " اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہوگئی " سورۂ زمر / ۶۹ .

۲۔ " میرے دوست میرے قبوں کے نیچے ہیں . میرے سوا کوئی ان کو نہیں پہچانتا ". احیاء علوم الدین ، ج ۴ ص ۲۵۶ . حدیث قدسی ہے اور اس کے نقل کرنے میں " قبابی " اور " قبایی " دونوں وارد ہوئے ہیں .

۳۔ " خدا ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے ہیں (اور وہ) ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے " سورۂ بقرہ / ۲۵۷ .

وصل :

عن مصباح الشریعة، قال الصادق علیه السلام :

ازین اللباس للمؤمنین لباس التقوی، وانعمه الایمان . قال اللہ عزوجل : " ولباس التقوی ذلک خیر "

واما اللباس الظاهر، فنعمة من اللہ یستر عورات بنی آدم، وهی کرامة اکرم اللہ بها عباده . ذریة آدم (ع). لم یکرم غیرهم، وهی للمؤمنین آله لاداء ما افترض اللہ علیهم .

وخیر لباسک مالا یشغلک عن اللہ . عزوجل . بل یقربک من شکره وذکره وطاعته، ولایحملک فیها الی العجب والریاء والتزین والمفاخرة والخیلاء، فانها من آفات الدین، وموردثة لقسوة فی القلب .

فاذا لبست ثوبک، فاذکر ستر اللہ . تعالیٰ . علیک ذنوبک برحمته، والبس باطنک بالصدق، کما البست ظاهرک بثوبک .

ولیکن باطنک فی ستر الرهبة، وظاهرک فی ستر الطاعة واعتبر بفضل اللہ . عزوجل . حیث خلق اسباب اللباس لتستر العورات الظاهرة، وفتح ابواب التوبة والانابة لتستر بها عورات الباطن من الذنوب واخلاق السوء .

ولا تفضح احداً حیث ستر اللہ علیک اعظم منه، واشتغل بعیب نفسک، واصفح عما لا یعنیک حاله وامره واحذر ان تفنی عمرک لعمل غیرک، ویتجر براس مالک غیرک وتهلک نفسک، فان نسیان الذنوب من اعظم عقوبة اللہ . تعالیٰ . فی العاجل، واوفر اسباب العقوبة فی الاجل .

وما دام العبد مشتغلاً بطاعة اللہ . تعالیٰ . ومعرفة عیوب نفسه وترک ما یشین فی دین اللہ، فهو بمعزل عن الافات خائض فی بحر رحمة اللہ . عزوجل . یفوز بجواهر الفوائد من الحکمة والبیان، وما دام ناسیاً لذنوبه جاهلاً لعیوبه، راجعاً الی حوله وقوته، لایفلح اذاً ابداً .

(مصباح الشریعة " الباب السابع ، فی اللباس ")

اگرچہ بیانات سابقہ کی طرف رجوع کرنے سے حدیث شریف کے مقاصد پر ایک حد تک روشنی پڑجاتی ہے، مگر ترجمہ جیسے انداز میں اس کے بعض اشارہ کی طرف توجہ دلانا صفائے قلب کا سبب ہوگا۔

فرماتے ہیں:

مؤمنین کے لیے سب سے زیادہ آراستہ لباس تقویٰ کا لباس ہے اور سب سے زیادہ نرم لباس ان کے لیے ایمان کا لباس ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے: "لباس تقویٰ بہترین لباس ہے (۱)" رہا لباس ظاہر، تو وہ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو بنی آدم کی شرمگاہوں کا پردہ ہے اور یہ عزت وکرامت بنی آدم کے لیے مخصوص ہے اور دوسرے موجودات کو عطا نہیں فرمائی گئی، لیکن مؤمنین اس نعمت کو بھی واجبات الٰہیہ کے ادا کرنے میں صرف کرتے ہیں اور تمہارا سب سے عمدہ لباس وہ ہے جو تمہیں یاد خدا سے غافل نہ کرے اور غیر خدا میں مشغول نہ کرے، بلکہ اس کے شکر وذکر اور اطاعت سے قریب کردے۔ لہذا لباس کے اصل مادہ (میٹیریل) اور ہئیت (ڈیزائن) میں ایسی چیزوں سے پرہیز کرو جو حق تعالیٰ کے ساحت قدس سے غفلت اور دوری کا سبب ہو اور یہ جان لو کہ لباسوں میں، بلکہ تمام ہی عادی امور میں کچھ ایسے ہیں جو انسان کو حق سے غافل اور دنیا میں مشغول کرنے والے ہیں اور تمہارے کمزور دل میں برے اثرات چھوڑ جاتے ہیں اور خود پسندی، خودنمائی، فیشن پرستی، مفاخرت اور کبر وغرور میں مبتلا کرتے ہیں جو سب کے سب دین کے لیے آفتیں ہیں اور سنگدلی کا سبب۔

جب تم نے ظاہری لباس پہن لیا تو یاد کرو کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت کے پردہ میں تمہارے گناہوں کو پوشیدہ کردیا ہے اور جس طرح تم نے ظاہر کو لباس ظاہر سے ملبوس کیا ہے اسی طرح باطنی لباس سے غفلت نہ کرو اور اپنے باطن کو سچائی کے لباس سے آراستہ کرو اور چاہیے کہ اپنے باطن کو خوف وبیم کے پردہ میں اور اپنے ظاہر کو اطاعت کے پردہ میں رکھو اور فضل حق تعالیٰ سے عبرت حاصل کرو کہ لباس ظاہر عطا کرکے تم پر لطف واحسان کیا تاکہ اپنے ظاہری عیوب کو اس سے چھپاؤ اور توبہ وانابت کے

۱۔ سورۂ اعراف / ۲۶۔

دروازے تمہارے لیے کھول دیے تاکہ باطنی شرمگاہوں یعنی گناہوں اور بد اخلاقیوں کو چھپاؤ اور کسی کو رسوا نہ کرو. جیسا کہ خدا نے تمہاری ان چیزوں کو ظاہر کر کے تمہیں رسوا نہیں کیا جو اس سے بڑی اور بری ہیں. اپنے عیبوں پر نگراں رہو تاکہ اپنی اصلاح آپ کر سکو. جو چیزیں تمہاری مدد نہ کریں ان سے درگزر کرو. دوسروں کے لیے عمل کرنے میں اپنی عمر کو برباد کرنے سے بچتے رہو کہ تمہارے اعمال کا ثمرہ دوسروں کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جائے اور تمہارے سرمایہ سے دوسرے لوگ تو تجارت کریں اور تم خود کو ہلاکت میں ڈال دو. کیونکہ اپنے گناہوں کو بھول جانا سب سے بڑی سزا ہے جس میں خدا انسان کو دنیا میں مبتلا کر دیتا ہے، کیونکہ اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا ہے اور آخرت میں عذاب کے سب سے بڑی اسباب میں ہے اور جب تک بندہ اطاعت خدا میں مشغول رہتا ہے اور اپنے عیوب کو پہچاننے میں لگا رہتا ہے اور ان چیزوں کو ترک کیے رہتا ہے جو دین خدا میں عیب شمار ہوتی ہیں، اس وقت تک آفات سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ کی رحمت کی دریا میں غوطہ زنی کرتا ہے اور حکمت و بیان کے موتی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اور جب اپنے گناہوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور اپنے عیوب سے بے خبر ہوجاتا ہے اور اپنی ہی قوت وطاقت پر اعتماد کیے رہتا ہے تو اس کے نجات پانے کا کوئی سوال نہیں اٹھتا.

مقصد سوم

مکان مصلّی کے قلبی آداب

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

مکان کی معرفت

معلوم رہنا چاہیے کہ سالک الیٰ اللہ کے ارتقائے وجود کے کچھ مقامات و مراتب ہیں جن میں سے ہر ایک کے مخصوص آداب ہیں۔ جب تک سالک میں وہ سب پیدا نہ ہوجائیں گے اس وقت تک اہل معرفت کی نماز کو نہیں پا سکتا۔

ان میں ایک طبیعی ارتقاء اور ظاہری دنیاوی مرتبہ ہے جس کا مکان مادی زمین ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً [1]"۔ اس مرتبہ میں سالک کے لیے یہ ادب ہے کہ اپنے قلب کو سمجھائے کہ اس کا عالم غیب سے زمین پر آنا اور فرش خاکی سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ مقام کو چھوڑ کر یہاں اترنا اور احسن تقویم سے اسفل سافلین کی طرف واپسی اس لیے ہے تاکہ اختیار سے سلوک الیٰ اللہ کی راہ تلاش کرے اور معراج قرب کی بلندیوں تک پہنچے اور ساحت الٰہی اور محضر ربوبیت کو پالے جو تخلیق کا مقصد اور اہل اللہ کی آخری منزل مقصود ہے۔ "رحم اللہ امرءً علم من این؟ وفی این؟ والیٰ این؟ "۔

سالک کو معلوم رہنا چاہیے کہ وہ اللہ کے دار عزت وکرامت سے آیا ہے۔ اللہ کے دار عبادت میں

۱۔ "زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی قرار دی گئی ہے" وسائل الشیعہ، ج ۳ ص ۵۹۳ "کتاب الصلاۃ، ابواب ما یسجد علیہ" باب ۱ حدیث ۸۔

رہ رہا ہے اور اللہ کے دار جزا میں اسے جانا ہے. عارف کہتا ہے :" من اللہ و فی اللہ و الیٰ اللہ ". لہذا سالک کو چاہیے کہ اپنے آپ کو سمجھائے اور روح کو یہ ذائقہ چکھائے کہ یہ مادی گھر مسجد عبادت الہٰی ہے اور اسی مقصد کے لیے یہاں آیا ہے. جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے :" وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون [۱] " جب دار طبیعت کو مسجد سمجھ لے اور اپنے آپ کو یہاں حالت اعتکاف میں قرار دے لے تو آداب اعتکاف بجا لاتے رہنا چاہیے اور ذکر حق کے علاوہ ہر چیز کا روزہ دار رہنا چاہیے اور عبودیت کی مسجد سے باہر نہیں آنا چاہیے سوائے حوائج ضروریہ کے اور جب حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل ہوجائے تو پھر مسجد کی طرف واپس جائے اور خود کو غیر حق سے مانوس نہ ہونے دے. دوسری چیزوں میں دلچسپی نہ لے کہ یہ آداب اعتکاف کے خلاف ہے. عارف باللہ پر اس مقام میں ایسے حالات طاری ہوتے ہیں جو قلم سے ٹھیک ٹھیک بیان نہیں ہوسکتے اور چونکہ مؤلف فطرت انسانیت سے باہر اور مادیات کے تاریک و عمیق دریا میں غرق ہے اور تمام مقامات سالکان وعارفان کی حقیقت اور ان کا حق ادا کرنے سے عاجز ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس سے زیادہ محضر حق وخاصان حق میں خود کو رسوا نہ کرے اور اس مقام سے آگے بڑھ جائے اور درگاہ مقدس ذو الجلال میں اپنے نفس امارہ کا شکوہ کرے. شاید لطف عمیم اور رحمت شاملہ دستگیری کرے اور بقیہ زندگی میں تلافی مافات ہوجائے " ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین [۲] ".

مقام دوم، ظاہری اور باطنی قوتوں کا مرتبہ ہے جو نفس کی ملکی اور ملکوتی قوتوں کے لشکر ہیں، جن کا محل طبیعت انسان کی زمین ہے. یعنی یہ پیکر وقالب خاکی سالک کے لیے اس مقام کا ادب یہ ہے کہ باطن قلب کو سمجھائے کہ زمین طبیعت خود مسجد ربوبیت اور لشکر رحمانی کی سجدہ گاہ ہے. لہذا مسجد کو ابلیسی تصرفات کی آلودگیوں سے گندہ نہ ہونے دے اور لشکر الہٰی کو شیطان کے اختیار میں نہ دے تاکہ زمین طبیعت نور رب کے اشراق سے روشن ہوجائے اور ساحت ربوبیت سے دوری کی ظلمت

۱۔ "میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ میری عبادت کریں" سورۂ ذاریات / ۵۶ .

۲۔ "پروردگارا! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا پس اگر تم ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوجائیں گے" سورۂ اعراف / ۲۳ .

وکدورت سے باہر رہے۔ اس کے لیے اپنی ملکی اور ملکوتی قوتوں کو مسجد میں معتکف سمجھے اور جسم کے ساتھ مسجدیت کو نظر میں رکھتے ہوئے معاملہ کرے اور اپنی قوتوں کو یہ سوچتے ہوئے کام میں لائے کہ وہ ساحت الٰہی میں معتکف ہے اور اس مقام پر سالک کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ اب مسجد کی صفائی اور اس کو پاک رکھنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اس اعتکاف کے آداب میں اس مسجد کی کفالت بھی شامل ہے۔

مقام سوم، قلب سالک کا غیبی مرتبہ ہے جس کا محل نفس کا بدن غیبی برزخی ہے جو خود نفس کی تخلیقی قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ سالک کے لیے اس مقام کا ادب یہ ہے کہ خود کو یہ محسوس کرادے کہ یہ مقام دوسرے مقامات سے فرق رکھتا ہے اور اس مقام کی محافظت سلوک کے اہم امور میں شامل ہے، کیونکہ قلب ہی معتکفان درگاہ کا امام ہے اور یہ فاسد ہوجائے تو سب فاسد ہوجائے گا "اذا فسد العالِم فسد العالَم [1]"۔ قلب عالم، عالم صغیر ہے اور عالم قلب، عالم کبیر ہے اور اس مقام پر سالک کی ذمہ داری پہلے دو مقامات سے بہت زیادہ ہوجاتی ہے، کیونکہ مسجد کی تعمیر بھی اب سالک ہی کی ذمہ داری ہے اور ممکن ہے کہ خدا نخواستہ اس کی مسجد، مسجد ضرار کی طرح کفر اور مسلمانوں کے درمیان تفریق بن جائے، لیکن سالک جب مسجد ملکوتی الٰہی کی تعمیر تصرف رحمانی کے ہاتھوں اور ولایت مآبی بازوؤں کی قوت سے کرے گا اور خود اس مسجد کو تمام شیطانی آلائشوں اور تصرفات سے پاک رکھے گا اور اس میں معتکف ہوجائے گا تو اب اس کے لیے لازم ہوگا کہ کوشش کرے کہ خود کو اس مسجد سے نکال کر صاحب مسجد کے ساحت قدس میں معتکف کرے اور جب خود سے علاقہ ختم ہوجائے اور خودی کی قید سے نکل آئے تو خود منزل گاہ حق بن جائے گا، بلکہ مسجد ربوبیّت ہوجائے گا اور حق تجلیات فعلی، پھر تجلیات اسمائیہ اور پھر تجلیات ذاتیہ سے اس مسجد میں اپنی ثنا کرے گا اور یہ ثنا "نماز رب" ہے۔ وہ کہتا ہے: "سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح [2]"۔

۱۔ "جب عالم فاسد ہوجاتا ہے تو عالم فاسد ہوجاتا ہے" غرر الحکم، ج ۷، ص ۲۶۹ میں یہ عبارت ہے "زلۃ العالم تفسد العالم"۔

۲۔ "... ان ربک یصلی ... یقول، سبوح قدوس انا رب الملائکۃ والروح"۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۳۲۹ "کتاب الحجہ۔ ابواب التاریخ۔ باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ووفاتہ" حدیث ۱۳۔

سالک الیٰ اللہ کے لیے تمام ہی مقامات میں ایک اور اہم ذمہ داری ہے جس سے غفلت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، بلکہ سلوک کی غرض وغایت اور اس کا لبّ لباب یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام حالات ومقامات میں ذکر حق سے غافل نہ ہو اور تمام مناسک وعبادات سے اللہ کی معرفت حاصل کرے اور تمام مظاہر میں خدا کی جستجو کرتا رہے اور اس کی نعمت وکرامت کو صحبت وخلوت کسی بھی حال میں ترک نہ کرے کہ یہ استدراج کی ایک نوع ہے۔

الغرض، معرفت خدا ہی کو عبادات ومناسک کی روح اور ان کا باطن سمجھے اور انہیں میں محبوب کو تلاش کرے تاکہ عاشقیت اور محبوبیت کا بیج دل میں مستحکم ہوجائے اور عنایاتِ خفی اور واردات سری ہوتی رہیں۔

وصل:

فی مصباح الشریعة، قال الصادق علیه السلام:

اذا بلغت باب المسجد، فاعلم انک قصدت باب ملک عظیم، لا یطا بساطه الا المطهرون، ولا یؤذن لمجاسته الا الصدیقون، فهب القدوم الی بساط خدمة الملک هیبة، فانک علی خطر عظیم ان غفلت۔

فاعلم انه قادر علی ما یشاء من العدل والفضل معک وبک؛ فان عطف علیک برحمته وفضله قبل منک یسیر الطاعة، واجزل لک علیها ثواباً کثیراً۔

وان طالبک باستحقاق الصدق والاخلاص عدلاً بک، حجبک وردّ طاعتک، وان کثرت، وهو فعال لما یرید۔

واعترف بعجزک وتقصیرک وانکسارک وفقرک بین یدیه، فانک قد توجهت للعبادة والمؤانسة به، واعرض اسرارک علیه، ولتعلم انه لا یخفی علیه اسرار الخلق اجمعین وعلانیتهم۔

وکن کافقر عباده بین یدیه، واخل قلبک عن کل شاغل یحجبک عن ربک، فانـه

لا یقبل الا الاطھر الاخلص

وانظر من ای دیوان یخرج اسمک، فان ذقت حلاوۃ مناجاتہ ولذیذ مخاطبتہ وشربت بکاس رحمتہ وکراماتہ من حسن اقبالہ علیک واجابتہ، فقد صلحت لخدمتہ، فادخل فلک الاذن والامان، والا فقف وقوف من انقطع منہ الحیل وقصر عنہ الامل وقضی عنہ الاجل.

فان علم اللہ ۔عزوجل ۔ من قلبک صدق الالتجاء الیہ، نظر الیک بعین الرافۃ والرحمۃ واللطف ووفقک لما یحب ویرضیٰ، فانہ کریم یحب الکرامۃ لعبادہ المضطرین الیہ المحترقین علی بابہ لطلب مرضاتہ؛ قال تعالیٰ: "امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء [۱]".

اور چونکہ یہ کلام شریف ایک جامع دستور ہے اصحاب معرفت اور ارباب سلوک کے لیے ۔ اس لیے میں نے پورا کا پورا نقل کردیا ہے تاکہ اس میں غور وفکر سے کوئی حال حاصل ہو۔

ارشاد امام (ع) کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم مسجد کے دروازے پر پہنچو تو ہوش رکھو کہ تم کس بارگاہ میں آئے ہو اور کون سی درگاہ کا ارادہ رکھتے ہو؟ نظر میں رکھو کہ تم اس عظیم الشان بارگاہ میں پہنچے ہو جس کے تقرب کی بساط تک کوئی قدم نہیں اٹھاتا مگر وہی جو ارجاس عالم طبیعت اور اخباث شیطانیہ سے پاک وپاکیزہ ہو اور اس کے پاس جانے کی کسی کو اجازت نہیں ملتی مگر انہیں کو جنھوں نے صدق وصفا وخلوص کے ساتھ ہر قسم کے شرک ظاہر وباطن سے دور ہو کر اس کی طرف قدم اٹھایا ہو۔ لہذا عظمت موقف اور ہیبت وعزت وجلال الٰہی کو نظر میں رکھو۔ اس کے بعد بارگاہ قدس اور بساط انس پر قدم رکھو۔ کیونکہ تم ایک عظیم حقیقی خطرہ سے دوچار ہو۔

باخبر باش کہ سر می شکند دیوارش [۲]

۱۔ مصباح الشریعہ "الباب الثانی عشر، فی دخول المسجد"۔ اور حدیث کے آخر میں آیت، سورۂ نمل / ۶۲۔

۲۔ "ای کہ در کوچہ معشوقہ ما می گزری — باخبر (برحذر) باش کہ سر می شکند دیوارش" حافظ۔

"میرے محبوب کے کوچہ سے گزرنا لیکن — ہوش رکھنا کہ نہ دیوار سے سر ٹکرا جائے"

اس کی بارگاہ میں وارد ہوئے ہو جو قادر مطلق ہے اور جو حکم چاہتا ہے اپنی مملکت میں جاری کرتا ہے۔ اگر عدالت کا سلوک کرتا ہے، حساب میں مباحثہ کرتا ہے اور صدق وصفا کا مطالبہ کرتا ہے تو تم مجبوب درگاہ ہوجاؤ گے۔ تمہاری عبادتیں کتنی ہی زیادہ ہوں رد ہوجائیں گے اور اگر اپنے فضل وکرم کے ساتھ نظر کرتا ہے تو تمہاری معمولی عبادت کو بھی قبول کرلے گا اور بہت زیادہ ثواب عطا کرے گا۔

اب جب تم عظمت موقف کو سمجھ چکے تو اپنے عجز وتقصیر اور فقر واحتیاج کا اعتراف کرو اور جب اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہوچکے اور اس سے مؤانست کا خیال دل میں پیدا کرچکے تو اپنے دل میں غیر کا اشتغال وخیال نہ آنے دے جو جمال جمیل سے مجوب کردیتا ہے، کیونکہ غیر سے اشتغال آلودگی اور شرک ہے اور خداوند عالم ہرگز قبول نہیں فرماتا مگر قلب پاکیزہ وخالص کو اور جب اپنے میں حق سے مناجات کی حلاوت اور ذکر خدا کی شیرینی محسوس کرو اور اس کے رحمت وکرامت کے ساغر سے سیراب ہوجاؤ اور حسن اقبال واجابت اپنے میں دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کی بارگاہ مقدس کے لائق ہوگئے اور اب محضر قدس میں جا سکتے ہو، کیونکہ تم کو اذن مل گیا اور امان حاصل ہوچکی اور اگر اپنے میں یہ حالات نظر نہ آئیں تو اس کی درگاہ رحمت میں ٹھہرے رہو اس مضطر ومجبور کی طرح جس کے لیے چارہ وتدبیر کی راہیں بند ہیں اور وہ آرزوئیں پوری ہونے سے مایوس اور موت سے نزدیک ہوچکا ہے۔ جب اپنی ذلت ومسکنت کو پیش کروگے اور اس کی درگاہ میں پناہ حاصل کرلو گے اور وہ تمہارے اندر صدق وصفا دیکھے گا تو رحمت ومہربانی کی نظر سے تم کو نوازے گا اور تمہاری دستگیری کرے گا اور تم کو اپنی رضا حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا، کیونکہ وہ ذات مقدس صاحب کرم ہے اور اپنے مجبور بندوں کے لیے کرامت کو دوست رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

"امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء [1]"

۱۔ حاشیہ نمبر ۱ ص ۱۰۷۔

فصل دوم

اباحت مکان کے بعض آداب

سالک الی اللہ جب مکان کے مراتب کو مقامات ونشئات وجودیہ کی مناسبت سے سمجھ چکا تو ان کی اباحت کے آداب بجالانے کی کوشش کرنا چاہیے تاکہ اس کی نماز شیطان کے غاصبانہ تصرفات سے محفوظ رہے۔ اس کے لیے پہلے عبادت و بندگی کے آداب صوری بجالائے اور عالم ذر اور یوم میثاق میں خدا سے کیے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرے اور ابلیس کے دست تصرف کو اپنے ملک طبیعت سے دور کرے تاکہ صاحب خانہ سے علاقہ اور محبت پیدا کرسکے اور عالم طبیعت میں بندہ کے تصرفات غاصبانہ نہ رہ جائیں۔ بعض اہل ذوق کا کہنا ہے کہ آیۂ شریفہ "یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود، احلت لکم بھیمۃ الانعام (۱)" کے معنی باطن کے اعتبار سے یہ ہیں کہ چوپایوں کا حلال ہونا عہد ولایت پورا کرنے پر موقوف ہے اور احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے کہ ساری زمین امامؑ کی ہے اور ان کے دوستوں کے علاوہ سب اس پر غاصبانہ قبضہ کیے ہوئے ہیں (۲) اور اہل معرفت ولی امر کو وجود کے تمام ممالک اور غیب وشہود کے تمام مدارج کا مالک سمجھتے ہیں اور بے اذن امامؑ اس پر کسی کے تصرف کو جائز نہیں سمجھتے۔

۱۔ "اے ایمان والو! جو عہد وپیمان تم نے کیے ہیں انہیں پورا کرو، چوپائے تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں..." سورۂ مائدہ ۱/۔

۲۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۲۶۶ "کتاب الحجہ" روایات "باب ان الارض کلھا للامامؑ"۔

مؤلف کہتا ہے: ابلیس ملعون، اللہ کا دشمن ہے اور اس کا تصرف اور اس کے علاوہ کسی کا بھی ابلیسی تصرف عالم طبیعت پر غاصبانہ اور ظالمانہ ہے. تو اگر سالک الیٰ اللہ خود کو اس ملعون کے تصرفات سے باہر نکال لے تو اس کے تصرفات رحمانی ہوجائیں گے. مکان، لباس، غـذا اور نکاح مباح اور پاک ہوجائے گا اور جس حد تک بھی تصرف ابلیس ہو گا اسی قدر حلیت سے باہر ہو گا اور شرک شیطان کی اس میں دست اندازی شامل ہوگی. اب اگر انسان کے ظاہری اعضاء شیطانی تصرف میں ہوئے تو یہ اعضاء ابلیسی اعضاء ہوں گے اور مملکت حق کے غاصب. اسی طرح مسجد بدن میں ملکوتی قوتوں کا رہنا اس وقت مباح اور عادلانہ ہے جب یہ قوتیں رحمانی لشکر میں ہوں. ورنہ ابلیسی لشکر کو بدن انسانی کی مملکت میں جو حق تعالیٰ کی ملکیت ہے تصرف کا حق نہیں ہوسکتا. لیکن جب شیطان کے دست تصرف کو مملکت قلب سے جو حق تعالیٰ کی خاص منزلگاہ ہے روک دے گا اور اپنے قلب کو تجلیات حق کے لیے خالص کردے گا اور غیر حق کو جو ابلیس کا راستہ ہے دل میں راہ نہ دے گا تو اس کے لیے ظاہری و باطنی مسجدیں اور ملکی و ملکوتی مکان سب مباح ہوجائیں گے اور اس کی نماز اہل معرفت کی نماز ہوجائے گی. اس موازنہ سے طہارت مسجد بھی معلوم ہوگئی.

مقصد چہارم

وقت کے قلبی آداب

اور

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

اصحاب معرفت اور اوقات عبادت

معلوم رہے کہ اہل معرفت اور اصحاب مراقبہ مقام مقدس ربوبیت کی معرفت کے بقدر اور مناجات باری تعالیٰ کے شوق کی مناسبت سے اوقات نماز کی جو مناجات کا میقات اور حق سے ملاقات کی وعدہ گاہ ہے، مراعات و محافظت کرتے آئے ہیں۔

وہ لوگ جو جمال جمیل میں مجذوب اور حسن ازل کے چاہنے والے ہیں اور جام محبت سے سرمست اور پیمانہ الست سے بے خود ہیں، دونوں جہانوں سے چھٹکارہ حاصل کرکے اور اقالیم وجود سے صرف نظر کرکے جمال الٰہی کی عزت قدس سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ وہ ہر لحہ محضر قدس میں ہیں اور ذکر و فکر اور مشاہدہ و مراقبت سے دور نہیں رہتے۔

اور وہ لوگ جو اصحاب معارف اور ارباب فضائل ہیں اور شریف النفس اور کریم الطبع ہیں مناجات حق کے مقابلہ میں کسی چیز کو اختیار نہیں کرتے اور خلوت و مناجات حق سے خود حق کے طالب ہیں اور سارے عز و شرف اور فضیلت و معرفت کو ذکر الٰہی اور مناجات حق میں پوشیدہ جانتے ہیں۔ یہ حضرات اگر عالم کی طرف دیکھتے ہیں اور کونیں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی نظر عارفانہ نظر ہوتی ہے اور عالم میں حق کی جستجو و طلب کرتے ہیں۔ وہ تمام موجودات کو جلوۂ حق اور تجلی جمال جمیل سمجھتے ہیں۔

عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از اوست (۱)

یہ لوگ جان و دل سے اوقات نماز کی پابندی کرتے ہیں اور حق سے مناجات کے وقت کا انتظار کیا کرتے ہیں اور خود کو میقات حق میں حاضر ہونے کے لیے تیار رکھتے ہیں. ان کا دل حاضر ہے اور محضر ہی سے حاضر کو طلب کرتے ہیں اور حاضر کے لیے محضر کا احترام کرتے ہیں. عبودیت ان کے نزدیک کامل مطلق سے معاشرت و مراودت کا نام ہے. عبادت کی طرف ان کا اشتیاق اسی وجہ سے ہے.

اور وہ لوگ جو غیب اور عالم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور کرامات حق تعالیٰ کے شیفتہ ہیں، وہ جنت کی ابدی نعمتوں اور دائمی لذتوں اور مسرتوں میں دنیا کی محدود لذتوں اور اس کی ناقص اور وقتی مسرتوں کا شائبہ نہیں پیدا ہونے دیتے. نیز عبادات کے وقت، جو نعمات آخرت کا بیج ہے، اپنے دلوں کو حاضر رکھتے ہیں اور ذوق و شوق کے ساتھ حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اوقات نماز کا جو نتائج کے حصول اور ذخائر آخرت جمع کرنے کا وقت ہے، انتظار کرتے رہتے ہیں اور نعمات جاودانی کے مقابلہ میں کسی اور چیز کو اختیار نہیں کرتے. یہ حضرات بھی، چونکہ ان کا قلب عالم غیب سے باخبر ہے اور آخرت کی نعمات جاودانی اور لذات دائمی پر دل سے ایمان رکھتے ہیں، اس لیے وقت کو غنیمت سمجھتے ہیں اور تضییع اوقات نہیں کرتے" اولئک اصحاب الجنۃ و ارباب النعمۃ ہم فیہا خالدون ".

یہ سب گروہ جن کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض دوسرے گروہ جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ان کے لیے ان کے مراتب و معارف کے اعتبار سے عبادتیں خود لذتیں ہیں اور تکلیفات شرعیہ سے وہ کسی طرح بھی کلفت نہیں محسوس کرتے، لیکن ہم بے چارے آرزوؤں اور تمناؤں میں گرفتار اور نفسانی خواہشات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اور عالم طبیعت کے گہرے تاریک سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اس لیے

۱۔ " بہ جہان خرم از آنم کہ جہان خرم از اوست عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از اوست " سعدی"

" میں طرب میں ہوں کہ عالم میں طرب اس کا ہے اس لیے سب پہ میں عاشق ہوں کہ سب اس کا ہے "

عبادات الٰہیہ کو مصیبت و کلفت اور قاضی الحاجات سے مناجات کو بار سر اور زحمت سمجھتے ہیں، کیونکہ نہ ہماری روح کے دماغ میں بوئے عشق و محبت پہنچی ہے اور نہ ہمارے کام و دہان قلب نے عرفان و فضیلت کا ذائقہ چکھا ہے۔ دنیا کے سوا، جو جانوروں کی چراگاہ ہے، کسی چیز سے دلچسپی نہیں رکھتے اور دار طبیعت کے سوا، جو ظالموں کی منزلگاہ ہے، کسی شے سے علاقہ نہیں رکھتے۔ ہمارے قلب کی چشم بصیرت جمال جمیل کو دیکھنے سے عاجز ہے اور روح ذوق عرفان کا ذائقہ چکھنے سے محروم ہے۔

ہاں! حلقہ اہل معرفت کے میر محفل اور اصحاب محبت و حقیقت کے سیدؐ و سردار کا کہنا ہے کہ: "ابیت عند ربّی یطعمنی ویسقینی [۱]" خدایا! یہ کیسی شب بسری تھی جو خلوت انس میں حضرت محمد (ص) کو تیرے ساتھ حاصل تھی اور کون سی آب و غذا تھی جو تو نے اپنے ہاتھ سے اس ذات عظیم کو عطا کرکے ہر شے سے بے نیاز کردیا۔ اسی ذات مقدس کو سزاوار ہے کہ فرمائیں "لی مع اللہ وقت لا یسعہ ملک مقرب ولا نبیٌ مرسل [۲]" کیا یہ وقت عالم دنیا و آخرت کے اوقات میں سے ہے؟ یا خلوت گاہ قاب قوسین وطرح الکونین (معراج) سے ہے؟ چالیس روز موسیٰ کلیم اللہؑ نے صوم موسوی رکھا تب میقات حق میں پہنچے اور خدا نے فرمایا: "فتمّ میقات ربہ اربعین لیلۃ [۳]" اس کے باوجود میقات محمدی (ص) تک نہ پہنچ سکے اور وقت احمدی (ص) سے تناسب پیدا نہ کرسکے۔ موسیٰ علیہ السلام کو میعاد گاہ میں "فاخلع نعلیک [۴]" کا حکم ہوا اور ان کے لیے "محبت اہل" کو نعلین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر رسول ختمی مرتبت (ص) کو محبت علیؑ کا حکم دیا گیا۔!!

۱۔ "میں اپنے پروردگار کے پاس شب بسر کرتا ہوں، وہی مجھے سیر کرتا ہے اور وہی سیراب کرتا ہے" وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۳۸۸، تھوڑے فرق کے ساتھ، اور صحیح بخاری، ج ۴ "کتاب التمنی" ص ۲۵۱۔

مولوی روم مثنوی میں کہتے ہیں: "چون "ابیت عند ربی" فاش شد "یطعم ویسقی" پے این آش شد"۔

۲۔ "میرے لیے خدا کے ساتھ ایک وقت ہے جس تک نہ کوئی ملک مقرب پہنچ سکتا ہے نہ نبی مرسل"۔ عوالی اللئالی، ج ۴ ص ۷، حدیث ۷، بحارالانوار، ج ۱۸ ص ۳۶۰ "کتاب تاریخ النبی، باب اثبات المعراج"۔

۳۔ "پس ان (موسیٰؑ) کی وعدہ گاہ کا زمانہ چالیس روز کا پورا ہوگیا" سورۂ اعراف / ۱۴۲۔

۴۔ "انی انا ربک فاخلع نعلیک..." سورۂ طہٰ / ۱۲۔

میرے قلب میں اس سر الٰہی کی ایک ایسی چنگاری روشن ہے جس کو میں بیان نہیں کر سکتا. آپ خود ہی اس اجمال سے تفصیل کو پڑھ لیں.

﴿فله الحمد﴾

فصل دوم

وقت کی پابندی

اے عزیز! جس قدر ممکن ہو اور آپ کے مقدور میں ہو، آپ بھی مناجات کے اس وقت کو غنیمت جانیے اور اس کے قلبی آداب بجالایئے اور اپنے دل کو سمجھایئے کہ آخرت کی ابدی زندگی کا سرمایہ اور نفسانی فضائل کا سرچشمہ اور لا محدود کرامتوں کا راس المال حق تعالیٰ کے ساتھ مؤانست و محبت اور اس سے مناجات ہے، خصوصاً نماز جو جلال و جمال حق کے ہاتھوں سے بنا ہوا ایک روحانی معجون ہے اور تمام عبادات میں سب سے زیادہ جامع اور کامل ہے۔ لہٰذا امکان بھر اوقات نماز کی محافظت کیجیے اور اوقات فضیلت میں اس کی ادائیگی کی عادت ڈالیے، کیونکہ اس میں ایسی نورانیت ہے جو دوسرے اوقات میں نہیں ہے۔ اپنے قلبی اشتغالات کو ایسے اوقات میں کم کردیا کیجیے، بلکہ ختم ہی کردیا کیجیے۔ یہ بات تب پیدا ہوگی جب آپ اپنے اوقات کو منظم و معین رکھیں گے اور نماز کے لیے جو آپ کی حیات ابدی کی ذمہ دار ہے، ایک ایسا خاص وقت معین کریں گے جس میں نماز کے سوا کوئی دوسرا کام نہ ہو اور قلب کو کسی اور چیز سے تعلق نہ ہو اور نماز کو دوسرے امور میں خارج نہ سمجھیں تاکہ قلب حاضر اور پرسکون رہے۔

اب ہم احوال معصومین علیہم السلام کے بارے میں احادیث کا بہ قدر ضرورت ذکر کرتے ہیں تاکہ ان عظیم شخصیتوں کے حالات پر غور کرنے کا موقع ملے، بلکہ ایک وارننگ ملے اور شاید قلب کو اس

موقف کی عظمت واہمیت اور اس مقام کے خطرات کا احساس ہوسکے اور خواب غفلت سے ہوش میں آئے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض ازواج سے مروی ہے کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم سے باتیں کرتے تھے اور ہم ان سے باتیں کرتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے نہ وہ ہم کو پہچانتے ہیں اور نہ ہم ان کو۔ اس اشتغال کی وجہ سے جو خدا سے پیدا ہوجاتا (۱)"

اور حضرت امیر علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ "جب وقت نماز آتا تھا تو آپؑ مضطرب ہوجاتے تھے اور آپؑ کے بدن میں لرزہ پیدا ہوجاتا تھا۔ حضرتؑ سے پوچھا گیا کہ: یا امیرالمؤمنین آپ کی یہ حالت کیوں ہے؟ آپؑ فرماتے تھے: اس امانت کی ادائیگی کا وقت آگیا جو خدائے تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں پر پیش کی اور انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے خائف ہوگئے (۲)"۔

اور سیدا بن طاوسؒ نے کتاب "فلاح السائل" میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام "جب وضو کرتے تھے تو آپؑ کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا اور آپؑ کے جوڑ بند کانپنے لگتے تھے۔ اس کا سبب آپؑ سے پوچھا، تو فرمایا: اس شخص کے لیے یہی مناسب ہے کہ اس کا رنگ بدل جائے اور جوڑ جوڑ کانپنے لگے جو صاحب عرش کی بارگاہ میں کھڑا ہو (۳)" اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی منقول ہے (۴)۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ "جب وضو کا وقت ہوتا تھا تو آپؑ کا رنگ زرد ہوجاتا تھا۔ عرض کیا گیا: یہ کیسی حالت ہے جو وضو کے وقت آپ پر طاری

۱۔ مستدرک الوسائل "کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ" باب ۲ حدیث ۱۷۔

۲۔ حوالہ سابق، حدیث ۵ و ۱۴۔

۳۔ سید ابن طاوسؒ نے کتاب "فلاح السائل" میں کتاب "اللؤلؤیات" در احوال امام حسن بن علیؑ سے نقل کیا ہے۔

۴۔ بحارالانوار، ج ۷۷، ص ۳۴۶ "کتاب الطهارۃ، ابواب الوضوء" باب ۴۴ حدیث ۳۴، نقل از "فلاح السائل"۔

ہوجاتی ہے؟ آپؑ فرماتے تھے: کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوں؟ [۱]"۔

ہم بھی اگر تھوڑا غور کریں اور اپنے قلب محجوب و مہجور کو سمجھائیں کہ اوقات نماز حضرت ذو الجلال کی بارگاہ قدس میں حاضری کے اوقات ہیں جو مالک الملک اور عظیم مطلق حق تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں حاضری کے لیے مخصوص کیے ہیں اور بندۂ کمزور و ضعیف کو اپنی مناجات کے لیے بلایا ہے اور اپنے خانہ عزت و کرامت میں حاضری کی اجازت دی ہے تاکہ ابدی سعادتوں اور دائمی مسرتوں کو حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کریں۔ ہم نماز کا وقت داخل ہونے سے اپنی معرفت کے موافق بہجت و سرور کا احساس ضرور کرتے ہیں، لیکن اگر قلب کو اس مقام کی عظمت اور اس کے خطر و خوف کا شعور ہوجائے تو جتنا عظمت کو سمجھ لیں گے اسی قدر خوف خدا و خشیت الٰہی حاصل ہوگی اور چونکہ اولیاء اللہ کے قلوب مختلف اور ان کے حالات متفاوت ہیں اس لیے تجلیات لطفیہؔ و قہریہؔ اور عظمت و رحمت کے استشعار کے مطابق کبھی ان کو شوق ملاقات اور استشعار رحمت و جمال بہجت و مسرت سے دوچار کرتا ہے اور وہ " ارحنا یا بلال [۲] " کہتے ہیں اور کبھی تجلیات عظمت و قہر و سلطنت ان کو خود سے بے خود بنا دیتا ہے اور وہ کانپ جاتے ہیں۔

الغرض، اے ناتواں اوقات کے آداب قلبی یہ ہیں کہ خود کو مالک دنیا و آخرت کے حضور میں جانے اور حق تعالیٰ سے خطاب اور کلام کے لیے تیار کرو۔ اس کے لیے اپنی ناتوانی و بے چارگی اور ذلت و بے نوائی پر ایک نظر ڈالو اور ایک نظر اس ذات مقدس حق تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور جلال و کبریائی پر کرو جس کی بارگاہ میں انبیائے مرسلین اور ملائکہ مقربین خود سے بے خود ہوجاتے ہیں اور اپنی عاجزی اور ذلت و مسکنت کا اعتراف کرتے ہیں۔ جب یہ نظر کرلو گے اور اپنے دل کو سمجھا لو گے تو دل میں خوف کا احساس پیدا ہوگا اور خود کو اور اپنی عبادتوں کو ناچیز سمجھے گا اور ایک نظر اس ذات مقدس کی رحمت

۱۔ مستدرک الوسائل "کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ" باب ۲ حدیث ۲۵۔

۲۔ المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء، ج ۱ ص ۳۷۷، اور مولوی روم مثنوی میں کہتے ہیں:

" جان کمال است ونداے او کمال — مصطفیٰ گویان " ارحنا یا بلال " مولانا رومی"

" جاں کمال، اس کی ندا بھی ہی کمال — کہتے ہیں احمد " ارحنا یا بلال "

اور کمال مہربانی کی وسعت اور رحمانیت کی ہمہ گیری پر بھی نظر ڈالو کہ اس نے اپنے ایک حقیر وناچیز بندہ کو تمام آلودگیوں اور کمزوریوں کے باوجود اپنی پاک وپاکیزہ بارگاہ میں آنے کی اجازت دی ہے اور اسے ملائکہ کو بھیج کر، کتابیں نازل کرکے اور انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی بعثت سے معزز فرماکر اپنی مجلس انس میں آنے کی دعوت دی ہے۔ حالانکہ خود بے چارے ممکن میں وہاں جانے کی کوئی استعداد نہیں ہے اور اس دعوت وحضور سے خود اس کو ـ معاذ اللہ ـ یا اس کے ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے لیے کوئی فائدہ متصور نہیں ہوتا۔ البتہ قلب کو اس توجہ سے ایک انس حاصل ہوتا ہے اور اسے رجاء وامید کی ایک غیبی روشنی ملتی ہے۔ لہذا خود کو خوف وبیم اور رجاء ورغبت کے قدموں سے حاضری کے لیے تیار کرنا چاہیے اور حاضری کی مقدار ومعیار دونوں کو فراہم کرنا چاہیے۔ جن میں سب سے عمدہ یہ ہے کہ شرمسار دل، خوفزدہ قلب، انکسار وذلت اور ضعف وبے چارگی کا احساس لیے ہوئے وارد محضر ہو اور خود کو کسی طرح سے بھی لائق محضر اور لائق عبودیت نہ سمجھے اور عبادت وعبودیت کے لیے حضرت احدیّت کے لطف عام وفضل تام کو اذن دخول سمجھے، کیونکہ اگر اپنی ذلت کو اپنا نصب العین بنائے اور ذات حق کے لیے دل وجان سے تواضع کا مظاہرہ کرے اور اپنے کو اور اپنی عبادت کو ناچیز اور بے قیمت سمجھے تو حق تعالیٰ کا لطف شامل حال ہوگا اور وہ تمہیں رفعت وبلندی عطا فرمائے گا اور خلعت کرامت سے سرفراز فرمائے گا۔

۔(آمین یاربّ العالمین)۔

مقصد پنجم

استقبال کے بعض آداب

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

استقبال کے مجموعی آداب

معلوم رہے کہ استقبال ظاہری طور پر دو چیزوں کا مجموعہ ہے:

ایک مقدمی، یعنی تشتت و انتشار پیدا کرنے والی تمام جہتوں سے ظاہری رخ ہٹا لینا.

دوسرے نفسی، یعنی چہرہ کعبہ کے سامنے رکھنا جو ام القریٰ اور فرش زمین کا مرکز ہے.

اس صورت کا ایک باطن اور باطن کا ایک سر بلکہ اسرار ہیں اور صاحبان اسرار غیبیہ باطن روح کو غیب وشہادت کی کثرتوں کی تشتت و انتشار پیدا کرنے والی جہتوں سے منصرف کرتے ہیں اور سر روح کے رخ کو احدی التعلق (ایک ہی سے تعلق) کرتے ہیں اور تمام کثرتوں کو سر احدیت جمع میں فانی کردیتے ہیں. یہ سر روحی جب قلب میں اتر جاتا ہے تو حق تعالیٰ اسم اعظم میں فانی و مضمحل ہوجاتی ہے. اس مقام پر قلب کا رخ اسم اعظم کے حضور میں ہوتا ہے اور باطن سے جب ظاہر ملک میں ظہور کرتا ہے تو غیر حق کو فانی کردینے کا نقشہ عالم ملک کے شرق وغرب سے روگردانی ہے اور جمع کے حضور کی طرف توجہ کا نقشہ بساط ارض کے مرکز جو زمین میں ید اللہ ہے، کی طرف توجہ ہے.

لیکن سالک الی اللہ کے لیے، جو ظاہر سے باطن کی طرف سیر کررہا ہے اور علن سے سر کی طرف ترقی کررہا ہے، ضروری ہے کہ برکات ارضی کی طرف اس صوری توجہ کو اور متفرق جہات کے ترک کو حالات قلبیہ کا وسیلہ قرار دے اور بے معنی صورت ہی پر قناعت کرکے نہ رہ جائے، بلکہ دل کو جو

حضرت حق کی توجہ کا مرکز ہے، متفرق جہات سے جو اصلی بات ہیں، موڑ کر قبلہ حقیقت کی طرف لگائے جو برکات آسمان وزمین کی اصل وبنیاد ہے، غیر وغیرت کی راہ ورسم کو بیچ میں نہ آنے دے تاکہ کسی حد تک "وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض (۱) " کے راز تک پہنچے. عالم غیب اسمائی کے تجلیات وانوار سے اس کے دل کو ایک نمونہ مل جائے، مختلف جہات اور متفرق کثرات برق الٰہی سے خاکستر ہوجائیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی دستگیری ہو اور باطن قلب سے چھوٹے بڑے بت دست ولایت مآبی سے شکستہ ہوکر گرجائیں، چونکہ اس داستان کی کوئی انتہا نہیں ہے. اس لیے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں.

۱۔ "میں نے اپنا رخ اس کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا" سورۂ انعام / ۷۹.

فصل دوم

استقبال کے بعض قلبی آداب

اے سالک الیٰ اللہ! جب اپنے چہرۂ ظاہر کو آپ عالم کی متفرق جہتوں سے موڑ چکے اور ایک نقطہ کی طرف توجہ کر چکے تو اللہ کی فطرتوں میں سے دو فطرتوں کا آپ نے دعویٰ کیا جو دست غیب نے آپ کی ذات کے خمیر میں پنہان کی ہیں اور اللہ نے اپنے دست جمال و جلال سے آپ کی طینت کو انہیں سے خمیر کیا ہے اور ان دو فطری حالتوں کو آپ نے ظاہری دنیاوی صورت میں ظاہر کیا اور ان دو الٰہی فطرتوں کے نور سے محجوب نہ ہونے کا ثبوت پیش کیا کہ ظاہر کو غیر سے ہٹا کے قبلہ کی طرف توجہ کی جو دست خدا اور قدرت خدا کا محل ظہور ہے۔

وہ دو الٰہی فطرتیں "ایک نقص و ناقص سے برائت، دوسرے کمال و کامل سے عشق" ہیں اور یہ دونوں جن میں ایک اصلی ذاتی اور دوسری تبعی ظلی ہے۔ ان فطرتوں میں ہیں جن سے بلا استثناء تمام افراد بشر کا خمیر ہوا ہے اور تمام سلسلہ ہائے بشری میں یہ دو فطرتیں موجود ہیں، چاہے وہ عقائد و اخلاق اور طبیعت و مزاج میں مختلف ہوں یا جگہ اور عادات کے اعتبار سے جیسے دیہاتی اور شہری، وحشی اور متمدن، عالم اور جاہل، مذہبی اور مادہ پرست اور چاہے خود ان فطرتوں سے محجوب ہوں کہ کمال و نقص اور کامل و ناقص کی تشخیص میں اختلاف کریں۔

ایک خونخوار وحشی اور آدم کش انسان اسی کو کمال سمجھتا ہے کہ لوگوں کی جان اور ان کی عزت

نفس پر غلبہ کرے۔ وہ خونخواری و آدم کشی ہی کو کمال سمجھتا ہے اور اسی میں ساری زندگی گزار دیتا ہے اور دنیا طلب اور حب جاہ ومال رکھنے والا جاہ ومال کو کمال سمجھتا ہے اور اسی کا دلدادہ ہے۔ مختصر یہ کہ جس کا جو مقصد ہوتا ہے وہ اپنے اسی مقصد کو کمال اور جو اس میں کامیاب ہوا سے کامل سمجھتا ہے اور اس سے عشق رکھتا ہے اور اس کے غیر سے متنفر ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور علمائے ربانی اور ارباب معرفت اس لیے آئے تاکہ لوگوں کو حجاب سے نکالیں اور ان کے نور فطرت کو جہالت کے اندھیروں سے نجات دلائیں اور ان کو کمال و کامل کے معانی سمجھائیں، کیونکہ اگر یہ مشخص ہوجائے کہ کمال کیا ہے اور کامل کیا ہے تو اس کی طرف توجہ دلانے اور غیر (نقص اور ناقص) کو ترک کرانے کے لیے دعوت و تبلیغ کی احتیاج نہیں رہتی، کیونکہ نور فطرت خود سب سے بڑا الٰہی راہنما ہے جو تمام انسانی طبقات میں موجود ہے۔

اس الٰہی معجون، یعنی نماز، میں جو قرب الٰہی کی معراج ہے، استقبال قبلہ اور ایک مرکزی نقطہ کی طرف توجہ اور متفرق سمتوں سے روگردان ہونا اور ہاتھ کھینچ لینا فطرت کے بیدار ہونے اور حجابوں سے نور فطرت کے باہر آنے کا دعویٰ ہے۔ یہ کاملین اور اہل معرفت کے لیے حقیقت کا درجہ رکھتا ہے اور ہم اہل حجاب کے لیے اس کا ادب یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو یہ سمجھائیں کہ تمام دار وجود میں کامل علی الاطلاق کی ذات پاک کے سوا کوئی کمال و کامل نہیں ہے۔ وہی ذات مقدس ایسا کمال ہے جس میں کوئی نقص نہیں اور ایسا جمال ہے جس میں کوئی عیب نہیں، ایسی فعلیت ہے جس میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔ ایسی قوت خیر ہے جس میں شر کی گنجائش نہیں، ایسا نور ہے جس میں ظلمت کے لیے راہ نہیں اور تمام دار وجود میں جو کچھ کمال و جمال، خیر وعزت، عظمت و نوریت اور فعلیت وسعادت پائی جاتی ہے، سب اسی ذات مقدس کے نور جمال کا فیض عام ہے۔ کوئی بھی اس ذات پاک کے ذاتی کمال میں شریک نہیں ہے اور کسی بھی موجود میں جو کچھ جمال و کمال اور نور وبہاء ہے وہ اسی کے جمال و کمال اور نور وبہاء سے ہے۔ مختصر یہ کہ اس کے جمال مقدس کا جلوۂ نور ہی عالم کو نورانی بنائے ہوئے ہے اور اسی نے اسے حیات اور علم وقدرت بخشی ہے۔ ورنہ سارا عالم وجود عدم کی ظلمت، فنا کے پردے اور بطلان کی گہرائیوں میں چلا جاتا، بلکہ جس کا دل اس کی معرفت کے نور سے روشن ہے وہ بھی

جمال جمیل کے نور کے علاوہ ہر چیز کو ازل سے ابد تک باطل و ناچیز اور معدوم سمجھے. حدیث میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب لبید شاعر کا یہ شعر سنا کہ:

الا کل شئ ء ما خلا اللہ باطل   و کل نعیم لا محالة زائل (۱)

خالق کے سوا جو بھی ہے سب باطل ہے   نعمت کوئی باقی نہیں، سب زائل ہے

آپ (ص) نے فرمایا: "اہل عرب نے جتنے شعر اب تک کہے ہیں یہ شعر ان میں سب سے زیادہ سچا ہے (۲)".

جب تم اپنے قلب کو سارے دار وجود کا باطل ہونا اور ذات مقدس کا کامل ہونا سمجھا تو اب اپنے قلب کا رخ قبلہ حقیقی اور جمیل مطلق کے عشق کی طرف موڑنے اور جلوۂ ذات مقدس کے علاوہ تمام دار وجود سے نفرت دلانے کے لیے فکری اعمال کی احتیاج نہیں ہے، بلکہ خود اللہ کی بنائی ہوئی فطرت انسان کو فطری اور جبلی دعوت دے گی اور "وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض" انسان کی لسان ذات وقلب اور زبان حال بن جائے گی اور "انی لا احبّ الافلین (۳)" انسان کی فطری زبان ہو جائے گی۔

لہذا اے فقیر! یاد رہے کہ عالم کا وجود و عدم برابر ہے. یہ زوال پذیر، رو بہ فنا اور باطل ہے. کسی موجود کے پاس اس کے اپنی کوئی چیز نہیں ہے. اس کی ذات میں کوئی جمال و بہا اور کوئی نور و ضیا نہیں ہے، بلکہ جمال و بہا ذات حق کے لیے مخصوص ہے اور وہ ذات پاک جس طرح الوہیّت اور واجب الوجود ہونے میں متفرد ہے اسی طرح جمال و بہاء و کمال میں بھی متفرد ہے، بلکہ خود اپنے وجود میں متفرد ہے جبکہ دوسروں کی پیشانی پر ذاتی عدم اور بطلان کی ذلت ثبت ہے. لہذا ان کو جو نور فطرت الٰہی کا مرکز ہے، باطل اور معدوم ہونے والی اور ناقص چیزوں کی مختلف اور متفرق جہتوں سے ہٹا لو اور مرکز جمال و کمال سے لگا لو. تمہارے قلب صافی اور ضمیر با صفا میں تمہاری فطرت کی زبان وہ ہو جسے عارف

۱۔ "ہشیار رہو کہ خدا کے سوا ہر شے باطل ہے اور ہر نعمت کا زائل ہونا ناگزیر ہے".

۲۔ علم الیقین، ج ۱ ص ۱۰۲.

۳۔ "میں غروب کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں" سورۂ انعام / ۷۶.

شیراز نے یوں بتایا ہے:

" در ضمیر ما نمی گنجد سوائے دوست کس
ہر دو عالم را بہ دشمن دہ کہ ما را دوست بس "

سوائے دوست اس دل میں سماتا ہی نہیں کوئی
دو عالم غیر کو دے دو، ہمیں اک دوست کافی ہے

وصل:

عن الصادق علیہ السلام قال: اذا استقبلت القبلۃ، فآیس من الدنیا وما فیھا والخلق وما ھم فیہ واستفرغ قلبک عن کل شاغل یشغلک عن اللہ تعالیٰ، وعاین بسرک عظمۃ اللہ تعالیٰ، واذکر وقوفک بین یدیہ یوم " تبلو کل نفس ما اسلفت وردوا الی اللہ مولاھم الحق (۱) " وقف علی قدم الخوف والرجاء (۲).

یہ عظیم دستور ایک ایسا دستور ہے ہم جیسے محجوبین کے لیے جو اپنے حالات قلبیۃ کو ہمیشہ محفوظ نہیں رکھ سکتے، وحدت و کثرت کو یکجا نہیں کر سکتے اور حق و خلق دونوں کی طرف مناسب توجہ نہیں کر سکتے. ایسی صورت میں جب حق کی طرف متوجہ ہوں اور قبلہ رو کھڑے ہوں تو دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے مایوس ہوجائیں اور مخلوق اور ان کے احوال سے کوئی امید نہ رکھیں، قلبی مشاغل اور روحی شواغل سے ہر طرح کا ناطہ توڑ دیں، یہاں تک کہ محضر حق میں حاضری کے لائق ہوجائیں اور عظمت کے جلووں میں سے کوئی جلوہ ہمارے سر روح میں پیدا ہو اور جب نور عظمت کو اپنے مقدور کے مطابق دریافت کرلیں تو حق کی طرف اپنی بازگشت اور اس کے محضر مقدس میں اپنی حاضری کو یاد کریں. اس دن جس دن " ہر شخص کے اعمال اس کے نزدیک ظاہر ہوں گے اور اپنے مولائے برحق کی طرف سب

۱۔ سورۂ یونس / ۳۰.

۲۔ مصباح الشریعہ " الباب الثالث عشر، فی افتتاح الصلاۃ ". مستدرک الوسائل " کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ " باب ۲ حدیث ۹.

پلٹائے جائیں گے " اور تمام نفسانی خواہشات اور جھوٹے معبودوں پر خط تنسیخ وبطلان کھینچ دیا جائے گا۔

لہٰذا ایسی عظیم الشان درگاہ میں، تمام دار وجود جس کے جلوہ ہائے کمال میں سے ایک جلوہ ہے، ہمارے تمہارے جیسے مسکینوں کو خوف وامید کے قدموں سے جانا چاہیے اور کھڑے ہوجانا چاہیے اور جب اپنی کمزوری، بے حالی، محتاجی وبے چارگی اور فقر وذلت پر نظر پڑے اور ذات مقدس کی عظمت وحشمت اور جلال کبریائی نظر آئے تو اس مقام کے خصرات سے خوف وخشیت کا احساس کریں اور جب اس کی رحمت وعطوفت اور بے حساب الطاف وکرامات پر نظر جائے تو امید لگائے رہیں۔

﴿یا رحمٰن یا رحیم﴾

مقالہ ثالثہ

مقارنات نماز

اس میں چند باب ہیں

باب اول

اذان واقامت کے چند آداب

اس میں پانچ فصلیں ہیں

فصل اول

مجموعی رمز اور اجمالی آداب اذان واقامت

سالک الی اللہ کو چاہیے کہ اذان میں قلب جو قوائے ملکوتیہ وملکیہ کا سلطان ہے اور ملک وملکوت کی مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے لشکروں کے درمیان محضر قدس میں حاضر ہونے کا اعلان کرے اور جب حضور وملاقات کا وقت نزدیک آجائے تو ان کو تیار کرے تاکہ اگر وہ عاشقان خدا اور مشتاقان لقاء ہیں تو جلوۂ ناگہانی سے دامن صبر ہاتھ سے نہ چھوڑ دیں اور اگر محجوب ومہجور ہیں تو اسباب وآداب کے بغیر محضر مقدس میں نہ پہنچ جائیں۔ اس لیے اذان کا اجمالی راز ملکوتی وملکی قوتوں اور لشکر الہی کے درمیان حاضری کا اعلان ہے اور اس کا اجمالی ادب عظمت مقام اور اس کے خطرات، عظمت محضر وحاضر اور ممکن کی ذلت وفقر وفاقہ اور اس کے نقص وعجز کی طرف متنبہ ہونا ہے اور یہ تعمیل حکم اور محضر میں حاضری کی استعداد سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر لطف ورحمت حق دستگیر نہ ہو اور نقص کی تلافی نہ فرما دے۔

اور "اقامت" ملکوتی وملکی قوتوں کو محضر میں استادہ کرنا اور بارگاہ میں حاضر کرنا ہے اس کا ادب خوف وخشیت، حیاء وندامت اور لامحدود رحمت سے امید واثق رکھنا ہے۔ اور سالک کو چاہیے کہ اذان کی تمام فصلوں (اجزاء) میں دل کو محضر وحضور وحاضر کی عظمت سمجھائے اور اپنی ذلت اور عاجزی وقصور کو اپنا نصب العین قرار دے تاکہ ایک طرف خوف وخشیت پیدا ہو اور دوسری طرف رحمت واسعہ اور الطاف کریمانہ کا خیال دل میں لائے تاکہ امید واثق اور شوق عاشق پیدا ہو۔

اس طرح قلوب پر، عشق پر، شوق اور جذبہ غلبہ کرتا ہے اور وہ محبت وعشق کے قدموں کے سہارے محضر انس میں قدم رکھتے ہیں اور ان کے دل اسی غیبی شوق اور جذبہ سے نماز کے آغاز سے انجام تک عشق محضر وحاضر کے ساتھ ذکر وفکر حق سے معانقہ کرتے رہتے ہیں۔

وفی الحدیث عن علی بن ابی طالب علیہ السلام قال: افضل الناس من عشق العبادۃ وعانقها واحبّها بقلبه وباشرها بجسده وتفرغ لها، فهو لا یبالی علی ما اصبح من الدنیا، علی یسر ام علی عسر (۱)۔

اور قلوب پر خوف پر عظمت کی سلطنت تجلی کرتی ہے اور قہاریت کا جذبہ ان پر غالب ہوتا ہے اور ان کو خود سے بے خود بنا دیتا ہے اور خوف وخشیت سے ان کے دل پگھل جاتے ہیں اور اپنا ذاتی قصد اور اپنی ذلت وعاجزی کا احساس انہیں ہر چیز سے روکے رہتا ہے۔

وفی الحدیث عن موسی بن جعفر علیہ السلام قال: قال امیر المؤمنین علیہ السلام " ان للہ عباداً کسرت قلوبهم خشیته فاسکتتهم عن المنطق ... " (۲)۔

اولیائے کاملین کے لیے حق تعالیٰ کبھی تو اپنے لطف کی تجلی فرماتا ہے اور ان کا عشق اور جذبہ محبت ہی خود ان کا رہنما بن جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے وقت کا انتظار فرماتے رہتے تھے اور نماز سے ان کے عشق وشوق میں شدت پیدا ہوتی جاتی تھی اور اپنے مؤذن بلال سے فرماتے تھے: " ارحنا یا بلال (۳) " اور کبھی اپنی عظمت وسلطنت کی تجلی ظاہر فرماتا ہے اور اولیاء کے دلوں میں خوف وخشیت پیدا ہوجاتی ہے۔ چنانچہ

۱۔ " سب سے عمدہ انسان وہ ہے جو عبادت خدا سے عشق کرتا ہو اور اس سے بغلگیر ہو اور دل وجان سے اس کو چاہتا ہو اور اپنے بدن کو اس میں مشغول رکھے اور کسی دوسری شے سے اس کو اشتغال نہ ہو۔ ایسے شخص کو یہ فکر نہیں ہوگی کہ اس کی دنیا راحت وآرام سے گزر رہی ہے یا سختی ومشقت سے "۔ وسائل الشیعہ، ج ۱ ص ۶۱ " کتاب الطهارۃ، ابواب مقدمۃ العبادات " باب ۱۹ حدیث ۲، از رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۲۔ " خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کہ دلوں کو خوف خدا نے شکستہ کر دیا ہے اور ان کو بولنے سے روک دیا ہے "۔ بحار الانوار، ج ۷۵ ص ۳۰۹ " کتاب الروضہ " باب ۲۵ حدیث ۱، از تحف العقول۔

۳۔ حاشیہ نمبر ۲ ص ۱۶۹۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے بارے میں ایسے خوف وخشیت کے حالات منقول ہیں اور کبھی اولیاء کو ان کے قلب کی طاقت اور ان کی وسعت ظرف کے مطابق تجلی جمعی احدی دکھاتا ہے. رہ گئے ہمارے جیسے دنیا میں اشتغال رکھنے والے محجوب اور مادیات کے زندان اور خواہشات اور تمناؤں کی زنجیروں کے قیدی اور سعادات عقلیۂ الٰہیہ سے محروم لوگ، جنہیں مادیات کے خمار نے صبح ازل سے اب تک ہوش میں نہیں آنے دیا اور خواب گراں سے بیدار نہیں ہونے دیا ان قسموں سے باہر اور اس بیان کے دائرہ سے خارج ہیں .

لہٰذا ہمارے لیے آداب حضور دوسری طرح کے ہیں اور قلبی آداب کی دوسری شکل ہے، لیکن ان میں جو چیز سب سے مقدم ہے وہ یہ ہے کہ قلب سے اللہ کی مہربانی سے ناامیدی اور رحمت خدا سے مایوسی کو نکال دیں، کیونکہ یاس وناامیدی ایک بڑا ابلیسی لشکر اور شیاطین جن وانس کے وسوسے ہیں. یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ یہ ایسے مقامات ہیں جو خاص اشخاص کے قد وقامت کے مطابق بنائے گئے ہیں اور ہماری امیدوں کا ہاتھ ان تک پہنچنے سے کوتاہ اور انسان کا قدم سیر عاجز ہے. لہٰذا ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جس کا سر ہو نہ پیر. یعنی سر ودست ہو کر مادی زمین پر ہی نہ پڑے رہ جائیں. نہیں! ایسی بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک وہم ہے. ہاں! میں بھی اس بات کا قائل ہوں کہ کامل اہل اللہ کا خاص درجہ کسی کو بھی میسر نہیں ہے، لیکن معنوی مقامات اور الٰہی معارف کے بے شمار مراتب اور لاتعداد مدارج ہیں جن میں سے اکثر مقامات ومعارف اور حالات ومدارج کا حاصل کرنا نوع بشر کے لیے ممکن ہے، بشرطیکہ اپنی سرد مہری اور سست گامی کو بالائے طاق رکھ دیں اور اہل جہل وعناد کی تنگ نظری خدا کے بندوں کے دلوں سے نکل جائے اور ان کی راہ سلوک میں شیطان نہ آجائے .

تو اب ہمارے لیے ادب حضور یہ ہے کہ اول امر میں، جب ہم حس اور ظاہر کے مرتبہ سے آگے نہ بڑھے ہوں اور دنیاوی عظمت وجلالت کے سوا کچھ نظر میں نہ ہو اور اللہ کی غیبی عظمتوں سے بے خبر ہوں اس وقت محضر حق کو ایک عظیم الشان سلطان کی بارگاہ جیسا سمجھیں، جس کی عظمت کا ادراک دل کو ہو چکا ہے اور اپنے دل کو یہ سمجھائیں کہ تمام عظمتیں اور جلال وکبریائی، عالم ملکوت کی عظمت کا ایک جلوہ ہیں. جس نے اس عالم میں نزول کیا ہے اور عالم ملکوت دوسرے غیبی عوالم کے مقابلے

میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس کے بعد قلب کو یہ سمجھائیں کہ عالم حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ ہے اور حق تعالیٰ ہر جگہ اور ہر شے میں موجود ہے بالخصوص نماز میں جو اس کی طرف سے حاضری کا مخصوص اذن اور حضرت احدیت کی جانب سے ملاقات و مراودت کی خاص وعدہ گاہ ہے۔ جب ہم نے قلب کو عظمت اور حاضری کا احساس دلا دیا، چاہے شروع شروع میں تکلف اور زحمت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، تو رفتہ رفتہ قلب انس پیدا کرلے گا اور یہ مجاز حقیقت کی شکل اختیار کرلے گا اور جب ہم نے مالک الملک اور سلطان السلاطین کی بارگاہ میں حاضری کے قلبی آداب کو عملی شکل دے دی اور ظاہری حاضری کے آداب بجا لائے تو دل میں بھی ضرور تاثیر پیدا ہوگی اور قلب میں عظمت کا احساس پیدا ہوگا اور دھیرے دھیرے انسان مطلوبہ نتائج حاصل کرلے گا۔ اسی طرح خدا کا عشق اور محبت بھی ریاضات سے حاصل ہوجاتی ہے۔

اسی طرح شروع میں حق تعالیٰ کی صوری رحمتوں اور حسی احسانات کا دل کو احساس دلانا چاہیے اور مقام رحمانیت و رحیمیت و منعمیت کو دل میں جاگزیں کرنا چاہیے تاکہ آہستہ آہستہ دل مانوس ہوجائے اور ظاہر کا اثر باطن پر پڑنے لگے اور مملکت باطن آثار جمال سے نورانی ہونا شروع ہوجائے اور پھر مطلوبہ نتائج حاصل ہوں، کیونکہ انسان اگر کسی کام کے لیے قیام کرتا ہے اور راہ خدا میں جہاد کرتا ہے تو خدا اس کا دستگیر ہوتا ہے اور اپنے غیبی ہاتھ سے اسے عالم مادیات کی تاریکیوں سے نجات دلاتا ہے اور اس کے دل کی اندھیری زمین کو اپنے نور جمال سے روشن کردیتا ہے اور اس زمین کو روحانی آسمان میں تبدیل کردیتا ہے۔

"ومن یقترف حسنةً نزد له فیها حسناً ان الله غفور شکور"[1]

۱۔ "جو شخص کوئی نیک کام انجام دیتا ہے ہم اس کی نیکی میں اضافہ کردیتے ہیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور شکریہ ادا کرنے والا ہے"۔ سورۂ شوریٰ / ۲۳۔

فصل دوم

اذان واقامت کی تکبیرات کے بعض اسرار وآداب

اذان چونکہ محضر ربوبیت میں نفس کی تمام ظاہری وباطنی قوتوں کی حاضری کا اعلان ہوتا کہ تمام اسماء وصفات اور شئون وآیات کی مناسبت سے اس کی حمد وثنا کریں، کیونکہ جیسا کہ اشارہ کیا جاچکا نماز اس ذات مقدس کی ایک جامع حمد وثنا ہے اور اس حمد وثنا کا مورد ذات حق ہے. اسم اعظم کے ذریعہ جلوہ کے لحاظ سے جو واحدیت کے حضور میں جمع اسماء کا مقام احدیت ہے اور اعیان واسمائے عینیہ کے سامنے جمع وتفریق اور ظہور وبطون کے ذریعہ تجلی کا مقام ہے. لہذا سالک پہلے تو اس جامع شان کے مطابق ذات مقدس کی کبریائی کی طرف متوجہ ہو پھر اس کی عظمت وکبریائی کا اعلان کرے اولاً اپنی مملکت کی ملکی وملکوتی قوتوں کے ذریعہ، ثانیاً مملکت نفس میں پھیلی ہوئی قوتوں کے ملکوت پر موکل ملائکہ اللہ کے ذریعہ، ثالثاً عالم غیب وشہادت کے موجودات کے ذریعہ اور رابعاً ملکوت سماوات وارضین پر موکل ملائکہ کے ذریعہ۔ اس کے بعد چار تکبیروں کے ذریعہ مملکت داخلی وخارجی کے عوالم غیب وشہادت کے تمام باشندوں میں اسم اعظم کی کبریائی کا اعلان کردے اور یہ خود، ذات مقدس کی حمد وثنا سے اپنی عاجزی کا اعلان اور اقامہ نماز سے اپنے قصور کا اعتراف ہے اور یہ خود ان امور میں ہے جو سلوک میں شامل ہیں اور ان آداب میں سے ہے جو ثنا وعبادات میں داخل ہیں اور جو نماز کے تمام احوال میں سالک کا نصب العین ہونا چاہئیں. اسی لیے اذان واقامہ میں تکبیر کی تکرار ہوتی ہے

اور نماز میں تو تکرار ہوتی ہی رہتی ہے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے وقت اسے دہرایا جاتا ہے تاکہ سالک کے دل میں خود اپنی ذات کا نقص وقصور اور ذات مقدس کی بزرگی وکبریائی متمکن ہوجائے۔

اسی سے تکبیر کا ادب بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ سالک کو چاہیے کہ ہر تکبیر میں اپنے دل اور تمام قوتوں کو اپنا عجز اور خدا کی کبریائی یاد دلائے۔ دوسرے رخ سے ممکن ہے کہ اذان کی پہلی تکبیریں کسی مقام کی طرف اشارہ ہوں:

اس طرح پہلی تکبیر سے توصیف ذاتی کی طرف اشارہ ہو۔
دوسری تکبیر سے توصیف وصفی کی طرف اشارہ ہو۔
تیسری تکبیر سے توصیف اسمائی کی طرف اشارہ ہو۔
اور چوتھی تکبیر سے توصیف فعلی کی طرف اشارہ ہو۔

گویا سالک کہتا ہے کہ: اللہ توصیف ذات یا تجلیات ذاتیہ سے اور توصیف صفات یا تجلیات صفاتیہ سے اور توصیف اسماء یا تجلیات اسمائیہ سے اور توصیف افعال یا تجلیات افعالیہ سے بڑا اور بالاتر ہے۔

وفی حدیث طویل عن امیرالمؤمنین علیه السلام انه قال: ... والوجه الاخر: "الله اکبر" فی نفی کیفیته کانه یقول (ای المؤذن): الله اجل من ان یدرک الواصفون قدر صفته الذی هو موصوف به، وانما یصفه الواصفون صفةً علی قدرهم لا علی قدر عظمته وجلاله، تعالیٰ الله عن ان یدرک الواصفون صفته علواً کبیراً ... الحدیث (۱)۔

تکبیرات کے اہم آداب میں یہ ہے کہ سالک مجاہدہ کرے اور قلبی ریاضتوں سے قلب کو حق تعالیٰ

۱۔ "اللہ اکبر" کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس کی کیفیت کی نفی کرے۔ گویا اذان دینے والا کہتا ہے: "خدا اس سے بالاتر ہے کہ وصف کرنے والے اس کی صفت کو (جیسی وہ ہے) ادراک کریں" وصف کرنے والے اپنے ادراک کے بقدر تو اس کا وصف بیان کرتے ہیں اس کے جلال وعظمت کے اقدر نہیں۔ خدا اس سے بہت بلند وبرتر ہے کہ توصیف کرنے والے اس کی صفت کا ادراک کرلیں"۔ بحارالانوار، ج ۸۱ ص ۱۳۱ "کتاب الصلاۃ، باب الاذان والاقامۃ" حدیث ۲۴۔

کی کبریائی کا محل قرار دے اور کبر شان و عظمت و سلطان اور جلال اللہ کی ذات میں منحصر قرار دے اور دوسرے موجودات کی کبریائی کا سلب کرے اور اگر دل میں کسی کی کبریائی کا کوئی اثر ہو اور اس کو حق کی کبریائی کے پرتو کی حیثیت سے نہیں دیکھتا اور سمجھتا ہے تو اس کا دل مریض ہے اور اس پر شیطان کا تصرف ہوچکا ہے اور اکثر تصرفات شیطانی کی وجہ سے دل میں حق سے زیادہ غیر حق کی کبریائی کا تسلط ہوجاتا ہے اور قلب غیر حق کو حق سے بڑا سمجھنے لگتا ہے. اس صورت میں انسان کا شمار منافقین کی فہرست میں ہوتا ہے. اس مہلک مرض کی علامت یہ ہے کہ انسان مخلوق کی خوشنودی کو خوشنودی حق پر مقدم کرتا ہے اور مخلوق کو خوش کرنے کے لیے خالق کو ناراض کردیتا ہے.

وفی الحدیث، قال الصادق علیه السلام : اذا کبرت فاستصغر ما بین العلا والثری دون کبریائه فان الله اذ اطلع علی قلب العبد وهو یکبر وفی قلبه عارض عن حقیقة تکبیره، قال : یا کاذب اتخدعنی ؟! وعزتی وجلالی لاحرمنک حلاوة ذکری ولاحبنک عن قربی والمسارة عن مناجاتی (۱).

فرماتے ہیں : جب تم تکبیر کہو تو اس ذات مقدس کی بارگاہ کبریائی میں عرش سے فرش تک ہر چیز کو چھوٹا اور معمولی سمجھو، کیونکہ خداوند عالم اگر کسی بندے کو دیکھتا ہے کہ وہ تکبیر تو کہہ رہا ہے لیکن اس کے دل میں تکبیر کی حقیقت کے بارے میں کوئی کھوٹ ہے، یعنی اس کا دل زبان سے جو کچھ کہا ہے اس کی موافقت نہیں کرتا تو فرماتا ہے " اے دروغگو ! مجھ سے فریب کرتا ہے ؟ مجھے میری عزت وجلال کی قسم ہے کہ اپنی یاد کی حلاوت سے تجھے محروم ہی کردوں گا اور اپنے قرب سے تجھے محجوب ہی رکھوں گا اور اپنی مناجات کی خوشی سے تجھے دور ہی رہنے دوں گا ".

اے عزیز ! یہ جو ہمارے قلوب بے تدبیر ذکر خدا کی حلاوت سے محروم ہیں اور یہ جو اس ذات مقدس سے مناجات کی لذت سے ہماری روح کے کام ودہن ناآشنا ہیں اور قرب بارگاہ میں رسائی سے محجوب اور تجلیات جلال و جمال سے محروم ہیں ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل بیمار ہیں

۱۔ مصباح الشریعہ " الباب الثالث عشر ، فی اختتام الصلاۃ " المحجۃ البیضاء ، چاپ مکتبہ صدوق ، ج ۱ ص ۳۸۵ . مستدرک الوسائل "کتاب الصلاۃ ، ابواب افعال الصلاۃ " باب ۲ حدیث ۹ .

اور دنیا کی طرف توجہ اور زمین پر ہمیشہ رہنے کے خیال نے اور مادیات کے تاریک پردوں نے ہم کو کبریائی حق کی معرفت اور انوار جلال وجمال سے محروم کردیا ہے. جب تک ہم موجودات کو مستقل ابلیسی نظر سے دیکھے جائیں گے اس وقت تک شراب وصل کو چکھنا اور لذت مناجات کو پانا ممکن نہیں ہے. جب تک عالم وجود میں ہم کسی انسان کی کبریائی کو مانتے رہیں گے اور تعینات خلقیہ کے بتوں کے حجاب میں رہیں گے اس وقت تک ہمارے دل میں حق تعالیٰ کی کبریائی کی حاکمیت تجلی نہیں کرے گی.

لہذا تکبیر کے آداب میں ایک ادب یہ ہے کہ سالک تکبیر کی صورت سے واقفیت حاصل کرے اور تنہا لفظ اور صرف زبان سے ادا کرلینے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ پہلے برہان کی قوت اور علوم الہیہ کے نور سے کام لے کر قلب کو باخبر کرے کہ کبریائی حق کے لیے مخصوص ہے اور عظمت وجلال اسی ذات پاک کی بارگاہ کے لیے ہے. باقی عالم امکان کے تمام باشندے اور جملہ جسمانی وروحانی موجودات اس کے سامنے فقیر، ذلیل اور مسکین ہیں. اس کے بعد ریاضت کی قوت، بار بار درگاہ الٰہی میں آمد ورفت اور پوری طرح انس پیدا کرکے قلب کو اس لطف الٰہی سے زندہ کرے اور اسے عقلی وروحانی حیات بخشے. جب ممکن کا فقر اور اس کی ذلت اور حق تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی سالک کا نصب العین ہوجائے گی، تفکر وتذکر نصاب (معین) حد تک پہنچ جائے گا اور قلب کو انس اور سکون حاصل ہوجائے گا تو تمام موجودات میں حق تعالیٰ کی کبریائی اور جلال کا چشم بصیرت سے مشاہدہ کرنے لگے گا اور قلبی بیماریوں کا علاج ہوجائے گا. اس کے بعد مناجات کی لذت اور ذکر خدا کی حلاوت کا احساس کرنے لگے گا. قلب کبریائی حق تعالیٰ کی فرمانروائی کا مرکز بن جائے گا. مملکت کے ظاہر وباطن میں آثار کبریا ظاہر ہوں گے. قلب وزبان اور سر وعلن سب ایک ہوجائیں گے. قوائے ظاہر وباطن اور ملک وملکوت سب تکبیر کہیں گے. ایک گہرا پردہ ہٹ جائے گا اور حقیقت نماز کی ایک مرحلہ، یعنی معراج قرب، نزدیک آجائے گا.

یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس میں سے بعض باتوں کی طرف ایک حدیث میں اشارہ آیا ہے جو علل الشرائع سے نقل کی گئی ہے. یہ طولانی حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے جس

میں امامؑ نے وصف معراج پر روشنی ڈالی ہے۔

قالؑ : ۔۔۔ انزل اللہ العزیز الجبار علیہ محملاً من نور، فیہ اربعون نوعاً من انواع النور کانت محدقۃ حول العرش، عرشہ تبارک وتعالیٰ تغشی ابصار الناظرین۔

اما واحد منہا، فاصفر، فمن اجل ذلک اصفرت الصفرۃ. وواحد منہا احمر، فمن اجل ذلک احمرت الحمرۃ ۔۔۔ الیٰ ان قال: فجلس فیہ. ثم عرج بہ الی السماء الدنیا، فنفرت الملائکۃ الیٰ اطراف السماء، ثم خرت سجداً، فقالت: سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح ما اشبہ ھذا النور بنور ربنا۔

فقال جبرئیل: اللہ اکبر اللہ اکبر، فسکت الملائکۃ وفتحت السماء، واجتمعت الملائکۃ ثم جاءت وسلمت علی النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ) افواجاً ۔۔۔ الحدیث (۱)۔

اس حدیث شریف میں بڑے اسرار ہیں جن تک پہنچنے سے ہماری آرزوؤں کا ہاتھ قاصر ہے اور اس حدیث سے متعلق جو چیز بیان کرنے کے لائق ہے وہ ہمارے مقصد کتاب سے خارج ہے۔ جیسے محمل نور کے اترنے کا راز، کثرت نوعیۃ کا راز، چالیس کے عدد کا راز اور اسے نازل کرنے کا الٰہی راز، عرش کے اردگرد ان کے احاطہ کرنے کا راز، اس مقام میں عرش کی حقیقت، زردی کے زرد ہونے اور سرخی کے سرخ ہونے کا راز، فرشتوں کے اطراف آسمان میں چلے جانے کا راز، فرشتوں کے سجدہ کرنے اور تسبیح وتقدیس کا راز، فرشتوں کا اس نور کا نور خدا سے تشبیہ دینے کا راز اور دوسرے راز جن

۱۔ "خدائے عزیز وجبار نے پیغمبرؐ پر نور کی ایک محمل نازل کی جس میں چالیس طرح کے انوار تھے جو عرش الٰہی کے اطراف میں اس طرح حلقہ کیے تھے کہ ہر دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی تھیں۔ ان میں سے ایک نور زرد تھا۔ لہذا ادھر زرد ہی زرد روشنی پھیلی تھی۔ ایک نور سرخ تھا اور ادھر سرخ ہی سرخ روشنی پھیلی تھی"۔ یہاں تک کہ بیان کرتے کرتے امام علیہ السلام نے فرمایا: "پس پیغمبرؐ اس میں بیٹھے اور آسمان دنیا کی طرف بلند ہوئے۔ یہ دیکھ کر ملائکہ آسمان میں ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اس کے بعد سجدہ میں گر کر کہنے لگے: "پاک اور پاکیزہ ہے ہمارا پروردگار اور ملائکہ وروح کا پروردگار؛ یہ نور ہمارے پروردگار کے نور سے کس قدر مشابہ ہے!" پھر جبرئیل نے کہا: "اللہ اکبر اللہ اکبر" اس پر ملائکہ خاموش ہوگئے۔ آسمان کے دروازے کھل گئے اور ملائکہ مجتمع ہوئے۔ اس کے آئے اور گروہ در گروہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کرنے لگے"۔

علل الشرائع، ج ۲ ص ۳۱۲ "باب عدل الوضوء والاذان والصلاۃ" حدیث ۱۔

میں سے ہر ایک کے اطراف وجوانب کا بیان طولانی ہے جو کچھ اس مقام کے مناسب اور ہمارے مقصد پر شاہد ہے وہ یہ ہے کہ ملائکہ جبریل کی تکبیر کی آواز سن کر خاموش اور مطمئن ہوگئے اور دلِ مطلق کی شمع جمع کے گرد مجتمع ہوئے اور تکبیر کی وجہ سے پہلا آسمان فتح ہوگیا اور عروج الیٰ اللہ کی راہ کا ایک پردہ چاک ہوگیا۔ یاد رہے کہ یہ پردے جو اذان میں ہٹتے ہیں ان پردوں کے علاوہ ہیں جو تکبیرات افتتاحیہ کے ذریعہ چاک ہوتے ہیں اور شاید بعد میں اس کی طرف اشارہ آئے، انشا اللہ۔

اور شاید یہ جو اقامت میں دو تکبیریں ہیں اس لیے ہیں کہ سالک نے اپنی قوتوں کو بارگاہ الٰہی میں قائم کرلیا اور کثرت سے ایک حد تک وحدت کی طرف رخ کرچکا اور اب تکبیر ذات واسماء یا تکبیر اسماء وصفات کررہا ہے اور ہوسکتا ہے کہ تکبیر ذات واسماء ہی میں تکبیر صفات بھی شامل ہو۔

﴿ هو العالم ﴾

فصل سوم

الوہیّت کی شہادت کے آداب
اور
اذان ونماز سے اس کا ربط

معلوم رہے کہ الوہیت کے چند مقامات ہیں جو مجموعی طور پر دو مقام سے عبارت ہیں:
ایک مقام الوہیت ذاتیہ،
دوسرے مقام الوہیت فعلیہ۔

اور اگر الوہیت کے حق میں منحصر اور اسی سے مخصوص ہونے کی گواہی کا مقصد الوہیت ذاتیہ کی گواہی ہے تو اس کی حقیقت تکبیر سے تقریباً ملتی جلتی معلوم ہوتی ہے۔ اگر " الہ فی الشیء " یعنی " تحیّر فیہ " یا " لاہ " یعنی " ارتفع " یا " لاہ یلوہ " یعنی " احتجب " میں سے کسی سے بھی مشتق مانا جائے اس صورت میں باب تکبیر کے خاصیات ومعانی کی طرف رجوع کرنے سے اذان واقامہ سے اس کا ربط بھی معلوم ہوجاتا ہے اور اس کا ادب بھی اور اس کا اعادہ اختصار کے منافی ضرور ہے، لیکن فوائد سے خالی نہیں۔

اور اگر " الہ " بمعنی " عبد " ہو اور مراد " مالوہ " بمعنی " معبود " ہو تو سالک کو چاہیے کہ محضر معبودیت میں شہادت صوری کو شہادت قلبی وباطنی سے حق تعالیٰ کے لیے منطبق کرلے اور یہ سمجھ لے

کہ اگر دل میں کوئی اور معبود ہوا تو اس شہادت کے سلسلہ میں منافق ہوگا (کیونکہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ اور).

لہذا کوئی سی بھی ریاضت کرتے ہوئے الوہیت کی شہادت کو دل تک پہنچائے اور شیطان نفس امارہ کے تصرف کے ہاتھوں تراشے ہوئے چھوٹے بڑے بتوں کو دل کے کعبہ سے نکالے اور توڑ کر پھینک دے تاکہ محضر قدس کے لائق ہوجائے جب تک محبت دنیا اور شئون دنیویہ کے بت کعبہ دل میں رہیں گے. سالک کو منزل مقصود کی طرف جانے کا راستہ نہیں مل سکتا. لہذا الوہیت کی شہادت ملکی اور ملکوتی قوتوں میں اعلان کے لیے ہے کہ جھوٹے معبودوں اور کجروی کے مقاصد کو اپنے قدموں تلے روند ڈالیں تاکہ معراج قرب کی طرف جاسکیں.

اور اگر الوہیت کے منحصر ہونے سے مراد الوہیت فعلی ہے جو تصرف و تدبیر و تاثیر ہی کی دوسری تعبیر ہے تو شہادت کے معنی یہ ہوجائیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ دار وجود میں کوئی متصرف اور غیب وشہادت میں کوئی مؤثر سوائے ذات مقدس حق کے نہیں ہے اور اگر قلب سالک میں موجودات میں سے کسی موجود اور دوسرے افراد میں سے کسی فرد پر اطمینان ہوگا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کا دل بیمار ہے اور اس کی گواہی جھوٹی اور مصنوعی ہے.

لہذا سالک کو چاہیے کہ "لا مؤثر فی الوجود الا اللہ" کو پہلے فلسفیانہ دلیل وبرہان سے مستحکم کرے اور معارف الہیہ سے جو بعثت انبیاء علیہم السلام کی غرض وغایت ہے، فرار نہ کرے اور حق اور اس کے شئون ذاتیہ وصفاتیہ کے تذکر سے اعراض نہ کرے. کیونکہ سعادتوں کا سرچشمہ تذکر حق ہے. "ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃً ضنکاً (۱)" اور جب برہان وتفکر کے قدموں سے چل کر اس الہی لطف کی حقیقت تک پہنچ جائے جو الہی معارف کا سرچشمہ اور غیبی حقائق کا صدر دروازہ ہے تو تذکر وریاضت کے قدموں سے آگے بڑھ کر قلب کو اس سے مانوس کرے تاکہ قلب اس پر ایمان لے آئے اور یہ سالک کے قول کی سچائی کا پہلا مرتبہ ہوگا اور اس کی علامت سب سے کٹ کے حق کا ہو رہنا اور تمام موجودات کی طرف سے چشم امید وطمع کو بند کرلینا ہے اور اس کا نتیجہ توحید فعلی کی

۱۔ "جو شخص میری یاد سے روگردانی کرلے گا اس کی زندگی میں دشواریاں پیدا ہوں گی" سورۂ طہٰ / ۱۲۴.

صورت میں نکلے گا جو اہل معرفت کے عظیم مقامات میں سے ایک ہے اور جب سالک الی اللہ نے تمام تاثیرات کو حق میں منحصر کرلیا ارو اس کے علاوہ تمام موجودات سے امید کی نظریں ہٹالیں تو محضر مقدس کے لائق ہوگیا بلکہ اس کا دل فطری طور پر اس محضر کی طرف متوجہ ہوگیا اور شاید شہادت کو دہرانا اس لیے ہو کہ دل میں اسے اچھی طرح تمکن حاصل ہوجائے اور شہادت سے مقصد دونوں شہادتوں میں سے ایک ہی شہادت ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تکرار نہ ہو بلکہ ایک سے اشارہ الوہیت ذاتیہ کی طرف ہو اور دوسری سے الوہیت فعلیہ کی طرف۔ اس صورت میں آخر میں اس کا اعادہ ممکن ہے، تمکین کے لیے ہو اور اسی لیے وہاں لفظ شہادت سے اس کا ذکر نہ آیا ہو، کیونکہ شہادت تو پہلے ہی دی جاچکی۔

تنبیہ عرفانی

معلوم ہونا چاہیے کہ شہادت کے چند مراتب میں ہیں جن میں سے ہم انہیں چند کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو ان اوراق کے لیے مناسب ہیں:

اول: شہادت قولی ہے جو معلوم ہے۔ قولی شہادت کی اگر قلبی شہادت سے توثیق وتصدیق نہ ہو چاہے اس کے بعض معمولی مراتب ہی کے ذریعہ ہو تو یہ شہادت نہ ہوگی بلکہ فریب اور نفاق ہوگی جیسا کہ تکبیر کے سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث بیان ہوچکی (۱)۔

دوم: شہادت فعلی ہے۔ وہ یوں ہے کہ انسان اعضاء وجوارح کے اعمال سے گواہی دے۔ مثلاً اپنے افعال کے طرز میں اور اپنے اعمال کے اجراء کرنے میں "لا مؤثر فی الوجود الا اللہ" کی حقیقت کو داخل کرے اور چونکہ قولی شہادت کا لازمہ یہ ہے کہ کسی غیر کو مؤثر نہ جانے، لہذا اس کے اعمال کا نقشہ بھی یوں ہی ہوگا۔ پس اپنا دست احتیاج بارگاہ خدا کے سوا کہیں دراز نہ کرے اور چشم امید کو کسی مخلوق کی طرف کھول کر نہ دیکھے اور کمزور بندوں کے سامنے اپنے استغنا اور بے نیازی کا اظہار کرے اور ان کے سامنے ضعف وذلت اور عجز کے اظہار سے کنارہ کرے اور یہ مطلب احادیث

۱۔ حاشیہ ا ص ۱۸۹۔

مبارکہ میں بہت آیا ہے. چنانچہ کافی شریف کی روایت ہے کہ "مؤمن کی عزت لوگوں سے اس کا مستغنی اور بے نیاز رہنا ہے (۱)". اور اظہار نعمت وغنا کرنا خود مستحبات شرعیہ میں سے ایک ہے اور لوگوں سے حاجتیں طلب کرنا مکروہ ہے. بالجملہ، انسان کو چاہیے کہ "لا مؤثر فی الوجود الا اللہ" کے الٰہی نادر نکتہ کو اپنی ظاہری مملکت میں جاری کرے۔

سوم: شہادت قلبی ہے. یہ شہادت، شہادت فعلی وقولی دونوں کا سرچشمہ ہے. جب تک یہ شہادت نہ ہوگی ان دونوں کا وجود نہ ہوگا اور ان کی حقیقت سامنے نہیں آئے گی اور وہ یوں ہے کہ حق کی توحید فعلی قلب میں تجلی کرے اور قلب اپنے سر باطنی سے اس نکتہ کو پالے اور دوسرے موجودات سے منقطع ومنفصل ہوجائے۔

لوگوں سے امید ترک کرنے، بندوں سے مایوس ہوجانے اور خدائے تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کے بارے میں اہل بیت عصمت علیہم السلام سے جو ایک عمدہ حدیث روایت کی گئی ہے وہ اس مقام سے متعلق ہے۔

عن الکافی باسنادہ عن علی بن الحسین علیہما السلام قال: "رایت الخیر کلہ قد اجتمع فی قطع الطمع عما فی ایدی الناس، ومن لم یرج الناس فی شی ورد امرہ الی اللہ تعالیٰ فی جمیع امورہ، استجاب اللہ تعالیٰ لہ فی کل شی (۲)" اس طرح کی حدیثیں بہت سی ہیں۔

چہارم: شہادت ذاتی ہے. اس سے مقصود شہادت وجودیہ ہے اور یہ اولیائے کاملین میں متحقق ہوتی ہے اور اولیاء کی نظر میں تمام موجودات میں ایک ہی معنیٰ میں یہ شہادت پائی جاتی ہے اور شاید آیۂ شریفہ "شہد اللہ انہ لا الہ الا ہو والملائکۃ واولوا العلم (۳)" میں شہادت ذاتی مراد ہو، کیونکہ حق تعالیٰ مقام احدیت جمع میں اپنی وحدانیت کی شہادت ذاتی دیتا ہے، کیونکہ وجود محض، احدیت ذاتی

۱۔ اصول کافی، ج ۳ ص ۲۱۸ "کتاب الایمان الکفر، باب الاستغناء عن الناس" حدیث ۱۔

۲۔ "میں نے دیکھا کہ جو کچھ نیکی ہے وہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے طمع نہ کرنے میں ہے اور جو شخص ایک بھی چیز میں لوگوں سے امید نہ لگائے اور اپنے تمام امور خدا کے حوالہ کردے خداوند عالم ہر چیز میں اس کی حاجت پوری کرتا ہے"۔
سابقہ حوالہ، حدیث ۳۔

۳۔ "خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں اور ملائکہ اور صاحبان علم نے (بھی یہی گواہی دی) سورۂ آل عمران / ۱۸۔

ہی رکھتا ہے اور یوم قیامت طالع ہوگا تو وحدانیت میں ظہور کرے گا. یہ احدیت پہلے مرآت جمع میں اور پھر مرآت تفصیل میں ظہور کرتی ہے. اسی لیے فرمایا ہے :" والملائکۃ واولوا العلم " اور یہاں پر معارف کے چند مقامات ہیں جن کا بیان کرنا ان اوراق کی ذمہ داری سے باہر ہے.

وصل :

عن محمد بن مسعود العیاشی فی تفسیرہ عن عبدالصمد بن بشیر، قال : ذکر عند ابی عبداللہ بدء الاذان ... الیٰ ان قال : " ان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ) کان نائماً فی ظل الکعبۃ، فاتاہ جبرئیل ومعہ طاس فیہ ماء من الجنۃ، فایقظہ وامرہ ان یغتسل بہ، ثم وضع فی محمل لہ الف الف لون من نور ثم صعد بہ حتی انتھی الی ابواب السماء. فلما راتہ الملائکۃ نفرت عن ابواب السماء، وقالت : الھین ! الہ فی الارض، والہ فی السماء !! فامر اللہ جبرئیل، فقال : اللہ اکبر، اللہ اکبر ، فتراجعت الملائکۃ نحو ابواب السماء، ففتحت الباب، فدخل حتی انتھی الی السماء الثانیۃ، فنفرت الملائکۃ عن ابواب السماء، فقال : اشھد ان لا الہ الا اللہ ، اشھد ان لا الہ الا اللہ . فتراجعت الملائکۃ، وعلمت انہ مخلوق، ثم فتح الباب فدخل ... الحدیث " (۱).

اور علل الشرائع کی حدیث میں بھی قریب قریب یہی مضمون وارد ہوا ہے (۲). ان حدیثوں سے

۱۔ " امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اذان کے آغاز کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، یہاں تک کہ آپؑ نے فرمایا: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے سائے میں لیٹے تھے. جبریل جنت کے پانی سے بھرا ایک طشت لےکر آپؐ کے پاس آئے. آپؐ کو جگایا اور حکم دیا کہ اس پانی سے غسل کیجئے. پھر رسول اللہؐ ایک محمل میں بیٹھے جس میں ہزار ہزار قسم کے نور کے رنگ تھے. پھر آپؐ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا، یہاں تک کہ آسمان کے دروازوں تک پہنچے جب ملائکہ نے آپؐ کو دیکھا تو آسمان کے دروازوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور کہنے لگے : " دو خدا ہیں، ایک زمین میں اور ایک آسمان میں !! " حکم خدا سے جبریل نے کہا : " اللہ اکبر، اللہ اکبر " یہ سن کر ملائکہ دروازوں کی طرف پلٹ آئے. اس وقت آسمان کے دروازے کھلے اور رسولؐ داخل آسمان ہوئے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچے. پس ملائکہ وہاں بھی دروازوں کے اطراف کو چھوڑ کر بھاگے. جبریل نے کہا : " اشھد ان لا الہ الا اللہ ، اشھد ان لا الہ الا اللہ " ملائکہ پلٹ آئے اور سمجھ گئے کہ رسول اللہؐ مخلوق ہیں. پھر در کھلے اور رسول اللہؐ داخل ہوئے " تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۱۵، تفسیر سورۂ بقرہ کے ذیل میں، روایت ۵۳۰ .

۲۔ علل الشرائع، ج ۲ ص ۳۱۲ .

معلوم ہوتا ہے کہ الوہیت کی گواہی در ہائے آسماں کے کھلنے اور پردوں کے چاک ہونے کا سبب ہے اور فرشتوں کے جمع ہونے کا باعث ہوتا ہے اور یہ حجاب جو الوہیّت کی گواہی اور الوہیّت کے ذات مقدس میں انحصار کی شہادت سے ہٹتا ہے، تاریک اور غلیظ پردوں میں سے ایک ہے کہ جب سالک اس حجاب میں رہتا ہے اس وقت تک محضر میں حاضری کی کوئی راہ نہیں پاتا اور جب تک اس کے لیے یہ دروازہ نہ کھل جائے تب تک سلوک کا کوئی طریقہ اس کے پاس نہیں ہوتا۔ یہ حجاب کثرت افعالی اور احتجاب تکثیری میں گر پڑنے کا حجاب ہے جس کا نتیجہ موجودات میں فاعلیّت و مؤثریت کو دیکھنا ہے جو فاعلیّت میں ان کو مستقل دیکھے جانے کا نتیجہ ہے اور یہ تفویض محال اور شرک اعظم ہے۔ لیکن الوہیّت اور حق تعالیٰ میں الوہیّت کے منحصر ہونے کی شہادت کا نتیجہ توحید افعالی اور فعل حق میں کثرات کو فانی کردینا، غیر کی تاثیر وفاعلیّت کی نفی اور غیر حق کے استقلال کا انکار ہے۔ اسی لیے ملکوتیین حجاب کثرت "اله فی الارض واله فی السماء" سے باہر آئے تو اسی شہادت کے واسطے سے اور گریز وتفرقہ سے انس واجتماع کی طرف پلٹے تو اسی شہادت کے ذریعہ اور آسمانوں کے دروازے کھلے تو اسی سے۔ لہذا سالک بھی یہی چاہیے کہ اس شہادت کے ذریعہ اپنے ظلمانی حجاب کو چاک کرے اور آسمان کے دروازوں کو اپنے لیے کھولے اور استقلال کے بڑے اور غلیظ پردے سے ایک قدم آگے بڑھ جائے تاکہ معراج قرب کی طرف عروج کی راہ نزدیک آجائے اور یہ حقیقت فقط زبان سے دہرانے اور ذکر قولی سے حاصل نہ ہوگی۔ ورنہ ہماری عبادتیں بھی صورت کی حد اور دنیا کی حد سے آگے نہیں بڑھیں گی اور ہمارے سامنے سے نہ حجاب ہٹیں گے اور آسمان کے دروازے وا ہوں گے۔

فصل چہارم

رسالت کی شہادت کے بعض آداب
اور
شہادت ولایت کی طرف ایک اشارہ

معلوم رہے کہ اس سفر روحانی اور معراج ایمانی کو ان شکستہ قدموں، اس ٹوٹی ہوئی عنان، اس چشم کور اور اس دل بے نور سے طے نہیں کیا جاسکتا" ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور (۱) ".

لہذا اس طریق روحانی کے سلوک اور اس معراج روحانی پر عروج کے لیے ہادیان طریق معرفت اور انوار راہ ہدایت کے مقام روحانیت سے لازماً تمسک اختیار کرنا چاہیے کہ یہی حضرات واصلان الیٰ اللہ اور عاکفان علیٰ اللہ (اللہ تک پہنچے ہوئے اور اللہ کے محضر قدس میں ٹھہرے ہوئے) ہیں اور اگر کوئی شخص ان کی ولایت سے تمسک کے بغیر اپنی انانیت کے قدموں سے یہ راہ طے کرنا چاہے گا تو اس کا سلوک، سلوک الیٰ الشیطان اور سلوک الیٰ الھاویہ ہے. علمی بیان میں یوں کہئے کہ جس طرح حادث کا ربط قدیم سے ور متغیر کا ثابت سے کسی ایسے واسطہ اور رابطہ کا محتاج ہے جو ثبات وتغیر اور قدم وحدوث دونوں رخ رکھتا ہو کہ اگر یہ واسطہ نہ ہو تو فیض قدیم ثابت اس متغیر سے عبور نہ کرسکے جو سنت البیۂ میں حادث ہوا ہے اور رابطہ کو نیۂ وجودیۂ حاصل نہ ہوگا. ان دو کے درمیان " رابطہ " کے

۱۔ " جس شخص کے لیے خدا نور قرار نہیں دیتا اس کے لیے کوئی نور نہ ہوگا " سورۂ نور / ۴۰ .

بارے میں ارباب علوم برہانی کی مختلف رائیں ہیں. جب کہ ذوق عرفانی کا تقاضا اور ہی ہے، جس کی تفصیل کی ذمہ داری ان اوراق پر نہیں ہے. ذوق عرفانی میں رابط وہ فیض مقدس اور وجود منبسط ہے جو برزخیت کبریٰ اور وسطیت عظمیٰ کا مقام رکھتا ہے اور وہ بعینہ مقام روحانیت وولایت حضرت رسول ختمی مرتبت (ص) ہے جو مقام ولایت مطلقہ علویہ سے متحد ہے. اس کی تفصیل راقم نے رسالہ " مصباح الھدایہ " میں درج کی ہے (۱) . اسی طرح روحانی عروجی رابطہ میں جو رابطہ کونیہ نزولیہ ہے اور دوسرے لفظوں میں وجود کو گرفت میں لینا اور اسے اس کے مبدا اول کی طرف پلٹانا ایک واسطہ کی احتیاج رکھتا ہے جس کے بغیر نہ یہ گرفت وجود میں آسکتی ہے نہ مبدا کی طرف رجوع ناقص اور مقید قلوب اور محدود اور پستی میں رہنے والی روحوں کو ایک کامل فوق الکمال اور تام فوق التمام اور مطلق علی الاطلاق سے ارتباط دینا بغیر روحانی واسطوں اور غیبی رابطوں کے وجود میں نہیں آسکتا .

اور اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ حق تعالیٰ تو ہر موجود کا قیوم ہے اور ہر کون بغیر وسائط کے محیط ہے (پھر آپ کے بیان کردہ طول عمل سے کیا حاصل ہے ؟) چنانچہ آیہ شریفہ "ما من دابۃ الا ھو آخذ بناصیتھا (۲) " میں یہی اشارہ کیا گیا ہے (تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ گمان) مقامات میں اختلاط اور اعتبارات میں اشتباہ سے پیدا ہوا ہے اور کثرت وجود کے مراتب کے مقام کو ساحت تعینات سے خلط ملط کردیا گیا ہے .

اس بحث کو اس رسالہ سے کوئی ربط نہیں. اس قدر بھی سبقت قلم کے سبب سے حوالہ قرطاس ہوگیا ہے .

۱۔ مصباح الھدایہ عربی زبان میں حضرت امام خمینی (قدس سرہ الشریف) کی ایک کتاب ہے جس میں خلافت وولایت سے متعلق حقائق ومعارف بیان کیے گئے ہیں. اس کتاب کے مقدمہ میں یوں رقم فرمایا ہے. " انی احببت ان اکشف لک فی ھذہ الرسالۃ، بعون اللہ، ولیّ الھدایۃ فی البدایۃ والنھایۃ طلیعۃ من حقیقۃ الخلافۃ المحمدیۃ ورشحۃ من حقیقۃ الولایۃ العلویۃ علیھما التحیات الازلیۃ الابدیۃ، وکیفیۃ سریانھما فی عوالم الغیب والشھادۃ ... وبالحریٰ ان نسمیھا " مصباح الھدایۃ الی الخلافۃ والولایۃ " وارجو من اللہ التوفیق فانہ خیر معین ورفیق واستمد من اولیائہ الطاھرۃ فی الدنیا ولاخرۃ ... " یہ کتاب ماہ شوال ۱۳۴۹ ہجری قمری میں مکمل ہوئی ہے .

۲۔ " کوئی جاندار نہیں ہے، مگر اس کی پیشانی (یعنی اس کے زمام اختیار) خدا کے ہاتھ میں ہے " سورۃ ھود ۵۶ .

وبالجملہ، اولیائے نعمت سے تمسک جو خود معارج کی طرف جانے کی راہ دریافت کر چکے ہیں اور سیر الی اللہ کی تکمیل کر چکے ہیں، سیر الی اللہ کی لوازم میں سے ہیں. جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے اور وسائل الشیعہ میں ایک مستقل باب اس عنوان پر قائم کیا ہے کہ " ولایت وامامت ائمہؑ کے بغیر عبادت باطل ہے " کافی شریف میں خود اپنی سند سے روایت کی ہے کہ محمد بن مسلم کہتے ہیں :" میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام کو سنا، وہ فرماتے تھے " جان لو اے محمد! یقیناً اماماں جور اور ان کے پیرو دین خدا سے دور ہیں اور گمراہ ہیں. لہذا جو اعمال وہ کرتے ہیں وہ ایسی راکھ کے مانند ہیں جسے سخت طوفانی ہوا ادھر ادھر اڑا کر لے جاتی ہے اور منتشر کر دیتی ہے (۱) ".

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا :" اگر کوئی شخص راتوں کو عبادت میں قیام کرے اور دنوں میں روزہ رکھے اور اپنا تمام مال تصدق کر دے اور تمام عمر حج بجالاتا رہے اور ولی خدا کی ولایت کو نہ پہچانتا ہو تاکہ اس سے موالات رکھے تو اس کے تمام اعمال اس کی شکایت کریں گے اور اس کے لیے نہ پیش خدا کوئی ثواب ہے اور نہ وہ اہل ایمان سے ہے (۲) ".

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند سے ابو حمزہ ثمالی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں :" حضرت علی بن الحسین علیہ السلام نے ہم سے فرمایا :" تمام زمینوں میں کون سی زمین سب سے افضل ہے ؟ " ہم نے کہا: خدا و رسول (ص) اور فرزند رسول (ع) بہتر جانتے ہیں. فرمایا :" سب سے افضل زمین ہمارے لیے رکن ومقام کے درمیان ہے. اگر کوئی عمر نوحؑ پائے اور اپنی قوم میں نوحؑ کی طرح ساڑھے نو سو برس رہے اور دنوں میں روزہ رکھے اور راتوں کو عبادت میں اس مکان میں قیام کرے پھر ہماری ولایت کے بغیر خدا سے ملاقات کرے تو اس کا روزہ، نماز اور قیام کچھ نفع نہ بخشے گا (۳) ".

اس سلسلہ میں روایات اس مختصر رسالہ کی گنجائش سے بہت زیادہ ہیں.

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۱ ص ۹۰ " ابواب مقدمہ العبادات " باب ۲۹ حدیث ۱، اصول کافی، ج ۱ ص ۲۵۹ " کتاب الحجہ، باب معرفۃ الامام والرد الیہ " حدیث ۸.

۲۔ اصول کافی، ج ۳ ص ۳۰ " کتاب الایمان والکفر، باب دعائم الاسلام " حدیث ۵.

۳۔ عقاب الاعمال، " باب من جہل حق اہل بیت علیہم السلام " حدیث ۲، وسائل، ج ۱ ص ۹۳ " ابواب مقدمۃ العبادات " باب ۲۹ حدیث ۱۲.

رسالت کی شہادت کے آداب یہ ہیں کہ رسالت کی برحق اور سچی شہادت اور مقام رسالت کی عظمت کو قلب تک پہنچائے، خصوصاً رسالت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کی شہادت اور عظمت کو، عوالم غیب وشہود کا تمام دائرۂ وجود تکوینی ہو یا تشریعی، وجودی ہو یا ہدایتی آنحضرت (ص) ہی کے خوان نعمت کا ریزہ خواہ ہے اور وہ حضرت فیض حق کا واسطہ اور حق وخلق کا درمیانی رابطہ ہیں اور اگر ان کی روحانیت وولایت مطلقہ کا مقام نہ ہوتا تو موجودات میں نہ تو کوئی مقام غیب احدیت سے استفادہ کے لائق ہوتا اور نہ ہی فیض حق کا گزر کسی موجود کی طرف ہوتا اور ظاہر وباطن کسی عالم میں بھی نور ہدایت کی جلوہ ریزی نہ ہوتی۔ آنحضرت (ص) وہ نور ہیں کہ آیۂ نور میں آیا ہے "اللہ نور السموات والارض (۱) "۔

جب شارع دین اور رسول رب العالمین کی عظمت انسان کے قلب میں جگہ بنالے گی تو احکام وسنن کی عظمت خود بخود دل میں پیدا ہوجائے گی اور جب قلب اس عظمت کا ادراک کرلے گا تمام ملکی اور ملکوتی قوتیں دل کی تابع ہوجائیں گی اور شریعت مقدسہ تمام انسانی مملکت میں نافذ ہوجائے گی اور شہادت کے سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمام غیبی اور ظاہری قوتوں میں اس کے آثار ظاہر ہوجائیں اور اس سے روگرداں نہ ہوں۔ جیسا کہ سابق میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔

اب تک جو کچھ ذکر ہوا اس سے رسالت کی شہادت کا اذان واقامت اور نماز سے رابطہ معلوم ہوگیا، کیونکہ سالک اس طریق روحانی میں اس وجود مقدس سے تمسک کا محتاج ہے تاکہ اس کی مصاحبت ودستگیری سے اس عروج روحانی کا مظاہرہ کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شہادت سے ملکی اور ملکوتی قوتوں میں یہ اعلان کرنا ہے کہ نماز، جو معراج مؤمنین کی حقیقت اور ارباب عرفان اور اصحاب ایقان کے معارف کا سرچشمہ ہے، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشف تام کا نتیجہ ہے جنہوں نے خود سلوک روحانی، جذبات الہیۂ اور تجلیات رحمانیہ سے مقام "**قاب قوسین او ادنیٰ** (۱) " تک پہنچ کر ذاتی، اسمائی اور صفاتی

۱۔ سورۂ نور / ۳۵۔

۲۔ سورۂ نجم / ۹۔

تجلیات اور غیب احدی کے حضور میں انس کے الہامات کے اتباع سے حقیقت کا کشف فرمایا اور درحقیقت اس معنوی وروحانی سفر سے واپسی پر اپنی امت کے لیے جو خیر الامم ہے، یہ سوغات لے کر آئے ہیں اور ان کو احسان مند اور غرق نعمت کر دیا ہے.

جب یہ عقیدت دل میں قرار پاجائے اور تکرار کے ذریعہ جاگزیں ہوجائے تو ضرور سالک کو عظمت مقام اور کرامت محل کا ادراک ہوگا اور خوف ورجاء کے قدموں سے اس مرحلہ کو طے کرلے گا اور امید ہے کہ انشا اللہ اگر مقدور بھر بھی قیام امر کرلیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے دستگیر ہوں گے اور اس کو احدیت کے مقام قرب تک پہنچائیں گے جو حقیقی مقصد اور فطری آرزو ہے. علوم الہیۂ میں ثابت ہوچکا ہے کہ تمام موجودات کی معاد ایک انسان کامل کے واسطہ سے وجود میں آتی ہے. "کما بدأکم تعودون (۱)".

"بکم فتح اللّٰہ وبکم یختم وایاب الخلق الیکم (۲)".

نکتہ عرفانیہ

علل الشرائع کی ایک حدیث میں، جس میں صلوۃ معراج کی تفصیل بیان ہوئی ہے اور توصیف کی گئی ہے، وارد ہے کہ "جب جناب رسول خدا (ص) اللہ کی جانب سے نازل کی گئی محمل نور میں جبریلؑ کے ساتھ معراج میں تشریف لے گئے اور آسمان دوم تک پہنچے تو ملائکہ (رعب وجلال کی تاب نہ لاکر) بھاگے پھر سجدہ کر گئے اور تسبیح میں مشغول ہوگئے. جبریلؑ نے کہا: "اشهد ان محمداً رسول اللہ، اشهد ان محمداً رسول اللہ" ملائکہ جمع ہوگئے اور رسول (ص) کو سلام کرنے لگے اور امیر المومنین (ع) کا حال پوچھنے لگے. آسمان کے در کھل گئے اور حضرت (ص) آسمان چہارم کی طرف روانہ ہوئے. وہاں ملائکہ نے کچھ نہیں کہا. پھر آسمان کے دروازے کھلے اور ملائکہ جمع ہوگئے اور جبریلؑ نے باقی اقامت

۱۔ "اسی طرح جس طرح تم کو شروع میں پیدا کیا تھا واپس پلٹو گے" سورۂ اعراف / ۲۹

۲۔ "خدا نے تم سے ابتدا کی اور تمہیں پر انتہا کرے گا اور تمام مخلوق کی بازگشت تمہاری طرف ہے".

عیون اخبار الرضاؑ، ج ۲ ص ۲۷۴ "زیارت جامعہ کبیرہ".

کہی...الحدیث (۱) "۔

تفسیر عیاشی میں بھی قریب قریب یہی مضمون وارد ہوا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام آسمانوں میں سے کسی ایک آسماں کے ملائکہ میں جمال محمدی (ص) کے مشاہدہ کی طاقت نہ تھی اور اس نور مقدس کو دیکھ دیکھ کے سجدے میں گر جاتے تھے اور ادھر ادھر منتشر ہوجاتے تھے اور انہیں وہم ہوتا تھا کہ یہ نور مطلق الٰہی ہے۔ مگر اذان واقامت کی فصلوں کو سن کر مایوس ہوجاتے تھے۔ ابواب سماوات وا ہوجاتے تھے اور پردے ہٹ جاتے تھے۔

لہذا سالک کو چاہیے کہ ان شہادتوں کے واسطے سے حجابات سے باہر آئے اور رسالت کی شہادت دے کر تعین کے احتجاب سے کلی طور پر نکل آئے، کیونکہ مقام رسالت جسے خدا نے اشرف الخلق کے لیے معین کیا، در اصل فنائے مطلق کا مقام اور کامل طور پر غیر استقلالی ہے، کیونکہ رسالت مطلقہ، خاتمیہ سب سے بڑی خلافت الٰہیہ برزخیہ ہے اور یہ خلافت ظہور و تجلی اور تکوین وتشریع سب کے لیے خلافت ہے اور خلیفہ کو خود کسی طرح کا بھی استقلال اور تعین نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ خلافت اصالت ہوجائے گی اور اصالت مخلوقات میں کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے۔

لہذا سالک الیٰ اللہ کو چاہیے کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ کی خلافت کبریٰ کی عظمت کے مقام کو باطن قلب وروح تک پہنچائے اور اس کے واسطہ سے حجابوں کو ہٹائے اور پردوں کو چاک کرے اور تعین خلقی کے پردوں سے یکسر باہر آجائے اس کے بعد اس کے لیے تمام آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے اور کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے مقصد کو پالے گا۔

فرع فقہی اور اصل عرفانی

بعض غیر معتبر روایات میں وارد ہوا ہے کہ، رسالت کی شہادت کے بعد اذان میں "اشھد انّ علیاً ولیّ اللہ، مرتین (دو مرتبہ)" کہیں اور بعض روایات میں ہے کہ "اشھد انّ امیرالمؤمنین حقاً، مرتین" کہیں اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ "محمد وآل محمد خیر البریۃ" کہیں اور

۱۔ حاشیہ ا ص ۱۹۱۔

شیخ صدوق ؒ نے ان روایات کو مفوضہ کے ایجادات وموضوعات میں شمار کیا ہے اور ان کی تکذیب کی ہے (۱) اور علماء کے درمیان مشہور یہی ہے کہ یہ روایات قابل اعتماد نہیں اور بعض محدثین نے اسے " تسامح فی ادلۃ السنن " کی بنیاد پر اذان کا ایک مستحب جزء قرار دیا ہے اور یہ قول بعید از صواب نہیں ہے. اگرچہ قربت مطلقہ کی نیت سے کہنا اولیٰ واحوط ہے، کیونکہ رسالت کی شہادت کے بعد ولایت وامارت مؤمنین کی شہادت مستحب ہے. چنانچہ " احتجاج " میں ہے کہ قاسم بن معادیہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ " اہل سنت معراج کے بارے میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب آپ (ص) معراج کے لیے تشریف لے گئے تو عرش پر لکھا دیکھا " لا الہ الا اللہ ، محمد رسول اللہ ، ابوبکر الصدیق ... ". امامؑ نے فرمایا: سبحان اللہ، سب کچھ تو بدل ہی دیا تھا، یہ بھی بدل دیا! کہا: جی ہاں! امامؑ نے فرمایا: خدائے عزوجل نے جب عرش کو خلق فرمایا تو اس پر لکھا " لا الہ الا اللہ ، محمد رسول اللہ ، علیؑ امیر المؤمنین " اس کے بعد یہی نوشتہ پانی، کرسی، لوح، اسرافیل کی پیشانی، جبریلؑ کے دونوں بازوؤں، آسمانوں کے شانوں، زمینوں، پہاڑوں کی چوٹیوں اور آفتاب وماہتاب پر نقل کیا. پھر امامؑ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی " لا الہ الا اللہ ، محمد رسول اللہ " کہے تو " علیؑ امیر المؤمنین " بھی کہے (۲) ".

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ذکر شریف رسالت کی شہادت کے بعد مستحب ہے اور بعید نہیں خصوصاً اذان کی فصلوں میں مستحب قرار پائے اگرچہ ان روایات سے بعض بزرگ علماء کے انکار کی وجہ سے احتیاط کا تقاضا ہے کہ قصد قربت مطلقہ کے ساتھ کہے اور اذان میں خصوصیت کی نیت نہ رکھے.

" عرش کی بلندیوں سے زمینوں کی تہوں تک تمام موجودات پر ان کلمات کو لکھنے " کا عرفانی نکتہ یہ ہے کہ خلافت وولایت کی حقیقت الوہیت کا ظہور ہے اور الوہیت اصل وجود وکمال وجود ہے اور جس موجود کو بھی وجود کا کوئی حصہ ملا ہے وہ حقیقت الوہیت اور ظہور الوہیت ہی سے ملا ہے جو خلافت وولایت کی حقیقت ہے اور یہ لطف الٰہی عوام غیب سے منتہائے عالم شہادت تک کائنات کے اس

۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۱ ص ۱۸۸ کتاب الصلاۃ باب الاذان والاقامۃ وثواب المؤمنین، ذیل روایت ۳۵ .

۲۔ الاحتجاج، ج ۱ ص ۲۳۰ .

سرے سے اس سرے تک سب کی پیشانی پر (مہر کی طرح) ثبت ہے اور یہ لطف الٰہی "وجود منبسط) کی حقیقت "نفس الرحمن" اور "حق مخلوق بہ" (مقصد تخلیق کا حق) ہے جو بعینہ خلافت ختمیہ اور ولایت مطلقہ علویہ ہے۔ اسی وجہ سے شیخ عارف شاہ آبادی (دام ظلہ) فرماتے تھے کہ ولایت کی شہادت (خود بخود) رسالت کی شہادت میں شامل ہے، کیونکہ ولایت باطن رسالت ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ الوہیت کی شہادت میں مجموعی طور سے شہادتین (شہادت رسالت اور شہادت ولایت) شامل ہیں اور رسالت کی شہادت میں شہادت الوہیت اور شہادت ولایت شامل ہیں اور شہادت ولایت میں شہادت الوہیت اور شہادت رسالت شامل ہیں۔

والحمدللہ اولاً وآخراً

فصل پنجم

"حیعلات" کے بعض آداب

جب سالک الی اللہ نے تکبیریں کہہ کے حق تعالیٰ کی صفت (کبریائی) کے ذریعہ اس کی عظمت کا اعلان کردیا اور الوہیت کی گواہی دے کر توصیف و تحمید، بلکہ ہر تاثیر کو اس کی ذات میں منحصر قرار دے دیا اور خود کو قیام امر کے لیے نا اہل قرار دے لیا اور رسالت وولایت کی گواہی دے کہ تمام اختیارات کو رسالت وولایت کا رفیق ومصاحب مان لیا اور خود مقام خلافت وولایت سے تمسک اختیار کرلیا. جیسا کہ کہا گیا ہے "الرفیق ثم الطریق (۱) " تو اس کے بعد صریح لہجہ میں ملکی وملکوتی قوتوں کو نماز کے لیے تیار کرنا چاہئے اور ان میں " حیّ علی الصلاۃ " کہہ کر حاضری کا اعلان کرنا چاہئے. اس کی تکرار یا تو اس لیے ہے تاکہ مکمل طور سے آگاہی اور پوری طرح بیداری پیدا ہو یا ان دونوں میں سے ایک مملکت کی داخلی قوتوں کی آگاہی و بیداری کے لیے اور دوسری مملکت کی خارجی قوتوں کی آگاہی کے لیے، کیونکہ وہ بھی اس سفر میں انسان کے ساتھ سالک ہیں. جیسا کہ اشارہ کیا جاچکا اور آئندہ بھی کیا جائے گا.

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۸ ص ۲۹۹ "کتاب الحج، ابواب آداب السفر" باب ۳۰ حدیث ۱۱، نقل از محاسن برقی، ص ۳۵۷۔
بعض دوسری روایات میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے، جیسے "سل عن الرفیق قبل الطریق" نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۹۳۶، اور "الرفیق ثم السفر" الاشعثیات، ص ۱۶۴ " باب سوء الجوار".

اس مقام میں سالک کے لیے ادب یہ ہے کہ اپنے قلب اور قوتوں کو سمجھائے اور باطن کو بتائے کہ محضر حق میں حاضری کا وقت قریب ہے تا باطن قلب خود کو حاضری کے لیے تیار کر لے . آداب صوریہ ومعنویہ کی پوری طرح محافظت کرے . اس کے بعد نماز کے راز اور اس کے نتیجے اور فائدہ کا اجمالاً اعلان کرے یہ کہہ کے " حیّ علی الفلاح ، حیّ علی خیر العمل " تاکہ فطرت بیدار ہوجائے ، کیونکہ فلاح ونجات سب سے بڑی سعادت ہے اور ہر انسان کی فطرت سب سے بڑی سعادت کی عاشق ہوتی ہے ، کیونکہ فطرت کمال طلب اور راحت طلب ہے اور سعادت کی حقیقت کمال مطلق اور راحت مطلق ہے اور یہ بات نماز میں جو خیر الاعمال ہے قلبی وقالبی اور ظاہری وباطنی ہر اعتبار سے حاصل ہوتی ہے ، کیونکہ نماز صورت وظاہر کے لحاظ سے ایک بڑا اور جامع ذکر ہے اور اسم اعظم کے ذریعہ ثنائے الٰہی ہے جو تمام شئون الٰہیہ کا جامع ہے. اسی لیے اذان واقامت کا آغاز بھی " اللہ " سے ہوتا ہے اور اختتام بھی " اللہ " پر ہوتا ہے اور نماز کے تمام حالات وانتقالات میں " اللہ اکبر " ہی کی تکرار ہوتی ہے اور "توحیدات ثلاثہ " (توحید ذات، توحید صفات اور توحید افعال) جو اولیائے خدا کی خنکی چشم ہیں، نماز ہی سے حاصل ہوتی ہیں اور اس میں فنائے مطلق اور رجوع کامل کی صورت ملی ہوئی ہے اور باطن وحقیقت کے اعتبار سے قرب حق کی معراج اور جمال جمیل مطلق تک رسائی اور اس ذات مقدس میں فنا کی حقیقت ہے. فطرت جس کی شیدا ہے اور کامل طمانینت، مطلق راحت اور مکمل عقلی سعادت اسی سے حاصل ہوتی ہے " الا بذکر اللہ تطمئن القلوب [1] ".

اس طرح کمال مطلق، جو ساحت الٰہی تک رسائی، وجوب کے لامتناہی سمندر سے اتصال، جمال ازل کا مشاہدہ اور نور مطلق کے دریا میں مستغرق ہونا ہے، نماز ہی میں حاصل ہوتا ہے اور راحت مطلق، استراحت تام اور طمانینت کامل بھی اسی سے پیدا ہوتی ہے اور سعادت کے دونوں رکن حاصل ہوتے ہیں. لہٰذا نماز فلاح مطلق ہے اور یہی خیر الاعمال ہے اور سالک کو چاہیے کہ یہ لطف الٰہی تکرار اور تذکر کے ذریعہ قلب کو سمجھائے اور فطرت کو بیدا کرے. دل میں وارد ہونے کے بعد فطرت کمال وسعادت طلبی کے رخ کو اہمیت دے گی اور اس کی محافظت ونگرانی کرے گی. ان کی تکرار میں بھی یہی

۱۔ " ہاں ! یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے " سورۂ رعد / ۲۸ .

نکتہ پوشیدہ ہے جو بیان کیا گیا۔

سالک جب اس مقام تک پہنچ گیا تو اب حاضری کا اعلان کرے کہ "قد قامت الصلاۃ" اور اب چاہیے کہ خود کو عوالم وجود کے مالک الملوک، سلطان السلاطین اور عظیم مطلق کے حضور میں سمجھے اور اپنے دل کو اس حضور کے وہ خطرات سمجھائے رہے جو سب کے سب قصور اور امکانی تقصیر سے پیدا ہوتے ہیں اور قیام امر نہ کرنے پر کمال شرمندگی و خجالت کے ساتھ اور امید و بیم کے قدموں سے وارد ہو اور کریم کی بارگاہ میں پہنچے۔ خود کو صاحب زاد واسباب سفر نہ سمجھے اور اپنے دل کو سلامتی سے خالی سمجھے اور اپنے عمل کو نیکیوں میں شمار نہ کرے اور معمولی سکے کی قیمت کے برابر بھی نہ خیال کرے۔ اگر یہ حال اس کے دل میں مستحکم ہوگیا تو امید ہے کہ عنایات الٰہی سے مستفید ہوگا "امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء (۱)"۔

وصل و تتمیم

محمد بن یعقوب، باسنادہ عن ابی عبداللہ علیہ السلام، قال: اذا اذنت واقمت، صلی خلفک صفان من الملائکۃ، واذا اقمت، صلی خلفک صف من الملائکۃ (۲)"۔

اور اس مضمون کی بہت حدیثیں ہیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ ہر صف کی حد مشرق سے مغرب تک ہے (۳)۔

ثواب الاعمال میں ہے کہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "جو شخص اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھے اس کے پیچھے ملائکہ کی دو صفیں نماز پڑھتی ہیں اور جو شخص (بغیر اذان کے صرف) اقامت کے ساتھ نماز پڑھے اس کے پیچھے ملائکہ کی ایک صف نماز پڑھتی ہے"۔ راوی نے پوچھا کہ: ہر

۱۔ حاشیہ ا ص ۱۰۷۔

۲۔ "جب تم اذان واقامت کہتے ہو تو ملائکہ کی دو صفیں تمہارے پیچھے نماز پڑھتی ہیں اور جب (صرف) اقامت کہتے ہو تو ملائکہ کی ایک صف تمہارے پیچھے نماز پڑھتی ہے" فروع کافی، ج ۳ ص ۳۰۳ "کتاب الصلاۃ، باب بدء الاذان والاقامہ" حدیث ۸۔

۳۔ ثواب الاعمال، ص ۵۴ "ثواب من صلی باذان واقامہ" حدیث ۲۔

صف کی مقدار کیا ہوتی ہے ؟ فرمایا: " کم سے کم مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلہ کی برابر اور زیادہ سے زیادہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کی برابر (۱) "۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اگر اذان کے بغیر اقامت کہتا ہے تو ایک ملک اس کے داہنی طرف اور ایک بائیں طرف کھڑا ہوتا ہے (۲)۔

اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں۔ احادیث میں جو کچھ اختلاف ہے، ممکن ہے وہ نماز گزاروں کی معرفت اور خلوص کے اختلاف پر مبنی ہو۔ جیسا کہ اس موضوع سے متعلق احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ جیسے وہ روایت جو اس نماز کے متعلق وارد ہوئی ہے جو بیابان یا بے آب و گیاہ زمین میں اذان واقامت کے ساتھ ادا کی جائے (۳)۔

وبالجملہ، جب سالک خود کو ملائکۃ اللہ سے آگے اور اپنے قلب کو ملکی وملکوتی قوتوں کے پیشوا کی حیثیت سے دیکھے اور اذان واقامت کے ذریعہ اپنی ملکی اور ملکوتی قوتوں کو مجتمع کر لے اور ملائکہ اللہ اس کے گرد جمع ہوجائیں تو قلب کو جو ظاہری و باطنی قوتوں میں سب سے افضل ہے اور دوسری قوتوں کا سفارشی بھی ہے، امام قرار دے لینا چاہئے اور چونکہ قلب ماموین کی قرائت کا ذمہ دار ہے اور دوسروں کی ذمہ داری کا بار بھی اس کے اوپر ہے تو چاہئے کہ اس کی مکمل محافظت اور اچھی نگرانی کرے تاکہ وہ حاضری اور محضر کا احترام کرے اور مقام قدس میں ادب کے ساتھ قیام کرے اور اس پاکیزہ اجتماع کو غنیمت جانے اور ملائکۃ اللہ کی توجہ اور تائید کو بڑی بات سمجھے اور حقیقی ولی نعمت کے انعامات کو پہچانے اور ان نعمتوں کے شکریہ کے ذریعہ اپنے عجز و قصور کو بارگاہ مقدس میں پیش کرے۔

انہ ولیّ النعم

۱۔ حوالہ سابق۔

۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۶۲۰ "کتاب الصلاۃ، ابواب الاذان والاقامہ" باب ۴ حدیث ۴۔

۳۔ سابقہ حوالہ، حدیث ۹ " یا اباذر، ان ربک لیباھی ملائکتہ بثلاثۃ نفر رجل فی ارض قفرا..."۔

باب دوم

قیــــام

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

قیام کا مجموعی رمز

جاننا چاہیے کہ اہل معرفت کے نزدیک قیام، توحید افعال کی طرف اشارہ ہے جس طرح رکوع، توحید صفات کی طرف اور سجود توحید ذات کی طرف اشارہ ہے. رکوع و سجود کا بیان ان کے محل پر آئے گا. اس بات کی وضاحت کہ قیام توحید افعال کی طرف اشارہ ہے، یہ ہے کہ خود قیام اپنی وضع کے اعتبار سے اور قرائت لفظ کے اعتبار سے اسی مقام کی طرف اشارہ ہیں.

قیام وضع کے اعتبار سے اس کی طرف اشارہ ہے. یہ اس طرح کہ اس میں بندہ کے حق کے ساتھ قیام اور مقام قیومیّت حق کی طرف اشارہ ہے جو فیض مقدس کی تجلی اور تجلی فعلی ہے اور اس تجلی میں فاعلیّت حق کا اظہار ہوتا ہے اور تمام موجودات تجلی فعلی میں فانی اور کبریائی ظہوری کے تحت مستهلک ہوجاتے ہیں. سالک کے لیے ادب عرفانی اس مقام پر یہ ہے کہ یہ الٰہی لطف قلب کو یاد دلائے اور جس قدر ممکن ہو تعینات کو ترک کردے اور فیض مقدس کی حقیقت قلب کو یاد دلائے. نیز قیومیّت حق کو اور یہ کہ خلق کے قوام ووجود کی علت حق تعالیٰ ہی ہے، باطن قلب تک پہنچائے. جب یہ حقیقت قلب سالک میں جاگزیں ہوجائے گی تو اس کی قرائت زبان حق سے واقع ہوگی اور ذاکر ومذکور دونوں حق ہوجائیں گے اور بعض اسرار قدر کا قلب عارف پر کشف ہوجائے گا اور " انت کما

اثنیت علی نفسک (۱) " اور " واعوذ بک منک (۲) " کا راز ایک حد تک اس پر منکشف ہوجائے گا۔ بعض اسرار نماز کو قلب عارف دریافت کرلے گا۔ جیسا کہ محل سجود پر نظر کرنے سے جو مٹی اور اصلی خلقت انسان ہے، گردن نیچی رکھنے اور سر جھکائے رکھنے میں جو مٹی کا لازمہ ہے، ممکن کی ذلت وفقر اور عزت سلطنت کبریا کے تحت فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے " یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ هو الغنی الحمید (۳) "۔

یہ بات کہ قرائت میں لفظی طور سے توحید فعلی کی طرف اشارہ ہے، سورۂ مبارکہ توحید کی تفسیر میں اس کی تفصیل آئے گی۔

انشاء اللہ

۱۔ " تو ویسا ہی ہے جیسا تو نے اپنا وصف بیان کیا ہے " سجدہ میں دعائے حضرت رسول صلی اللہ وآلہ وسلم کا ایک حصہ۔
فروع کافی، ج ۳ ص ۳۲۴، مصباح الشریعہ، باب ۵، عوالی اللئالی، ج ۱ ص ۳۸۹ حدیث ۲۱۔

۲۔ " تجھ سے تیری ہی پناہ میں جانا چاہتا ہوں " سجدہ میں پیغمبر اکرمؐ کی دعا کا ایک حصہ۔
فروع کافی، ج ۳ ص ۳۲۴، مصباح المتہجد وسلاح المتعبد، ص ۳۰۸۔

۳۔ حاشیہ ۲ ص ۱۴۳۔

فصل دوم

آداب قیام

قیام کا ادب یہ ہے کہ سالک خود کو محضر حق میں حاضر سمجھے اور عالم کو محضر ربوبیت جانے اور خود کو حاضرین مجلس اور بارگاہ خدا میں مقیم سمجھے۔ حاضر و محضر کی عظمت قلب تک پہنچائے اور حق سے مناجات کی اہمیت اور اس مقام کے خطرات قلب کو سمجھائے اور نماز میں وارد ہونے سے پہلے ہی تفکر وتدبر سے قلب کو حاضر کرے اور اسے مقصد کی اہمیت سے آگاہ کرے۔ خشوع وخضوع، طمانینت وخشیت، خوف ورجاء اور ذلت ومسکنت آخر نماز تک دل کے لیے لازم قرار دے اور قلب سے شرط کرے کہ ان باتوں کی محافظت ونگرانی کرتا رہے۔ بزرگان دین اور بادیان طریق کے احوال میں تفکر وتدبر کرے کہ ان پر (نماز میں) کیسی حالت طاری ہوجاتی تھی اور مالک الملک سے وہ کیسا معاملہ رکھتے تھے۔ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے حالات کو نمونہ عمل بنائے اور ان کی سیرت پر عمل کرے اور ائمہ معصومینؑ وبزرگان دین کی تاریخ سے صرف تاریخ وروز ولادت ووفات اور عمر شریف وغیرہ معلوم کرنے ہی پر اکتفانہ کرے۔ جس سے کوئی بہت بڑا فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے، بلکہ سیر ایمانی وسلوک عرفانی میں ان کی بہترین سیر اور بے مثال سلوک پر نظر ہونا چاہیے کہ ان بزرگوں کے معاملات بندگی معبود میں کیا تھے۔ سیر الی اللہ میں ان کی رفتار کیسی تھی اور ان کے مقامات عرفانی کس درجہ بلند تھے جو ان کی زبان سے نکلے کلمات معجز آیات سے معلوم ہوسکتے ہیں۔

افسوس کہ ہم اہل غفلت جو مادیات کے نشہ میں چور اور بے مایہ ہونے کے ساتھ ہی فریب کھائے ہوئے تمام ہی امور میں شیطان ملعون کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور کسی وقت بھی خواب گراں اور نسیان بے پایاں سے باہر نہیں آتے. ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے معارف ومقامات سے ہم اس قدر کم اور معمولی فائدہ اٹھاتے ہیں کہ جو حساب میں درست نہیں بیٹھتا. ان کی تاریخ حیات سے ہم نے صرف قشر اور ظاہری صورت کو لے لیا ہے اور بعثت انبیاء علیہم السلام کی غرض وغایت سے کلی طور پر صرف نظر کیے ہوئے ہیں. ہم "استسمن ذا ورم (۱) " جیسی کہاوتوں کے مصداق بن گئے ہیں.

ہم اب اس مقام پر بعض روایتوں کا ذکر کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں. شاید برادران ایمانی میں سے کسی کے لیے تذکر ویاد آوری کا سبب ہوں، والحمدللّٰہ ولہ الشکر.

عن محمد بن یعقوب باسنادہ عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام، قال: کان علی بن الحسین علیہما السلام اذا قام الی الصلاۃ، تغیر لونہ. فاذا سجد لم یرفع راسہ حتی یرفض عرقا (۲).

وباسنادہ عنہ علیہ السلام، قال: کان ابی یقول: کان علی بن الحسین اذا قام الیٰ الصلاۃ، کانہ ساق شجر لایتحرک منہ شی الا ما حرکت الریح منہ (۳).

وعن محمد بن علی بن الحسین فی العلل باسنادہ عن ابان بن تغلب، قال: قلت لابی عبداللّٰہ علیہ السلام: انی رایت علی بن الحسینؑ اذا قام الی الصلاۃ، غشی لونہ لون آخر. فقال لی: واللّٰہ ان علی بن الحسین کان یعرف الذی یقوم بین یدیہ (۴).

۱۔ " متورم کو موٹا سمجھ لیا " ایک کہاوت ہے جو ظاہر سے دھوکہ کھانے اور غیر واقعی بات کو واقعی سمجھ بیٹھنے کے موقع پر بولی جاتی ہے.

۲۔ " حضرت علی بن الحسینؑ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو آپؑ کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا اور جب سجدے میں جاتے تھے تو سر نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ پسینہ آپؑ کے چہرے سے ٹپکتا تھا.

فروع کافی، ج ۳ ص ۳۰۰ " کتاب الصلاۃ، باب الخشوع فی الصلاۃ وکراھیۃ العبث " حدیث ۵.

۳۔ " میرے والد (امام محمد باقر علیہ السلام) فرماتے تھے کہ: علی بن الحسینؑ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو گویا درخت کی شاخ کی طرح ہوتے تھے جسے جتنی ہوا حرکت دیدے اس کے سوا حرکت نہیں کرتے تھے " حوالہ سابق، حدیث ۴.

۴۔ " ابان بن تغلب کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں نے علی بن الحسینؑ کو دیکھا کہ ==

وعن السید علی بن طاووس فی فلاح السائل فی حدیث، ... فقال ابو عبداللہ علیہ السلام:
لا تتم الصلاۃ الا لذی طهر سابغ تمام بالغ غیر نازع ولا زائغ، عرف فوقف، واخبت فثبت، فهو واقف بین الیاس والطمع والصبر والجزع، کان الوعد له صنع والوعید به وقع، یذل عرضه ویمثل عرضه، وبذل فی اللہ المهجة، وتنکب الیه المحجة غیر مرتغم بارتغام، بقطع علائق الاهتمام بعین من له قصد، والیه وفد ومنه استرفد.

فاذا اتی بذلک، کانت هی الصلاۃ التی بها امر وعنها اخبر، وانها هی الصلاۃ التی تنهی عن الفحشاء والمنکر ... الحدیث (۱).

وعن محمد بن یعقوب، باسناده الیٰ مولانا زین العابدین علیہ السلام، انه قال:

واما حقوق الصلوۃ فان تعلم انها وفادۃ الیٰ اللہ، وانک فیها قائم بین یدی اللہ، فاذا علمت ذلک، کنت خلیقاً ان تقوم فیها مقام العبد الذلیل الراغب الراهب الخائف الراجی المسکین المتضرع المعظم مقام من یقوم بین یدیه بالسکون والوقار وخشوع الاطراف ولین الجناح وحسن المناجات له فی نفسه والطلب الیه فی فکاک رقبته التی احاطت بـه

== جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا " امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم علی بن الحسینؑ اسے پہچانتے تھے جس کے لیے نماز پڑھتے تھے" علل الشرائع، ص ۸۸، نقل از وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۶۸۵ "کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ" باب ۲ حدیث ۴۔

۱۔ " نماز کامل نہیں ہوتی مگر اسی کے لیے جو ہر رخ سے پاک و پاکیزہ ہو اور پوری تمانیت رکھتا ہو اور اس کا پورا حق ادا کرے اور وسوسہ اور انحراف سے دور ہو۔ خدا کو پہچانتا ہو اور اس کے لیے خشوع اختیار کرے اور ثابت قدم رہے اس حال میں کہ امید اور نا امیدی اور صبر و بے تابی کے درمیان کھڑا ہو۔ گویا اس سے وعدے کئے گئے ہیں اور اسے سزا کی وارننگ مل چکی ہے اپنی خودداری کو چھوڑ کر اپنا مقصد برابر نظر میں رکھے ہے اور جان راہ خدا میں دے چکا ہے اور اسی کا راستہ منتخب کر چکا ہے۔ خاک پا ناک رگڑنے (سجدہ) میں ذرا بھی کراہت دل میں نہیں پیدا ہونے دے رہا ہے اور اس کے علاوہ سب سے علاقہ توڑ کر صرف اسی کی طرف لو لگائے ہے اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہے اور اسی سے طالب بخشش ہے۔ اگر ایسی نماز ادا کرے گا تو یہ وہی نماز ہوگی جس کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کے بارے میں خبر دی گئی ہے اور یہی وہ نماز ہے جو فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔" فلاح السائل، ص ۲۳ " الفصل الثانی، فی صفہ الصلاۃ " .

خطیئته واستهلکتها ذنوبه، ولا قوة الا بالله (۱).

وعن النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم: اعبد ربک کانک تراه، فان لم تکن تراه فانه یراک (۲).

وعن فقه الرضا علیه السلام:

... فاذا اردت ان تقوم الی الصلاة، فلا تقم الیها متکاسلاً ولا متناعساً ولا مستعجلاً ولا متلاهیاً، ولکن تاتیها علی السکون والوقار والتؤدة.

وعلیک بالخشوع والخضوع متواضعاً لله عزوجل. متخاشعاً، علیک الخشیة وسیماء الخوف راجیاً خائفاً بالطمانینة علی الوجل والحذر، فقف بین یدیه کالعبد الابق المذنب بین یدی مولاه، فصیف قدمیک وانصب نفسک، ولا تلتفت یمیناً وشمالاً، وتحسب کانک تراه، فان لم تکن تراه، فانه یراک ... الحدیث (۳).

۱۔ "لیکن نماز کے حقوق (جن کی رعایت رکھنا چاہیے) یہ ہیں کہ تم یہ جان لو کہ نماز بارگاہ خدا میں حاضری ہے اور سمجھ لو کہ نماز میں خدا کے سامنے پیشی پر کھڑے ہو۔ جب تم یہ جان لو گے تو تم اس لائق ہوجاؤ گے کہ اس طرح نماز کے لیے کھڑے ہو سکو جیسے ایک بندۂ ذلیل کھڑا ہوتا ہے۔ طلب، رغبت اور (عذاب خدا سے) خوف کے عالم میں (رحمت خدا کی) امید میں، پریشاں حال، فریاد کناں وگریاں، جو سکون ووقار، اعضاء وجوارح میں خشوع، تواضع اور قلب کی اچھی مناجات سے اور اپنے نفس کی نجات کی طلب میں جس کی خطاؤں نے اسے گرفتار کر رکھا ہے اور گناہوں نے ہلاک کردیا ہے۔ اس عظیم ذات کے مقام کو عظیم سمجھے جس کی بارگاہ میں کھڑا ہے اور خدا کے علاوہ کوئی صاحب قوت نہیں۔"

مستدرک الوسائل، "کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ" باب ۲ حدیث ۳۔

۲۔ "پیغمبر خدا ؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اپنے پروردگار کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے"۔

بحارالانوار، ج ۷۴، ص ۷۴، "کتاب الروضہ، مواعظ النبی" باب ۴ حدیث ۳؛ مکارم الاخلاق، ص ۴۵۹۔

۳۔ فقہ الرضا سے نقل ہوا ہے کہ: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو سستی کی حالت، نیند سے بوجھل ہوکر، جلد بازی اور لہو ولعب کے ساتھ نہ کھڑے ہوا کر، بلکہ اطمینان ووقار کے ساتھ نماز ادا کیا کرو۔ لازم ہے کہ (نماز میں) خاشع وخاضع رہو اور خدا کے سامنے خاکساری اختیار کرو اور خوف وخشیت اپنے اوپر طاری رکھو۔ اس حال میں کہ امید وبیم کے عالم میں تم کھڑے ہو اور برابر نگراں اور چوکنا رہو۔ پس بھاگے ہوئے خطاوار غلام کی طرح جو (واپس آیا ہے اور) اپنے آقا کے دربار ==

وفی عدة الداعی، روی ان ابراھیم علیه السلام کان یسمع تاوھه علی حد میل، حتی مدحه الله. بقوله: " ان ابراھیم لحلیم اواه منیب " وکان فی صلاته یسمع له ازیز کازیز المرجل، وکذلک یسمع من صدر سیدنا رسول الله صلی الله علیه وآله مثل ذلک. وکانت فاطمة علیھا السلام تنھج فی الصلاة من خیفة الله (۱). الیٰ غیر ذلک من الاخبار.

ان موضوعات پر احادیث شریفہ بہت ہیں. اس مختصر رسالہ میں ان سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے. ان چند حدیثوں میں غور وفکر بھی اہل تفکر وتذکر کے لیے کافی ہوسکتا ہے. آداب صوریہ کے متعلق بھی، آداب قلبیہ ومعنویہ کے بارے میں بھی اور محضر الٰہی میں قیام کی کیفیت کے تعلق سے بھی.

ذرا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حالات، آپؑ کی درگاہ حق میں مناجات اور آپؑ کی ان دعاؤں کے بارے میں غور تو کیجیے جن سے عبادت وبندگی کی تعلیم ملتی ہے. بس یہ نہیں کہتا کہ ان حضرات کی مناجات بندوں کو تعلیم دینے کی غرض سے ہوتی تھی، کیونکہ یہ ایک بے مغز اور باطل کلام ہے جو مقام ربوبیت اور معارف اہل بیتؑ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے صادر ہوا ہے. ان حضرات کا خوف خدا اور خشیت الٰہی ہر شخص سے بڑھ چڑھ کر ہے اور ان کے دلوں میں عظمت وجلال حق نے ہر ایک سے زیادہ تجلی کی تھی، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ بندگان خدا کو چاہیے کہ ان حضرات

= میں کھڑا ہے. درگاہ خدا میں کھڑا ہو! اپنے پیروں کو قریب کرلو. قامت کو سیدھا رکھو اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالو اور یوں سمجھو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو کہ اگر تم اس کو نہ بھی دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے ...".

مستدرک الوسائل، "کتاب الصلاة، ابواب افعال الصلاة" باب ۱ حدیث ۷، نقل از فقه الرضا، ص ۱۰۱ " باب الصلوات المفروضہ.

۱۔ "روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی آہ وزاری کی آواز ایک میل (چار ہزار ہاتھ) سے سنائی دیتی تھی. اس حد تک کہ خداوند عالم نے ان کی یوں مدح کی " یقیناً ابراہیم بردبار، بہت آہیں کھینچنے والے اور خدا سے توبہ اور ندامت کا اظہار کرنے والے تھے " (سورۂ ہود / ۷۵).

نماز میں ان کے سینہ کی آواز یوں سنائی دیتی تھی جیسے جوش کھائی ہوئی دیگ کی آواز ہو. ایسی ہی آواز ہمارے آقا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ سے سنائی دیتی تھی اور جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا پر نماز میں خوف خدا کی وجہ سے غیر معمولی حالت طاری ہوجاتی تھی اور ان کی سانسوں کو شمار کیا جاسکتا تھا".

مستدرک الوسائل "کتاب الصلاة، ابواب افعال الصلاة" باب ۲ حدیث ۱۵.

سے بندگی اور سلوک الیٰ اللہ کے طور طریق سیکھیں۔ جب ان کی مناجاتیں اور دعائیں پڑھیں تو وہ صرف زبان کی ادائیگی تک نہ رہ جائیں، بلکہ تفکر کریں کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ کیسا تھا اور ذات مقدس کے سامنے وہ کس طرح عجز و نیاز اور تذلل وتضرع کا اظہار فرماتے تھے۔

ولعمر الحبیب! کہ جناب علی بن الحسین امام زین العابدین علیہما السلام کی ذات ان عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، حق تعالیٰ نے جن کے وجود مقدس سے بندوں پر احسان کیا اور ان بزرگوار کو عالم قرب اور محضر قدس سے زمین پر اتارا تاکہ اپنے بندوں کو ان کے ذریعہ عبودیت کے طریقے سمجھائے "**لتسئلنّ یومئذ عن النعیم** (۱) " اور اگر ہم سے پوچھا جائے کہ اس نعمت کی قدر کیوں نہ پہچانی اور اس عظیم ہستی سے کیوں نہ فیض حاصل کیا، تو ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ندامت سے سر جھکالیں اور پشیمانی و تاسف کی آگ میں جل مریں اور اس وقت پشیمانی و تاسف سے کچھ ملنے والا نہیں۔

ایک موعظہ حسنہ

اے عزیز! اب جب کہ موقع ہے، عمر عزیز کا سرمایہ حاصل ہے، سلوک الیٰ اللہ کا راستہ کھلا ہے، رحمت کے در باز ہیں، اعضاء وجوارح میں قوت موجود اور قوتوں میں سلامتی برقرار ہے، عالم ملک کا کشت زار قائم ہے، ہمت سے کام لو اور ان الٰہی نعمتوں کی قدر پہچانو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ روحانی کمالات اور ازلی و ابدی سعادتیں حاصل کرو اور ان معارف سے جنہیں قرآن شریف نے آسمان سے نازل ہوکر اور اہل بیت علیہم السلام نے محضر قدس سے آکر مادی اور اندھیری زمین کے فرش پر پھیلایا ہے اور عالم کو انوار الٰہی کی تابانیوں سے روشن و منور کردیا ہے تم بھی استفادہ کرو اور اپنی تاریک مادی زمین کو نور الٰہی سے روشن کرو۔ آنکھوں، کانوں، زبان اور تمام ظاہری و باطنی قوتوں کو نور حق سے منور کرو اور اس تاریک زمین کو نورانی، بلکہ عقلانی زمین میں تبدیل کردو " یوم تبدل الارض غیر الارض (۲) "

۱۔ " اس روز تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا " سورۂ تکاثر / ۸۔

۲۔ " جس دن زمین دوسری زمین میں تبدیل ہوجائے گی " سورۂ ابراہیم / ۴۸۔

" واشرقت الارض بنور ربها (۱) " اگر اس روز تمہاری زمین بدلی ہوئی نہ ہوئی اور نور ربّ سے نورانی نہ ہوگئی تو تاریکی ہی تاریکی، سختی ہی سختی، وحشت ہی وحشت، فشار ہی فشار، ذلت ہی ذلت اور عذاب ہی عذاب تمہارے حصہ میں آئے گا۔

ہماری ظاہری و باطنی قوتیں شیطانی تاریکیوں میں گھری رہیں اور ہم اسی حال میں پھنسے رہیں تو خطرہ ہے کہ دھیرے دھیرے نور فطرت سے معمور زمین فطرت کہیں اندھیری، نور فطرت سے خالی اور تمام الٰہی فطرت سے محجوب سجینی زمین میں تبدیل نہ ہوجائے۔ یہ ایسی بدبختی ہوگی جس کے بعد کسی سعادت کا وجود نہیں، ایسی تاریکی ہے جس کے پیچھے کوئی روشنی نہیں، ایسی وحشت ہے جس کے بعد اطمینان کی کوئی صورت نہیں اور ایسا عذاب ہے جس کے بعد راحت و آرام کا کوئی امکان نہیں " ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور (۲) " پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطانی فریب کاریوں اور برائی کی راہ پر لگانے والے نفس امارہ کی دسیسہ کاریوں سے۔

انبیائے کرام کی بعثت، شریعتوں کی تعیین، احکام کی تاسیس، آسمانی کتابوں کے نزول بالخصوص قرآن مجید کے آنے کا، جس کے حامل اور جس کی روشنی کو پھیلانے والے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سب سے اہم مقصد توحید اور معارف الٰہیہ کی نشر واشاعت اور کفر وشرک کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکنا ہے اور توحید و تجرید کا رمز تمام قلبی وقالبی عبادات میں جاری وساری ہے، بلکہ شیخ عارف کامل شاہ آبادی روحی فداہ فرماتے تھے: " عبادات باطن قلب سے ملک بدن میں توحید کے اجراء کا نام ہے "۔

وبالجملہ، عبادات کا مقصد معارف کا حصول اور قلب میں توحید اور دوسرے معارف کا استحکام ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک سالک عبادات کے قلبی حقوق ادا نہ کردے اور صورت اور قالب سے حقیقت اور مغز تک عبور نہ کرجائے۔ دنیا اور قشر میں رکا نہ رہ جائے، کیونکہ ان چیزوں پر رکا رہنا راہ سلوک کا کانٹا ہے اور جو لوگ صرف صورت عبادت کی

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۱۳۶۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۱۹۹۔

طرف دعوت دیتے ہیں اور لوگوں کو باطنی آداب سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس صورت اور قشر کے علاوہ شریعت کے نہ کوئی اور معنی ہیں نہ حقیقت؛ طریق الہی کے شیاطین اور راہ انسانیت کے کانٹے ہیں اور ان کے شر سے خدا کی پناہ مانگنا چاہیے جو فطرت الہی کے اس نور کو انسان میں بجھا دینا چاہتے ہیں جو معرفت، توحید، ولایت اور تمام دوسرے معارف کا نور ہے اور لوگوں کی آنکھوں پر اندھی تقلید، جہالت، عادات اور رسموں کے پردے ڈال دینا چاہتے ہیں۔ بندگان خدا کو درگاہ خدا میں ٹھہرنے اور اس کے جمال جمیل تک پہنچنے سے روکتے ہیں اور معارف کا راستہ بند کرتے ہیں۔ بندگان خدا کے صاف وسادہ اور بے آلائش دلوں کو، جن کے خمیر میں حق تعالیٰ نے اپنے دست جلال و جمال سے معرفت کی تخم ریزی کی ہے اور انبیاء کرام اور کتب آسمانی ان کی تربیت اور نشو ونما کے لیے بھیجی ہیں، دنیا اور اس کے رنگ وروغن اور مادی وجسمانی سمتوں اور ان کے عوارض کی طرف پھیر دیتے ہیں اور روحانیات اور عقلی سعادتوں سے منحرف کردیتے ہیں اور عوالم غیب اور ان جنتوں کو، جن کا وعدہ اللہ نے کیا ہے، حیوانی ماکولات ومشروبات اور بہیمانہ جنسیات میں منحصر قرار دیتے ہیں۔

ان لوگوں کا گمان ہے کہ اللہ نے یہ تمام بساط رحمت اس لیے بچھایا ہے، اتنی عظمتوں کے ساتھ کتابیں اس لیے نازل کی ہیں، فرشتوں کو اس لیے بھیجا ہے اور انبیائے عظام کو اس لیے مامور ومبعوث فرمایا ہے تاکہ وہ شکم اور شرمگاہ کی آسائش کا انتظام کریں!! ان کے معارف کا آخری مقصود یہ ہے کہ دنیا میں شکم وشرمگاہ کی حفاظت کرو تاکہ آخرت میں ان کی خواہشات پوری ہوں۔ جس قدر اہمیت ان لوگوں کی نظر میں پانچ سو سالہ مجامعت کو حاصل ہے اتنی حیثیت توحید ونبوت کو حاصل نہیں ہے۔ یہ لوگ تمام معارف کو شکم وشرمگاہ کی تعمیر کا مقدمہ سمجھتے ہیں اور اگر کوئی حکیم الہی اور عارف ربانی بندگان خدا کے سامنے رحمت کا کوئی دروازہ کھولنا چاہے اور ایک ورق حکمت الہی کا پڑھنا چاہے تو اس کی بدگوئی دشنام طرازی، تکفیر اور اس کی طرف کوئی بری سے بری نسبت دینے سے باز نہیں آتے۔ یہ دنیا اس قدر غرق ہوگئے ہیں اور شکم وشرمگاہ کی خواہشات کو، کچھ بھی ان کے بارے میں نہ جاننے کے باوجود، اس درجہ اہمیت دیتے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ حیوانی خواہشات کے علاوہ کوئی اور سعادت دار وجود میں باقی نہ رہے۔ حالانکہ اگر سعادت عقلیہ بھی دنیا میں رہے تو شکم وشرمگاہ کو کیا نقصان پہنچ

جائے گا ؟!

ہم جیسے لوگ، جنہوں نے حیوانیت کی حد سے آگے قدم نہیں رکھا، جسمانی بہشت اور ادارۂ شکم و شرمگاہ کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے. حالانکہ فضل خدا سے امید ہے کہ اس تک بھی پہنچیں گے، لیکن یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ سعادت اسی میں منحصر ہے اور بہشت حق تعالیٰ اسی حیوانی بہشت میں محصور ہیں، بلکہ حق تعالیٰ کے پاس بہت عالم ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آسکا، لیکن ارباب محبت الٰہیہ اور اہل معرفت خدا نہ ان جنتوں میں سے کسی ایک جنت کی طرف رخ کرتے ہیں اور نہ عالم غیب وشہود کی طرف کسی قسم کی توجہ. ان کی جنت صرف لقائے الٰہی ہے.

اگر آیات قرآن اور احادیث اہل بیت عصمت وطہارت کو اس سلسلہ میں ذکر کرنا چاہوں تو ان اوراق کی وضع کے خلاف ہوگا (کیونکہ اس رسالہ میں ایجاز واختصار کو پیش نظر رکھنا مقصود ہے) اور جو کچھ بیان کردیا گیا ہے وہ قلم کے بے قابو ہوجانے کی وجہ سے قلمبند کردیا گیا ہے. ہمارا بہترین مقصد بندگان خدا کو ان کی غرض خلقت کی طرف متوجہ کرنا ہے. یعنی معرفت خدا جو تمام سعادتوں سے بالاتر ہے اور دوسری کوئی بھی چیز اسی کا مقدمہ ہے اور بس. ہماری ان لوگوں سے مراد جو راہ سلوک کے کانٹے ہیں، اکابر علمائے اسلام اور مذہب جعفری کے فقہائے کرام نہیں ہیں، بلکہ کچھ ایسے اہل جہل ہیں جنہوں نے تقصیر وعناد کی وجہ سے نہیں، بلکہ قصور وجہل کی وجہ سے علم کا شعار اختیار کرلیا ہے اور بندگان خدا کے لیے راہزن بنے ہوئے ہیں. خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ قلم سرکش، نیت فاسد اور مقصود باطل ہوجائے.

والحمدلله اولاً وآخراً وظاهراً وباطناً

باب سوم

نیّت کا رمز اور اس کے آداب

اس میں پانچ فصلیں ہیں

فصل اول

عبادت میں نیّت کی حقیقت

نیت کسی شے کے تصور اور اس کے فائدہ کی تصدیق اور اس کو بجالانے کے لازم ہونے کے حکم کے بعد اس کے بجالانے اور نفس کو اس کے انجام دینے پر جمع کرنے کا پختہ عزم کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی نفسانی ووجدانی حالت ہے جو مذکورہ امور کے بعد پیدا ہوتی ہے جس کو ہمیّت، تصمیم عزم وارادہ وقصد سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حالت تمام اختیاری افعال میں موجود ہے۔ کوئی فعل اختیاری، ممکن نہیں ہے کہ نیّت کے بغیر وجود میں آسکے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ امر مجاز کے شائبہ کے بغیر تمام عمل میں موجود رہتا ہے اور یہ لازم نہیں ہے کہ عمل کے درمیان یا عمل کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ ذہن میں حاصل ہو یا عمل کرنے والا اس قصد و تصمیم کا تفصیل کے ساتھ تصور کرے، بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اسی تصمیم عزم کے ساتھ عمل کو بجالاتا ہے۔ حالانکہ عمل کی تفصیلی صورت سے کلی طور سے بے خبر وغافل رہتا ہے، لیکن وہ حقیقت موجود رہتی ہے اور اسی کی تحریک پر عمل خارج میں وجود حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ وجدانی طور پر افعال اختیاری میں یہ امر واضح ہے۔

وبالجملہ، یہ تصمیم عزم جسے فقہاء کی زبان میں نیّت کہتے ہیں، بلا اختلاف ہر عمل میں موجود ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ فعل اختیاری کو بغیر اس کے انجام دے تو ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کے باوجود شیطان ملعون کا وسوسہ اور وہم کا فریب عقل کو محکوم بنا لیتا ہے اور ایک امر ضروری کو انسان کی

نگاہوں سے اوجھل کردیتا ہے اور بجائے اس کے کہ انسان اپنی قیمتی زندگی عمل کو خالص بنانے اور نکھارنے میں صرف کرے اور باطنی مفاسد سے پاک کرے اور بجائے اس کے کہ اس کو معارف توحید اور حق شناسی وحق طلبی میں صرف کرے، شیطان اسے وسوسہ میں ڈال دیتا ہے اور وہ آدھی زندگی غیر ضروری اور غیر قابل حصول امور میں صرف کردیتا ہے۔

شیطان کے جال اور پھندے بہت ہیں۔ ایک کو اصل عمل کے ترک پر آمادہ کرتا ہے اور دوسرے کو، جس سے مایوس ہوجاتا ہے کہ عمل کو ترک کرے گا، ریاکاری، خود پسندی اور دوسرے مفاسد میں مبتلا کرتا ہے اور اگر اس میں کامیاب نہیں ہوتا تو "مقدس مآبی" کی راہ سے اس کے عمل کو باطل کردیتا ہے۔ تمام لوگوں کی عبادات کو اس کی نظر میں ذلیل کردیتا ہے اور لوگوں کی طرف بے پروائی کی نسبت دیتا ہے اور پھر اسے آمادہ کرتا ہے کہ مثلاً نیت میں، جو عمل کا ایک لازمہ ہے، یا تکبیر میں یا قرائت میں، جو عادی اور معمولی امور ہیں، اپنی ساری عمر صرف کردے اور اس وقت تک انسان سے راضی نہیں ہوتا جب تک کسی نہ کسی طریقہ سے اس کے عمل کو باطل نہ کردے۔

وسواس کے بہت سے ڈھنگ اور بے شمار طریقے ہیں، جن پر نہ اس وقت بحث کرنے کا موقع ہے اور نہ سب کا استقصاء ممکن ہے، لیکن ان میں سب سے زیادہ مضحکہ خیز اور تعجب انگیز وسوسہ شاید وہ وسوسہ ہے جو نیت میں پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ کسی امر کے لیے قیام کرے مگر نیت کے بغیر تو ساری زندگی کسی ایک امر اختیاری کا بجا لانا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بے چارے نفسیاتی مریض اور ضعیف العقل کو تم دیکھتے ہو کہ ہر نماز میں تا دیر اپنے کو معطل کیے رہتا ہے کہ اس کی نماز نیت اور عزم کے ساتھ وجود میں آئے۔ یہ شخص ایسا ہی ہے جیسے کوئی مدتوں غور کرتا رہے کہ بازار جائے یا کھانا کھانے کے لیے نیت یا عزم ہی کرتا رہے؟ وہ بے چارہ، جس کی نماز کو معراج قرب اور مفتاح سعادت ہونا چاہیے اور آداب قلبی کی بجا آوری اور اس الٰہی لطف وکرم کے اسرار سے واقفیت حاصل کرکے اپنی ذات کی تکمیل اور اپنی زندگی کے اسباب مہیا کرنا چاہیے ان تمام امور کی پروا نہیں کرتا، بلکہ ان سب کو لازم ہی نہیں جانتا۔ اس کے لیے آسان ہے کہ سب کو باطل شمار کرلے اور اپنے سرمایہ عزیز کو اطاعت شیطان اور خدمت وسواس خناس میں

صرف کردے اور خدا کی عطا کی ہوئی عقل کو جو نور ہدایت ہے، ابلیس کے تابع فرمان کردے۔

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: "میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا جو وضوء ونماز میں مبتلا تھا (یعنی وسواسی تھا) اور کہا کہ: "وہ ایک صاحب عقل انسان ہے"! امامؑ نے فرمایا: کیا عقل رکھتا ہے، جبکہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے! میں نے عرض کیا: شیطان کی اطاعت کیسے کرتا ہے؟ فرمایا: اس سے پوچھنا کہ یہ جو اس کی حالت ہے کس وجہ سے ہے؟ وہ کہے گا کہ ایک شیطانی کام ہے (۱)"۔

وبالجملہ، کتنی ہی زحمت اور محنت وریاضت کرنی پڑے، انسان کو چاہیے کہ اس ریشہ کو قطع کردے جو انسان کو ہر سعادت اور خیرات سے روکتا ہے۔ ممکن ہے ایسی صورت میں انسان کی چالیس کی تمام عبادتیں ظاہری صورت کے لحاظ سے بھی صحیح نہ ادا ہوئی ہوں اور باطنی وشرعی آداب تو کیا فقہی اجزاء سے بھی خالی رہی ہوں۔ سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ان وسواسی لوگوں میں سے بعض سب لوگوں کے عمل کو باطل سمجھتے ہیں!! اور سب کو دین سے لاپرواہ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ اگر مقلد ہیں تو ان کے مرجع تقلید کا طریقہ بھی لوگوں کے متعارف طریقہ پر ہوگا اور اگر اہل علم وفضل میں سے ہیں تو احادیث کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام بھی ان امور میں متعارف تھے۔ تمام لوگوں میں صرف یہ وسواسی اور شکی لوگ ہیں جو رسول خدا، ائمہ معصومین علیہم السلام، فقہائے مذہب اور علمائے ملت کے طریقہ کے خلاف عمل کرتے ہیں اور سب کے اعمال کو ناچیز سمجھتے ہیں اور اپنے عمل کو موافق احتیاط اور اپنے آپ کو دین کا خیال رکھنے والا خیال کرتے ہیں۔ مثلاً وضو کے متعلق جن احادیث میں رسول خدا (ص) کے وضو کا ذکر آیا ہے، وہ متواتر ہیں۔ علی الظاہر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ ایک چلّو (پانی) منہ پر ڈالتے تھے، ایک چلّو داہنے ہاتھ پر اور ایک چلّو بائیں ہاتھ پر (۲) اور علماء امامیہ کا اجماع ہے کہ یہ وضو صحیح ہے اور ظاہر قرآن بھی یہی ہے۔ دوسری بار دھونے، بلکہ دوسری بار چلّو میں پانی لینے میں بھی بعض فقہاء نے اشکال کیا

۱۔ اصول کافی، ج ۱ ص ۱۲ "کتاب العقل والجہل" حدیث ۱۰۔

۲۔ منجملہ (دیگر کتب کے) فروع کافی، ج ۳ ص ۲۴ "کتاب الطہارۃ، باب صفۃ الوضوء"۔

ہے، لیکن دو بارہ چلو میں پانی لینا بلکہ دھونا بھی ضرر نہیں رکھتا۔ اگرچہ اس کے مستحب ہونے میں کلام ہے، لیکن تیسری بار دھونا بدعت اور مبطل وضو ہے، بلا اشکال روایت کے اعتبار سے بھی اور فتوے کے اعتبار سے بھی۔ اب ذرا بے چارے وسواسی کا عمل دیکھئے کہ بیس چلو پر بھی اکتفا نہیں کرتا جن میں ہر ایک چلو سے پورا ہاتھ دھل جاتا ہے اور غسلہ تامہ محسوب ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کا وضو باطل ہونے میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا۔ یہ بدبخت ضعیف العقل اس عمل کو، جسے شیطان کی اطاعت اور اس کے وسوسہ کے سبب سے بجالایا ہے، صحیح بھی سمجھتا ہے اور موافق اختیاط بھی اور سب لوگوں کے عمل کو باطل سمجھتا ہے! اب حدیث کی سچائی کی جہت سمجھ میں آئی کہ اسے بے عقل کہا گیا ہے۔ جو شخص عمل رسول (ص) کے خلاف عمل کو صحیح جانتا ہو اور آنحضرت (ص) کے موافق عمل کو باطل سمجھتا ہو وہ یا دین سے خارج ہے یا عقل سے خارج ہے اور چونکہ یہ بےچارہ دین سے خارج نہیں ہے لہٰذا بے عقل ہے اور مطیع شیطان و مخالف رحمان۔

اس مصیبت اور چھوت کی بیماری کا سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں ہے کہ تھوڑا تفکر کرے مذکورہ امور میں اور اپنے عمل کا متدین حضرات اور علماء وفقہاء رضوان اللہ علیہم کے عمل پر قیاس کرکے دیکھے۔ اگر اپنا عمل ان کے عمل کے خلاف نظر آئے تو فوراً شیطان کی ناک رگڑے اور اس کی طرف سے توجہ ہٹا دے اور جتنی مرتبہ شیطان وسوسہ کرے اور کہے کہ تمہارا عمل باطل ہے تو جواب دے کہ اگر فقہائے امت کا عمل باطل ہے تو میرا عمل بھی باطل ہے۔ امید ہے کہ جتنی شیطان کی مخالفت کرے گا اور ساتھ ہی حق تعالیٰ سے عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ اس ملعون کے شر سے پناہ مانگے گا یہ مرض رفع ہوجائے گا اور شیطان کی چشم طمع اس سے ہٹ جائے گی۔ چنانچہ کثرت شک دور کرنے کے لیے کہ وہ بھی ایک شیطانی بہکاوا ہے، روایات شریفہ میں یہی حکم دیا گیا ہے۔

کافی شریف میں اسناد کے ساتھ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے فرمایا:
"جب نماز میں تمہیں زیادہ شک ہونے لگے تو نماز کو جاری رکھو، یعنی اس (شک) کی طرف اعتنا نہ کرو۔ امید ہے کہ (اس طرح) شک تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا۔ یقیناً یہ شیطان کا (وسوسہ) ہے [۱]"۔

۱۔ فروع کافی، ج ۳ ص ۳۵۹ "کتاب الصلاۃ، باب من شک فی صلاتہ ..." حدیث ۸۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر یا حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام فرماتے ہیں:

"شیطان کو عادت نہ ڈالو کہ وہ تمہاری نماز کو توڑنے لگے۔ اسے ایسی لالچ سے پیچھے ڈھکیل دو۔ کیونکہ شیطان نجس ہے اور جس چیز کی عادت ڈال دی جائے اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

زرارہ کہتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: " وہ خبیث چاہتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اور جب اس کی بات نہیں مانی جاتی تو پھر تم میں سے کسی کے پاس پلٹ کر نہیں آتا (۱) "۔

یہ ان تمام امور کے اہم معالجات ہیں جو شیطانی بہکاوے اور شیطانی واہمہ کے فریب ہیں۔ احادیث میں دعائیں پڑھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے (تاکہ شیطانی وسوسے دور ہوں) جو چاہے وہ وسائل اور مستدرک، کتاب خلل کے آخر کا مطالعہ کرے۔

۔ العیاذ باللہ ۔

۱۔ حوالہ سابق، حدیث ۲۔

فصل دوم

نیّت کے اہم آداب

نیت کے اہم آداب میں ایک، جو تمام ہی عبادات کے اہم آداب اور کلی دستورات میں شامل ہے" اخلاص " ہے اس کی حقیقت " عمل کو غیر خدا کے شائبہ سے پاک کرنا اور باطن کا تمام صوری، لبی، ظاہری اور باطنی اعمال میں غیر حق تعالیٰ کو دیکھنے سے تصفیہ کرنا " ہے اور اس کا کمال "مطلق کے طور پر غیر حق کو ترک کرنا اور انیت وانانیت اور غیر وغیریت کو یکسر کچل دینا ہے ".

قال تعالیٰ :" الا لله الدین الخالص (۱) " (خدائے تعالیٰ نے اپنے لیے خالص دین کو پسند کرلیا ہے) اور اگر شیطانیت اور نفسانیت کا ایک بھی حصہ دین میں شامل ہوا تو یہ دین خالص نہیں ہوسکتا اور جو خالص نہیں خدا نے اسے پسند ہی نہیں کیا اور جس جس چیز میں غیریّت اور نفسانیّت کا شائبہ ہو وہ حدود دین سے خارج ہے .

قال تعالیٰ :" وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین (۲) ".

وقال تعالیٰ :" من کان یرید حرث الدنیا نؤته منها وما له فی الاخرة من نصیب (۳) ".

۱۔ " آگاہ رہو کہ خالص دین صرف خدا کا ہے " سورۂ زمر / ۳ .

۲۔ " وہ لوگ صرف اس کیلیے مامور ہوئے ہیں کہ خدا کی عبادت کریں اس حال میں کہ دین کو اسی کیلئے خالص کیے ہوئے ہوں " سورۂ بیّنہ / ۵ .

۳۔ " جو شخص دنیا کی کھیتی کو طلب کرتا ہے ہم دنیا میں سے کچھ اسے دے دیں گے اور آخرت میں اسے کچھ نصیب نہ ہوگا " . سورۂ شوریٰ / ۲۰ .

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔علی ما نقل۔: انما لکل امرء ما نوی، فمن کان هجرته الیٰ الله ورسوله، فهجرته الیٰ الله ورسوله؛ ومن کان هجرته الیٰ دنیا یصیبها او امرائة ینکحها، فهجرته الیٰ ما هاجر الیه (۱)۔

وقال تعالیٰ: ومن یخرج من بیته مهاجراً الیٰ الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله (۲)۔

اور یہ آیہ شریفہ، ممکن ہے کہ اخلاص کے تمام ومراتب کو شامل ہو۔ ایک ہجرت صوری جو بدن کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ ہجرت اگر خالص خدا ورسول (ص) کے لیے نہ ہو، بلکہ لذات نفسانی کے لیے ہو تو ہجرت الیٰ اللہ ورسولہ نہیں ہے۔ اخلاص کا یہ مرتبہ فقہی صوری ہے۔

دوسری ہجرت معنوی اور مسافرت باطنی ہے جس کی ابتدا نفس کا تاریک گھر ہے اور اس کی انتہا، خدائے تعالیٰ اور اس کا رسول (ص) ہے اور رسول (ص) کی بازگشت بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف ہے، کیونکہ رسول ہونے کی حیثیت سے رسول کو استقلال حاصل نہیں ہے، بلکہ وہ ایک آیت، ایک آئینہ اور ایک نمائندہ ہے۔ لہذا اس کی طرف بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف ہجرت ہے۔

حبّ خاصان خدا حبّ خدا است (۳)

ایک ہے عشق خدا اور عشق خاصان خدا

لہذا آیہ شریفہ کے معنیٰ کا خلاصہ، اس احتمال کی بنیاد پر، یہ ہے کہ جو شخص مہاجرت معنوی اور سفر قلبی عرفانی کرکے بیت نفس اور منزل انانیت سے نکلے اور مہاجرت الیٰ اللہ کرے بغیر خود کو اور اپنی نفسانیت اور حیثیت کو دیکھے، اس کی جزا حق تعالیٰ پر ہے اور اگر سالک سلوک الیٰ اللہ میں ایک بھی نفسانی لذت کا خواہشمند ہوگیا، چاہے وہ حصول مقامات ہی کی خواہش کیوں نہ ہو، بلکہ چاہے

۱۔ "جو کچھ نقل ہوا ہے اس کی بناپر رسول اللہ ؐ نے فرمایا: ہر شخص کے لیے وہی چیز ہے جو اس نے نیت کی ہے۔ پس جس کا مقصد خدا ورسول ؐ ہیں اس کی ہجرت خدا ورسول ؐ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا تک پہنچنے یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہوگی اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے"۔ مستدرک الوسائل "ابواب مقدمۃ العبادات" باب ۵ حدیث ۵۔

۲۔ سورۂ نساء / ۱۰۰۔

۳۔ ماخذ معلوم نہ ہوسکا۔

تقرب خدا ہی کو خواہش کیوں نہ ہو، تو یہ سلوک الیٰ اللہ نہیں ہے، بلکہ سالک بیت ہی سے نہیں نکلا اور بیت ہی کے بیچ میں ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی طرف اور ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف چلے جا رہا ہے۔

توسفر چونکہ نفس ہی کے مراتب تک محدود رہا اور نفسانی کمالات تک پہنچنے کے دائرہ میں بند رہا لہذا یہ سفر الیٰ اللہ نہیں ہوسکتا، بلکہ نفس سے نفس کی طرف سفر ہے (جس کا وہی مبدا ہے اور وہی منتہیٰ)۔

لیکن سالک کے لیے سفر الیٰ اللہ میں اس سفر سے دوچار ہونا ناگزیر ہے اور اولیائے کاملین علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور سفر نفسانی کے بغیر سفر ربانی نہیں کرسکتا۔ یہ شان فقط کاملین کا حصہ ہے اور شاید آیہ شریفہ "سلام ھی حتیٰ مطلع الفجر (۱)" میں تصرفات شیطانی ونفسانی سے سلامتی کے اسی رخ کی طرف اشارہ ہو اور مادیت کی تاریک راتوں میں سیر کے تمام مراتب میں سلامتی مراد ہو جو کاملین کے لیے یوم قیامت کی اس فجر کے طالع ہونے تک لیلۃ القدر ہے جو ان کے لیے جمال احدیت کا مشاہدہ ہے، لیکن کاملین کے علاوہ دوسرے لوگ، سیر کے تمام ہی مراتب میں (خطرات سے دوچار ہیں اور) سلامت نہیں ہیں، بلکہ آغاز سلوک میں تو کوئی بھی سالک تصرفات شیطانیہ (کے خطرات) سے باہر نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص کا یہ مرتبہ، جو سیر الیٰ اللہ کے پہلے مرتبہ سے لے کر آخری مرتبہ، یعنی موت حقیقی کے حصول تک، بلکہ حیات ثانوی حقانی کے بعد تک، جو صحو بعد المحو (زوال وفنا کے بعد بیداری وہوشیاری) ہے، اہل سلوک اور عام متعارف اہل معرفت وریاضت کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ اس طرح کے خلوص کی علامت یہ ہے کہ شیطان کے لیے انسان کو گمراہ کرنے کا یہاں کوئی راستہ نہیں ہے اور طمع شیطانی یہاں پر بالکل قطع ہوچکی ہے۔ چنانچہ آیہ شریفہ میں اسی ملعون کے قول کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: "فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین (۲)"۔

۱۔ "یہ رات سلامتی اور برکت ہے صبح ہونے تک" سورۂ قدر / ۵۔

۲۔ "پس تیری عزت کی قسم تیرے مخلص بندوں کے علاوہ تیرے تمام بندوں کو بہکاؤں گا" سورۂ ص / ۸۲ ـ ۸۳۔

یہاں پر اخلاص کی نسبت فعل عبد کے بجائے خود عبد کی طرف دی گئی ہے اور اخلاص کا یہ مقام عمل میں اخلاص کے مقام سے بالاتر ہے اور شاید حدیث نبوی (ص) میں جو یہ ارشاد ہے: "من اخلص لله اربعين صباحاً جرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه [1]" اس سے مراد اخلاص تمام مرتبے ہوں، یعنی اخلاص عمل، اخلاص صفت اور اخلاص ذات اور شاید اخلاص ذاتی میں تمام مرتبے ظہور کرتے ہوں، کیونکہ اخلاص کے دوسرے مراتب، اخلاص ذات کے لوازم میں سے ہیں.

اس حدیث مبارک کی شرح "ينابيع الحكمه" سے مراد اور قلب سے زبان پر ان کا جاری ہونا اور اس جاری ہونے میں خلوص کا حصہ "اربعين صباح" کی خصوصیت کا بیان اس رسالہ کے حدود سے خارج ہے اور اس کے لیے ایک مستقل رسالہ کی ضرورت ہے اور عارف باللہ مرحوم بحر العلوم کی طرف منسوب مشہور رسالہ "تحفه الملوک فی السیر والسلوک" ہے جس میں خاص طور پر اس حدیث شریف کی شرح کی گئی ہے. یہ ایک پر لطف رسالہ ہے، اگرچہ بعض مناقشات سے خالی نہیں ہے جس کی وجہ سے بعض حضرات اس کی نسبت ان بزرگوار کی طرف درست نہیں سمجھتے، بعید بھی نہیں ہے.

۱۔ "جو شخص چالیس صبحیں خدا کے لیے خالص کردے اس شخص کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں". بحار الانوار، ج ۶۷ ص ۲۴۲ "کتاب الایمان والکفر، باب الاخلاص" حدیث ۱۰، نقل از عیون اخبار الرضا، ج ۲ ص ۶۹ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ). اسی طرح یہ مضمون جامع الاخبار میں، ص ۲۶۹ حدیث ۲۵ میں نقل ہوا ہے.

فصل سوم

اخلاص کے بعض مراتب

اجمالی طور پر جو اس رسالہ کی وضع کے مناسب ہے

اخلاص کے مراتب میں سے ایک مرتبہ تصفیہ عمل ہے. عمل قلبی ہو یا قالبی. مخلوق کو خوش کرنے اور ان کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے شائبہ سے، چاہے اس سے غرض تعریف وصول کرنا ہو یا منفعت یا کوئی اور مقصد ہو. اس کے مقابل عمل کو ریاکاری اور دکھاوے کے لیے بجالانا ہے. یہ ریا فقہی ہے (یعنی جسے علم فقہ میں ریا کہتے ہیں وہ مراد ہے) اور ریا کے مراتب میں سب سے پست ہے اور جس میں یہ ریا پائی جائے وہ تمام ریاکاروں سے زیادہ بے قیمت اور نچلی سطح کا آدمی ہے.

دوسرا مرتبہ، تصفیہ عمل ہے دنیاوی مقاصد اور زائل وفانی اغراض کے حصول سے، چاہے ان مقاصد واغراض کے حصول کی آرزو اس طرح ہو کہ خدا اس عمل کے واسطہ سے ان مقاصد واغراض کو پورا کرے. مثلاً نماز شب پڑھے توسعہ رزق کے لیے، مہینہ کی پہلی تاریخ کی نماز بجالائے اس مہینہ میں آفات سے سلامتی کے لیے یا صدقہ دے سلامتی کے لیے اور دوسرے دنیاوی مقاصد کے لیے. اخلاص کا یہ مرتبہ بعض فقہاء کے نزدیک عبادات کے صحیح ہونے کی شرط ہے جبکہ عمل کی ادائیگی اسی مقصد کو پانے کے لیے ہو، لیکن فقہی قواعد کے اعتبار سے یہ خلاف تحقیق ہے. اگرچہ اہل معرفت کی نظر میں اس نماز کی کسی اعتبار سے بھی کوئی قیمت نہیں ہے اور ہے تو اتنی ہی جتنی کسب منفعت کے دوسرے

شرعی طریقوں کی، بلکہ شاید یہ ان سب سے کم قیمت ہے۔

تیسرا مرتبہ، تصفیہ عمل ہے جسمانی جنتوں، حور وقصور اور اس طرح کی جسمانی لذات سے۔ اس کے مقابل "مزدوروں کی عبادت" ہے، جیسا کہ روایات شریفہ میں وارد ہوا ہے۔ یہ بھی اہل اللہ کی نظر میں کسب منفعت کے طریقوں میں سے ایک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس عمل کی اجرت دوسرے اعمال کسب کی اجرتوں سے زیادہ اور بالاتر ہے (کیونکہ اس اجر کا دینے والا خدا ہے) بشرطیکہ حکم خدا کی پابندی کرے اور صوری مفاسد سے عمل کو خالص رکھے۔

چوتھا مرتبہ، تصفیہ عمل ہے ان جسمانی سزاؤں اور عذابوں کے خوف سے، جن کی وارننگ اللہ کی طرف سے دی گئی ہے۔ اس کے مقابل "غلاموں کی عبادت" ہے۔ جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے [۱] اس عبادت کی بھی اصحاب قلوب کی نظر میں کوئی قیمت نہیں اور اللہ کی عبودیت کے دائرہ سے باہر ہے۔ اہل معرفت کی نظر میں کوئی فرق نہیں ہے کہ انسان کوئی عمل دنیا میں حد شرعی اور سزائے شرعی سے بچنے کے لیے کرے یا آخرت کے عذاب وعقاب کے خوف سے ادا کرے۔ زنان دنیا کے شوق میں بجالائے یا حوران بہشتی کی طمع میں انجام دے، کیونکہ اس قسم کا کوئی عمل بھی اللہ کے لئے نہیں ہے اور اس خوف اور شوق سے وہ سبب تو پیدا ہوسکتا ہے جو قواعد فقہیہ کے لحاظ سے عمل کی صورت کو باطل ہونے سے بچالے جائے، لیکن اہل معرفت کے بازار میں یہ عمل کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

پانچواں مرتبہ، تصفیہ عمل ہے عقلی سعادتوں اور دائمی وازلی وابدی روحانی لذتوں تک پہنچنے کروبیین کے زمرہ میں شامل ہونے اور عقول پاکیزہ اور ملائکہ مقربین کا درجہ حاصل کرنے سے۔ اس کے مقابل ان مقاصد کے لئے عمل کرنا ہے۔ یہ درجہ اگرچہ ایک بڑا درجہ اور ایک اہم اعلیٰ مقصد ہے اور حکماء ومحققین سعادت کے اس مرتبہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اس کی قدر وقیمت کو مانتے ہیں، لیکن اہل اللہ کے مسلک میں یہ مرتبہ بھی سلوک کا ایک نقص ہے اور اس کا سالک بھی کاروبار کرنے والوں

۱۔ منجملہ اور کتابوں کے وسائل الشیعہ، ج ۱ ص ۴۵ "ابواب مقدمہ العبادات" روایات باب ۹، نیز اصول کافی، ج ۳ ص ۱۳۱ "کتاب الایمان والکفر، باب العبادۃ" روایت ۵۔

اور مزدوروں میں شمار ہوتا ہے. اگرچہ تجارت گاہ اور بازار میں دوسرے تمام لوگوں سے بہت سے فرق ضرور رکھتا ہے۔

اس مرتبہ کے مقابل جو ، چھٹا مرتبہ ، ہے وہ تصفیہ عمل ہے ان لذات تک نہ پہنچنے اور ان سعادتوں سے محروم رہ جانے کے خوف سے اور اس کے مقابل خوف کے سبب سے اس مرتبہ کے لیے عمل کرنا ہے اور یہ بھی اگرچہ ایک بلند مرتبہ ہے اور راقم الحروف جیسے لوگوں کی آرزو کی حد سے باہر ہے، لیکن اہل اللہ کی نظر میں یہ بھی "غلاموں جیسی عبادت" ہے اور بیمار عبادت ہے۔

ساتواں مرتبہ، تصفیہ عمل ہے جمال الٰہی کی لذتوں تک پہنچنے سے اور ذکر ودعا کے انوار کی لا محدود مسرتوں کو پانے سے ، جس کی تعبیر جنّت لقاء سے کی گئی ہے اور یہ مرتبہ، یعنی جنّت لقاء، اہل معرفت اور اصحابِ قلوب کے اہم مقاصد میں ہے اور نوع بشر کا دست امید ان تک پہنچنے سے قاصر ہے. اور اہل معرفت میں سے شاذ ونادر افراد ہی اس سعادت سے مشرف ہوئے ہیں. اہل حبّ اور اہل جذبہ، کامل اہل اللہ اور اصفیاء اللہ میں سے ہیں، لیکن یہ کمال، کامل اہل اللہ کا مرتبہ نہیں ہے، بلکہ اس میں سرشار حضرات کے معمولی مقامات میں سے ہے اور یہ جو دعاؤں میں جیسے مناجات شعبانیہؑ میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اور ان کی اولاد طاہرینؑ نے اس مرتبہ کی خواہش کی ہے یا اس مرتبہ پر فائز ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے مقامات ومراتب اسی مرتبہ میں محدود و منحصر ہیں۔

چنانچہ، آٹھواں مرتبہ، جو اس مرتبہ کے بالمقابل ہے اور اس کا مطلب ہے تصفیہ عمل خوف فراق سے. یہ بھی کاملین کے مقامات میں کمال مقام نہیں ہے اور یہ جو امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "کیف اصبر علیٰ فراقک (۱)" یہ سرشار حق اور امیر المؤمنینؑ جیسے حضرات کے معمولی مقامات میں سے ہے۔

۱۔ مصباح المتہجد، ص ۷۷۸ "دعائے کمیل"۔

وبالجملہ، تصفیہ دونوں مراتب (جنت لقاء کی طلب اور خوف فراق) سے بھی اہل اللہ کے نزدیک لازم ہے اور ان کے ہوتے ہوئے عمل بیمار ہے۔ نفسانی خواہشات سے خالی نہیں ہے اور یہ تصفیہ کمال خلوص ہے۔ اس کے بعد دوسرے مراتب ہیں کہ خلوص کی حدوں سے باہر ہیں اور توحید و تجرید وولایت کی میزان کے تحت آتے ہیں۔ جن کا بیان اس رسالہ سے مناسبت نہیں رکھتا۔

(والحمدللہ)

فصل چہارم

منکر مقامات

اب جبکہ آپ اخلاص کے مراتب اور عبادات کے مقامات کو ایک حد تک جان چکے تو اب خود کو انہیں حاصل کرنے کے لیے تیار کیجیے، کیونکہ عمل نہ ہو تو علم کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور عالم پر تو حجت بھی زیادہ تمام کی گئی ہے اور اس کا محاسبہ بھی زیادہ ہو گا. افسوس کا مقام ہے کہ ہم معارف الٰہیہ اور اہل اللہ کے مقامات معنویہ اور اصحاب قلوب کے مدارج عالیہ سے کلی طور پر محروم ہیں. ہم میں سے ایک گروہ تو مقامات کا یکسر منکر ہے اور اہل مقامات کو خاطی، باطل اور عاطل سمجھتے ہیں اور جو شخص ان کا ذکر کرتا ہے یا ان کے مقامات کی طرف دعوت دیتا ہے اس کو بے بنیاد باتیں بنانے والا اور اس کی دعوت کو شرع کے خلاف قرار دیتے ہیں. لوگوں کے اس گروہ کو امید نہیں ہے کہ اپنے نقص وعیب کی طرف متنبہ کیا جا سکے اور گہری نیند سے بیدا کیا جا سکے "انک لا تھدی من احببت [1]" "و ما انت بمسمع من فی القبور [2]".

ہاں! وہ لوگ جو راقم الحروف کی طرف بے چارے ہر جگہ سے بے خبر ہیں، ان کا دل حیات معرفت اور محبت الٰہیہ سے زندہ نہیں ہے. مردے ہیں جن کے بدن کا غلاف ہی ان کی قبر بنا ہوا ہے

۱۔ "بے شک تم جس کو دوست رکھتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے" سورۂ قصص / ۵۶.

۲۔ "... اور تم ان لوگوں (کی باتوں) کو جو قبروں میں ہیں نہیں سن سکتے" سورۂ فاطر / ۲۲.

اور جسم کے اس غبار اور تاریک بدن کی اس تنگنائے نے ان کو تمام عالم نور اور جہان "نور علی نور" سے محجوب کرر کھا ہے "ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور (۱)" اس گروہ کے سامنے کتنا ہی حدیث وقرآن اور محبت و عشق الٰہی اور حبّ لقاء وانقطاع بہ حق کی باتیں کیجیے، ہر بات کی توجیہ وتاویل کرنا شروع کردیتے ہیں اور اپنی رائے کے مطابق تفسیر کرنے لگتے ہیں. لقائے الٰہی اور حبّ الٰہی سے متعلق تمام آیات کی توجیہ جنّت کے درختوں اور حسین عورتوں سے کرتے ہیں!!

ہمیں نہیں معلوم کہ یہ لوگ مناجات شعبانیہؑ کے ان فقروں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں! امام درگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں:

" الٰهی هب لی کمال الانقطاع الیک، وانر ابصار قلوبنا بضیاء نظرها الیک حتی تخرق ابصار القلوب حجب النور فتصل الیٰ معدن العظمة وتصیر ارواحنا معلقة بعز قدسک، الٰهی واجعلنی ممن نادیته فاجابک، ولاحظته فصعق لجلالک (۲) ".

آخر یہ "حجب نور" کیا ہیں؟ کیا "نظر بہ حق" سے مراد جنّت کی گلابیاں ہیں؟ کیا "معدن عظمت" بہشت کے محلات ہیں؟ کیا "تعلق ارواح بہ عز قدس" کا مقصد قضائے شہوت کے لیے دامن حور العین سے وابستگی ہے؟ کیا یہ "جلال الٰہی میں محویّت اور بے ہوشی" بہشتی عورتوں کے حسن وجمال میں کھوجانا ہے؟ کیا وہ جذبے اور عشوے جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے "صلوۃ معراج" میں پیش آئے اور وہ انوار عظمت بلکہ عظمت سے بھی بالاتر، جن کا آنحضرت (ص) نے مشاہدہ کیا اس محفل میں جس میں جانے سے سب سے بڑا فرشتہ جبرئیل امین علیہ السلام بھی محرم اسرار نہ تھا اور ایک انگشت کے برابر بھی آگے بڑھنے کی جرات نہ کرسکا، کیا یہ جذب وکشش کسی انتہائی حسین وخوش جمال عورت کے لیے تھی؟ یا مثلاً آفتاب وماہتاب کے نور سے بڑھے ہوئے کسی نور کو دیکھ رہے تھے؟ کیا وہ قلب سلیم جس کے بارے میں معصوم علیہ السلام نے آیۂ مبارکہ "الا من اتیٰ اللہ بقلب سلیم (۳)" کے ذیل میں فرمایا: "قلب سلیم یہ ہے کہ اللہ سے اس

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۱۹۹۔ ۲۔ حاشیہ ۱ ص ۱۹۔

۳۔ "... سوائے اس کے جو قلب سلیم کے ساتھ پیش خدا آئے" سورۂ شعراء / ۸۹۔

طرح ملاقات کرے کہ اس میں حق کے سوا کچھ نہ ہو (۱) "کیا اس سے مراد کہ "حق کے سوا کچھ نہ ہو" یہ ہے کہ کرامت حق کے سوا کچھ نہ ہو؟ جس کا مطلب یہ نکلے کہ دل میں گلابیوں اور زرد آلوؤں کے علاوہ کچھ نہ ہو ؟!!

میرے سر پر خاک کہ عناں قلم میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں شطحیات میں مشغول ہوگیا، لیکن "لعمر الحبیب" کہ اس کلام سے سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ برادران ایمانی، خصوصاً اہل علم کے لیے ایک انتباہ ہو کہ کم سے کم مقامات اہل اللہ کا تو انکار نہ کریں، کیونکہ یہ انکار تمام شقاوتوں اور بد بختیوں کا سرچشمہ ہے. ہمارا مقصد یہ نہیں کہ اہل اللہ کون لوگ ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مقامات کا انکار نہ کیا جائے. رہی یہ بات کہ ان مقامات کا حامل کون ہے؟ خدا بہتر جانتا ہے. یہ وہ امر ہے جس کی اطلاع کسی کو نہیں.

آن را کہ خبر شد خبری باز نیامد (۱)

ایک اور گروہ ہے جس کو اہل معرفت کے مقامات سے تو انکار نہیں ہے اور اہل اللہ سے کوئی عناد بھی نہیں رکھتا. دنیا میں اشتغال، اس کی تحصیل، دنیا کی فانی لذتوں میں ہمیشہ پڑے رہنے نے ان کو کسی علم، کسی عمل، کسی ذوق، اور کسی بھی حال کی تحصیل سے روک رکھا ہے. یہ ان بیماروں کی طرح ہیں جنہیں اپنی بیماری کی تصدیق تو ہو چکی ہے، لیکن پیٹ ان کو نہیں چھوڑتا کہ پرہیز کریں اور کڑوی دوا کا استعمال کریں. اسی طرح پہلا گروہ ان بیماروں کی طرح ہے جو دار وجود میں نہ ایسے کسی مرض کا وجود مانتے ہیں نہ مریض کا. حالانکہ خود مرض میں مبتلا ہیں. پھر بھی سرے سے مرض کے وجود ہی کے منکر ہیں.

ایک گروہ اور بھی ہے جس نے کسب علم تو کیا ہے اور تحصیل معارف میں علم کی حد تک

۱۔ اصول کافی، ج ۳ ص ۲۶ "کتاب الایمان والکفر، باب الاخلاص" حدیث ۵ .

۲۔ "این مدعیان در طلبش بے خبرانند   آن را کہ خبر شد خبری باز نیامد"   سعدیؒ .

ہے دعوی خبر دوست سخت بے خبری   جسے خبر ہوئی اس کی خبر نہیں آئی .

اشتغال بھی باقی رکھا ہے، لیکن معارف کی حقیقتوں اور اہل اللہ کے مقامات کے لیے فقط اصطلاحات والفاظ اور زرق برق عبارات پر اکتفا کیے بیٹھے ہیں۔ خود بھی اصطلاحات والفاظ کی زنجیروں میں مقید ہیں اور کچھ لوگوں کو بھی جکڑ رکھا ہے۔ یہ لوگ تمام مقامات سے صرف نظر کرکے صرف باتوں پر قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوجاتا ہے جو خود تو خود کو خوب پہچانتا ہے، مگر شوق ریاست پورا کرنے کے لیے ایک بے چارے ناواقف گروہ پر ان بے مغز اصطلاحات کو تھوپ کر اپنے لیے حصول معاش کا ذریعہ بنالیتے ہیں اور خود آیند الفاظ اور جاذب توجہ باتوں سے بندگان خدا کے سادہ وصاف دلوں کو شکار کیا کرتے ہیں۔ یہ انسانی شیاطین ہیں جو ابلیس ملعون سے کم خطرناک اور نقصان رساں نہیں۔ یہ بے چارے نہیں جانتے کہ بندگان خدا کے دل منزلگاہ حق ہیں اور ان پر کسی کو تصرف کرنے کا حق نہیں۔ یہ منزلگاہ حق کے غاصب اور کعبہ حقیقی کے غارت گر ہیں۔ بت تراشتے ہیں اور بندگان خدا کے دل میں جو کعبہ، بلکہ بیت المعمور ہے، سجادیتے ہیں۔ یہ ایسے مریض ہیں جو طبیب بنے ہوئے ہیں اور بندوں کو طرح طرح کی مہلک بیماریوں میں پھنسادیتے ہیں۔

اس گروہ کی پہچان یہ ہے کہ مالداروں اور بڑے بڑے لوگوں کے ارشاد وہدایت سے زیادہ سروکار رکھتے ہیں۔ محتاجوں اور درویشوں کی ہدایت سے انھیں کوئی مطلب نہیں۔ ان کے زیادہ تر مرید صاحبان جاہ ومال ہیں اور وہ خود بھی مالداروں اور صاحبان جاہ ومال کی طرح رہتے ہیں۔ ان کی باتیں بڑی دلفریب ہوتی ہیں کہ خود کو، ہزار طرح کی دنیاوی آلودگیوں کے باوجود مریدوں کی نظر میں پاک وپاکیزہ بنائے رہتے ہیں اور اپنے کو اہل اللہ سے جوڑے رہتے ہیں۔ وہ بے چارے بے وقوف بھی ان کے عیوب کو محسوس کرتے ہیں اور آنکھیں بند کیے رہتے ہیں اور بے روح اصطلاحات والفاظ سے خوش ہوجاتے ہیں۔

جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو مناسب ہوگا کہ ایک دو حدیثیں جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، ذکر کی جائیں۔ اگرچہ سلسلہ گفتگو سے باہر کی بات ہے، لیکن کلام اہل بیتؑ سے برکت حاصل کرنا اچھا ہے۔

عن کتاب الخصال للشیخ الصدوق رحمه الله، باسناده الیٰ ابی عبدالله علیه السلام، قال: ان من العلماء من یحبّ ان یجمع علمه ولا یحبّ ان یؤخذ عنه، فذاک فی الدرک الاول من النار.

ومن العلماء من اذا وعظ انف واذا وعظ عنف، فذاک فی الدرک الثانی من النار.

ومن العلماء من یریٰ ان یضع العلم عند ذوی الثروة والشرف، ولا یریٰ له فی المساکین وضعاً، فذاک فی الدرک الثالث من النار.

ومن العلماء من یذهب فی علمه مذهب الجبابرة والسلاطین، فان ردّ علیه وقصر فی شی من امره غضب، فذاک فی الدرک الرابع من النار.

ومن العلماء من یطلب احادیث الیهود والنصاریٰ لیغرز به علمه ویکثر به حدیثه، فذاک فی الدرک الخامس من النار.

ومن العلماء من یضع نفسه للفتیا ویقول: سلونی! ولعله لا یصیب حرفاً واحداً، والله لا یحبّ المتکلفین، فذاک فی الدرک السادس من النار.

ومن العلماء من یتخذ العلم مروةً وعقلاً، فذاک فی الدرک السابع من النار (۱).

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"بعض علماء دوست رکھتے ہیں کہ علم کو جمع کرلیں مگر دوسروں کو سکھانا پسند نہیں کرتے، یہ جہنم کے پہلے نچلے طبقہ میں جائیں گے۔ بعض علماء وہ ہیں کہ جب نصیحت کرتے ہیں تو فخر ومباہات کرتے ہیں اور جب دوسرے انہیں نصیحت کرتے ہیں تو غضبناک ہوجاتے ہیں، یہ جہنم کے دوسرے طبقہ میں ہوں گے۔ بعض علماء وہ ہیں جو علم کو بڑے لوگوں اور مالداروں تک محدود رکھتے ہیں اور غریبوں میں علم کے لیے کوئی جگہ نہیں سمجھتے، یہ جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوں گے۔ بعض اہل علم وہ ہیں جنہوں نے سرکشوں اور بادشاہوں کا طریقہ اختیار کررکھا ہے، اگر انہیں پلٹ کر جواب دے دیا جائے یا ان کی خدمت میں کوئی قصور وتقصیر ہوجائے تو غصہ میں آجاتے ہیں، یہ جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوں گے۔ کچھ ایسے ہیں جنہوں نے یہود ونصاریٰ کی باتوں کو حاصل کرتے ہیں تاکہ اپنے علم کے ساتھ ان کے علم کو جمع کرتے ہیں تاکہ اس کے علم زیادہ ہوجائے، یہ لوگ جہنم کے پانچویں طبقہ میں ہوں گے۔ کچھ ایسے علما ہیں جو مسند فتویٰ پر تکیہ لگاکر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں (جو چاہو) مجھ سے پوچھو اور اکثر ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے اور خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو ایسے کام میں خود کو لگاتے ہیں جس کے اہل نہیں ہیں، یہ لوگ جہنم کے چھٹے طبقے میں ہوں گے۔ ایک اور گروہ علماء کا ہے جنہوں نے علم کو تکبر ونخوت اور فضل فروشی بنالیا ہے، یہ جہنم کے ساتویں طبقہ میں ہوں گے"۔ الخصال، ج ۲ ص ۳۵۲ باب ۷ حدیث ۳۳۔

وعن الکلینی رحمه الله، فی جامعه الکافی، باسناده الی الباقر علیه السلام: من طلب العلم لیباهی به العلماء او یماری به السفهاء او یصرف (به. خ ل) وجوه الناس الیه، فلیتبوء مقعده من النار، ان الرئاسة لا تصلح الا لاهلها (۱).

وعن الصادق علیه السلام: اذا رایتم العالم محبًّا للدنیا فاتهموه علی دینکم، فان کل من یحب بشیٔ یحوط ما احب.

وقال علیه السلام: اوحی الله تعالیٰ الیٰ داود علیه السلام: لا تجعل بینی وبینک عالماً مفتوناً بالدنیا، فیصدک عن طریق محبتی، فان اولئک قطاع طریق عبادی المریدین. ان ادنیٰ ما انا صانع بهم ان انزع حلاوة مناجاتی من قلوبهم (۲).

اس گروہ میں جو لوگ عیاز ومکار اور کلاہ بردار نہیں ہیں اور خود سالک طریق آخرت ہیں اور معارف ومقامات کی تحصیل کا عزم کیے ہیں، کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ رہزن شیطان سے فریب کھاکر مغرور ہوجاتے ہیں اور معارف ومقامات حقیقت میں انہیں اصطلاحات علمیہ کو سمجھتے ہیں جو انہوں نے خود تراشی ہیں یا دوسروں کی تراشی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ بھی تا آخر عمر سارا نقد جوانی اور متاع زندگانی اصطلاحات کی تعداد بڑھانے اور کتابوں اور رسالوں کو حفظ وضبط کرنے میں صرف کردیتے ہیں۔ مثلاً علمائے تفسیر قرآن کا ایک گروہ قرآن سے استفادہ بس اس بات میں مضمر سمجھتا

۱۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "جو شخص علم حاصل کرے تاکہ اس کے ذریعہ اہل علم پر فخر ومباہات کرے یا جاہلوں اور نادانوں سے بحث کرے یا لوگوں کو اپنی طرف کھینچے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ریاست اہل ریاست کے علاوہ کسی کو زیب نہیں دیتی"۔ اصول کافی، ج ۱ ص ۵۹ "کتاب فضل العلم، باب المستاکل بعلمہ..." حدیث ۲۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: "جب کسی عالم کو دنیا کا دوستدار پاؤ تو اپنے دین کے بارے میں اسے متہم قرار دو (امور دین میں اس پر اعتماد نہ کرو) کیونکہ ہر چیز کا دوستدار اسی کے چکر میں رہتا ہے"۔

اور امامؑ نے فرمایا: "خداوند عالم نے حضرت داود علیہ السلام پر وحی کی: میرے اور اپنے درمیان کسی ایسے عالم کو واسطہ نہ قرار دینا جو دنیا پر فریفتہ ہو، کیونکہ وہ تم کو میری محبت سے دور کردے گا۔ یہ لوگ حق طلب بندوں کی راہ کے ڈاکو ہیں۔ یقیناً کم سے کم ان کے ساتھ جو عمل میں کروں گا وہ یہ ہے کہ ان کے دل سے اپنی مناجات کی شیرینی نکال لوں گا"۔ حوالہ سابق، حدیث ۴۔

ہے کہ اختلاف قراءات، معانی لغات، تعاریف کلمات، لفظی و معنوی محسنات، وجوہ اعجاز قرآن، معانی عرفیہ اور اس سلسلہ میں لوگوں کی تفہیم قرآن کا اختلاف معلوم کرلیں اور قرآنی دعوات، روحانی جہات اور معارف الہیہ سے یکسر غافل ہیں۔ یہ لوگ بھی مریض ہی جیسے ہیں جنہوں نے طبیب کی طرف رجوع کیا ہے اور اس سے نسخہ بھی حاصل کیا ہے، لیکن اپنا علاج نسخہ کو یاد کرنے اور اسے محفوظ رکھنے اور اس میں لکھی ہوئی دواؤں کی ترکیب استعمال کی کیفیت میں مضمر سمجھتے ہیں۔ ان کو بیماری مار ڈالے گی، کیونکہ نسخہ کا علم اور طبیب کی طرف رجوع ان کے لیے بالکل بے کار ثابت ہوگا، (جب تک لکھی ہوئی دوائیں حاصل کرکے لکھی ہوئی ترکیب استعمال کے مطابق استعمال نہ کرے)۔

اے عزیز! تمام علوم عملی ہیں، یہاں تک علم توحید کے بھی اعمال ہیں: قلبیہ بھی اور قالبیہ بھی! توحید باب تفعیل سے ہے اور اس لیے اس کے معنیٰ کثرت کو وحدت کی طرف پلٹانا ہیں اور یہ ایک روحانی اور قلبی علمی ہے۔ جب تک کہ فعلاً موجود کثرتوں میں واقعی اور حقیقی سبب کو نہ پہچانو گے اور چشم حق بین پیدا نہ کرلو گے اور خدا کو طبیعت میں نہ دیکھو گے اور طبیعی و غیر طبیعی کثرتوں کی تمام جہتوں کو حق اور افعال حق میں فانی نہ کردو گے اور جب تک تمہارے دل میں فاعلیت حق کی وحدت کی حاکمیت کا پرچم نہ لہرائے گا، خلوص، اخلاص، صفا اور تصفیہ سے یکسر دور اور توحید سے مہجور رہو گے۔

تمام افعالی ریاکاروں اور اکثر قلبی ریاکاریاں توحید افعالی میں نقص کی وجہ سے ہیں۔ وہ شخص جو ایک بے چارے کمزور اور نکمے آدمی کو دار وجود میں موثر جانتا ہے اور مملکت حق میں متصرف سمجھتا ہے وہ خود کو ان کے جذب قلوب سے کیسے بے نیاز سمجھ سکتا ہے اور کس طرح اپنے عمل کو شرک شیطان سے پاک وصاف اور خالص کرسکتا ہے؟ تمہیں چاہیے کہ سرچشمہ کو صاف رکھو تاکہ اس سے صاف پانی نکلے ورنہ کیچڑ سے بھرے ہوئے چشمہ سے صاف پانی کی امید نہیں رکھنا چاہیے۔ تم اگر بندوں کے دلوں کو حق تعالیٰ کے تصرف میں سمجھتے ہو اور "یا مقلب القلوب" کے معانی کا ذائقہ اپنے دل کو چکھا چکے ہو اور دل کے کانوں کو پہنچا چکے ہو تو اس کمزوری و ناتوانی کے ہوتے ہوئے دلوں کو شکار کرنے کے چکر میں نہ پڑو اور اگر "بیدہ ملکوت کل شی ولہ الملک وبیدہ الملک" کی حقیقت دل کو سمجھا لے جاؤ تو لوگوں کے دلوں کو کھینچنے کی فکر سے بے نیاز ہوجاؤ گے۔ اس کمزور مخلوق کے کمزور

دلوں کا اپنے محتاج نہ سمجھ گے اور قلبی استغناء حاصل ہوجائے گا. تم نے خود ہی احتیاج کا احساس کیا ہے اور لوگوں کو اپنا کارساز سمجھ لیا ہے. اس لیے دلوں کو اپنی طرف موڑنے کے محتاج ہوگئے اور اپنی پاکیزگی کو بیچ کر خود کو لوگوں کو دلوں پر متصرف گمان کرلیا تو ریاکاری کے محتاج ہوگئے. اگر حق کو کارساز سمجھا ہوتا اور خود کو بھی عالم کون میں متصرف نہ سمجھا ہوتا تو اس طرح کے شرک کی احتیاج پیدا نہ ہوتی.

اے توحید کا دعویٰ کرنے والے مشرک! اے فرزند آدمؑ کی شکل بنائے ہوئے ابلیس!! تو نے شیطان سے یہ میراث پائی ہے جو خود کو متصرف سمجھتا ہے اور "لاغوینھم" کا نعرہ لگاتا ہے. وہ بد بخت شقی شرک وخود بینی کے حجابوں میں پڑا ہوا ہے اور وہ لوگ جو خود کو اور عالم کو مستقل جانتے ہیں، کسی کے زیر سایہ، کسی کے زیر تصرف نہیں سمجھتے، نہ کسی کی ملکیت جانتے ہیں وہ ابلیس کی شیطنت کی میراث پائے ہوئے ہیں. خواب گراں سے چونکو اور صحیفہ نورانی ربانی اور کتاب الہی کی آیات اپنے دل تک پہنچاؤ. یہ عظیم آیات ہمیں اور تمہیں بیدار کرنے کے لیے نازل کی گئی ہیں اور ہم نے اپنی تمام لذات کو تجوید وقرائت ظاہری میں منحصر کررکھا ہے اور اس کے علوم ومعارف سے غفلت برت رہی ہیں، یہاں تک کہ ہم پر شیطان کی حکومت مسلط ہوگئی. شیطان ہم پر حکمرانی کرنے لگا اور ہم شیطان کے زیر نگیں ہوگئے.

عجلت کے خیال سے اس مطلب کو یہیں پر ختم کرتا ہوں اور اس گفتگو کو کسی دوسرے موقع کے لیے چھوڑتا ہوں. انشاء اللہ آداب قرائت میں اس سلسلہ میں کچھ بیان کیا جائے گا اور قرآن مجید سے استفادہ کا راستہ اپنے لیے اور بندگان خدا کے لیے کھولا جائے گا.

باذن اللہ وحسن توفیقہ

والسلام

فصل پنجم

اخلاص کے کچھ اور درجات کا بیان

سلسلہ سخن یہاں تک پہنچا تو اخلاص کے کچھ اور درجات کا بیان ناگزیر ہوگیا جو اس مقام کے مناسب ہے۔

اخلاص کے درجات میں سے ایک درجہ تصفیہ عمل ہے استحقاق اجر وثواب پر نظر کرنے سے۔ اس کے مقابل اجر کی خواہش اور ثواب وحق المحنت کے استحقاق کی امید کا شائبہ ہے اور یہ شائبہ عمل میں خود پسندی کے ایک مرتبہ کے وجود سے خالی نہیں، جس سے سالک کو خالص ہونا چاہئے۔ استحقاق کی یہ امید اپنے حال اور اللہ کی معرفت میں کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی ایک شیطانی شجرۂ خبیثہ ہے جس کی بنیاد اپنی اور اپنے عمل کی فکر اور انیت وانانیت پر ہے۔ انسان بے چارہ جب تک اپنے اعمال کی فکر کے حجاب میں رہے گا اور ان کو اپنے اعمال سمجھتا رہے گا اس مرض سے نجات نہیں پاسکتا اور اس تصفیہ واخلاص تک نہیں پہنچ سکے گا۔ لہذا سالک کو چاہئے کہ کوشش اور قلبی ریاضتوں کے ذریعہ اور سلوک عقلی وعرفانی کے سہارے قلب کو سمجھائے کہ تمام اعمال اللہ کے عطایا اور اس کی نعمتیں ہیں، جو اللہ نے بندہ کے اختیار میں دے دی ہیں۔ جب توحید فعلی سالک کے دل میں جگہ بنالے گی تو عمل کو اپنا نہیں سمجھے گا (بلکہ اللہ کی عطا کردہ نعمت سمجھے گا) اور ثواب کا خواہشمند نہیں ہوگا بلکہ ثواب کو فضل وکرم اور نعمتوں کو ابتدائی سمجھے گا۔

ائمہ اطہار علیہم السلام کے کلام میں، خصوصاً صحیفہ سجادیہ میں، وہ نورانی و ربانی صحیفہ جو عارف باللہ کے آسمان عرفان اور حضرت سید الساجدین کی عقل نورانی سے نازل ہوا ہے تاکہ بندگان خدا کو مادیت کے قید خانہ سے نجات دلائے. عبودیت اور محضر ربوبیت میں قیام کا ادب سکھائے. اس لطف الٰہی کا بہت ذکر آیا ہے. چنانچہ بتیسویں دعا میں درگاہ حق میں عرض کرتے ہیں: فلک الحمد علیٰ ابتدائک بالنعم الجسام و الھامک الشکر علیٰ الاحسان (۱) ".

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: "نعمک ابتداء و احسانک التفضل (۲) ".

مصباح الشریعہ میں ارشاد ہے: " وادنیٰ حد الاخلاص بذل العبد طاقته، ثم لا یجعل لعمله عند اللّٰہ قدراً فیوجب به علیٰ ربّه مکافاةً لعمله (۳) ".

اخلاص کا ایک اور درجہ تصفیہ عمل ہے اپنے عمل کو زیادہ سمجھنے، اس پر خوش ہونے اور اس پر اعتماد اور دلچسپی سے. یہ بھی سلوک کے اہم امور میں سے ایک ہے جو اس کو قافلہ سالکان سے بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور مادیات کے اندھیرے زندان میں مقید کردیتا ہے اور یہ بھی شیطان کے شجرۂ خبیثہ سے اگتا ہے اور اس خود خواہی کا ایک حصہ ہے جو میراث شیطانی ہے جس نے " خلقتنی من نار و خلقته من طین (۴) " یہ اپنے مقام اور اپنے معبود کے مقام عظمت سے انسان کی جہالت کی اس قسم ہے (لہذا عمل کو اس سے صاف رکھنا لازم ہے).

اگر یہ بےچارہ ممکن (جس کا وجود و عدم برابر ہے) اپنی بےچارگی، ناتوانی اور نقص و عجز کے مقام کو جان لے اور حق تعالیٰ کے کمال و کبریائی اور عظمت کے مقام کو پہچان لے تو ہرگز اپنے عمل کو بڑا نہ

۱۔ "... پس حمد صرف تیرے لئے ہے کیونکہ تو نے ہی عظیم نعمتیں دینے کی ابتدا کی اور اپنے احسان پر شکر کرنا (مجھے) بتایا". صحیفہ سجادیہ، ۳۲ دعا.

۲۔ "از جمیع احسانک تفضل، واز کل نعمک ابتداء" صحیفہ سجادیہ، بارھویں دعا.

۳۔ " اخلاص کی کم سے کم سے میزان یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری توانائی (خوشنودی خدا کے لیے) کام میں لائے اور اپنے عمل کو پیش خدا کسی اجر وثواب کے لائق نہ سمجھے، کیونکہ اسے تو خود اللہ نے فرض کیا ہے" مصباح الشریعہ " الباب السادس والسبعون، فی الاخلاص".

۴۔ "تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا" سورۂ اعراف / ۱۲، سورۂ ص / ۷۶.

سمجھے اور خود کو قیام امر کرنے والوں میں شمار نہ کرے۔ بے چارہ اس عمل کو جس کی ایک سال کی قیمت بازار دنیا میں چند سکوں سے زیادہ نہیں مانی جاتی وہ بھی اگر صحیح اور قانون کے مطابق انجام پایا ہو، اس کی دو رکعتوں سے لا محدود توقعات وابستہ کیے ہے۔ یہ ہے اپنے عمل کو زیادہ سمجھنا اور اس پر خوش ہونا، جس سے کثیر اخلاقی مفاسد اور ایسے اعمال وجود میں آتے ہیں جن کا ذکر طول کلام سبب ہو گا۔

احادیث شریفہ میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے باسناد نقل ہے: "انه قال لبعض ولده: یا بنی، علیک بالجد، ولا تخرجن نفسک من حد التقصیر فی عبادة الله عزوجل وطاعته، فان الله لا یعبد حق عبادته (۱)"۔

وقال علیه السلام فی حدیث آخر: کل عمل ترید به الله عزوجل فکن فیه مقصراً عند نفسک، فان الناس کلهم فی اعمالهم فیما بینهم وبین الله مقصرون الا من عصمه الله (۲)"۔

وعنه علیه السلام: "لا تستکثروا کثیر الخیر (۳)"۔ صحیفہ کاملہ میں ملائکۃ اللہ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الذین یقولون اذا نظروا الیٰ جنهم تزفر الیٰ اهل معصیتک: سبحانک ماعبدناک حق عبادتک (۴)"۔

اے ناتواں! جس جگہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ، جو عارف ترین خلق ہیں اور ان کا

۱۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے ایک فرزند سے فرمایا: "بیٹا! تم پر لازم ہے کہ (عبادت خدا میں) کوشاں رہو اور خود کو ہرگز خدائے تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں تقصیر سے مبرا نہ قرار دو، کیونکہ خدا کی عبادت کا حق ادا ہوتا ہی نہیں ہے"۔
اصول کافی، ج ۳ ص ۱۱۲ "کتاب الایمان والکفر، باب الاعتراف بالتقصیر" حدیث ۱۔

۲۔ آپؑ ہی نے فرمایا: "ہر اس عمل میں، جو تم خدا کے لیے انجام دیتے ہو، اس کے (کما حقہ) بجا لانے سے خود کو تقصیروار سمجھو، کیونکہ سوائے اس کے جسے اللہ نے خود محفوظ رکھا ہو، تمام لوگ جو کام اپنے اور اللہ کے درمیان انجام دیتے ہیں ان میں تقصیروار ہیں"۔ حوالہ سابق، حدیث ۴

۳۔ "زیادہ نیکی کو زیادہ نہ سمجھو" (خدا کی عبادت واطاعت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس کی عظمت کے مقابلہ میں کم ہے)۔
اصول کافی، ج ۳ ص ۳۹۴ "کتاب الایمان والکفر، باب استصغار الذنب" حدیث ۲، اور ج ۴ ص ۱۹۶ "باب محاسبۃ العمل" حدیث ۱۷۔

۴۔ "جب وہ لوگ جہنم کی طرف دیکھیں گے کہ کس طرح تیری نافرمانی کرنے والوں کی طرف لپک رہا ہے تو کہیں گے: "تو پاک ہے ہم نے تیری عبادت اس طرح نہیں کی جو تیری عبادت کا حق ہے"۔ صحیفہ سجادیہ، تیسری دعا

عمل سب کے عمل سے نورانی تر اور عظیم تر ہے، عجز و تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں اور "ما عرفناک حق معرفتک و ما عبدناک حق عبادتک (۱) " فرماتے ہیں اور ائمہ معصومین علیہم السلام اس طریقہ سے اظہار عجز و قصور و تقصیر فرماتے ہیں، تو

از پشہ لاغری چہ خیزد (۲)

ہاں! ان کے مقام معرفت کا تقاضا یہی تھا کہ ممکن کے عجز اور واجب تعالیٰ کی عزت و عظمت کا اظہار و اعتراف کریں. مگر ہم بےچارے جہالت اور طرح طرح کے حجابوں میں پڑے ہونے کے باوجود گردن اٹھائے کھڑے ہیں اور خود فروشی و عمل فروشی کررہی ہیں، سبحان اللہ !! سچ فرمایا امیرالمؤمنین علیہ السلام نے: "عجب المرء بنفسه احد حساد عقله (۳) " کیا یہ بے عقلی نہیں کہ شیطان ایک امر ضروری سے ہم کو غافل کردے اور ہم عقل کی میزان پر اسے تولنے کی بھی فکر نہ کریں؟ ہم خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے اور عام انسانوں کے اعمال، بلکہ تمام ملائکۃ اللہ اور روحانیین کے اعمال، قیاس کی میزان میں ذرا بھی نسبت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے اعمال سے نہیں رکھتے جس کی مقدار کو ذرا بھی محسوس کیا جا سکے اور جس کی قیمت کا کچھ بھی حساب ہو سکے، پھر بھی قیام امر سے اعتراف تقصیر اور اظہار عجز ان بزرگ ہستیوں کی جانب سے متواتر ہے، بلکہ تواتر کی حد سے بھی آگے ہے. یہ دو قضیۂ ضروریہ (معصومین علیہم السلام کا بہترین عمل، اور ان کا اعتراف تقصیر) ہم کو اس نتیجہ تک پہنچاتے ہیں کہ ہمیں اپنے کسی ایک عمل پر بھی خوش نہ ہونا چاہیے، بلکہ اگر ساری دنیا کی عمر کے برابر بھی ہم اطاعت و عبادت میں کھڑے رہیں تب

۱۔ "جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے ویسا ہم نے تجھے نہیں پہچانا، اور جیسا تیری عبادت کا حق ہے ہم نے تیری ویسی عبادت نہیں کی"۔ مرآۃ العقول، ج ۸ ص ۱۴۶ "کتاب الایمان والکفر، باب الشکر"۔

۲۔ "جای کہ عقاب پر بریزد از پشہ لاغری چہ خیزد" امثال و حکم دہ خدا، ج ۲ ص ۵۷۹، شاعر کے نام کا ذکر نہیں۔

"جس جگہ پر ڈال دیتا ہو عقاب پشہ لاغر کیا اٹھا پائے گا؟"۔

۳۔ "خودپسندی عقل کی ایک دشمن ہے" نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۱۱۶۷ "حکمت ۲۰۳"۔

بھی نادم و شرمسار ہوں اور خجالت سے سر خم کیے رہیں. یہ سب جاننے کے باوجود شیطان نے ہمارے دلوں پر اس درجہ اختیار حاصل کرلیا ہے اور اس طرح ہمارے عقول و حواس پر مسلط ہوگیا ہے کہ ان بدیہی مقدمات (سامنے کی باتوں) سے بھی ہم کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرتے، بلکہ ہمارے دلوں کے احوال اس اس بالکل برعکس ہیں.

وہ سیدّ و سردار، جس کی ایک ضربت روز خندق، بنص و تصدیق رسول (ص) "تمام جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے (۱)" ان تمام عبادات و ریاضات کے باوجود، جن کے سامنے دنیا کے سب سے بڑے عبادت گزار سیدّ الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اظہار عجز کیا ہے کہ ان جیسے ہوسکیں (۲) ان کا اظہار عجز و تذلل اور اعتراف قصور و تقصیر ہم سے کہیں بیش تر و بالاتر ہے. رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ما سوی اللہ، تمام موجودات جن کے بندۂ درگاہ اور ان کے خوان معارف کے ریزہ خوار ہیں اور انہیں سے تعلیم پائے ہوئے ہیں، امر الٰہی کے لیے اس طرح قیام کرتے ہیں. ختم نبوت کا خلعت زیب تن ہونے کے بعد، جو دائرہ کمال کی سیر کا اتمام ہے اور معرفت و توحید کی تعمیر کی آخری اینٹ ہے، دس سال تک کوہ حرا میں قیام امر کرتے ہیں اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ آپ (ص) کے قدموں پر ورم آجاتا ہے اور آیت نازل ہوتی ہے " طه ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ (۳) " "اے پاک رہبر! ہم نے تم پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑجاؤ" تم پاک ہو اور ہادی ہو. اگر لوگ تمہاری اطاعت نہ کریں تو خود ان کا نقص اور شقاوت ہے. تمہارے سلوک و ہدایت کا نقص نہیں. اس کے بعد بھی رسول (ص) اپنے عجز و قصور کا اعلان فرماتے ہیں.

سیدّ ابن طاووس (قدس سرہ) جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں.

۱۔ " لضربة علیٍّ یوم الخندق خیر من عبادة الثقلین " بحارالانوار، ج ۳۹ ص ۲ "تاریخ امیرالمؤمنین ؑ".

۲۔ "... من یقوی علی عبادة علی بن طالب ..." بحار الانوار، ج ۴۶ ص ۷۵ "تاریخ علی بن الحسین ؑ" باب ۵ حدیث ۶۵.

۳۔ سورۂ طٰہٰ / ۱ و ۲.

ہم برکت کے لیے اسے اس رسالہ میں تحریر کررہے ہیں۔ اگرچہ ذرا طولانی ہے، لیکن چونکہ اس میں امامؑ کے بعض حالات کی تفصیل موجود ہے اس لیے شامہ ارواح ان سے معطر ہوتا ہے اور ذائقہ قلوب لذت محسوس کرتا ہے۔

عنه قدس سره، فی فتح الابواب باسناده عن الزهری، قال: دخلت مع علی بن الحسین علیهما السلام علی عبد الملک بن مروان، قال: فاستعظم عبد الملک ما رای من اثر السجود بین عینی علی بن الحسن (علیهما السلام)، فقال: یا ابا محمد، لقد بیّن علیک الاجتهاد، وقد سبقت لک من الله الحسنیٰ، وانت بضعة من رسول الله (صلی الله علیه وآله) قریب النسب وکید السبب، وانک لذو فضل عظیم علیٰ اهل بینک وذوی عصرک، ولقد اوتیت من الفضل والعلم والدین والورع ما لم یؤت احد مثلک ولا قبلک الا من مضیٰ من سلفک. واقبل یثنی علیه ویطریه.

قال: فقال علی بن الحسین (علیه السلام): کلما ذکرته ووصفته، من فضل الله سبحانه وتاییده وتوفیقه. فاین شکره علی ما انعم یا امیر المؤمنین؟

کان رسول الله (صلی الله علیه وآله) یقف فی الصلاة، حتی ترم قدماه، ویظما فی الصیام حتی یعصب فوه. فقیل له: یا رسول الله، الم یغفر الله لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر؟

فیقول (ص): افلا اکون عبداً شکوراً؟

الحمدلله علیٰ ما اولیٰ وابلیٰ وله الحمد فی الاخرة والاولیٰ؛ والله لو تقطعت اعضائی وسالت مقلتای علیٰ صدری ان اقوم لله (جل جلاله) بشکر عشر العشر من نعمة واحدة من جمیع نعمه التی لایحصیها العادون، ولا یبلغ حد نعمة منها علیٰ جمیع حمد الحامدین، لا والله اویرانی الله لایشغلنی شیء عن شکره وذکره فی لیل ولا نهار ولا سر ولا علانیة.

ولولا ان لاهلی علیّ حقاً ولسائر الناس من خاصهم وعامهم علیّ حقوقاً لا یسعنی الا القیام بها حسب الوسع والطاقة حتی اؤدیها الیهم، لرمیت بطرفی الی السماء وبقلبی الی الله ثم لم اردد هما حتی یقضی الله علیٰ نفسی، وهو خیر الحاکمین.

وبکی علیہ السلام وبکی عبد الملک ... الخبر (۱).

ہم حدیث شریف کے ترجمہ کو نظر انداز کرتے ہیں، جیسا کہ اخلاص کے بعض مراتب سے صرف نظر کی ہے جو اس مقام اور اس رسالہ کی وضع کے مناسب نہیں ہیں تاکہ طول کلام اور ملال خاطر کا باعث نہ ہوجائے۔

۱۔ زہری کہتے ہیں کہ: "میں حضرت علی بن الحسین علیہما السلام کے ساتھ عبدالملک بن مروان کے پاس گئے۔ جب عبدالملک کی نظر امامؑ کی پیشانی پر پڑی اور سجدہ کا نشا دیکھا تو تعجب کے عالم میں کہا۔ اے ابو محمد! آثار کوشش (عبادت میں) آپ کی پیشانی پر ظاہر ہیں۔ حالانکہ خدا نے آپ کے لیے پہلے ہی خیر و نیکی مقرر و مقدر کردی ہے۔ آپ جسم پیغمبرؐ کا حصہ ہیں۔ آپ کی (ان سے) نسبت قریبی اور آپ کا رشتہ محکم ہے۔ پھر آپ اپنے افراد خاندان اور اپنے زمانہ کے تمام لوگوں پر عظیم فضیلت و برتری رکھتے ہیں اور علم و فضل اور تقویٰ جو آپ کو حاصل ہے وہ آپ کے خاندان کے بزرگان سلف کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں اور نہ اب ہے۔

اور اسی طرح امامؑ کی بہت مدح کی۔ تب حضرت علی بن الحسین علیہما السلام نے فرمایا:

جو کچھ تو نے فضل اور تائید و توفیق خدا کے بارے میں (ہمارے متعلق) کہا، ان نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہوسکتا ہے اے امیر المؤمنین؟ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نماز میں قیام کرتے تھے تو آپؐ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا اور روزہ کی حالت میں آپؐ کا دہن پیاس سے خشک ہوجاتا تھا۔ آنحضرتؐ سے لوگوں نے کہا۔ "اے رسول خدا! کیا خدا نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ نہیں بخش دیے ہیں؟ (سورۂ فتح کی آیت ۲/ کی طرف اشارہ)۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: کیا مجھے شکرگزار بندہ نہیں ہونا چاہیئے؟" اس خدا کے لیے حمد ہے اس انعام پر جو اس نے عطا فرمایا ہے اور ہم کو اس سے آزمایا ہے اور سب تعریف اسی کے لیے ہے دنیا و آخرت میں۔ خدا کی قسم اگر میرے بدن کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں اور میری آنکھیں نکل کر میرے سینے پر آپڑیں تاکہ اس کی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت کے دسویں حصہ کے دسویں حصہ کا شکریہ ادا کروں، جن کو تمام شمار کرنے والے مل کر بھی شمار نہیں کرسکتے اور تمام حمد کرنے والوں کی حمد ان میں سے ایک نعمت کے شکریہ کا حق بھی ادا نہیں کرسکتی تو بخدا ادا نہیں ہوسکتا۔ سوائے اس کے کہ خدا مجھے اس حال میں دیکھے کہ شب و روز، خلوت و جلوت میں کوئی چیز مجھے اس کے ذکر و شکر روک نہیں رہی ہے اور اگر میرے خاندان والوں کا مجھ پر حق نہ ہوتا اور دوسروں کے بھی مجھ پر حقوق نہ ہوتے جن کو بقدر طاقت ادا کرنا ناگزیر ہے تو میں اپنی آنکھ آسمان پر جمائے رہتا اور اپنا دل خدا سے لگائے رہتا اور آنکھوں اور دل کو نہ ہٹاتا یہاں تک کہ خدا میری جان لے لیتا اور وہ بہترین حاکم ہے۔"

اس کے بعد حضرتؑ رونے لگے اور عبدالملک بھی رونے لگا.... بحارالانوار، ج ۴۶ ص ۵۷ "فتح الابواب۔

باب چہارم

آداب قرائت کا کچھ ذکر

اور بعض اسرار قرائت کا بیان

اس باب میں سورۂ مبارکہ "حمد" کی تفسیر ہے اور کچھ سورۂ مبارکہ "توحید" اور سورۂ مبارکہ "قدر" کی تفسیر۔ یہ باب اس رسالہ کا عزیز ترین باب ہے اور اس میں چند مصباح ہیں۔

مصباح اول

قرآن شریف کی قرائت کے مطلق آداب

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

کتاب الٰہی کی قرائت کے آداب

کتاب الٰہی کی قرائت کے آداب میں سے ایک، جس میں عارف و عامی سب ہی شریک ہیں اور اس سے اچھے نتائج حاصل ہوئے ہیں اور نورانیت قلب وحیات باطن کا سبب ہوتا ہے " تعظیم " ہے اور یہ خدا کی عظمت و بزرگی اور جلالت و کبریائی کے سمجھنے پر موقوف ہے. یہ معنیٰ اگرچہ حقیقت میں بیان کے حدود سے خارج اور طاقت بشر سے باہر ہیں، کیونکہ ہر چیز کی عظمت کا سمجھنا اس کی حقیقت کے سمجھنے پر موقوف ہے اور منازل خلقی میں اترنے اور فعلیت کے مختلف اطوار و احوال سے گزرنے سے قبل حقیقت قرآن الٰہی حضرت واحدیت کے شئون ذاتیہ میں سے ایک شان اور اس کے حقائق علمیہ میں سے ایک حقیقت ہے اور وہ حقیقت " کلام نفسی " ہے جو اسماء کے حضور میں ذاتی مقارعہ ہے اور یہ حقیقت نہ کسی کو علوم رسمیہ سے حاصل ہو سکتی ہے نہ معارف قلبیہ سے اور نہ مکاشفہ غیبیہ سے اور حاصل ہو سکتی ہو تو بس محفل انس " قاب قوسین " میں بلکہ خلوت گاہ سر مقام " او ادنیٰ " میں حضرت ختمی مرتبت (ص) کی ذات مبارک کے لیے مکاشفہ تامہ الٰہیہ کے ذریعہ ! آپ (ص) کے علاوہ نوع بشر میں کسی بھی فرد کا دست امید وہاں پہنچنے سے قاصر ہے، سوائے اولیائے خالصین کے جو انوار معنویہ اور حقائق الٰہیہ کے مطابق اس ذات مقدس (حضرت ختمی مرتبت (ص)) کی روحانیت میں مشترک ہیں اور تبعیت تامہ کے واسطہ سے آنحضرت (ص) میں فانی ہیں کہ علوم مکاشفہ کو وراثت کے

طور پر آنحضرت (ص) سے سیکھتے ہیں اور حقیقت قرآن جس نورانیت و کمال کے ساتھ آنحضرت (ص) کے قلب مبارک پر تجلی کرتی ہے. اسی نورانیت و کمال کے ساتھ ان کے دلوں پر منعکس ہوتی ہے بغیر اس کے کہ کسی منازل میں اترے اور مختلف احوال واطوار سے گزرے. یہ وہ قرآن ہے جو تحریف و تغیر سے پاک ہے اور کتاب وحی الٰہی ہے جو شخص (بعد رسول (ص)) اس قرآن کا تحمل کرسکتا ہے وہ ولی اللہ المطلق حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات مبارک ہے. باقی سب لوگ اس حقیقت کو تب تک اخذ نہیں کرسکتے. جب تک وہ مقام غیب اور منزل شہادت سے نہ اتر آئیں، مختلف احوال واطوار ملکیہٴ سے نہ گزر جانے اور الفاظ وحروف دنیاوی کا لباس نہ پہن لے. تحریف کے معانی میں سے یہ ایک معنیٰ ہیں جو تمام کتاب الٰہی اور قرآن شریف میں واقع ہوئی ہے اور تمام آیات شریفہ، تحریف بلکہ تحریفات کے ساتھ، ان منازل ومراحل کے مطابق جو حضرت اسماء سے عوالم شہادت وملک تک طے ہوئی ہیں، انسانی دسترس میں دی گئی ہیں. تحریف کے مراتب کی تعداد بطون قرآن کے مراتب کی تعداد کے مطابق ہے "طابق النعل بالنعل" مگر یہ فرق ضرور ہے کہ تحریف، مراتب عوالم کے مطابق غیب مطلق سے شہود مطلق میں نزول ہے اور بطون، شہود مطلق سے غیب مطلق کی طرف رجوع ہے. لہٰذا مبدا تحریف اور مبدا بطون ایک دوسرے کے برعکس ہیں اور سالک الیٰ اللہ مراتب بطون میں سے جس مرتبہ کو بھی پاتا جائے گا، تحریک کے ایک مرتبہ سے خالص ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ جب بطن مطلق تک، جو ساتواں بطن ہے، مراتب کلیہٴ کے مطابق پہنچ جائے گا تو مطلق طور پر تحریف سے خالص ہوچکا ہوگا. اس طرح ممکن ہے کہ قرآن شریف میں کسی شخص کے لیے ہر قسم کی تحریفات موجود ہوں اور کسی کے لیے تحریف کے بعض مراتب موجود ہوں اور کسی کے لیے اصلاً تحریف ہی نہ ہو. یہ ممکن ہے کہ ایک ہی شخص کے لیے ایک حال میں محرف نہ ہو اور دوسرے حال تحریف کی بعض قسموں کے اعتبار سے محرف ہو.

اور جیسا کہ معلوم ہوچکا، عظمت قرآن کو سمجھنا ادراک کے دائرہ سے باہر ہے، لیکن اسی نازل شدہ کتاب کی عظمت کی طرف ایک اشارہ، جو تمام انسانوں کی دسترس میں ہے، کثیر فائدے رکھتا ہے (اس لئے ہم اس کو بیان کرتے ہیں).

اے عزیز! معلوم رہے کہ ہر کلام اور ہر کتاب کی عظمت یا متکلم اور کاتب کی وجہ سے ہوتی ہے یا اس کے مطالب ومقاصد کی عظمت کی وجہ سے یا اس کے نتائج وثمرات کی وجہ سے یا رسول اور اس کے واسطہ کی عظمت کی وجہ سے یا جس کی طرف اسے بھیجا گیا ہے اور جو اس کا حامل ہے اس کی عظمت کی وجہ سے یا اس کے حافظ ونگہبان کی عظمت کی وجہ سے یا اس کے شارح ومبیّن کی عظمت کی وجہ سے اور یا اس کے وقت ارسال اور کیفیت ارسال کی عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے. ان امور میں سے بعض ذاتی اور جوہری اعتبار سے عظمت میں دخیل ہیں اور بعض عرضاً اور بالواسطہ اور بعض کاشف عظمت ہیں. یہ تمام مذکورہ امور اس نورانی صحیفہ میں بطور اعلیٰ واولیٰ موجود ہیں، بلکہ قرآن کے مختصات میں سے ہیں. کوئی اور یا تو ان میں اصلاً شریک ہی نہیں یا عظمت کے تمام مراتب میں شریک نہیں.

قرآن کے متکلم اور اس کے انشاء کرنے والے اور صاحب قرآن کی عظمت یہ ہے کہ وہ ایسا عظیم مطلق ہے کہ ملک وملکوت میں جتنی عظمتوں کا تصور ہوسکتا ہے اور جتنی قدرتیں عالم غیب وشہادت میں نازل ہوئی ہیں سب اس ذات مقدس کے فعل کی تجلیات عظمت کا ایک قطرہ ہیں اور حق تعالیٰ کا عظمت کی تجلی کے ساتھ کسی کے لیے تجلی کرنا ممکن نہیں ہے. وہ تو ہزاروں حجابوں اور پردوں کے پیچھے سے تجلی کرتا ہے. چنانچہ حدیث میں ہے: "ان للّٰہ سبعین الف حجاب (من نور وظلمة لو کشفت لاحرقت سبحات وجهه من دونه) [۱]" اور اہل معرفت کے نزدیک یہ کتاب شریف حق تعالیٰ سے تمام شئون ذاتیہ وصفاتیہ وفعلیہ اور تمام تجلیات جلالیہ وجمالیہ کی مبدایئت کے ساتھ صادر ہوئی ہے. دوسری آسمانی کتابوں کو یہ مرتبت ومنزلت حاصل نہیں ہے.

قرآن کی عظمت اس کے مضامین اور مطالب ومقاصد کے اعتبار سے بیان کرنے کے لیے ایک مستقل فصل، بلکہ فصول وابواب اور جداگانہ رسالہ وکتاب کی ضرورت ہے تا کہ اس میں کچھ تھوڑا بہت بیان کیا جاسکے. ہم اجمالی طور سے ایک مستقل فصل میں اس کے کلیات کی طرف اشارہ

۱۔ "بے شک خدا کے لیے ستر ہزار نور وظلمت کے حجاب ہیں. اگر وہ حجاب ہٹ جائیں تو اس کے رخ کی لطیف وپاکیزہ (تابانیاں) ماسویٰ کو جلادیں". بحار الانوار، ج ۵۵ ص ۴۵ میں یہ حدیث طریق عامہ سے نقل ہوئی ہے.

کریں گے اور اسی فصل میں انشاء اللہ نتائج وثمرات کی حیثیت سے بھی اس کی عظمت کی طرف اشارہ کریں گے ۔

اور قرآن کی عظمت اس کے فرشتہ وحی اور واسطہ تنزیل کے اعتبار سے، تو وہ جبریل امین اور روح اعظم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ردائے بشریت سے باہر آنے اور پارہ قلب کا رخ حضرت جبروست کی طرف موڑنے کے بعد مسلسل اسی روح اعظم کے ساتھ رہتے ہیں ۔ جبریل دار وجود کے ارکان اربعہؑ میں سے ایک ہیں، بلکہ سب سے بڑا رکن اور اپنی نوع میں سب سے اعلیٰ واشرف ہیں، کیونکہ وہ نورانی ذات علم وحکمت پر مؤکل ملک اور ارزاق معنوی اور اطعمہ روحانی کا ذمہ دار ہے۔ کتاب خدا اور احادیث شریفہ سے جبریل کی عظمت اور تمام ملائکہ پر ان کا تقدم ثابت ہے (۱) ۔

اور قرآن کی عظمت مرسل الیہ اور اس کے حامل کے اعتبار سے، تو اس کا حامل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ کا پاک وپاکیزہ دل ہے جس پر حق تعالیٰ نے تمام شئون ذاتی وصفاتی واسمائی وافعالی کے ساتھ تجلی فرمائی اور جو ختم نبوت اور ولایت مطلقہ کا حامل ہے اور جو خود اکرم مخلوقات، اعظم موجودات، خلاصہ ہستی، جوہرۂ وجود، عطر دار تحقق، لبنۂ اخیرہ، صاحب برزخیت کبریٰ وخلافت عظمیٰ ہیں ۔

قرآن کی عظمت اس کے حافظ ونگہبان کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس کی حافظ ونگہبان خود حق تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ میں ارشاد ہے: " انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (۲) "۔

قرآن کی عظمت شارح ومبین کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس کے شارح ومفسر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت حجت عجل اللہ ظہورہ تک سب معصوم ذوات مقدسہ ہیں جو مفاتیح وجود، مخازن کبریا، معادن حکمت ووحی واصول معارف وعوارف اور صاحبان مقام جمع

۱۔ سورہ ہائے شعراء / ۱۹۳، نجم / ۵ ۔ ۹، تکویر / ۱۹ ۔ ۲۴) وبحار الانوار، ج ۵۶ ص ۲۵۸ "کتاب السماء والعالم، ابواب الملائکہ، باب آخر فی وصف الملائکۃ المقربین" حدیث ۲۳ و ۲۴ ۔

۲۔ "یقیناً ہم نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور یقیناً ہم اس کے محافظ ہیں" سورۂ حجر / ۹ ۔

وتفصیل ہیں۔

قرآن کی عظمت وقت نزول کے اعتبار سے یہ ہے کہ وہ شب قدر میں نازل ہوا کہ سب سے عظیم رات "خیر من الف شہر" نورانی ترین زمانہ اور درحقیقت ولی مطلق و رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ کا وقت وصول ہے۔

قرآن کی عظمت کیفیت وحی کے اعتبار سے: اس کا بیان اس رسالہ کی محدود وسعت سے باہر ہے اور جداگانہ فصل کا محتاج ہے اور چونکہ یہ موضوع طولانی ہے اس لیے ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

(والحمدللہ علی توفیقہ)

فصل دوم

اجمال واشارہ کے طور پر کتاب الٰہی کے مشتملات اور مقاصد ومطالب کا بیان

معلوم رہنا چاہیے کہ یہ کتاب شریف، جیسا کہ خود صراحت کی ہے، کتاب ہدایت، راہنمائے سلوک انسانیت، مربی نفوس، شفائے امراض قلبیہ اور نور بخش سیر الیٰ اللہ ہے۔

وبالجملہ، خدائے تعالیٰ نے اس کتاب کو اپنے بندوں پر اپنی رحمت وسیع کرنے کی غرض سے اپنے مقام قرب وقدس سے نازل کیا ہے اور عوالم کے تناسب کے لحاظ سے اتارا ہے، یہاں تک کہ اس تاریخ عالم اور زندان مادیت تک پہنچی اور الفاظ وحروف کے لباس میں ظاہر ہوئی تاکہ دنیا کے اس تاریک زندان کے اسیروں کو آزاد کرائے اور امیدوں اور آرزوؤں کی زنجیروں میں جکڑے ہوؤں کو رہائی دلائے اور ان کو نقص وناتوانی وحیوانیت کی پستی سے اوج کمال وقوت وانسانیت تک پہنچائے اور شیطان کی معاشرت سے نکال کر ملکوتیین کی رفاقت میں دے دے، بلکہ ان کی مقام قرب تک رسائی ہوجائے اور لقاء الٰہی کے مرتبہ کو حاصل کرلیں جو اہل اللہ کا سب سے بڑا مقصود ومطلوب ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب، کتاب دعوت حق وسعادت ہے اور اس میں حق وسعادت تک پہنچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں اور اسکے مندرجات اجمالاً وہ ہیں جو تو اس سیر وسلوک الٰہی میں دخل رکھتے ہیں یا سالک ومسافر الیٰ اللہ کے مددگار ہیں۔ کلی طور پر ان اہم مقاصد میں ایک مقصد معرفت خدا کی طرف دعوت اور معارف الٰہیہ کا بیان ہے یعنی شئون ذاتی، شئون اسمائی، شئوں صفاتی اور شئون افعالی کا

بیان اور ان میں سب سے زیادہ توحید ذات، توحید اسماء اور توحید افعال کا بیان ہے جن میں سے بعض کو صراحت کے ساتھ اور بعض کو جامع اشارہ میں بیان کیا گیا ہے۔

معلوم رہنا چاہیے کہ اس جامع الٰہی کتاب میں معرفت ذات سے لے کر معرفت افعال تک یہ تمام معارف اس طرح مذکور ہیں کہ ہر طبقہ اپنی استعداد کے بقدر ان کا ادراک کرسکتا ہے۔ چنانچہ توحید سے متعلق آیات شریفہ کو خصوصاً توحید افعال سے متعلق آیات کا علمائے ظاہر اور محدثین وفقہاء رضوان اللہ علیہم جس طرح بیان اور تفسیر کرتے ہیں وہ کلیتہً اہل معرفت اور علمائے باطن کے بیان وتفسیر کے خلاف ہے۔ راقم الحروف کی نظر میں دونوں ہی اپنے اپنے مقام پر صحیح کہتے ہیں، کیونکہ قرآن روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور مریض کا علاج ایک خاص ڈھنگ سے کرتا ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ " ھو الاول والاخر والظاھر والباطن (۱) " اور آیہ کریمہ " اللہ نور السموات والارض (۲) " اور آیہ " ھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ (۳) " وآیہ " ھو معکم (۴) " اور آیہ " اینما تولوا فثم وجہ اللہ (۵) " وغیرہ توحید ذات کے بارے میں اور دوسرے آیات کریمہ سورۂ حشر وغیرہ کی، توحید صفات کے بارے میں اور آیہ کریمہ " وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (۶) " اور آیہ کریمہ " الحمد للہ ربّ العالمین " اور آیہ " یسبّح للہ ما فی السموات وما فی الارض (۷) " توحید افعال میں، جن میں سے بعض آیتیں دقیق اور باریک رخ سے عرفانی دلالت رکھتی ہیں اور بعض ادق اور زیادہ باریک رخ سے عرفانی دلالت رکھتی ہیں۔ علمائے ظاہر اور علمائے باطن میں سے ہر ایک طبقہ کے لیے ایک طریقہ سے شفائے امراض ہے اور حالانکہ بعض آیات شریفہ، جیسے سورۂ " حدید " کی ابتدائی

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۱۲۴۔

۲۔ " خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے " سورۂ نور / ۳۵۔

۳۔ " وہی ہے جو آسمان میں خدا ہے اور زمین خدا ہے " سورۂ زخرف / ۸۴۔

۴۔ " وہ تمہارے ساتھ ہے ... " سورۂ حدید / ۴۔

۵۔ " جس طرف بھی رخ کرو وہیں اللہ کا رخ ہے " سورۂ بقرہ / ۱۱۵۔

۶۔ " جب تم نے تیر پھینکا تو تم نے نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا " سورۂ انفال / ۱۷۔

۷۔ " جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں " سورۂ جمعہ / ۱، سورۂ تغابن / ۱۔

آیات اور سورۂ "توحید" کا نزول کافی (۱) کی حدیث کے مطابق آخری زمانہ کے باریکی اور گہرائی سے سوچنے والوں کے لیے ہوا ہے. مگر اہل ظاہر کے لیے بھی اس میں استفادہ کے کافی مواقع ہیں. یہ جہاں اس کتاب شریف کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے وہاں اس کی جامعیت کی ایک دلیل بھی ہے۔

قرآن کے مطالب ومقاصد میں سے ایک، مادی آلودگیوں سے باطن کی تطہیر اور نفس کی تہذیب اور تحصیل سعادت کی دعوت ہے اور مختصر لفظوں میں، سیر وسلوک الی اللہ کا طریقہ۔

یہ مطلب دو اہم شعبوں میں تقسیم ہے: ایک تقویٰ، اپنے تمام مراتب کے ساتھ جس میں غیر حق سے پرہیز اور ماسویٰ اللہ سے مطلقاً اعراض شامل ہے. دوسرے تمام مراتب وشئون پر ایمان جس میں حق کی بارگاہ میں حاضری (اقبال بہ حق) اور اس ذات مقدس کے سامنے توبہ وانابت اور یہ اس کتاب کے اہم مقاصد میں ہے کہ اس کے اکثر مطالب بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی مقصد کے لیے ہیں۔

اس صحیفہ الٰہیہ کے مطالب ومقاصد میں دوسرا مقصد انبیاء، اولیاء اور حکماء کے قصص وحکایات ہیں اور یہ کہ خدا نے ان کی تربیت کس طرح کی اور انہوں نے خلق خدا کی تربیت کس طرح کی. ان قصوں میں بے شمار فائدے اور کثیر تعلیمات ہیں. ان قصوں میں اس قدر معارف الٰہیہ اور تعلیمات وتربیت ربانی کے تذکرے اور رموز ہیں کہ عقل حیران رہ جاتے ہے "سبحان الله وله الحمد والمنة" قصہ آدمؑ ہی میں دیکھ لیجیے. خلقت آدمؑ، ملائکہ کو سجدے کا حکم، تعلیم اسماء، ابلیس وآدمؑ کے قضیے جن کا ذکر کتاب خدا میں بار بار آیا ہے، جس میں اس قدر تعلیم وتربیت اور معارف ومعالم ہیں کہ انسان حیرت میں پڑجاتا ہے. مگر اس شخص کے لیے کہ "لمن كان له قلب او القى السمع وهو شهيد (۲)" قصص قرآنیہ، جیسے قصہ آدمؑ وموسیٰؑ وابراہیمؑ اور دیگر انبیاء کے قصے قرآن میں بار بار ذکر کیے جانے میں یہی نکتہ ہے کہ یہ کتاب، کتاب قصہ وتاریخ نہیں ہے، بلکہ کتاب سیر وسلوک الی اللہ اور کتاب توحید ومعارف ومواعظ وحکم ہے اور ان امور میں تکرار ہی مطلوب ہے تاکہ سخت اور بے رحم نفسوں میں کسی طرح تو تاثیر پیدا ہو اور دلوں کو ان سے کسی طرح تو نصیحت حاصل ہو. دوسرے

۱۔ اصول کافی، ج ۱ ص ۱۲۳ "کتاب التوحید، باب النسبہ" حدیث ۳۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۷۸۔

لفظوں میں جو شخص تعلیم و تربیت اور انذار و تبشیر کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنا مقصد مختلف عبارتوں اور طرح طرح سے، کبھی قصہ و حکایت کے ضمن میں، کبھی تاریخ و نقل کے ذریعہ، کبھی صریح لہجہ میں، کبھی اشارات و کنایات میں اور کبھی امثال و رموز کے سہارے ذہنوں میں اتارے تا مختلف نفوس اور منتشر دل سب اس سے استفادہ کر سکیں۔

اور چونکہ قرآن شریف تمام طبقات اور جملہ انسانی نسلوں کی سعادت کے لیے ہے اور افراد انسانی حالات قلوب، عادات و اخلاق اور زمان و مکان کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اس لیے ہر ایک کو ایک ہی طرح سے دعوت نہیں دی جا سکتی۔ بہت سے نفوس ایسے ہوتے ہیں جو صاف و صریح لہجہ سے تعلیم حاصل کرنے اور سادہ انداز میں اصل مطلب کی تحصیل کے لیے حاضر نہیں ہوتے اور ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ ان کو ان کے دماغ کی ساخت کے مطابق دعوت دی جانی چاہیے اور مقصد سمجھایا جانا چاہیے اور بہت سے نفوس ایسے ہوتے ہیں کہ قصص و حکایات اور تواریخ سے سروکار نہیں رکھتے اور اصل مطلب اور روح مقصد سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پہلے لوگوں کے ساتھ ایک ہی ترازو میں نہیں تولنا چاہیے۔ بہت سے دل تخویف و انذار سے مناسبت رکھتے ہیں۔ بعض قلوب وعدہ و بشارت سے علاقہ رکھتے ہیں۔

انہیں وجوہ کی بنا پر کتاب الٰہی نے مختلف قسموں، متعدد ہنروں اور طرح طرح سے لوگوں کو دعوت دی ہے اور ایسی کتاب میں تکرار ناگزیر ہے۔ دعوت اور موعظہ تکرار اور تفنن کے بغیر بلاغت کے دائرہ سے خارج ہے اور اس سے جو کچھ امید باندھی گئی ہے کہ نفوس متاثر ہوں گے بغیر تکرار کے پوری نہیں ہوتی۔

اس خوبی کے ساتھ ہی یہ خوبی بھی ہے کہ اس کتاب شریف میں قضایا ایسے شیرین انداز میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کی تکرار کسالت اور اکتاہٹ پیدا نہیں کرتی، بلکہ جتنی دفعہ اصل مطلب کی تکرار کرو، محسوس ہوتا جاتا ہے کہ جو خصوصیات و لواحق ہیں اس میں ذکر کیے گئے ہیں اور کہیں نظر نہیں آتے، بلکہ ہر مرتبہ کوئی اہم عرفانی یا اخلاقی نکتہ مورد نظر بن جاتا ہے اور قضیہ اسی کے اطراف میں گردش کرنے لگتا ہے۔ اس مطلب کا بیان قصص قرآن کے بارے میں مکمل مطالعہ اور محنت چاہتا ہے۔ جس

کی گنجائش اس مختصر رسالہ میں نہیں ہے اور نحیف کے دل میں یہ آرزو مستحکم ہے کہ بقدر امکان توفیق الٰہی سے قصص قرآنی اور حلِّ رموز اور ان کے ذریعہ تعلیم و تربیت سے متعلق ایک کتاب مرتب کروں۔ اگرچہ راقم الحروف جیسے انسان کے لیے اس ذمہ داری کو پورا کرنا ایک خیال خام اور آرزوئے محال ہے۔

وبالجملہ، قصص انبیاء علیہم السلام کے تذکرے اور ان کے سیر و سلوک کی کیفیت، بندگان خدا کو ان کی تربیت کے طور طریق، حکم و مواعظ اور ان کے مجادلات حسنہ معارف اور حکمتوں کے عظیم ابواب اور سعادت و تعلیمات کے بلند دروازے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کھولے ہیں اور جس طرح اصحاب سلوک و ریاضت کے لیے ان سے بڑا فائدہ اور کافی فیض حاصل ہوتا ہے دوسرے لوگوں کے لیے بھی بہت کچھ نصیب اور بے حد نفع ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ " فلما جنّ علیه اللیل رایٰ کوکباً ... الایة (۱) " سے بطور مثال اہل معرفت ابراہیم علیہ السلام کے سیر و سلوک معنوی کی کیفیت کا ادراک کرتے ہیں اور سلوک الیٰ اللہ اور سیر الیٰ الحق کی راہ معلوم کرتے ہیں اور سیر انفسی اور سلوک معنوی کی حقیقت کو منتہائے ظلمت سے، جس کی تعبیر اس مسلک میں " جنّ علیه اللیل " سے کی گئی ہے، انیّت و انانیّت کو مطلقاً چھوڑ دینے، خودی اور خود پرستی کو ترک کرنے، مقام قدس تک پہنچنے اور محفل انس میں داخل ہونے تک، جس کی طرف اس مسلک میں " وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض ... الایة (۲) " سے اشارہ کیا گیا ہے، دریافت کرلیتے ہیں اور دوسرے لوگ اس سے سیر آفاقی اور اپنی امت کو جناب خلیل اللہؑ کی تربیت کا طریقہ معلوم کرتے ہیں۔

اس طرح سارے قصص و حکایات ہیں، جیسے قصہ آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، یوسفؑ، عیسیٰؑ اور موسیٰؑ و خضرؑ کی ملاقات، جن سے اہل معارف و ریاضات و مجاہدات کے استفادات اور دوسرے لوگوں کے استفادات ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں اور قصص و حکایات ہی میں شامل ہیں یا مستقل مقصد

۱۔ " جب رات ان پر تاریک ہوگئی تو ایک ستارہ نظر آیا ... " سورۂ انعام / ۷۶۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۱۷۴۔

ہیں. ذات مقدس کے حکم ومواعظ، جن کی طرف جہاں جیسا مناسب سمجھا ہے خود زبان قدرت سے یا زبان معارف الہیہ وتوحید وتنزیہ سے بندوں کو دعوت دی ہے. جیسے سورۃ مبارکہ "توحید" اور سورۃ "حشر" کے اواخر اور سورۃ "حدید" کے اوائل اور کتاب الہی کے دوسرے مواقع پر. اصحاب قلوب اور ارباب سوابق حسنیٰ کے لیے اس حصہ میں بے شمار لطیف ولذیذ باتیں ہیں. مثلاً اصحاب معارف آیہ کریمہ "ومن یخرج من بیته مهاجراً الیٰ الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علیٰ الله (۱)" سے قرب نافلہ وفریضہ کا استفادہ کرتے ہیں، حالانکہ دوسرے حضرات جسم کے ساتھ نکلنا اور ہجرت کرنا مثلاً مکہ سے مدینہ جانا سمجھتے ہیں. یا تہذیب نفوس اور ریاضات باطنیہ کی دعوت دی ہے جیسے آیہ شریفہ "قد افلح من زکها وقد خاب من دسها (۲)" وغیر ذلک اور یا دعوت عمل صالح دی گئی ہے جیسا کہ معلوم ہے اور یا ان میں سے ہر ایک کے مقابلے سے ڈرایا گیا ہے. اس میں حضرت لقمان اور دوسرے بزرگوں اور مؤمنین کی حکمتیں اور موعظے شامل ہیں جو صحیفہ الہیہ میں مختلف مواقع پر مذکور ہیں. جیسے اصحاب کہف کے قصے.

اس نورانی صحیفہ کے دوسرے مطالب میں سے کافرین ومنکرین، مخالفین حق وحقیقت، اور معاندین انبیاء واولیاء علیہم السلام کے احوال کا بیان ہے. نیز ان کے انجام کار اور ان کی ہلاکت وتباہی کی کیفیت کا بیان ہے. جیسے فرعون، قارون، نمرود، شداد اور اصحاب فیل اور دوسرے کفار وفجار کے قصے، جن میں ہر ایک قصہ مواعظ وحکم، بلکہ اہل معرفت کے لیے معارف کا حامل ہے. اسی میں ابلیس ملعون کے قصے شامل ہیں اور اسی میں شامل ہیں یا انہیں ایک مستقل قسم کہہ لیجیے. غزوات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے قصے. ان میں بھی عظیم مطالب ذکر کیے گئے ہیں. جن میں سے ایک اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے مجاہدات کی کیفیت ہے تاکہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا جائے اور انہیں اللہ کی راہ میں مجاہدات، کلمہ حق کے نفاذ اور باطل کو ختم کرنے کے لیے آمادہ کیا جائے.

۱. حاشیہ ۲ ص ۲۸.

۲. "یقیناً کامیاب ہوا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نقصان میں رہا وہ شخص جس نے اس (نفس) کو تباہ کیا" سورۃ شمس / ۹.

قرآن شریف کے مطالب میں سے ایک اور مطلب، شریعت کے ان ظاہری قوانین اور آداب وسنن الٰہیہ کا بیان ہے. اس کتاب نورانی میں جن کے کلیات ومہمات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس قسم میں سب سے عمدہ اصول وضوابط مطالب کی طرف دعوت ہے، جیسے باب صلاۃ، زکات، خمس، حج، صوم، جہاد، نکاح، میراث، قصاص، حدود، تجارت اور ایسے ہی دوسرے ابواب. اور یہ قسم، یعنی ظاہر شریعت کا علم، چونکہ عمومی فائدے رکھتی ہے اور تعمیر دنیا وآخرت کی حیثیت سے تمام طبقات کے لیے وضع کی گئی ہے اور انسانوں کے تمام طبقات مقدور بھر اس سے استفادہ کرتے ہیں. اس لحاظ سے کتاب خدا میں اس کی بہت زیادہ دعوت دی گئی ہے اور احادیث واخبار میں بھی اس کے خصوصیات وتفصیلات کثرت سے بیان ہوئے ہیں اور علمائے شریعت کے تصنیفات اس سلسلہ میں تمام قسموں سے بیشتر اور بالاتر ہیں۔

قرآن شریف کے مطالب میں سے ایک اور مطلب، معاد کے احوال اور اس کے اثبات کے لیے ادلہ وبراہین، عذاب وعقاب اور جزاء وثواب کی کیفیت، جنت ونار اور سزا وانعام کی تفصیلات کا بیان ہے. اس قسم میں ارباب سعادت کے حالات اہل معرفت اور مقربین، اہل ریاضت اور سالکین اور اہل عبادت اور سالکین کے درجات کا بیان اور اسی طرح اہل شقاوت یعنی کفار ومحجوبین، منافقین وجاحدین اور اہل معصیت وفاسقین کے حالات ودرجات کا ذکر ہے، لیکن جو چیزیں زیادہ تر عمومی فائدہ رکھتی ہیں ان کا ذکر نسبتاً زیادہ اور صریح لہجہ میں کیا گیا ہے اور جو چیزیں کسی خاص طبقہ کے لیے مفید ہیں وہ رمز واشارہ میں بیان کی گئی ہے. جیسے "ورضوان من اللہ اکبر [۱]" اور اسی طبقہ کے لیے لقاء الٰہی سے متعلق آیات. اور جیسے "کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون [۲]" دوسرے گروہ کے لیے۔

اور اس قسم میں، یعنی معاد اور اللہ کی طرف بازگشت کی تفصیل میں بے شمار معارف اور بہت باریک اور دشوار اسرار مذکور ہیں. جن کی کیفیت پر مطلع ہونا سلوک برہانی یا نور عرفانی کے بغیر ممکن

۱۔ "اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے" سورۂ توبہ / ۷۲

۲۔ "بتحقیق، وہ لوگ اس روز اپنے پروردگار سے محجوب ہوں گے" سورۂ مطففین / ۱۵

نہیں ہے۔

صحیفہ الٰہی کے مطالب میں سے ایک، ان احتجاجات اور براہین کا طریقہ ہے جو حق تعالیٰ نے مطالب حقہ اور معارف الٰہیہ پر یا تو خود قائم کیے ہیں. جیسے وجود حق، توحید، تنزیہ، علم وقدرت اور دوسرے اوصاف کمالیہ پر حجت وبرہان کاقیام کہ اس قسم میں کبھی دقیق اور باریک ادلہ وبراہین ظاہر ہوتے ہیں، جن سے اہل معرفت ہی پوری طرح استفادہ کرتے ہیں. جیسے "شھد اللہ انه لا اله الا ھو (۱)" اور کبھی ایسے ادلہ وبراہین سامنے آتے ہیں جن سے حکماء اور اہل علم ایک طرح سے مستفید ہوتے ہیں. جیسے آیہ کریمہ "لو کان فیھما الھة الا اللہ لفسدتا (۲)" اور جیسے آیہ "اذاً لذھب کل اله بما خلق (۳)" اور جیسے سورۂ "حدید" کی ابتدائی آیات اور سورۂ "توحید" یا جیسے معاد اور روحوں کی بازگشت اور دوسرے عالم کی ایجاد اور ملائکہ اللہ وانبیاء کے اثبات پر حجت وبرہان کا قیام جو اس کتاب شریف میں مختلف مقامات پر موجود ہیں. یہ خود ذات مقدس کے احتجاجات کے احوال ہوئے اور اثبات معارف پر انبیاء واہل دانش نے جو براہین قائم کیے اور حق تعالیٰ نے انہیں نقل کیا ہے، ان میں جناب خلیل اللہؑ اور دوسروں کے احتجاجات شامل ہیں۔

یہ ہیں کتاب الٰہی کے اہم مطالب، ورنہ دوسرے متفرق مطالب بھی موجود ہیں، جن کو بیان کرنے کے لیے کافی وقت چاہیے۔

۱۔ "خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں" سورۂ آل عمران / ۱۸۔

۲۔ "اگر خدا کے علاوہ بھی خدا ہوتے تو زمین وآسمان تباہ ہوجاتے" سورۂ انبیاء / ۲۲۔

۳۔ "... اس وقت ہر خدا نے جو کچھ (خود) پیدا کیا ہوتا اس کی طرف رخ کرتا" سورۂ مؤمنون / ۹۱۔

فصل سوم

کتاب شریف سے استفادہ کرنے کی راہ

اب جب کہ آپ نے صحیفہ الہیٰ کے مقاصد ومطالب کو جان لیا، تو ایک خاص اور اہم مطلب کو نظر میں رکھئے جس کی طرف توجہ رکھنے سے کتاب شریف سے استفادہ کرنے کی راہ آپ پر کھل جائے گی اور وہ یہ ہے کہ کتاب شریف الہی کو تعلیمی نقطہ نظر سے پڑھئے اور اسے ایسی کتاب سمجھئے جو فائدہ پہنچانے اور تعلیم دینے کے لیے ہے اور خود کو سیکھنے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذمہ دار بنائیے۔ تعلیم دینے اور سیکھنے اور فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ اس سے ادبیت اور نحو وصرف حاصل کیجئے یا فصاحت وبلاغت اور علم بیان وبدیع کے نکات یاد کیجئے یا اس کے قصص وحکایات کو تاریخی معلومات اور زمانہ گزشتہ کے لوگوں کی تہذیب وثقافت سے واقفیت حاصل کیجئے۔ ان میں سے کوئی ایک مقصد بھی قرآن کے مقاصد میں شامل نہیں ہے اور کتاب الہی کے اصلی مقصود سے منزلوں دور ہے۔

یہ جو اس عظیم کتاب سے ہم بہت ہی کم فائدہ اٹھاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ یا تو ہم اس کو تعلیم وتعلم کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہی نہیں۔ اور زیادہ تر ہم ایسے ہی ہیں۔ صرف اجر وثواب کے لیے قرآن کی قرائت وتلاوت کرتے ہیں. لہذا تجوید کے علاوہ قرآن کے کسی رخ کی طرف اعتنا نہیں کرتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو صحیح پڑھیں تاکہ ہمیں ثواب حاصل ہو. اسی حد پر ٹھہرے ہیں اور اسی پر قناعت

کیے ہوئے ہیں. لہٰذا چالیس سال قرآن مجید کو پڑھتے ہیں اور تلاوت کے اجر وثواب کے علاوہ کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اگر تعلیم وتعلم کی نظر سے پڑھتے ہیں تو بیان وبدیع کے نکات اور وجوہ اعجاز قرآن اور ذرا اوپر اٹھے تو تاریخی حیثیت، آیات کی شان نزول، اوقات نزول، آیات اور سوروں کا مکی ومدنی ہونا، قرائت کے اختلافات، مفسرین عامہ وخاصہ کے اختلافات اور اسی قسم کے دوسرے عرضی امور سے جو مقصد سے دور اور وہ خود ہی قرآن سے محجوب ہونے اور ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب ہیں، سرو کار رکھتے ہیں، بلکہ ہمارے بڑے بڑے مفسرین بھی اپنی بہترین کوششیں انہیں جہتوں میں سے کسی ایک یا بیشتر جہات پر صرف کردیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے تعلیمات کا دروازہ نہیں کھولتے.

راقم الحروف کا عقیدہ ہے کہ اب تک قرآن کی تفسیر لکھی ہی نہیں گئی. کلی طور پر "تفسیر" کتاب کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کتاب کی مقاصد کی شرح کی جائے اور اس کا اہم نقطہ نظر صاحب کتاب کے مقصود کو بیان کرنا ہو. یہ کتاب جو خدائے تعالیٰ کی گواہی کے مطابق کتاب ہدایت وتعلیم ہے اور سلوک انسانیت کی راہ کی روشنی ہے، مفسر کو چاہئے کہ اس کے قصص میں سے ہر قصہ میں، بلکہ اس کی آیتوں میں سے ہر آیت میں عالم غیب کی طرف جانے کی سمت، سعادت کا راہنما ہونے کی حیثیت اور معرفت وانسانیت کا راستہ چلنا سیکھنے والے کو سمجھائے. مفسر تب ہی مفسر ہے جب ہمیں "مقصد" نزول سمجھا رہا ہو. نہ یہ کہ "سبب" نزول سمجھائے اس طرح جیسا تفسیروں میں ہے. اسی آدمؑ وحوا کے قصہ میں اور ابلیس کے ساتھ ان کے قضیوں میں ان کی تخلیق کے آغاز سے زمین پر آنے تک، جسے اللہ نے بار بار اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، کس قدر معارف ومواعظ پوشیدہ ہیں اور ہمیں کس قدر نفس کے معائب، ابلیس کے مکائد اور ان کی انتہاء اور آدمی کے معارف سے آگاہی ملتی ہے. لیکن ہم اس سے غافل ہیں.

وبالجملہ، کتاب خدا، کتاب معرفت واخلاق ہے، کتاب دعوت سعادت وکمال ہے. اس لیے کتاب تفسیر بھی کتاب عرفانی واخلاقی اور مبین جہات عرفانی واخلاقی وغیرہ کی حیثیت سے ہونی چاہئے. جو مفسر اس جہت سے غفلت کرے یا صرف نظر کرے یا اسے اہمیت نہ دے وہ مقصود قرآن

اور انزال کتب و ارسال رسل سے غفلت برتتا ہے اور یہ ایک ایسی غلطی ہے جو صدیوں سے ملت کو قرآن کے فوائد وفیوض سے محروم کیے ہوئے ہے اور بندگان خدا پر راہ ہدایت مسدود کیے ہوئے ہے. ہمیں چاہیے کہ جہات برہانی عقلی سے، جو خود بھی ہمیں مقصد سمجھا دیتی ہیں، قطع نظر کر کے (براہ راست) کتاب خدا ہی سے کتاب خدا کی تنزیل کا مقصد معلوم کریں. مصنف کتاب ہی اپنے مقصود کو بہتر سمجھتا ہے. (لہذا) اب ہم شئون قرآن کے بارے میں اس کے مصنف کے ارشادات کی روشنی میں غور وفکر کرتے ہیں. ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خود فرماتا ہے: "ذلک الکتاب لا ریب فیه هدیً للمتقین (۱)" اس کتاب کو کتاب ہدایت کہا ہے. ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے سورے میں کئی مرتبہ فرماتا ہے: "ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر (۲)" ہم دیکھتے ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے: "وانزلنا الیک الذکر لتبیّن للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفکرون (۳)" فرماتا ہے: "کتاب انزلناه الیک مبارک لیدبروا آیاته ولیتذکر اولوا الالباب (۴)" ان کے علاوہ بھی آیات شریفہ ہیں جن کا ذکر طول کا باعث ہو گا.

وبالجملہ، اس بیان سے ہمارا مقصد تفاسیر کے حدود واطراف پر تنقید کرنا نہیں ہے، کیونکہ ہر مفسر نے بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں اور شدید محنتیں کی ہیں تب ایک کتاب مرتب ہوئی ہے "فلله درهم وعلی الله اجرهم" بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرآن شریف سے فیض حاصل کرنے کی راہ لوگوں کے لیے کھلے، کیونکہ قرآن ہی سلوک الی اللہ، تہذیب نفوس اور آداب وسنن الٰہیہ کو بتانے والی واحد کتاب ہے اور خالق و مخلوق کے درمیان سب سے بڑا رابطہ اور عزت ربوبیت سے تمسک کے لیے عروۃ الوثقیٰ اور حبل المتین (مضبوط رسی) ہے. علماء ومفسرین فارسی وعربی میں تفسیریں لکھیں. ان کا

۱۔ "اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے اور وہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے" سورۂ بقرہ / ۲.

۲۔ "ہم نے قرآن کو یاد دہانی کے لئے آسان بنایا ہے، ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟" سورۂ قمر / ۱۷.

۳۔ "ہم نے قرآن کو (ایک بار) تم پر نازل کیا تاکہ جو کچھ (بتدریجاً) لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے وہ تم ان کے لیے بیان کرو، شاید وہ لوگ غور کریں" سورۂ نحل / ۴۴.

۴۔ "وہ بابرکت کتاب جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ اس کی آیات میں تدبر کریں اور صاحبان عقل عبرت حاصل کریں" سورۂ ص / ۲۹.

مقصد عرفانی واخلاقی تعلیمات ودستورات، مخلوق کے خالق سے رابطہ کی کیفیت اور دار الغرور سے دارالسرور والخلود کی طرف ہجرت کا اس طرح بیان کرنا ہونا چاہیے جس طرح خود کتاب شریف میں ودیعت کیا گیا ہے. اس عظیم کتاب کا مصنف سکاکی اور شیخ نہیں کہ اس کا مقصد فصاحت وبلاغت کی جہتیں بیاں کرنا ہو. سیبویہ اور خلیل نہیں کہ اس کا مطمح نظر نحو وصرف کی جہتیں تحریر کرنا ہو. مسعودی اور ابن خلکان نہیں کہ اطراف تاریخ سے بحث کرے. یہ کتاب آنحضرت (ص) کا عصائے موسیٰ اور ید بیضا نہیں یا دم عیسیٰ نہیں جو مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے کہ خالی معجزہ دکھانے اور تصدیق نبی اکرم (ص) کے لیے آئی ہو، بلکہ یہ صحیفہ الہیٰ دلوں کو علوم ومعارف الہیہ کی ابدی زندگی بخشنے کے لئے نازل ہوئی ہے. یہ کتاب خدائے ہے اور شئون الہیٰ کی طرف دعوت دیتی ہے. مفسر کو چاہیے کہ لوگوں کو شئون الہیٰ کی تعلیم دے اور لوگوں کو چاہیے کہ شئون الہیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مفسرین کی طرف رجوع کریں تاکہ اس سے فائدہ حاصل ہو.

"وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين الا خساراً [1]"

اس سے بڑا خسارہ کیا ہوگا کہ تیس چالیس سال ہم کتاب الہیٰ کی تلاوت کریں اور تفاسیر کی طرف رجوع کریں اور کتاب کے مقاصد سے پھر بھی محروم رہیں!

"ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين [2]"

۱۔ "ہم قرآن میں سے جو کچھ مؤمنین کے لیے شفا اور رحمت ہے نازل کرتے ہیں اور یہ ظالموں کے لیے نقصان کے علاوہ کچھ اضافہ نہیں کرتا" سورۂ اسراء / ۸۲.

۲۔ "پروردگارا! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہوجائیں گے" سورۂ اعراف / ۲۳.

فصل چہارم

موانع استفادہ کو دور کرنا

اب جب کہ کتاب خدا کی عظمت ہر جہت سے معلوم ہوگئی اور اس سے استفادہ کی راہ کھل گئی تو کتاب خدا کو سیکھنے والے اور اس سے استفادہ کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ اہم آداب میں سے ایک اور اہم ادب پر کاربند ہو تاکہ استفادہ ہونے لگے، وہ ادب "موانع استفادہ کو دور کرنا" ہے. ہم جن کی تعبیر "مستفید اور قرآن کے درمیان حجابات" سے کرتے ہیں اور ایسے حجابات بہت ہیں. ہم ان میں بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں.

ان حجابوں میں ایک بڑا حجاب "خود بینی" ہے کہ متعلم اس حجاب کی وجہ سے خود کو بے نیاز سمجھ بیٹھتا ہے اور استفادہ کا محتاج نہیں سمجھتا. یہ شیطان کے بڑے شاہکاروں میں سے ایک ہے کہ ہمیشہ موہوم کمالات کو انسان کے سامنے چمکا کر پیش کرتا ہے اور انسان اتنے ہی پر راضی وقانع ہوجاتا ہے جتنا اس کے پاس ہے اور اس کے آگے جو کچھ ہے اس کو انسان کی نظروں سے گرا دیتا ہے. مثلاً اہل تجوید کو اسی جزئی علم پر قانع کردیتا ہے اور اس علم کو ان کی نظروں میں اتنا بڑھا دیتا ہے کہ دوسرے علوم کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رہ جاتی. حاملین قرآن کو بھی ان کے سامنے انہیں کے مطابق قرار دیتا ہے اور ان کو اللہ کی نورانی کتاب کے سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے سے محروم کردیتا ہے. اصحاب ادبیّت کو اسی بے مغز صورت پر راضی رکھتا ہے اور تمام شئون قرآن کو جو کچھ اور جتنا جس

کے پاس ہے اسی میں منحصر قرار دے دیتا ہے اور اہل تفسیر کو بھی پرانے ڈھرے پر چلتے رہنے میں سرگرم رکھتا ہے کہ وہ وجوہ قرائات، آراء مختلفہ ارباب لغت، وقت نزول، شان نزول، آیات اور سوروں کے مکی مدنی ہونے، آیات وحروف کی تعداد اور اسی طرح کی باتوں میں لگے رہتے ہیں. اہل علوم کو بھی قانع کردیتا ہے. فقط دلالتوں کے فنون اور احتجاجات کے وجوہ اور اسی قسم کے امور پر، یہاں تک کہ فیلسوف وحکیم وعارف تک کو اصطلاحات ومفاہیم جیسے گہرے اور دبیز پردے میں بند کردیتا ہے. اس لیے قرآن سے استفادہ کی طلب رکھنے والے کو چاہیے کہ ان تمام پردوں کو چاک کردے اور ان پردوں کے اس پار سے قرآن میں غور وفکر کرے اور ان میں سے کسی ایک حجاب پر بھی نہ ٹھہرے تاکہ قافلہ سالکان سے بچھڑ نہ جائے اور اللہ کی شیرین وخوشگوار دعوتوں سے محروم رہ جائے. خود قرآن شریف سے ایک معین حد پر قانع نہ ہونے اور اس پر نہ ٹھہرنے کا حکم معلوم کرے. قصص قرآن میں ان معنی کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے. حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ نے نبوت کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود اس مقام پر قناعت نہیں کی اور اپنے علم کے بلند مقام پر ٹھہرے نہیں رہ گئے. خضرؑ جیسے کامل شخص سے ملاقات ہوتے ہی تواضع وانکساری کے ساتھ ان سے کہا: " ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمت رشداً (۱) " اور ان کی خدمت میں رہنے لگے، یہاں تک کہ جو علوم سیکھنا چاہیے تھے، سیکھ لیے. حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایمان کے بڑے مقام پر اور انبیاء علیہم السلام سے مخصوص علم پر قناعت نہیں کی اور عرض کیا: " رب ارنی کیف یحی الموتیٰ (۲) " ایمان قلبی سے اور اوپر اٹھنا چاہا اور مقام اطمینان شہودی تک پہنچنا چاہا. اس سے بالاتر یہ کہ خدائے تبارک وتعالیٰ حضرت ختمی مرتبت (ص) کو جو علی الاطلاق عارف ترین مخلوقات ہیں، آیۂ کریمہ میں حکم دیتا ہے: " وقل ربّ زدنی علماً (۳) " کتاب الٰہی کے یہ دستورات، یہ قصص انبیاء کا ذکر، سب اس لئے ہے کہ ہم ان کے ذریعہ بیدار ہوں اور خواب غفلت سے چونک اٹھیں.

۱۔ " کیا میں آپ کی پیروی (ہمراہی) کروں تاکہ جو کچھ آپ نے بصیرت وہدایت آپ نے سیکھی ہے مجھے سکھائیں " کہف / ۶۶.

۲۔ " پروردگارا! مجھے دکھا تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے " سورۂ بقرہ / ۲۶۰.

۳۔ " اور کہو: پروردگارا! میرے علم میں اضافہ کر " سورۂ طٰہٰ / ۱۱۴.

ایک اور حجاب، آراء فاسدہ اور مسالک ومذاہب باطلہ کا حجاب ہے جو کبھی خود انسان ہی کی سوء استعداد سے اور زیادہ تر پیروی وتقلید سے پیدا ہوتا ہے. یہ ایسے حجابوں میں سے ایک ہے جس نے خاص کر معارف قرآن سے ہمیں محجوب کیا ہے. مثلاً اگر کوئی فاسد اعتقاد صرف ماں باپ سے سن لینے کی وجہ سے یا بعض جاہل اہل منبر سے سن کر، ہمارے دل میں راسخ ہوگیا ہو تو یہ فاسد اعتقاد ہمارے اور آیات الٰہیہ کے درمیان حاجب بن جائے گا، چاہے ہزاروں آیات وروایات بھی وارد ہوجائیں جو اس کے خلاف ہوں. اب یا تو اس کے ظاہر سے اعراض کریں یا اس کو سنجیدہ نظر سے ہی نہ دیکھیں. عقائد ومعارف سے متعلق (اس طرح کی) بہت مثالیں ہیں، لیکن ہم ان کو شمار کرنے سے صرف نظر کرتے ہیں، کیونکہ معلوم ہے کہ ہمارے ایسے لوگوں کے کہنے سے یہ حجاب نہیں ہٹ سکتا، لیکن نمونہ کے طور ایک عقیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو دوسرے عقائد سے زیادہ سہل المآخذ ہے. یہ تمام آیتیں جو لقائے الٰہی اور معرفت الٰہی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور یہ روایتیں جو اس موضوع پر ہیں اور یہ تمام اشارات وکنایات اور صراحتیں جو ائمہ علیہم السلام کی دعاؤں اور مناجاتوں میں موجود ہیں. صرف اس عقیدہ کی بنا پر جو اس میدان سے بالکل اجنبی اور عامی اشخاص کے ذریعہ پیدا ہوا اور پھیلا ہے کہ معرفت خدا کی راہ کلی طور پر بند ہے اور اسی عقیدہ کی وجہ سے ذات خدا میں تفکر کرکے اس کی معرفت حاصل کرنے اور مشاہدۂ جمال سے ممنوع بلکہ محال قرار دے دیا ہے. (آیات وروایات کی) یا تو توجیہ وتاویل کرتے ہیں اور یا اس میدان میں وارد ہی نہیں ہوتے (مباحثہ ہی نہیں کرنا چاہتے) اور خود کو معارف سے جو انبیاء واولیاء کی خنکی چشم ہیں، آشنا ہی کرنے پر تیار نہیں ہوتے. بڑے افسوس کی بات ہے اہل اللہ کے لیے، کہ معرفت کا ایک باب، جسے بعثت انبیاء کی غرض وغایت اور اولیاء کا منتہائے مطلوب کہا جاسکتا ہے، لوگوں پر اس طرح بند کردیا ہے کہ اس کے بارے میں بات کرنا کفر محض اور زندقہ قرار دے دیا ہے ان لوگوں نے انبیاء واولیاء کے معارف کو بالخصوص ذات واسماء وصفات حق کے بارے، میں عام لوگوں اور عورتوں کے معارف کے برابر سمجھ لیا ہے، بلکہ کبھی تو اس سے بھی آگے چلے جاتے ہیں. کہتے ہیں: "فلاں، اچھے عامیانہ عقائد رکھتا ہے، کاش ہم بھی وہی عامیانہ عقیدہ رکھتے ہوتے" بات تو ٹھیک ہی ہے، کیونکہ اس بے چارہ نے جو ایسی باتیں منہ سے

نکالتا ہے، عامیانہ عقیدہ تو ہاتھ سے دے ہی رکھا ہے اور دوسرے معارف کو بھی جو خواص واہل اللہ کے معارف ہیں، باطل سمجھ لیا ہے۔ یہ آرزو ٹھیک کفار کی آرزو جیسی ہے جو آیہ کریمہ میں نقل ہوئی ہے: " ویقول الکافر یالیتنی کنت تراباً (۱) "۔

ہم اگر لقائے الٰہی کے بارے میں آیات واخبار کو تفصیل سے بیان کرنا چاہیں تاکہ اس فاسد عقیدہ کی رسوائی واضح ہوجائے جو جہل اور غرور شیطانی کی پیداوار ہے تو ایک جداگانہ کتاب کی تالیف کی ضرورت ہے، چہ جائیکہ ہم یہ چاہیں کہ وہ معارف بیان کریں جو اس غلیظ شیطانی حجاب سے پیدا ہوئے اور پس پردۂ نسیان رہ گئے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ قرآن سے مہجور ہونے اور قرآن کو مہجور چھوڑنے کا ایک مرتبہ، جو شاید سب سے زیادہ افسوس ناک ہے، یہی ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ کہتی ہے:
" وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً (۲) " قرآن کو مہجور چھوڑنے کے بے شمار مراتب ومراحل ہیں جن میں سب سے بڑے مرتبہ پر شاید ہم ہی ہوں۔ ہم اگر اس صحیفہ الٰہیہ کی مثلاً پاکیزہ اور قیمتی جلد بنوالیں اور تلاوت یا استخارہ کے وقت چوم لیا کریں اور آنکھوں سے لگا لیا کریں تو کیا ہم نے قرآن کو مہجور نہیں چھوڑا ؟

اگر ہم نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن کی تجوید، علوم لغت وبیان اور بدیع کی جہتوں میں صرف کردیا تو کیا اس کتاب عظیم کی مہجوریت کے ذمہ داری سے باہر آگئے ؟ اگر ہم نے قرائات مختلفہ اور ان جیسی اور چیزوں کو یاد کرلیا تو کیا ہجران قرآن کی ذلت سے چھوٹ گئے ؟ اگر ہم نے وجوہ اعجاز قرآن اور اس کے محسنات (لفظی ومعنوی) کے فنون سیکھ لئے تو کیا رسول (ص) کی شکایت سے نجات پاگئے ؟ افسوس ! کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی قرآن اور اس کو نازل کرنے والے کے منظور نظر نہیں۔ قرآن کتاب الٰہی ہے اور اس میں شئون الٰہیت ہیں۔ قرآن خالق ومخلوق کے درمیان رشتہ اتصال ہے اور اس کی تعلیمات کے وسیلہ سے معنوی رابطہ اور غیبی ارتباط خدا اور بندگان خدا کے درمیان پیدا ہونا چاہیے۔ قرآن سے علوم الٰہی اور معارف لدنی حاصل کیے جانے چاہئیں۔

۱۔ " اور کافر کہے گا: کاش میں خاک ہوتا " سورۂ نباء / ۴۰۔

۲۔ " اور پیغمبر نے کہا: میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا " سورۂ فرقان / ۳۰۔

کافی شریف کی روایت کے مطابق جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "انما العلم ثلاثة، آیة محکمة، و فریضة عادلة، وسنة قائمة (۱)"۔

قرآن شریف ان علوم کا حامل ہے۔ اگر ہم قرآن سے یہ علوم حاصل کرلیں تو ہم نے اس کو مھجور نہیں چھوڑا۔ اگر ہم نے قرآن کی دعوت قبول کرلی اور قصص انبیاء علیہم السلام سے جو مواعظ ومعارف اور حکمتوں پر مشتمل ہیں، تعلیم حاصل کی، اگر ہم نے خدائے تعالیٰ اور انبیاء کے مواعظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں، نصیحت حاصل کی، تو ہم نے قرآن کو مھجور نہیں چھوڑا۔ ورنہ قرآن کی ظاہری صورت ہی میں غور وفکر کیے جانا بھی "اخلاد الیٰ الارض" (ہمیشہ زمین ہی کی طرف توجہ کیے رہنا) ہے اور ایک شیطانی وسوسہ ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہیے۔

قرآن جیسے نورانی صحیفہ سے استفادہ کے موانع میں ایک مانع، یہ اعتقاد ہے کہ مفسرین جو کچھ لکھ اور سمجھ چکے ہیں اس سے ہٹ کے کسی کو قرآن سے استفادہ کا حق نہیں ہے اور آیات شریفہ میں تدبر اور تفکر کو تفسیر بالرای سے جو ممنوع ہے، اشتباہ دیتے ہیں اور اس فاسد رائے اور باطل عقیدہ کے وسیلہ سے قرآن شریف کو استفادہ کے تمام فنون سے خالی قرار دے دیا ہے اور اس کو کلی طور پر مھجور کردیا ہے۔ حالانکہ اخلاقی، ایمانی اور عرفانی استفادات کا تفسیر سے کوئی ربط نہیں ہے کہ تفسیر بالرای کا سوال پیدا ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص حضرت موسیٰؑ کے حضرت خضرؑ کے ساتھ مذاکرات کی کیفیت اور ان کی معاشرت کی کیفیت، حضرت موسیٰؑ کا مقام نبوت کی اس عظمت کے باوجود اس علم کو سیکھنے کے لیے سفر کرنا جو ان کے پاس نہ تھا اور اپنی حاجت حضرت خضرؑ کے سامنے پیش کرنے کی کیفیت، اس طرح جیسا آیۂ کریمہ "هل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمت رشداً (۲)" میں مذکور ہے اور حضرت خضرؑ کے جواب کا انداز اور حضرت موسیٰؑ کی معذرتوں سے مقام علم کی عظمت اور طالب علم کے استاد کے ساتھ آداب سلوک کا، کہ شاید بیس ادب اس میں ہیں، استفادہ کرے تو اس استفادہ کو تفسیر سے کیا

۱۔ علم کی بس تین قسمیں ہیں: "آیت محکم، فریضہ عادلہ اور سنت قائمہ"۔ اصول کافی، ج ۱ ص ۴۷ "کتاب فضل العلم، باب صفة العلم وفضلہ" حدیث ۱۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۲۷۸۔

علاقہ ہے کہ تفسیر بالرای کا سوال پیدا ہو ؟! قرآن سے کثیر استفادات یوں ہی کیے جاتے ہیں اور معارف میں، مثلاً اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے قول "الحمد للہ رب العالمین" سے کہ تمام محامد کا حصر اور تمام ثناؤں کا اختصاص حق تعالیٰ سے ہے، توحید افعالی کا استفادہ کرے اور کہے کہ آیہ شریفہ سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ہر کمال و جمال اور ہر عزت و جلال جو عالم میں ہے، چشم احول اور قلب محجوب جن کو موجودات کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ سب حق تعالیٰ کا ہے اور کسی موجود کے پاس اس کی اپنی کوئی چیز نہیں ہے. اس لیے حمد و ثنا حق تعالیٰ کے لیے خاص ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، تو یہ استفادہ تفسیر سے کیا ربط رکھتا ہے کہ اس کا نام تفسیر بالرای رکھا جائے یا نہ رکھا جائے ؟! اس کے علاوہ اور بھی امور ہیں جن کا استفادہ لوازم کلام سے ہوتا ہے اور جو تفسیر سے کسی طرح کا کوئی ربط نہیں رکھتے اس کے علاوہ خود تفسیر بالرای میں بھی کلام ہے کہ شاید تفسیر بالرای کا تعلق آیات معارف و علوم عقلیہ سے جو برہانی میزان کے موافق ہے اور آیات اخلاقیہ سے ہو، جن میں عقل کو دخل ہے، کیونکہ اس طرح کی آیات کی تفسیر مستحکم عقلی برہان یا واضح عقلی اعتبارات کے مطابق ہے کہ اگر کوئی ظاہر ان (برہان و اعتبار عقلی) کے خلاف ہو تو لازم ہے کہ اس کو ظاہر سے ہٹا دیا جائے مثلاً آیہ کریمہ "وجاء ربک (۱) " اور " الرحمن علی العرش استوی (۲) " میں فہم عرفی برہان کے مخالف ہے. تو اس ظاہر کو رد کرنا اور برہان کے مطابق تفسیر کرنا تفسیر بالرای نہیں ہے اور کسی طرح بھی ممنوع نہیں ہو سکتا.

لہذا احتمال، بلکہ ظن یہ ہے کہ تفسیر الرای کا تعلق آیات احکام سے ہو کہ آراء و عقول کا ہاتھ وہاں پہنچنے سے قاصر ہے اور صرف خزینہ داران وحی اور مہبط ملائکۃ اللہ کی بندگی و پیروی سے انہیں حاصل کرنا چاہیے. چنانچہ اکثر روایات شریفہ اس بارے میں ان فقہائے عامہ کے مقابل وارد ہوئی ہیں جو دین خدا کو اپنی عقلوں اور قیاسات سے سمجھنا چاہتے ہیں اور یہ جو بعض روایات شریفہ میں ہے کہ:

۱۔ "اور تمہارا پروردگار آیا..." سورۂ فجر / ۲۲.

۲۔ "(خدائے) رحمان عرش پر مسلط ہو گیا" سورۂ طٰہٰ / ۵.

"لیس شی ء ابعد من عقول الرجال من تفسیر القرآن (۱) " اسی طرح دوسری روایت میں یوں ہے:" دین اللہ لایصاب بالعقول (۲) " یہ اس بات کی گواہ ہیں کہ "دین اللہ " سے مراد دین کے تعبدی احکام ہیں. ورنہ اثبات صانع ،توحید وتقدیس، اثبات معاد و نبوت میں، بلکہ مطلقاً تمام معارف میں عقل کو آزاد رہنے کا حق ہے اور یہ امور عقل کے مختصات میں سے ہیں اور اگر بعض محدثین عالی مقام کے کلام میں وارد ہوا ہے کہ اثبات توحید میں دلیل نقلی پر اعتماد کرنا ہے تو یہ شاذ ونادر اور غرائب امور میں ہے، بلکہ ایسی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے جس سے خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگنا چاہیے اور یہ کلام توہین و تحقیر کا محتاج نہیں ہے "والی اللہ المشتکیٰ ".

قرآن مجید کو سمجھنے اور اس آسمانی کتاب کے معارف ومواعظ سے استفادہ میں مانع حجابوں میں سے ایک اور حجاب، ان گناہوں اور کدورتوں کا حجاب ہے جو پروردگار عالم کے ساحت قدس میں سرکشی ونافرمانی سے پیدا ہوتے ہیں اور جو ادراک حقائق اور دل کے بیچ حجاب بن جاتے ہیں اور معلوم رہے کہ جس طرح نیک وبد عمل کی عالم ملکوت میں اس عمل سے مناسبت رکھنے والی ایک صورت ہوتی، اسی طرح ملکوت نفس میں بھی ایک صورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے یا تو باطن نفس میں نورانیت پیدا ہوتی ہے جس سے قلب پاکیزہ اور نورانی ہوجاتا ہے. باطن نفس میں یہ صورت صیقل کیے ہوئے آئینہ کی طرح صاف ہوتی ہے اور اس لائق ہوتی ہے کہ اس میں غیبی تجلیات اور حقائق ومعارف کا ظہور ہو اور یا ملکوت نفس تاریک اور پلید ہوجاتا ہے. اس صورت میں قلب زنگ آلود آئینہ کی طرح میلا ہوجاتا ہے جس میں معارف الٰہیہ اور حقائق غیبیہ اپنا عکس نہیں ڈالتے اور چونکہ ایسی صورت میں قلب شیطانی تسلط کے تحت واقع ہوتا ہے اور مملکت روح پر ابلیس کا تصرف ہوتا ہے اس لیے آنکھ، کان اور دوسری تمام قوتیں اسی ملعون کے زیر تصرف آجاتی ہیں. لہذا کان معارف ومواعظ الٰہی کے سننے سے بہرے ہوجاتے ہیں اور آنکھیں الٰہی آیات باہرات کو دیکھنے سے اندھی

۱۔ "عقل تفسیر قرآن سے سب سے زیادہ دور ہے". بحار الانوار، ج ۸۹ ص ۹۵ "کتاب القرآن" باب ۸ حدیث ۲۸، از تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۱۲ .

۲۔ "دین خدا کو عقل سے نہیں پاسکتے". بحار الانوار، ج ۲ ص ۳۰۳ "کتاب العلم" حدیث ۴۱، از اکمال الدین .

ہوجاتی ہیں. حق اور آثار و آیات حق کو نہیں دیکھ پاتیں. دل دینی فقہ نہیں حاصل کرتا اور آیات وبینات اور حق واسماء وصفات کو یاد کرنے کے قابل نہیں رہ جاتا. چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:
" لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم آذان لا يسمعون بها اولئک کالانعام بل هم اضل (۱) " عالم پر ان کی نظر ایسی ہی ہوجاتی ہے جیسی چوپایوں اور حیوانوں کی جو نہ عبرت حاصل کرسکتی ہیں نہ تدبر کی صلاحیت رکھتی ہیں. ان کے دل جانوروں کے دلوں کی طرح ہوجاتے ہیں جو تفکر اور تذکر سے بے بہرہ ہوتے ہیں، بلکہ آیات میں نظر وفکر اور معارف ومواعظ سننے سے ان کی غفلت اور استکبار میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا ہے. لہٰذا وہ حیوانات سے بھی زیادہ پست اور گمراہ ہیں.

(قرآن مجید کو سمجھنے سے مانع) غلیظ حجابوں میں سے ایک حجاب جو ہمارے اور معارف ومواعظ قرآن کے درمیان ایک دبیز پردہ ہے. وہ ہے محبت دنیا کا حجاب جس کی وجہ سے قلب کا تمام ترمیلان دنیا کی طرف ہوجاتا ہے. قلب کا رخ پوری طرح دنیاوی ہوجاتا ہے اور وہ اس محبت کی وجہ سے ذکر خدا سے غافل اور ذکر ومذکور سے روگرداں ہوجاتا ہے اور جیسے جیسے دنیا اور اس کے طور طریق سے تعلق بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے قلب پر حجاب اور بھی دبیز اور غلیظ ہوتا جاتا ہے. یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دنیا سے علاقہ قلب پر اس قدر غلبہ کرلیتا ہے اور حب جاہ وشرف کا تسلط اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ فطرت الٰہی کا نور کلی طور پر خاموش ہوجاتا ہے اور انسان کے لیے سعادت کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور شاید قلب پر پڑے ہوئے جن تالوں کا ذکر آیۂ کریمہ " افلا يتدبرون القرآن ام علىٰ قلوب اقفالها (۲) " میں رہے وہ یہی دنیاوی علائق کے بندھن ہوں. لہٰذا جو شخص معارف قرآن سے استفادہ کرنا چاہتا ہے اور مواعظ الٰہیہ سے فائدہ اٹھانے کا خواہشمند ہے اسے چاہیے کہ اپنے قلب کو ان نجاستوں سے پاک کرے اور قلبی گناہوں کی آلودگی کو جو غیر خدا سے اشتغال ودلبستگی ہے، دل سے

۱۔ "ان کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں، اور کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں، یہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ" سورۂ اعراف / ۱۷۹.

۲۔ "کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟" سورۂ محمد / ۲۴.

نکال کے باہر پھینک دے، کیونکہ جو پاک نہ ہو وہ ان اسرار کا محرم نہیں ہوسکتا.

قال تعالیٰ: " انه لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسه الا المطهرون (۱) " جس طرح اس کتاب کے ظاہر سے اور اس کو ظاہری عالم میں مس کرنے سے ہر اس شخص کو روکا گیا ہے جو ظاہری طور سے پاک نہ ہو تشریعی طور پر بھی اور تکلیفی طور پر بھی، اسی طرح اس کے معارف و مواعظ اور اس کے سر و باطن سے ہر اس شخص کو روک دیا گیا ہے جس کا قلب دنیاوی نجاستوں سے آلودہ ہو.

و قال تعالیٰ: " ذلک الکتب لا ریب فیه هدیً للمتقین ... الایة (۲) " غیر متقی اور غیر مؤمن تو عام ایمان و تقویٰ کے اعتبار سے اس کے صوری مواعظ اور سچے عقائد کی روشنی سے محروم ہے ہی وہ شخص بھی جو غیر متقی مگر مؤمن ہو وہ تقویٰ کے دوسرے مراتب کے اعتبار سے، تقوائے خاص، تقوائے خاص الخاص، اور تقوائے اخص الخواص، مواعظ و عقائد قرآنی کے دوسرے مراتب سے محروم ہے. اس کی تفصیل اور دوسری آیات کا ذکر جو ہمارے مقصود پر دلالت کرتی ہیں، طول بیان کا سبب ہے، لیکن ہم اس فصل کو ایک آیۂ شریفہ الہیۂ کے ذکر پر تمام کرتے ہیں جو بیدار مغز حضرات کے لیے کافی ہے بشرطیکہ اس کے بارے میں تدبر سے کام لیں.

قال تبارک و تعالیٰ:

" قد جائکم من الله نور و کتاب مبین یهدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلام ویخرجهم من الظلمات الی النور ویهدیهم الیٰ صراط مستقیم (۳) ".

آیۂ مبارکہ کے بہت خصوصیات ہیں اور اس کے نکات کے اطراف کو بیان کرنا ایک علیحدہ رسالہ کی تالیف چاہتا ہے جس کا اس وقت موقع نہیں ہے.

۱۔ " بے شک یہ قرآن کریم ہے، ایک محفوظ و مستور کتاب میں جسے پاکیزہ لوگ ہی لمس کرتے ہیں " سورۂ واقعہ / ۷۷۔ ۷۹.

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۲۷۵.

۳۔ " خدا کی جانب سے تمہارے لیے ایک نور اور ایک کتاب مبین آئی ہے، خدا جس کے وسیلہ سے ہر شخص کو جو اس کی رضا چاہے ہدایت کے محفوظ راستوں کی ہدایت کرتا ہے اور اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے " سورۂ مائدہ / ۱۵.

فصل پنجم

تفکّر

قرآن کی قرائت کے آداب میں ایک ادب "حضور قلب" ہے جس کا ذکر عبادات کے عام آداب کے ذیل میں ہم کر چکے اور اس کی تکرار غیر ضروری ہے۔

قرائت کے اہم آداب میں ایک "تفکر" ہے. تفکر کا مطلب یہ ہے کہ آیات شریفہ میں مقصد اور مقصود کی جستجو کرے اور چونکہ قرآن کا مقصد، جیسا کہ قرآن نے خود بتایا ہے، ہدایت "سبل سلام" (سلامتی کے راستوں کی طرف راہنمائی) اور تاریکی کے تمام درجات سے نکال کر عالم نور کی طرف لانا اور صراط مستقیم کی ہدایت کرنا ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ آیات شریفہ میں تفکر کر کے سلامتی کے مراتب کو، ان کے ابتدائی اور نچلے مرتبہ سے لے کر، جس کا تعلق ملکی قوتوں سے ہے، اعلیٰ اور آخری مرتبہ تک، جو قلب سلیم کی حقیقت ہے، اس تفسیر کے مطابق جو اہل بیت علیہم السلام سے وارد ہوئی ہے کہ "حق تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے کہ دل میں حق کے علاوہ کچھ نہ ہو (۱)" حاصل کرے. ملکی اور ملکوتی قوتوں کی سلامتی قاری قرآن کی گم شدہ چیز ہے جو اس کتاب آسمانی میں موجود ہے اور تفکر کے ذریعہ اسے ڈھونڈ نکالنا چاہیے۔

جب انسانی قوتیں تصرف شیطانی سے محفوظ ہو گئیں، سلامتی کا راستہ مل گیا اور اس پر چلنا بھی

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۲۴۳۔

شروع کردیا تو سلامتی کے جس مرتبہ کو حاصل کرتا جائے گا ایک ظلمت سے نجات پاتا جائے گا اور قہری طور سے اللہ کے نور درخشاں کی تجلی حاصل ہوگی، یہاں تک کہ اگر ظلمتوں کی تمام انواع واقسام سے خالص ہوگیا جن میں پہلی ظلمت عالم مادیات کی ظلمت ہے مادیت کے تمام احوال وشئون کے ساتھ اور آخری ظلمت کثرت کی طرف توجہ ہے کثرت کے تمام احوال وشئون کے ساتھ، تو نور مطلق اس کے قلب پر تجلی کرے گا اور انسانیت کے صراط مستقیم کی طرف جو اس مقام پر صراط رب ہے، انسان کی رہبری کرے گا "ان ربّی علیٰ صراط مستقیم (۱)"۔

قرآن کریم میں تفکر کی دعوت کے ساتھ اس کی بہت تعریف وتحسین کی گئی ہے۔

قال تعالیٰ: "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفکرون (۲)" اس آیۂ کریمہ میں تفکر کی بہت بڑی مدح ہے، کیونکہ اس عظیم آسمانی کتاب اور نورانی صحیفہ کے نازل کرنے کی غرض وغایت "احتمال تفکر" کو قرار دیا گیا ہے اور یہ اس بات کی طرف شدید توجہ کی دلیل ہے کہ صرف (بندوں کے) تفکر کا احتمال قرآن جیسی ایک عظیم کرامت کا سبب ہوا ہے۔

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے: "فاقصص القصص لعلهم یتفکرون (۳)" اس طرح کی یا اس سے قریب بہت آیتیں ہیں اور روایتیں بھی تفکر کے بارے میں بہت ہیں۔ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے: "انّ فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهـار لآیات... الایة (۴)" تو پیغمبر (ص) نے فرمایا: "ویل لمن قراها ولم یتفکر فیها (۵)" اس باب میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان سمجھے کہ کون سا تفکر ممدوح اور پسندیدہ ہے؟ ورنہ قرآن وحدیث میں تفکر تو بے شک ممدوح ہے۔ اس (تفکر

۱۔ "یقیناً میرا رب راہ راست پر (موجود) ہے" سورۂ ہود / ۵۶۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۲۷۵۔

۳۔ "پس داستانیں بیان کرو ہوسکتا ہے سوچیں" سورۂ اعراف / ۱۷۶۔

۴۔ "یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے آنے جانے میں نشانیاں ہیں..." سورۂ آل عمران / ۱۹۰۔

۵۔ "وائے ہو اس شخص پر جس نے اسے پڑھا اور اس میں غور نہیں کیا" نور الثقلین، ج ۱ ص ۳۵۰ (تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ)۔

ممدوح) کی بہترین تعبیر وہ ہے جو خواجہ عبداللہ انصاری نے کی ہے :" اعلم انّ التفکر تلمّس البصیرۃ لاستدراک البغیۃ (۱) "یعنی تفکر وہ" بصیرت " تلاش کرنا ہے جو دل کی آنکھ ہے، مقصود اور نتیجہ تک پہنچنے کے لیے جو غایت کمال ہے اور معلوم ہے کہ (انسان کا) مقصد و مقصود وسعادت مطلقہ ہے جو کمال علمی وعملی سے حاصل ہوتا ہے .

لہذا انسان کو چاہیے کہ کتاب الٰہی کی آیات شریفہ سے اور اس کے قصص وحکایت میں مقصود ونتیجہ انسانیت، یعنی سعادت حاصل کرے اور چونکہ سعادت سے مراد سلامت مطلقہ، عالم نور اور صراط مستقیم تک پہنچنا ہے، لہذا قرآن شریف سے سبل سلامت، معدن نور مطلق اور صراط مستقیم طلب کرے، جیسا کہ سابقہ آیۂ مبارکہ میں اشارہ ہوا . جب شخص قاری نے مقصد کو سمجھ لیا تو اس کو حاصل کرنے کے اسے بینائی مل گئی، قرآن شریف سے استفادہ کی راہ کھل گئی، رحمت حق کے در کھل گئے اور اب اپنی مختصر عمر عزیز کو اور اپنے سرمایہ تحصیل سعادت کو ایسے امور میں صرف نہ کرے گا جو رسالت کا مقصد نہیں ہیں اور ایسے اہم امر میں فضول بحث وگفتگو سے کنارہ کش ہوجائے گا .

جب ایک عرصہ تک دل کی آنکھوں کو اسی مقصود پر لگائے رہے گا اور دوسری تمام چیزوں سے صرف نظر کیے رہے گا تو دل کی آنکھیں روشن اور تیز ہوجائیں گی اور نفس کو قرآن میں تفکر کی عادت پڑجائے گی اور استفادہ کی راہیں کھل جائیں گی اور ایسے دروازے اس پر وا ہوجائیں گے جو اب تک بند تھے اور ایسے مطالب ومعارف قرآن سے حاصل کرے گا جو اب تک حاصل نہیں کیے تھے . اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ قرآن قلبی امراض کے لیے شفا ہے اور آیۂ شریفہ "وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خساراً (۲) " کا مفاد اور قول امیر المؤمنین علیہ السلام : " وتعلموا القرآن، فانه ربیع القلوب ؛ واستشفوا بنورہ، فانه شفاء الصدور (۳) " کے معنی کا ادراک کرے گا اور قرآن شریف سے جسمانی امراض ہی کے لے شفا طلب نہ کرے گا، بلکہ سب سے

۱۔ منازل السائرین " قسم البدایات، باب التفکر " .

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۲۷۶ .

۳۔ " قرآن سیکھو کیونکہ وہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفاء حاصل کرو کیونکہ وہ سینوں کے لیے شفاء ہے " .
نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۳۳۰، خطبہ ۱۰ (عبارت کے اضافہ کے ساتھ) .

اعلیٰ مقصد روحانی امراض سے شفا کو جو مقصد قرآن ہے، قرار دے گا. اگرچہ جسمانی امراض کو بھی اس سے شفا حاصل ہوتی ہے. چنانچہ انبیاء علیہم السلام بھی جسمانی شفاء کے لیے نہیں آئے تھے. اگرچہ شفا دیتے تھے وہ نفوس کے اطباء اور ارواح وقلوب کو شفا بخشنے والے ہیں.

(یا شافی)

فصل ششم

تطبیق

قرائت قرآن کے اہم آداب میں سے ایک "تطبیق" ہے جس سے انسان کو کثیر نتائج اور بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں. تطبیق کا مطلب یہ ہے کہ آیات شریفہ میں سے جس آیت میں بھی تفکر کر رہا ہے اس کے مفاد کو اپنے حال پر منطبق کرے اور جو کمی نظر آئے اسے آیت شریفہ کے ذریعہ دور کرے اور اپنی بیماریوں سے اس کے وسیلہ سے شفا حاصل کرے. مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں دیکھے کہ تمام طولانی سجدوں اور عبادتوں کے باوجود شیطان کے بارگاہ ایزدی سے دور کیے جانے کے کا سبب کیا تھا اور خود کو اس سے پاک کرے. کیونکہ مقام قرب الٰہی پاک لوگوں کا مقام ہے. شیطانی اوصاف واخلاق کے ہوتے ہوئے اس بارگاہ میں قدم نہیں رکھ سکتے. آیات شریفہ سے استفادہ ہوتا ہے کہ ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کا سبب خود بینی وخود پسندی تھی کہ اس نے "انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین (۱) " کا نقارہ بجایا اور یہی خود بینی، خود خواہی وخود فروشی کا جو استکبار ہے، سبب بن گئی اور استکبار خود رائی کا جو خود کو مستقل وآزاد سمجھنا اور حکم سے مہرتابی ہے، سبب بن گئی. لہذا درگاہ الٰہی سے نکال دیا گیا. ہم اول عمر ہی سے شیطان کو ملعون ومردود کہتے آئے ہیں. حالانکہ

۱۔ "میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے اور اس مٹی سے پیدا کیا ہے" سورۂ اعراف / ۱۲

خود ہم میں اس کی خبیث صفتیں پائی جاتی ہیں اور کبھی یہ نہیں سوچا کہ درگاہ قدس سے مردود قرار پانے کا سبب جس میں بھی پایا جائے وہ مردود ہے۔ اس میں شیطان کی کوئی تخصیص نہیں جس بات نے اس کو درگاہ تقرب سے دور کیا، وہ بات ہم کو بھی اس درگاہ سے دور کیے بغیر نہیں چھوڑے گی۔ خطرہ ہے کہ جو لعنتیں ہم شیطان پر بھیجتے ہیں کہیں خود بھی ان میں شریک نہ ہوں۔

ہمیں یہ تفکر بھی کرنا چاہیے کہ اسی قصہ میں حضرت آدمؑ کے ملائکۃ اللہ سے ممتاز اور برتر ہونے کا سبب تھا (کوشش کریں کہ) خود بھی بقدر طاقت اس سے متصف ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں اس امتیاز اور برتری کا سبب "تعلیم اسماء" تھا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے "وعلم آدم الاسماء کلھا (۱)" تعلیم اسماء کا بلند مرتبہ مقام اسماء اللہ کا تحقق ہے۔ چنانچہ احصائے اسماء کا بلند مرتبہ، جو روایت میں بتایا گیا ہے کہ: "ان للّٰہ تسعاً وتسعین اسماً من احصاھا، دخل الجنۃ (۲)" وہ حقیقت اسماء کا تحقق ہی ہے جو انسان کو جنّت اسمائی تک پہنچاتا ہے۔

انسان قلبی ریاضتوں سے اسماء اللہ کا مظہر اور اللہ کی آیت کبریٰ بن سکتا ہے اس کا وجود، وجود ربانی ہوسکتا ہے اور اس کی مملکت میں دست جمال وجلال الٰہی متصرف ہوسکتا ہے۔ حدیث میں تقریباً یہی معنیٰ موجود ہیں کہ "یقیناً روح مؤمن کا اتصال خدا سے اس سے زیادہ مستحکم ہے جتنا شعاع آفتاب کا اتصال آفتاب سے یا نور آفتاب سے ہوتا ہے (۳)"۔

حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ "بندہ جب نافلہ کے ذریعہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے تو میں اسے دوست رکھتا ہوں اور جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ اخذ کرتا ہے (۴)۔

۱۔ "اور تمام اسماء آدمؑ کو سکھا دیے" سورۂ بقرہ / ۳۱۔

۲۔ "یقیناً خدا کے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کرلے وہ جنت میں داخل ہوگا" بحار الانوار، ج ۴ ص ۱۸۶ ـ ۱۸۷۔

۳۔ حاشیہ ۱ ص ۱۴۳۔

۴۔ اصول کافی، ج ۴ ص ۵۳ "کتاب الایمان والکفر، باب من اذیٰ المسلمین واحتقرہم" حدیث ۷۔

حدیث میں ہے کہ "علیؑ عین اللّٰہ وید اللّٰہ [۱] " اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ "نحن اسمائہ الحسنیٰ [۲] " اس سلسلہ میں عقلی ونقلی شواہد بہت ہیں۔

وبالجملہ، جو شخص چاہتا ہے کہ قرآن مجید سے کثیر فائدہ اور کافی لطف اٹھائے۔ اس کو چاہئے کہ آیات شریفہ کی اپنے حالات پر تطبیق کرے تاکہ پورا استفادہ کر سکے۔ مثلاً سورۂ "انفال" کی آیۂ شریفہ میں ارشاد ہوتا ہے:

" انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایماناً وعلیٰ ربھم یتوکلون ... الایۃ [۳] "۔

سالک کو چاہئے کہ ان تینوں اوصاف کو دیکھے کہ اس پر منطبق ہیں یا نہیں؟

یا جب ذکر خدا ہوتا ہے تو اس کے دل میں اضطراب اور خوف پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟

اور جس وقت آیات الٰہی اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو نور ایمان اس کے دل میں بڑھ جاتا ہے یا نہیں؟

اس کا اعتماد اور بھروسہ اللہ پر ہے یا نہیں؟

کہیں وہ ان مراتب میں ہر ایک مرتبہ سے پیدل اور ان خواص میں سے ہر ایک سے محروم تو نہیں ہے؟

اگر یہ سمجھنا چاہے کہ اللہ سے خائف ہے یا نہیں اور اس کا دل خوف خدا سے مضطرب ہوتا ہے یا نہیں تو اپنے اعمال پر نظر ڈالے۔ خوف خدا رکھنے والا محضر کبریائی میں جسارت نہیں کرتا اور حق تعالیٰ کے حضور میں اس کے احکام کی توہین نہیں کرتا۔ اگر آیات الٰہیہ پر ایمان قوی ہو جائے تو نور ایمان ظاہری مملکت میں سرایت کر جائے۔ یہ ممکن نہیں کہ دل تو نورانی ہو اور زبان و کلام، چشم ونظر، کان

۱۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کے ایک خطبہ میں آیا ہے: " وانا عین اللّٰہ ولسانہ الصادق ویدہ ... " معانی الاخبار، ص ۱۷ حدیث ۱۴؛ التوحید، ص ۶۵ باب ۲۲ حدیث ۲۔

۲۔ " ہم ہیں خدا کے اسمائے حسنیٰ " اصول کافی، ج ۱ ص ۱۹۶ " کتاب التوحید، باب النوادر " حدیث ۴

۳۔ " مؤمن وہ لوگ ہیں جن کے سامنے نام خدا لیا جاتا ہے تو ان کے دل خائف ہوجاتے ہیں اور جب آیات خدا کی تلاوت ان کے سامنے کی جاتی ہے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں " سورۂ انفال / ۲۔

اور سماعت نورانی نہ ہوں. نورانی بشر وہ ہے جس کی تمام ملکی اور ملکوتی قوتیں نور بانٹتی ہوں. نہ صرف اپنی ذات کو سعادت اور صراط مستقیم کی ہدایت کرے، بلکہ دوسروں پر بھی نور برسائے اور ان کو راہ انسانیت بتائے. چنانچہ اگر کوئی شخص خدا پر توکل و اعتماد کرتا ہوگا تو دوسروں کے ہاتھ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھے گا اور اپنے ضروریات اور حاجات کا بار غنی مطلق ہی کے در پر ڈالے گا اور دوسروں کو جو اسی کی طرح بے نوا اور محتاج ہیں، اپنا مشکل کشا نہ سمجھے گا.

لہٰذا سالک الی اللہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ خود کو قرآن شریف کے سامنے پیش کرے اور جس طرح حدیث کے صحیح ہونے یا غلط ہونے اور معتبر ہونے یا غیر معتبر ہونے کی میزان یہ ہے کہ اسے کتاب خدا پر پیش کریں، جو کتاب خدا کے مخالف نظر آئے اسے باطل اور بے بنیاد سمجھیں. اسی طرح راستی اور کجی اور سعادت وشقاوت کی میزان بھی یہی ہے کہ کتاب اللہ کی میزان پر پوری اترے تو راستی اور سعادت ہے (ورنہ کجی اور شقاوت ہے) اور جس طرح خلق حضرت رسول خدا (ص) قرآن ہے، اپنے خلق کو قرآن کے موافق بنانا چاہیے تاکہ ولی کامل کے خلق سے بھی مطابقت پیدا ہوجائے اور جو خلق کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ باطل اور رنگ وروغن ہے. اسی طرح اپنے تمام معارف و احوال قلوب اور اعمال باطن کی کتاب خدا سے تطبیق کرے اور سامنے رکھے تاکہ حقیقت قرآن کے ساتھ متحقق ہوجائے اور قرآن ہی اس (عمل) کی صورت باطنی ہوجائے.

و انت الکتاب المبین الذی باحرفہ یظہر المضمر (۱)

خدا کی بھیجی ہوئی وہ کھلی کتاب ہے تو
کہ جس کے حرفوں سے کھلتے ہیں سینکڑوں اسرار

اس مقام پر کچھ اور آداب ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم اس رسالہ کے شروع میں مطلق عبادات کے آداب کے ذیل میں کرچکے اور بعض انہیں آداب میں مندرج ہوئے اور کچھ اور آداب ہیں جن کا ذکر تطویل کا سبب ہوگا، اس لیے ان سے صرف نظر کرتے ہیں، واللہ العالم.

۱۔ "تو ایک روشن کتاب ہے جس کے حرفوں سے پنہاں آشکار ہوجاتا ہے". حضرت امیرالمومنین ؑ کی طرف منسوب اشعار میں سے ہے جن کا پہلا شعر یہ ہے: "اتحسب انک جرم صغیر وفیک انطوی العالم الاکبر".

خاتمة

چند روایات شریفہ کا ترجمہ، فائدہ کی تکمیل اور کلام عترت طاہرہ سے حصول برکت کے لیے

کافی شریف میں سعد تک اسناد پہنچاتے ہوئے روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "اے سعد! قرآن سیکھو، کیونکہ قیامت کے روز قرآن بہترین صورت میں آئے گا" اس کے بعد آپ نے جو کچھ فرمایا اس کے معنیٰ قریب قریب یہ تھے "(اور) مومنین، شہداء، انبیاء اور ملائکۃ اللہ کی صفوں سے ہو کر گزرے گا اور وہ سب کہیں گے کہ یہ تو ہم سب سے زیادہ نورانی ہے، یہاں تک حضرت رسول خدا (ص) اس کا تعارف کرائیں گے... الیٰ آخر الحدیث (۱)"۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "خدائے تعالیٰ جب اولین و آخرین کو جمع کرے گا تو اچانک وہ سب ایک شخص کو دیکھیں گے جو سامنے سے آرہا ہو گا جس سے بہتر صورت انہوں نے اب تک نہ دیکھی ہوگی (۲)" اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں اور اہل معرفت کے قول کی واضح دلیل ہیں کہ موجودات عالم کے لیے عالم آخرت میں دوسری صورتیں ہوں گی۔

اس بات کی حدیثوں سے اعمال اخروی کی صورت بھی معلوم ہوجاتی ہے۔ کافی شریف میں باسناد حضرت امام باقر العلوم علیہ السلام سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: "رسول خدا نے فرمایا: میں، کتاب خدا اور میرے اہل بیت پہلے لوگ ہوں گے جو عزیز جبار کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ ہمارے بعد ہماری امت (کے لوگ) وارد ہوں گے۔ تب میں ان سے پوچھوں گا کہ تم نے خدا کی کتاب اور

۱۔ اصول کافی، ج ۴ ص ۳۹۴ "کتاب فضل القرآن" باب ۱ حدیث ۱۔

۲۔ حوالہ سابق۔

میرے اہل بیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ (۱)".

دوسری حدیث میں ہے کہ خداوند جبار عزوجل، قرآن سے کہے گا: "میری عزت و جلال اور بلندی مقام کی قسم! میں اس کا اکرام کروں گا جس نے تیرا اکرام کیا اور اس کی اہانت کروں گا جس نے تیری اہانت کی (۲)".

معلوم رہے کہ اگر ہم عمل کے ذریعہ احکام و معارف قرآن کو زندہ نہ کریں گے اور اس کی حقیقت کو متحقق نہ کریں گے تو اس روز رسول خدا (ص) کو جواب نہ دے سکیں گے. کون سی اہانت اس سے بڑی ہو سکتی ہے کہ اس کے مقاصد اور اس کی دعوت کو پیروں تلے روند دیا جائے؟! قرآن اور اہل قرآن، یعنی اہل بیت عصمتؑ کا احترام فقط اس کی جلد کو اور ان کی ضریحوں کو چومنے سے نہیں ہوتا، یہ تو اکرام و احترام کا ایک کمزور درجہ ہے. اگر ہم نے اس کے قوانین اور ان کے فرامین کے مطابق عمل کیا ہے تو مقبول ہے. ورنہ استہزاء اور بازیچہ ہے اور احادیث میں ایسے قاری قرآن سے بچنے کے لیے سخت تاکید آئی ہے جو اس پر عمل نہ کرتا ہو.

"عقاب الاعمال" شیخ صدوق (رضوان اللہ علیہ) میں انہیں کی اسناد کے ساتھ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ (ص) نے ایک حدیث میں فرمایا: "جو شخص قرآن سیکھے اور اس پر عمل نہ کرے اور حبّ دنیا اور زینت دنیا کو قرآن پر عمل کے مقابلہ میں ترجیح دے اور پسند کرے، وہ غضب خدا کا مستحق ہوتا ہے اور یہود و نصاریٰ کے درجہ میں ہوگا جنہوں نے کتاب خدا کو پس پشت ڈال دیا اور جو شخص قرآن پڑھے اور اس سے "سمعہ (۳)" اور دکھاوا اور دنیا تک پہنچنا مقصود ہو تو خدا سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی کا ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا اور قرآن اس کی گدی پر مارے گا تاکہ جہنم میں داخل ہو اور جہنم میں ان لوگوں کے پاس جا کے گرے گا

۱۔ اصول کافی، ج ۴ ص ۴۰۰ "کتاب فضل القرآن" باب ۱ حدیث ۴.

۲۔ حوالہ سابق، حدیث ۱۴.

۳۔ "سمعہ" ریا کی ایک قسم ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اپنی عبادت کو لوگوں کے کانوں تک پہنچائے تاکہ ان کے دل اس کی طرف جھکیں.

جو پہلے سے گرے پڑے ہوں گے اور جو شخص قرائت قرآن کرے اور اس پر عمل نہ کرے، قیامت کے روز خدا اسے اندھا محشور کرے گا تو وہ کہے گا: پروردگارا! مجھے اندھا کیوں محشور کیا ہے؟ میں تو ٹھیک تھا۔ ارشاد ہوگا: کل جب ہماری آیتیں تجھ تک پہنچیں تو انہیں تو نے بھلا دیا تھا اسی طرح آج تجھے بھلا دیا گیا (۱)۔ اس کے بعد حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں ڈال دیں اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے رضائے خدا کے لیے اور معالم دین یاد کرنے کے لیے تو اس کو اتنا ثواب عطا کیا جائے گا جتنا ملائکہ اور انبیائے مرسلینؑ کو عطا ہوا ہوگا"۔

"اور جو شخص قرآن سیکھے اور اس کا مقصد ریا وسمعہ ہو تاکہ اس کے ذریعہ سے نادانوں اور بےوقوفوں سے مجادلہ کرے اور علماء کے مقابلہ میں فخر ومباہات کرے اور اس سے دنیا حاصل کرے، خدا قیامت کے روز اس کی ہڈیوں کو الگ الگ کردے گا اور جہنم میں اس سے زیادہ سخت عذاب کسی پر نہ ہوگا اور عذاب کی کوئی قسم ایسی نہ ہوگی جس میں اسے معذب نہ کیا جائے، کیونکہ خدا اس سے شدید غضبناک ہوگا"۔

"اور جو شخص قرآن سیکھے اور تواضع وخاکساری اختیار کرے اور بندگان خدا کو تعلیم دے اور اس سے اس ثواب کا طلبگار ہو جو اللہ کے پاس ہے، تو جنّت میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس کو اس سے بڑا ثواب ملا ہو اور جنّت میں کوئی بلند منزل اور نفیس درجہ ایسا نہ ہوگا جس میں اس کا حصّہ زیادہ تر اور بزرگ تر نہ ہو (۲)"۔

معانی قرآن میں تفکر اور اس سے نصیحت حاصل کرنے اور اس سے اثر قبول کرنے کے بارے میں بھی کثیر روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ کافی شریف میں باسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

"یقیناً یہ قرآن نور وہدایت کا محل اور اندھیری راتوں کا منارہ ہے۔ لہذا گردش دینے والا اپنی آنکھوں کو گردش دے اور روشنی حاصل کرنے کے لیے اپنی نظریں کھلی رکھے۔ اس لیے کہ تفکر قلب بینا

۱۔ سورۂ طٰہٰ / ۱۲۶۔

۲۔ عقاب الاعمال، ص ۳۳۲، ۳۳۷، ۳۴۴۔

کی زندگی ہے. چنانچہ طالب نور، نور کے ذریعہ ہی اندھیروں میں راستہ چلتا ہے (۱) "۔

امام علیہ السلام کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح انسان کو نور ظاہری سے اندھیروں میں راہ چلنا چاہیے تاکہ گڑھے میں گرنے کے خطرے سے محفوظ رہے اسی طرح سیر الیٰ الاخرۃ و سیر الیٰ اللہ کی تاریک راہوں کو قرآن کی روشنی میں طے کرنا چاہیے جو ہدایت کی روشنی اور راہ عرفان و ایمان کا روشن چراغ ہے تاکہ مہلک گڑھوں میں گرنے سے محفوظ رہے۔

معانی الاخبار کی ایک حدیث میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ فرماتے ہیں: " حقیقی فقیہ وہ ہے جو بے پروائی کی وجہ سے قرآن کو ترک نہ کرے اور قرآن سے ہٹ کے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے. آگاہ رہو کہ اس علم میں کوئی خیر نہیں جس کو سمجھا نہ جاسکے اور اس قرائت میں کوئی خیر نہیں جس میں تدبر نہ ہو اور اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں تفقہ نہ ہو (۲) "۔

خصال اور معانی الاخبار میں حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے، آپ (ص) نے فرمایا: " حملہ قرآن عرفاء اہل بہشت ہوں گے (۳) " اور ظاہر ہے کہ اس حمل سے مراد معارف و علوم قرآن کا حمل ہے جس کا نتیجہ آخرت میں یہ ہوگا کہ انہیں اہل معرفت اور اہل قلوب میں شمار کیا گیا ہے. چنانچہ اگر اس کے مواعظ سے نصیحت حاصل کیے بغیر، اس کے معارف و حکم کا تحمل کیے بغیر اور اس کے احکام و سنن پر عمل کیے بغیر صرف صورت قرآن کو اٹھائے پھرے تو اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: " مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفاراً (۴) "۔

قرآن کریم کی شان اور اس کے آداب کے بارے میں احادیث اس رسالہ کی گنجائش سے بہت زیادہ ہیں۔ والسلام علیٰ محمد و آلہ۔

۱۔ اصول کافی، ج ۴ ص ۴۰۰ " کتاب فضل القرآن " باب ۱ حدیث ۵ ۔

۲۔ معانی الاخبار، ص ۲۲۶ " باب معنی الفقیہ حقا " حدیث ۱۔

۳۔ معانی الاخبار، ص ۳۲۳ " باب معنیٰ عرفاء اہل الجنۃ " حدیث ۱، الخصال، ج ۱ ص ۲۸ " باب الواحد " حدیث ۱۰۰ ۔

۴۔ " ان لوگوں کی مثال جنہوں نے توریت کو اٹھا تو لیا اور اس پر عمل نہیں کیا، اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے " سورۂ جمعہ / ۵ ۔

مصباح دوم

نماز کے ساتھ مخصوص قرائت کے کچھ آداب

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

قرائت نماز کے آداب

اس سفر روحانی اور معراج الٰہی میں قرائت کے مدارج ومراتب ہیں. ہم اس رسالہ کی مناسبت سے ان میں سے بعض کے تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں.

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ قاری تجوید قرائت اور تحسین عبارت کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے اور اس کا قصد محض ان کلمات کا تلفظ اور مخارج حروف کی تصحیح ہوتا کہ ایک تکلیف ادا ہوجائے اور ایک ذمہ داری پوری ہوجائے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے تکلیف (ذمہ داریاں) کلفت وزحمت کا سبب ہوتی ہیں اور ان کا دل ان سے اکتاہٹ محسوس کرتا ہے اور ان کا باطن قلب ان تکالیف سے منحرف ہوتا ہے. ان لوگوں کو عبادت میں کوئی لطف نہیں آتا سوائے اس کے کہ ایک ایسے عمل کو ترک نہیں کرتے جس کے ترک کا نتیجہ عقاب ہے. مگر یہ کہ خزائن غیب سے فضل وکرم ہو اور اسی زبانی ادائیگی پر احسان واکرام کے حقدار قرار پاجائیں. یہ ایسے لوگ ہیں کہ کبھی کبھی جن کی زبان تو ذکر خدا میں مشغول ہوتی ہے مگر ان کا دل کلی طور سے عاری وخالی اور کثرات دنیویہ اور مشاغل ملکیہ میں لگا رہتا ہے. یہ گروہ صورت کے اعتبار سے تو نماز میں داخل ہوتا ہے مگر درحقیقت دنیا، کاروبار دنیا اور خواہشات دنیا میں مشغول ہوتا ہے. کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا دل بھی صورت نماز کی تصحیح کی فکر میں مشغول ہوتا ہے. اس صورت میں یہ لوگ قلب وزبان دونوں کے

مطابق صورت نماز میں وارد ہوتے ہیں اور یہ صورت ان لوگوں سے مقبول اور پسندیدہ ہے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو اس حد پر قانع نہیں اور نماز کو ذکر و یاد حق کا وسیلہ سمجھتے ہیں اور قرائت کو حمد و ثنائے الٰہی میں شمار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے بہت مدارج و مراتب ہیں جن کا ذکر طول کا سبب ہوگا اور شاید اسی گروہ کی طرف یہ حدیث قدسی اشارہ کرتی ہے:

عن امیر المؤمنین (علیه السلام) قال: " قال رسول الله (صلی الله علیه وآله): قال الله عزوجل: قسمت الصلاة بینی وبین عبدی؛ فنصفها لی، ونصفها لعبدی. فاذا قال: "بسم الله الرحمن الرحیم" یقول الله: "ذکرنی عبدی". واذا قال: "الحمدلله" یقول الله: "حمدنی عبدی واثنیٰ علی". وهو معنیٰ "سمع الله لمن حمده". واذا قال: "الرحمن الرحیم" یقول الله: "عظمنی عبدی". واذا قال: "مالک یوم الدین" یقول الله: "مجدنی عبدی (وفی روایة: فوض الی عبدی)". واذا قال: "ایاک نعبد وایاک نستعین" یقول الله: "هذا بینی وبین عبدی". واذا قال: "اهدنـــا الصراط المستقیم" یقول الله: "هذا لعبدی ولعبدی ما سئل" (۱)".

اور جب نماز اس حدیث شریف کے مطابق حق اور عبد کے درمیان تقسیم شدہ ہے تو بندہ کو چاہیے کہ جہاں تک مولا کا حق ہے وہاں تک اس کا حق ادا کرے اور ادب عبودیت کا جو اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے، لحاظ رکھے تاکہ حق تعالیٰ ربوبیت کے الطاف اور رحمتوں کے ساتھ اس سے

۱۔ "میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، آدھی میری ہے اور آدھی میرے بندہ کی۔ جب بندہ کہتا ہے: "بسم الله الرحمن الرحیم" تو خدا کہتا ہے: "میرے بندہ نے مجھے یاد کیا" اور جب بندہ کہتا ہے "الحمد لله" تو خدا کہتا ہے: "میرے بندہ نے میری حمد و ثنا کی" یہی "سمع الله لمن حمده" کے معنی ہیں اور جب بندہ کہتا ہے: "الرحمن الرحیم" تو خدا کہتا ہے: "میرے بندہ نے میری عظمت کا اقرار کیا" اور جب بندہ کہتا ہے: "ملک یوم الدین" تو خدا کہتا ہے: "میرے بندہ نے میری بزرگی کا اعلان کیا" (اور دوسری روایت میں ہے: اپنے امور کو میرے سپرد کیا) اور جب بندہ کہتا ہے: "ایاک نعبد وایاک نستعین" تو خدا فرماتا ہے: "یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے" اور جب بندہ کہتا ہے "اهدنا الصراط المستقیم" تو خدا فرماتا ہے: "یہ میرے بندہ کا حصہ ہے اور میرا بندہ جو کچھ مانگے وہ اس کا ہے"۔
المحجة البیضاء، ج ۱ ص ۳۸۸، بحار الانوار، ج ۹۲ ص ۲۲۶، صحیح مسلم، ج ۲ ص ۹۲ عبارت میں تفاوت کے ساتھ۔

معاملہ کرے. جیسا کہ فرماتا ہے:" واو فوا بعھدی اوف بعھدکم (۱)"۔

خدائے تعالیٰ نے قرائت میں عبودیت کو چار ارکان پر قائم کیا ہے۔

رکن اول "تذکر" ہے جو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" میں حاصل ہوجانا چاہیے اور بندۂ سالک کو تمام دار تحقق کو نظر اسمی سے، جو مسمیٰ میں فانی ہوجانا ہے، دیکھنا چاہیے اور قلب کو عادت ڈالنا چاہیے کہ تمام ذرات ممکنات میں حق کی جستجو اور حق کی طلب کرتا رہے اور تعلم اسمائی کی فطرت کو جو اس کے خمیر میں ثبت ہے، جامعیت نشئہ اور اللہ کے اسم اعظم کے حضور سے ظہور میں آنے کے تقاضے کی بناپر جس کی طرف قول خدا " وعلم آدم الاسماء کلھا (۲) " میں اشارہ ہے، مرتبہ فعلیت وظہور میں لائے. یہ مقام حق کے ساتھ خلوت اور شئون الٰہیہ میں تذکر وتفکر کی شدت سے حاصل ہوتا ہے، یہاں تک وہاں رسائی ہوجاتی ہے جہاں قلب عبد حقانی ہوجاتا ہے اور اس کے کسی گوشے میں حق کے سوا کوئی نام باقی نہیں رہتا۔

یہ الٰہیت میں فنا کا ایک مرتبہ ہے جس کا انکار منکرین کے معکوس اور سخت دل اس بیان کے بعد نہیں کرسکتے جو ہم نے پیش کیا ہے، سوائے اس کے ان کا انکار ابلیسی انکار ہو، کیونکہ ایسے دل، پناہ بخدا، حق کے ذکر اور نام ہی سے طبعی طور پر متنفر ہیں اور اگر معارف الٰہیہ سے متعلق ایک حرف یا اسماء اللہ کا ذرا ذکر آجائے تو پیچ وتاب کھانے لگتے ہیں اور شکم وشرمگاہ کی خواہشات کے علاوہ کسی چیز کے دیکھنے کے لیے دل کی آنکھوں کو نہیں کھولتے. اس گروہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو انبیاء واولیاء علیہم السلام تک کے لیے سوائے مقامات جسمانی وبہشت جسمانی جس میں صرف حیوانیت کی قضائے حاجت ہو (کسی روحانی وباطنی مقام کے) قائل نہیں اور آخرت کے مقامات کی عظمت کو دنیاوی عظمت کی طرح وسیع باغات، بہتی ہوئی نہروں اور حور وغلمان وقصور کی فراوانی سمجھتے ہیں اور اگر الٰہی عشق ومحبت اور جذبہ کے بارے میں کوئی بات سنتے ہیں تو رکیک الفاظ اور قبیح کلمات سے دوستداران خدا پر حملہ کرتے ہیں!! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انہیں کوئی ناسزا بات کہہ دی گئی ہے جس

۱۔ "میرا عہد پورا کرو تاکہ میں تمہارا عہد پورا کروں" سورۂ بقرہ / ۴۰۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۲۹۱۔

کو برابر کر رہے ہیں. یہ لوگ طریق انسانیت کی رکاوٹ، معرفت الٰہی کی راہ کا کانٹا اور آدم کو فریب دینے والے شیطان ہیں اور بندگان خدا کے گروہوں کے گروہوں کو حق واسماء وصفات حق اور اس کے ذکر اور اس کی یاد سے روکتے ہیں اور ان کا رخ حیوانی مقاصد اور شکم وشرمگاہ کی خواہشات کی طرف موڑتے ہیں. یہ شیطان کے کارندے ہیں جو آیۂ کریمہ "ولا قعدن لھم صراط المستقیم (۱) " کے مقتضیٰ کے مطابق سر راہ مستقیم بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی کو نہیں چھوڑتے کہ اپنے خدا سے انس حاصل کرے اور شہوات حیوانی سے علاقہ مندی کی تاریکیوں سے جن میں حور وقصور سے علاقہ مندی بھی شامل ہے، رہائی حاصل کرے. یہ لوگ، ممکن ہے کہ انبیاء واہل بیت علیہم السلام کی دعاؤں سے شواہد پیش کریں کہ وہ بھی خدا سے حور وقصور طلب کرتے تھے. یہ اس گروہ کی سمجھ کا قصور ہوگا کہ کرامت الٰہیہ سے محبت جو محبوب حقیقی کی طرف سے بخشش اور عزت افزائی ہے اور جو خود محبت وعنایت کی علامت ہے اور محض حور وقصور اور ایسی ہی چیزوں کی استقلالی محبت میں جو شہوات حیوانی کا خمیر ہے، فرق نہیں کرتے. اللہ کی کرامت اور عزت افزائی سے محبت، اللہ کی محبت ہے جو تبعاً کرامت وعنایت میں بھی سرایت کرتی ہے.

عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از اوست (۲)

وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا (۳)

اسیر کر نہ سکا میرے دل کو عشق دیار ہے بس یہ بات کہ رہتا ہے اس دیار میں یار

ورنہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو حور وقصور سے کیا سروکار ہے؟ اس سیدوسردار کو ہوائے نفسانی اور خواہشات حیوانی سے کیا نسبت؟ جس کی عبادت آزادوں کی عبادت ہو اس کی

۱۔ "تیرے صراط مستقیم پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا" سورۂ اعراف / ۱۶.

۲۔ "بہ جہان خرم از آنم کہ جہان خرم از اوست عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از اوست" سعدیؒ
میں طرب میں ہوں کہ عالم میں طرب اس کا ہے سارے عالم پہ میں عاشق ہوں کہ سب اس کا ہے

۳۔ "زمین یار کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی محبت نے فریفتہ کیا ہے جو وہاں رہتا ہے". مجنون عامری، جامع الشواھد، ص ۲۷۰ "باب الواو مع المیم".

جزا تاجروں کی ایسی جزا نہیں ہو سکتی. عنان قلم ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں مطلب سے دور نکل گیا.

وبالجملہ، جو شخص کتاب تکوین و تدوین الٰہی کے اسماء و آیات کی قرائت کی عادت ڈال لے گا رفتہ رفتہ اس کا دل کسی ذکر اور کسی آیت کی صورت خود بن جائے گا اور باطن ذات ذکر اللہ، اسم اللہ اور آیۃ اللہ کے ساتھ محقق ہو جائے گا. چنانچہ "ذکر" کی تفسیر و تطبیق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے "اسماء حسنیٰ" کی تفسیر و تطبیق ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے اور "آیۃ اللہ" کی تفسیر و تطبیق بھی انہیں حضراتؑ سے کی گئی ہے. یہ حضراتؑ آیات الٰہیہ، اسماء اللہ الحسنیٰ اور ذکر اللہ الاکبر ہیں. مقام ذکر بہت اعلیٰ وارفع مقامات میں سے ہے جس کی تفصیل بیان کے حوصلہ اور تقریر و تحریر کے احاطہ سے باہر ہے. اہل معرفت، اصحاب جذبہ الٰہیہ اور ارباب عشق و محبت کے لیے وہ آیۂ شریفہ ہی کافی ہے جس میں ارشاد ہے: "فاذکرونی اذکرکم (۱)" اور خدائے تعالیٰ حضرت موسیٰؑ سے فرمایا: "انا جلیس من ذکرنی (۲)" اور کافی کی روایت میں حضرت رسول خدا (ص) کا ارشاد ہے: "من اکثر ذکر اللہ احبّہ (۳)".

اور وسائل میں بہ اسناد حضرت رسول (ص) سے روایت کی گئی ہے، آپ (ص) نے فرمایا:

"قال اللہ عزوجلّ: یابن آدم اذکرنی فی نفسک، اذکرک فی نفسی. یابن آدم اذکرنی فی خلاء اذکرک فی خلاء. یابن آدم اذکرنی فی ملاء اذکرک فی ملاء خیر من ملاء ک. وقال: ما من عبد ذکر اللہ فی ملاء من الناس الا ذکرہ اللہ فی ملاء من الملائکۃ (۴)".

۱۔ "مجھے یاد کرو تاکہ میں تمہیں یاد کروں" سورۂ بقرہ / ۱۵۲.

۲۔ "میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرے" اصول کافی، ج ۴ ص ۲۵۵ "کتاب الدعاء، باب مایجب من ذکر اللہ..." حدیث ۴.

۳۔ "جو شخص خدا کو بہت یاد کرے گا خدا اسے دوست رکھے گا" حوالہ سابق، حدیث ۳.

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "خدائے عزوجل نے فرمایا: اے فرزند آدم! اپنے سامنے مجھے یاد کر تاکہ میں تجھا اپنے سامنے یاد کروں، اے فرزند آدم! مجھے خلوت میں یاد کر تاکہ میں تجھے خلوت میں یاد کروں، اے فرزند آدم! مجمع میں مجھے یاد کر تاکہ میں تجھے تیرے مجمع سے بہتر مجمع میں یاد کروں" اسی طرح آنحضرتؑ نے فرمایا: "کوئی بندہ مجمع میں خدا کو یاد نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ خدا ملائکہ کے مجمع میں اسے یاد کرتا ہے". وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۱۱۸۵ "کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر" باب ۷، ح ۴.

قرائت نماز کے آداب کا دوسرا رکن "تحمید" ہے جو نماز گزار کے "الحمدللہ ربّ العالمین" کہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

معلوم ہو کہ جب نماز گزار مقام "ذکر" میں متحقق ہوچکا اور کائنات کے ذرے ذرے اور موجودات میں ہر بلند وپست کو اسمائے الہیہ سمجھ لیا، استقلال (اپنی مستقل حیثیت اور بے نیازی) کو دل سے باہر نکال دیا اور استظلال (رحمت خدا کے سائے کی آرزو) کی نظر سے عالم غیب وشہود کے موجودات کو دیکھا تو اس کو "تحمید" کا مرتبہ حاصل ہوجائے گا اور اس کا دل اعتراف کرے گا کہ تمام حمد وثنا ذات واحد واحد کے ساتھ مختص امور میں ہے اور دوسرے موجودات اس میں شریک نہیں ہیں، کیونکہ وہ اپنا کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتے کہ حمد وثنا کے مستحق ہوسکیں. سورۂ حمد کی تفسیر میں اس لطف الٰہی کا تفصیلی بیان آئے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

قرائت نماز کے آداب کا تیسرا رکن "تعظیم" ہے جو "الرحمن الرحیم" کہنے سے حاصل ہوتا ہے. جب سالک الی اللہ نے رکن "تحمید" میں حمد کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کردیا اور کثرات وجودی سے کمال وتحمید کو سلب کیا تو افق وحدت سے نزدیک ہوگیا اور کثرت بینی کی آنکھ آہستہ آہستہ نابینا ہونے لگی تو رحمانیت کی صورت جو وجود کا پھیلاؤ ہے اور رحیمیت کی صورت جو کمال وجود کا پھیلاؤ ہے، اس کے دل پر تجلی کرے گی اور حق تعالیٰ کی دو اور جامع ناموں کے ساتھ، جن میں ہر طرح کی کثرت فنا ہوجاتی ہے، توصیف کرے گا اور تب جلوۂ کمال کے واسطہ سے قلب میں جمال سے حاصل ہونے والی ہیبت پیدا ہوگی اور عظمت حق دل میں جاگزین ہوجائے گی۔

یہ حال جب دل میں متمکن ہوجائے گا تو رکن چہارم کی طرف منتقل ہوجائے گا جو مقام "تقدیس" اور حقیقت "تحمید" ہے. دوسرے لفظوں میں، تفویض امر الیٰ اللہ (اپنے کاموں کو اللہ کے حوالہ کردینا) ہے جس سے مراد مالکیت وقاہریت حق کے مقام پر نظر رکھنا، کثرت کے گرد وغبار کو صاف کرنا، کعبہ دل میں رکھے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا، بیت قلب کے مالک کا ظہور اور کسی قسم کی شیطانی مزاحمت کے بغیر قلب پر اس کا تصرف ہے. جب یہ حال پیدا ہوجائے تو سالک مقام خلوت تک پہنچ جاتا ہے اور بندہ وحق کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور "ایاک نعبد وایاک نستعین" اس

، خلوت خاص اور مقام انس میں واقع ہوتا ہے. اسی لیے فرمایا :" هذا بینی وبین عبدی " اور جب عنایت ازلی اس کے شامل حال ہوجاتی ہے اور اس کو بے خودی سے خودی میں لے آتی ہے تو اسی مقام پر استقامت اور اس محضر میں ہی رہنے کی قدرت وصلاحیت کا خواہاں ہوتا ہے اور کہتا ہے : " اهدنا الصراط المستقیم " اسی لیے " اهدنا " کی تفسیر " الزمنا و ادمنا وثبتنا (ہمیں لازم رکھ، ہمیں ہمیشہ رکھ اور ہمیں ثابت رکھ) سے کی گئی ہے. یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو حجاب سے نکل چکے ہوں اور مطلوب ازل تک پہنچ چکے ہوں، لیکن ہم جیسے اہل حجاب کو چاہیے کہ حق تعالیٰ سے اپنے انہیں معنی میں ہدایت طلب کریں. شاید اس مطلب کا بقیہ سورۃ حمد کی تفسیر میں آئے گا.

انشاء اللہ تعالیٰ

تکمیل

حدیث قدسی (۱) سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تمام نماز بندہ اور خدا کے درمیان تقسیم کی گئی ہے اور فقط حمد کو نمونہ اور مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس بناپر ہم کہتے ہیں کہ مثلاً تکبیرات نماز، چاہے تکبیرات افتتاح ہوں یا دوسری تکبیریں جو نماز کے احوال کے بدلنے (اور ایک جز سے دوسرے جز کی طرف منتقل ہونے) کے درمیان کہی جاتی ہیں، سب ربوبیت کا حق اور ذات مقدس کے لیے خاص ہیں اور اگر سالک الی اللہ نے اس وظیفہ بندگی کو پورا کرلیا اور حق ربوبیت کو اپنی وسعت وطاقت کے بقدر ادا کردیا تو حق تعالیٰ بھی بندہ کا حق اپنے خاص ازلی الطاف وافضال سے ادا کرے گا، یعنی مکاشفہ ومراودت کا دروازہ کھول دے گا۔ چنانچہ مصباح الشریعہ میں منقول حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے جہاں ارشاد ہے: "جب تم تکبیر کہو تو حق کی کبریائی کے سامنے تمام موجودات کو معمولی سمجھو" یہاں تک کہ فرماتے ہیں: "نماز پڑھتے وقت اپنے دل سے عبرت حاصل کرو۔ اگر دل میں نماز کی شرینی محسوس کرو اور نفس کو مسرت اور تازگی محسوس ہورہی ہو اور تمہارا دل مناجات حق سے مسرور اور اس سے مخاطبہ کرنے میں لذت پارہا ہے تو جان لو کہ جب تم نے تکبیرات کہیں تو خدانے تمہاری تصدیق کی ہے۔ ورنہ مناجات کی لذت کے معدوم اور عبادت کی شیرینی سے محروم ہونے کو دلیل سمجھو کہ خدا نے تمہاری تکذیب کی ہے اور تم اس کی درگاہ سے رد کردیے گئے ہو (۲)"۔

۱۔ حاشیہ ا ص ۳۰۳۔

۲۔ حاشیہ ا ص ۱۸۷۔

اسی معیار کے مطابق نماز کے تمام احوال وافعال میں خدائے تعالیٰ کا حق ہے، جس کی ادائیگی بندہ کو کرنا چاہیے، کیونکہ وہ اس منزل پر آداب عبودیت یہی ہیں اور بندہ کا بھی ایک حق اور ایک حصہ ہے جو عبودیت کے ادب کی ذمہ داری (بندہ کی طرف سے) پوری ہونے کے بعد حق تعالیٰ اپنے لطف خفی اور اپنی رحمت جلی سے ادا فرماتا ہے. اگر نماز گزار ان الٰہی میقاتوں میں خود کو عنایات خاصہ سے محروم پائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ عبودیت کے آداب کی ادائیگی نہیں ہوئی اور درمیانی درجہ کے لوگوں کے لیے اس کی علامت یہ ہے کہ قلب کو مناجات کی لذت اور عبادات کی شیرینی محسوس نہیں ہوتی اور تازگی ومسرت اور انقطاع الی الحق سے محروم رہتا ہے اور جو عبادت لذت وحلاوت سے خالی ہو وہ عبادت بے روح ہے اور قلب کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہونچتا.

لہٰذا اے عزیز! قلب کو آداب عبودیت سے مانوس کیجیے اور روح کے کام ودہن کو ذکر خدا کی حلاوت سے آشنا بنائیے. یہ لطف الٰہی ابتدائے امر میں شدید تذکر اور ذکر حق سے انس کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے، لیکن ذکر کے عالم میں قلب مردہ نہ ہو اور اس پر غفلت مسلط نہ ہو. جب آپ قلب کو ذکر سے مانوس کرلیں گے تو رفتہ رفتہ ازلی عنایات آپ کے شامل حال ہونے لگیں گی اور آپ کے دل پر عالم ملکوت کے دروازے کھلنا شروع ہوجائیں گے جس کی علامت دار غرور (دنیا) سے دوری، دار خلود (آخرت) کی طرف واپسی اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے تیاری ہے.

بارالٰہا! ہمیں مناجات کی لذت اور اپنے مخاطبین کی حلاوت نصیب فرما اور ہم کو ذاکرین کے زمرہ میں شامل کر اور (ساری دنیا سے کٹ کر) تیرے عز قدس سے لو لگانے والوں کی فہرست میں شمار کر اور ہمارے مردہ دلوں کو حیات جاوداں عنایت فرمایا. دوسروں سے منقطع اور اپنی طرف متوجہ کر.

انک ولی الفضل والانعام

فصل دوم

استعاذہ کے بعض آداب

قـال تعالیٰ : " فاذا قرات القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم، انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون، انما سلطانہ علی الذین یتولونہ والذین ھم بہ مشرکون (۱) ".

قرائت، خصوصاً نماز میں قرائت کے اہم آداب میں جو اللہ کی طرف روحانی سفر، حقیقی معراج اور اللہ تک پہنچنے کا زینہ ہے، شیطان رجیم سے اللہ کی بارگاہ میں " استعاذہ " ہے۔ شیطان رجیم جو طریق معرفت کا کانٹا ہے اور سیر وسلوک الیٰ اللہ سے روکتا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم سورۂ " اعراف " میں اس کے قول کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے :" قال فیما اغویتنی لاقعدن لھم صراطک المستقیم (۲) " قسم کھائی ہے کہ راہ مستقیم جہاں سے شروع ہوتی ہے وہیں پر قبضہ کرلے گا اور اولاد آدمؑ کو وہیں سے واپس کردے گا۔ لہذا نماز میں جو انسانیت کا صراط مستقیم اور وصول الیٰ اللہ کی معراج ہے، اس راہزن سے خدا کی پناہ میں رہے بغیر وجود میں نہیں آتی اور اس کے شر سے الوہیت کے مضبوط قلعہ میں پناہ

۱۔ " جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو شیطان سے خدا کی پناہ مانگو۔ یقیناً اس کو ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں اور اللہ پر توکل کیے ہیں کوئی قابو نہیں۔ شیطان ان لوگوں پر حکمرانی کرتا ہے جنھوں نے اسے اپنا دوست بنایا ہے اور جنھوں نے خدا کے بارے میں شریک کیا ہے " سورۂ نحل / ۹۸۔ ۱۰۰۔

۲۔ " جب تو نے مجھے راہ سے ہٹا دیا تو میں بھی تیرے راستے کے سرے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا " سورۂ اعراف / ۱۶۔

لیے بغیر امان نہیں ملتی اور یہ "استعاذہ" اور پناہ گیر صرف زبان کی ادائیگی، بے روح صورت اور آخرت کے تصور سے خالی دنیا کے ذریعہ وجود میں نہیں آتی۔ چنانچہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو اس لفظ کو چالیس پچاس سال تک دہراتے رہنے کے باوجود اس راہزن کے شر سے نجات نہ حاصل کر سکے اور اخلاق واعمال، بلکہ عقائد قلبی میں بھی شیطان کی پیروی اور تقلید کرتے ہیں۔ اگر اس پلید کے شر سے ہم نے ٹھیک طرح پناہ حاصل کی ہوتی تو حق تعالیٰ کی ذات پاک جو فیاض مطلق، صاحب رحمت واسعہ اور مالک قدرت کاملہ ہے اور جس کا علم محیط اور کرم بسیط ہے، ہم کو پناہ دے دیتی اور ہمارے ایمان، اخلاق اور اعمال کی اصلاح ہوجاتی۔ لہذا معلوم رہنا چاہیے کہ جس قدر ہم اس سیر ملکوتی اور سلوک الٰہی میں پیچھے رہ گئے ہیں، اس کا سبب شیطانی اغوا اور سلطنت شیطانیہ کی ماتحتی ہے، چاہے غلطی سے یہ کوتاہی ہوئی یا ہم نے جان کے تقصیر کی ہو کہ آداب قلبیہ اور شرائط معنویہ کو عمل میں نہیں لائے ہوں۔ چنانچہ تمام ہی عبادات اور اذکار واوراد میں ہم جو روحانی نتائج اور ظاہری و باطنی آثار سے محروم رہ جاتے ہیں، اس کی یہی بباریک وجہ ہے۔ قرآن کی آیات شریفہ اور معصومین علیہم السلام کی احادیث مبارکہ سے کثیر آداب کا پتہ چلتا ہے جن کو شمار کرنا مکمل جستجو اور طول کلام کا سبب ہوگا۔ ہم ان میں سے بعض کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

"استعاذہ" کے اہم آداب میں سے ایک ادب "خلوص" ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: "فبعزتک لاغوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین (۱)" یہ "اخلاص" آیہ شریفہ کے ظاہر کے مطابق عملی اخلاص سے بالاتر ہے۔ اگر اخلاص عملی مقصود ہوتا تو صیغہ اسم فاعل سے اس کی تعبیر نہ کی جاتی۔ لہذا اس اخلاص سے مراد "وجود انسانی کی شئون عینی وظاہری سے خالص ہونا" ہے اور اخلاق عمل اسی اخلاص کا ایک قطرہ ہے اگرچہ سلوک کے آغاز میں یہ حقیقت اور یہ لطف الٰہی حاصل نہیں ہوتا، لیکن شدید عملی ریاضتوں، خصوصاً قلبی ریاضتوں سے جو حقیقی اور اصلی ریاضت ہے اور اس کی طرف اس مشہور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۲۳۵۔

"من اخلص لله اربعین صباحاً جرت ینابیع الحکمة من قلبه علیٰ لسانه (۱) " جو شخص چالیس صبح، طینت آدم کا خمیر تیار ہونے کی مقدار جو چالیس صبحیں تھیں، اور ان دونوں کا ایک دوسرے سے رابطہ اہل معرفت اور اصحاب قلوب جانتے ہیں، خود کو اللہ کے لیے خالص رکھے نیز اپنے قلبی اور قالبی اعمال کو اللہ کے لیے خاص رکھے، اس کا قلب الٰہی ہوجائے گا اور قلب الٰہی سے چشمہ ہائے حکمت کے علاوہ کچھ ظاہر نہیں ہوتا. لہذا اس کی زبان بھی جو قلب کی سب سے بڑی ترجمان ہے، حکمت کے ساتھ گویا ہوگی.

اس طرح پہلے اخلاص عمل خلوص قلب کا سبب ہوتا ہے پھر جب قلب خالص ہوگیا تو انوار جلال وجمال جو دست قدرت نے انسان کے خمیر اور طینت میں ودیعت کیے ہیں، دک کے آئینے میں ظاہر ہوں گے اور چمکیں گے اور باطن قلب سے ظاہر ملک بدن میں سرایت کریں گے.

وبالجملہ، جو خلوص سلطنت شیطانیہ کی ماتحتی سے نکلنے کا وسیلہ ہے. وہ ہویّت روح اور باطن قلب کا خدائے تعالیٰ کے لیے خالص ہونا ہے مناجات شعبانیہ میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے خلوص کے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ کیا ہے: " الٰهی؛ هب لی کمال الانقطاع الیک (۲) " اور قلب جب اخلاص کے اس مرتبہ تک پہنچ جائے اور ما سوی اللہ سے یکسر منقطع ہوجائے اور اس کے وجود کی مملکت میں حق کے علاوہ کوئی راہ نہ پاسکے تو شیطان کو جو راہ حق کے علاوہ دوسرے راہ سے انسان تک آنے کی راہ پالیتا ہے، اس تک پہنچنے کی راہ نہ ملے گی اور حق تعالیٰ اس کو اپنی پناہ میں لے لے گا اور وہ الوہیّت کے مضبوط قلعہ میں داخل ہوجائے گا. چنانچہ ارشاد ہے: " کلمة لا اله الا الله حصنی؛ فمن دخل حصنی آمن من عذابی (۳) ". قلعہ " لا الہ الا اللہ " میں داخل ہونے کے مراتب ہیں، جس طرح عذاب سے امان کے مراتب ہیں. لہذا جو شخص باطن وظاہر اور قلب وقالب ہر اعتبار سے قلعہ حق میں داخل ہوجائے اور اس کی پناہ میں چلا جائے وہ عذاب کے ان تمام مراتب سے محفوظ ومامون

۱۔ حاشیہ ا ص ۲۳۶.

۲۔ حاشیہ ا ص ۱۹.

۳۔ " کلمہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے اور جو شخص میرے قلعہ میں آجائے وہ میرے عذاب سے امان میں ہے " التوحید، ص ۲۵؛ بحار الانوار، ج ۳ ص ۱۳ وج ۹۰ ص ۱۹۲.

ہوجائے گا جن میں سب سے بڑا عذاب جمال حق سے محجوبی اور وصال محبوب عزوجل کا فراق ہے۔ حضرت مولا علیؑ دعائے کمیل میں کہتے ہیں :" فھبنی صبرت علیٰ عذابک فکیف اصبر علیٰ فراقک "۔ ہمارا ہاتھ اس مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر ہے جس کو یہ مقام ہاتھ آجائے وہی اللہ کا حقیقی بندہ ہے، وہ ربوبیت کی سرپرستی میں آجائے گا، حق تعالیٰ اس کی مملکت میں متصرف ہوگا اور وہ طاغوت کی ماتحتی سے نکل آئے گا۔ یہ مقام اولیاء کے باعزت ترین مقامات اور اصفیاء کے مخصوص ترین مدارج میں سے ہے۔ دوسرے لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں، بلکہ شاید منکرین کے سخت دل اور مجادلین کے شدت پسند نفوس جو اس مرحلہ سے منزلوں دور ہیں، ان مقامات کا انکار کریں اور ان کے اطراف وجوانب کے متعلق گفتگو کو بھی باطل خیال کریں، بلکہ ۔ العیاذ باللہ ۔ ان امور کو جو اولیاء اللہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور کتاب وسنت ان سے مملو ہے، صوفیوں کی من گھڑت اور حشویہ کے فضولیات سے نسبت دیں اور ہم بھی ان مقامات کا ذکر جو در اصل اولیائے کاملین کے مقامات ہیں، اس لیے نہیں کررہے ہیں کہ ہم خود ان میں سے کوئی مقام رکھتے ہیں یا چشم طمع ادھر لگائے ہوئے ہیں، بلکہ اس لیے پیش کررہے ہیں کہ ہم انکار مقامات کو بھی جائز نہیں سمجھتے اور ان کے مقامات کو قلوب کے تصفیہ اور اس کی تخلیص وتعمیر میں دخیل بھی سمجھتے ہیں، کیونکہ اصحاب ولایت ومحبت کا ذکر خیر محبت، مواصلت اور مناسبت کا باعث ہوتا ہے اور یہ مناسبت جس کا ظاہر جہل کی تاریکیوں سے لوگوں کو نکالنا اور نور ہدایت وعلم تک پہنچانا اور اس کا باطن عالم آخرت میں ظہور شفاعت ہے، کیونکہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت، باطنی جذب وتناسب کے بغیر مقصود نہیں ہوتی اور بے وجہ اور باطل نہیں ہوگی۔

وبالجملہ ، اگر اس کامل مرتبہ کی تخلیص اولیاء اصفیائے کاملین علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کے لیے تصور میں نہیں آتی، بلکہ اس مرتبہ کا مقام کمال اصلی طور پر نبی ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تبعاً ان کے کامل اور خالص اہل بیتؑ کے خالص نورانی قلب کے مختصات میں ہے، لیکن مؤمنین ومخلصین کو بھی اس کے تمام مراتب سے چشم پوشی نہ کرنا چاہیے اور صوری عملی اخلاص اور ظاہری فقہی خلوص پر قانع نہ رہنا چاہیے، کیونکہ منازل پر رک جانا ابلیس کے

شاہکاروں میں سے ایک ہے جو انسان اور انسانیت کے راستہ میں بیٹھا ہے اور اسے جس ہتھکنڈے سے ممکن ہوتا ہے کمالات کی طرف بلند ہونے اور مدارج تک پہنچنے سے روکتا ہے. لہذا ہمت بلند کیے رہے اور ارادہ کو قوت دیتا رہے، بلکہ اس نور الٰہی اور فیض ربانی کو صورت سے باطن میں اور ملک سے ملکوت میں نافذ کرے. اخلاص کے جس مرتبہ تک انسان پہنچتا ہے اسی کی نسبت سے حق کی پناہ میں پہونچ جاتا ہے اور اسی قدر استعاذہ کی حقیقت وجود میں آجاتی ہے اور شیطان ملعون کا دست تصرف انسان سے دور ہوتا جاتا ہے۔

تو اگر تم نے انسانیت کی ملکی صورت کو خدا کے لیے خالص کردیا اور نفس کے ظاہری دنیاوی لشکروں کو جن سے مراد ملک بدن میں پھیلی ہوئی قوتیں ہیں، حق کی پناہ میں دے دیا اور ہفت اقلیم زمین، یعنی آنکھ، کان، زبان، شکم، شرمگاہ، ہاتھ اور پیر کی گناہوں کی نجاستوں سے پاک کرلیا اور الٰہی لشکروں یعنی ملائکہ اللہ کے اختیار وتصرف میں دے دیا تو رفتہ رفتہ یہ اقالیم سبعہ حقانی ہوجائیں گے اور حق کے تصرف کی طرف پلٹ جائیں گے، یہاں تک کہ یہ خود بھی ملائکہ اللہ ہوجائیں گے یا ملائکہ کی طرح "لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون (۱)" بن جائیں گے اور پھر استعاذہ کا پہلا مرتبہ وجود میں آجائے گا اور شیطان اور شیطانی لشکر مملکت ظاہر کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور باطن کا رخ کریں گے اور نفس کی ملکوتی قوتوں پر حملہ آور ہوں گے. اس طرح سالک کا کام اور زیادہ مشکل اور اس کا سلوک زیادہ باریک ہوجائے گا. لہذا ضروری ہے کہ قدم سیر قوی اور اس کی نگرانی اور زیادہ سخت ہو اور نفسانی ہلاکت گاہوں یعنے خود پسندی، ریاکاری، کبر و نخوت وغیرہ سے خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگے اور رفتہ رفتہ معنی کدورتوں اور باطنی آلودگیوں سے نفس کا تصفیہ کرنے میں مشغول ہوجائے۔

اس مقام میں، بلکہ تمام مقامات میں، توحید فعلی حق کی طرف اور قلب کو یہ نکتہ الٰہی اور مائدہ آسمانی یاد دلانے کی طرف پوری توجہ سلوک کے مہمات اور عروج کے ارکان میں ہے. قلب کو سماوات وارض، باطن وظاہر اور ملک وملکوت پر مالکیت حق تعالیٰ کے ذائقہ سے آشنا کرنا چاہیے تاکہ قلب توحید

۱۔ "جو کچھ خدا انہیں حکم دیتا ہے اس کے سلسلہ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم دیتا ہے اسے بجالاتے ہیں" سورۂ تحریم / ۶.

الہیت اور تصرف میں کسی بھی شریک کی نفی کی ریاضت کر کے فطرت الٰہی میں ڈھل جائے اور توحید کے زیر اثر تربیت حاصل کر لے. اس صورت میں قلب حق کے سوا نہ کہیں پناہ گاہ اور داد گاہ تلاش کرے گا نہ کسی کو فریاد رس اور مدد گار سمجھے گا اور اطاعت کرتے اور حقیقت سمجھتے ہوئے حق اور مقام قدس الوہیت ہی سے استعاذہ کرے گا اور جب تک دل کو دوسروں کے تصرف سے نکال نہ لے گا اور تمام موجودات سے چشم امید ہٹا نہ لے گا اس وقت تک حق کی حقیقی پناہ میں نہیں آ سکتا. اس کا دعوائے (استعاذہ) غلط ہو گا اور اہل معرفت کی نگاہ میں اس کا شمار زمرۂ منافقین میں ہو گا اور دھوکہ باز اور فریب کار سمجھا جائے گا.

اس ہولناک وادی اور خطرناک گہرے سمندر میں کسی حکیم ربانی اور عارف نورانی سے جس کے علم کا رشتہ اولیائے کاملین سے متصل ہو، علمی طور پر توحیدات ثلاثہ (توحید ذات، توحید صفات، توحید افعال) کی تعلیم حاصل کرنا باطن قلب کے لیے اچھی اور مناسب اعانت ہے، لیکن اس استفادہ کی شرط یہ ہے کہ آیت وعلامت اور سیر وسلوک الی اللہ کی نظر سے اس میں اشتغال پیدا کرے. ورنہ خود ہی راستہ کا کانٹا اور حجاب چہرۂ جاناں بن جائے گا. چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافی کی حدیث کے مطابق اس علم کو "آیۂ محکمہ" کا لقب دیا ہے (۱).

وبالجملہ، جب قلب میں توحید فعلی حق کی بنیاد مستحکم ہو گئی اور آب علم کے ساتھ ایسے عمل لطیف کے ذریعہ آبیاری ہو گئی جو باب قلب پر دستک دے تو اس سے جو نتیجہ حاصل ہو گا وہ "تذکر مقام الوہیت" ہو گا اور قلب رفتہ رفتہ تجلی فعلی حق کے لیے شفاف ہو جائے گا اور جب خانہ خیانت کار سے اور آشیانہ بیگانہ سے خالی ہو گیا تو صاحب خانہ اس پر متصرف ہو جائے گا اور ولایت حق کا ہاتھ ملکوت باطن وقلب سے لے کر ملک اور ظاہر بدن تک ملکی اور ملکوتی قوتوں کو اپنے زیر تصرف وحکم لے آئے گا اور شیاطین اس مرحلہ سے بھی نکل بھاگیں گے اور مملکت باطن اپنے اس استقلال کی طرف پلٹ جائے گی جو صرف حق کے لیے استظلال ہے اور یہ استعاذہ کے ربانی لطیف نکتہ کا دوسرا مرتبہ ہے. اس مقام کے بعد استعاذۂ روح، استعاذۂ سر اور استعاذہ کے اور دوسرے مراتب ہیں جو اوراق سے

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۲۸۰.

مناسبت نہیں رکھتے. اس قدر بھی بندہ کا قلم بے قابو ہوجانے یا مالک جل وعلا کے قلم کے اجراء سے قلمبند ہوگیا" والیہ الفزع ".

استعاذہ کے آداب وشرائط میں سے ایک ادب اور ایک شرط وہ ہے جس کی طرف اس آیۂ شریفہ میں اشارہ کیا گیا ہے جو اس فصل کے شروع میں مذکور ہوئی اور وہ ہے " ایمان ". یہ ایمان علم کے علاوہ ہے، چاہے فلسفیانہ برہان سے حاصل ہوا ہو (کیونکہ):

پای استدلالیان چوبین بود (۱)

ایمان قلب کا حصہ اور حق ہے جو شدید تذکر وتفکر اور حق کے ساتھ انس اور خلوت سے حاصل ہوتا ہے. شیطان حالانکہ بنص قرآن مبدا ومعاد کا علم رکھتا ہے مگر کفار کے زمرہ میں شمار ہوا. اگر ایمان اسی علم برہانی کا نام ہے تو جو لوگ یہ علم رکھتے ہیں ان کو شیطان کے تصرف سے محفوظ ہونا چاہئے اور ہدایت قرآن کا نور ان میں تاباں ہونا چاہئے. حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان برہانی سے یہ آثار نہیں پیدا ہوتے. لہذا اگر ہم شیطانی تصرف سے نکلنا چاہتے ہیں اور حق تعالیٰ کی پناہ میں آنے کے خواہشمند ہیں تو سخت قلبی ریاضت اور مستقل توجہ یا کثرت ریاضت وتوجہ اور شدت مراودت وخلوت کے ذریعہ حقائق ایمانی قلب تک پہنچائیں تاکہ قلب، الٰہی ہوجائے اور جب قلب الٰہی ہوجائے گا تو تصرف شیطان سے خالی ہوجائے گا. چنانچہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: " اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الیٰ النور (۲) " لہذا مؤمنین جن کے ظاہر وباطن اور سر وعلن پر اللہ متصرف ومتولی ہے، تصرف شیطان سے خالص اور سلطنت رحمان میں داخل ہیں اور خدا انہیں تاریکیوں کے تمام مراتب سے نور مطلق کی طرف نکال لاتا ہے اور وہ معصیت وسرکشی کی تاریکی سے، اخلاق رذیلہ کی تاریکی سے جہل وکفر وشرک اور خودبینی وخود خواہی وخودپسندی کی تاریکی سے نکال کر طاعت وعبادت کے نور، اخلاق فاضلہ کے نور، علم وکمال ایمان وتوحید اور خدا بینی وخدا خواہی وخدا دوستی کے

۱۔ " پای استدلالیان چوبین بود پای چوبین سخت بی تمکین بود " مولوی۔
پاؤں اہل عقل کے لکڑی کے ہیں کب تلک چل پائیں گے لکڑی کے پاؤں

۲۔ حاشیہ ۲ ص ۱۳۶ .

نور کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں ۔

چنانچہ استعاذہ کے آداب میں ایک ادب " توکل " ہے۔ یہ بھی ایمان کا ایک شعبہ اور ایمانی نکتہ کا ایک حقیقی نور ہے۔ اس کے مطلب ہے "اپنے امور کو خدا پر چھوڑ دینا"۔ یہ توحید فعلی پر قلب کے ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔ اس تفصیل اس رسالہ کے حدود سے خارج ہے ۔

جب بندۂ سالک نے غیر حق تعالیٰ کو پناہ گاہ اور داد رس نہیں سمجھا اور جملہ امور میں ہر طرح کا تصرف ذات مقدس حق کو جان لیا تو غیر حق سے انقطاع اور اللہ کی طرف پناہ اور اسی پر بھروسہ کی حالت قلب میں پیدا ہو جائے گی اور اس کا استعاذہ حقیقت پیدا کر لے گا اور جب حقیقی طور پر ربوبیت کے حصن حصین میں پناہ مانگے گا تو قہری طور پر پناہ ملے گی اسی کی رحمت کریمانہ اور وسیع فضل سے ۔

انہ ذو فضل عظیم

تتمیم ونتیجہ

فصل سابق کے مطالب سے معلوم ہوگیا کہ حقیقت " استعاذہ " اس نفسانی حالت و کیفیت سے عبارت ہے جو توحید فعلی حق کے مقام کے بارے میں کامل برہانی علم اور اس مقام پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے. جب عقل روشن کی طریقہ کے مطابق حکمت کے محکم برہان اور قرآن کے نصوص اور کتاب الٰہی کے اشارات و بدائع اور احادیث شریفہ سے حاصل کیے ہوئے شواہد نقلیہ سے سمجھ میں آگیا کہ سلطنت تخلیقیہ اور تاثیر وتصرف میں استقلال، بلکہ اصل تاثیر وتصرف ذات الٰہی میں محدود و منحصر ہے اور دیگر موجودات اس میں شریک نہیں ہیں. جب کہ اپنے محل پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے تو اب دل کو اس سے آگاہ کرنا چاہیے اور عقل کے قلم سے صفحہ قلب پر " لا الہ الا اللہ و لا مؤثر فی الوجود الا اللہ " لکھ دینا چاہیے اور قلب جب اس ایمانی نکتہ اور برہانی حقیقت پر ایمان لے آئے تو اس میں انقطاع (ما سوی اللہ سے اعراض اور اللہ کی طرف توجہ) اور التجاء (اللہ کی پناہ میں آنے کی جستجو) پیدا ہوگی اور جب شیطان کو راہ انسانیت کا لٹیرا اور اپنا طاقتور دشمن سمجھ لے تو ایک اضطراری حالت پیدا ہوگی، قلب کی یہی اضطراری حالت " استعاذہ " کی حقیقت ہے اور چونکہ زبان قلب کی ترجمان ہے، اس قلبی حالت کا کمال اضطرار واحتیاج کے ساتھ اظہار کرے گی اور بطور حقیقت " اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم " کہے گی اور اگر قلب میں ان حقائق کا کوئی نام ونشان نہ ہوا اور شیطان قلب اور ساری مملکت وجود پر متصرف ہوا تو استعاذہ بھی شیطانی تدبیر وتصرف کے مطابق ہوگا. لفظی طور پر تو استعاذۃ باللہ من الشیطان کہہ رہا ہوگا، لیکن درحقیقت چونکہ تصرف شیطانی ہے لہذا استعاذہ بشیطان من اللہ واقع ہوگا (العیاذ باللہ) اور خود استعاذہ ہی مراد ومقصود کے برعکس حقیقت کو وجود میں لائے گا اور

شیطان استعاذہ کرنے والے کا مذاق اڑائے گا. اس مذاق کا نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جب حجاب ہٹیں گے اور مادیت کے پردے چاک ہوں گے. ایسے شخص کی مثال جو صرف زبانی استعاذہ کرتا ہے اس شخص کی ہے جو کسی سخت دشمن سے بچنے کے لیے کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لینا چاہتا ہو، لیکن قلعہ کی طرف دوڑنے کے بجائے دشمن ہی کی طرف بھاگ رہا ہو اور زبان سے کہتا جا رہا ہو کہ اس دشمن کے شر سے اس قلعہ میں پناہ لینے جا رہا ہوں! ایسا شخص نہ صرف دشمن کے شر میں گرفتار ہوگا، بلکہ دشمن کے مذاق کا موضوع بھی بنے گا.

-(یا ھادی)-

فصل سوم

ارکان استعاذہ چار ہیں

اول : مستعیذ، یعنی پناہ ڈھونڈھنے والا۔

دوسرے : مستعاذ منہ، یعنی جس سے بچنے کے لیے پناہ ڈھونڈھے۔

تیسرے : مستعاذ بہ، یعنی جس کی پناہ ڈھونڈے۔

چوتھے : مستعاذ لاجلہ، یعنی جس وجہ سے پناہ ڈھونڈھے۔

ان ارکان کی بڑی تفصیل ہے جو ان اوراق میں بیان نہیں ہو سکتی۔ ہم اختصار پر اکتفاء کرتے ہیں۔
رکن اول "مستعیذ" یعنی "سلوک الی اللہ کی منزل اول سے فنائے ذاتی کی آخری انتہا تک انسانی حقیقت"۔ "واذا تمّ الفناء المطلق، هلك الشيطان و تمّ الاستعاذة (۱)"۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان جب تک بیت نفس اور دار مادیت میں رہ رہا ہے اور سفر روحانی اور سلوک الی اللہ میں مشغول نہیں ہوا اس وقت تک تمام شئون و مراتب کے ساتھ وہ شیطان کے زیر تسلط ہے۔ اس نے حقیقت استعاذہ کا لباس نہیں پہنا اور اس کی زبانی ادائیگی بے فائدہ، بلکہ اگر تفضل و عنایت الٰہی نہ ہو تو اس سے سلطنت شیطانی اور زیادہ محکم اور اس استوار ہوتی ہے اور جب سیر و سلوک الی اللہ کا لباس پہن لیا اور سفر روحانی شروع کر دیا تو جب تک سیر و سلوک میں ہے (اور

۱۔ "جب فنائے مطلق حاصل ہوگئی تو شیطان ہلاک ہوگیا اور استعاذہ وجود میں آگیا"۔

منزل فنائے مطلق تک نہیں پہنچا) اس وقت تک اس سفر کی رکاوٹ اور راستہ کا کانٹا شیطان ہی ہے، چاہے یہ شیطان خود اس کی کوئی روحانی شیطانی قوت ہو یا جن وانس میں سی کوئی ہو۔ کیونکہ جن وانس بھی اگر سفر کی رکاوٹ اور راستہ کا کانٹا بنتے ہیں تو شیطان ہی کی مدد اور اسی کے تصرف کی وجہ سے بنتے ہیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے سورۂ " ناس " میں اسی کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے :" من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس " اور شیطان اگر جن ہو تو آیۂ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وسواس خناس جو شیطان ہے وہ جن ہے اور انسان بھی ایک اصلی طور پر اور دوسرا اس کے اتباع کی وجہ سے۔ اور اگر شیطان اس کے علاوہ کوئی اور حقیقت ہے جو جن سے ملتی جلتی ہے تو آیۂ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو نوع جن وانس، بھی شیطان کی تمثیلیں اور اس کے مظاہر اور آئینے ہیں۔ دوسری آیت میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جہاں ارشاد ہے : "شیاطین الانس والجن (۱) " اس سورۂ مبارکہ میں استعاذہ کے ارکان کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور جیسا کہ ظاہر ہے۔

وبالجملہ، انسان سلوک وسیر الی اللہ شروع کرنے سے پہلے " مستعیذ " نہیں ہے اور جب سیر مکمل ہو گئی اور عبودیّت کا کوئی اثر باقی نہ رہا یعنی فنائے ذاتی مطلق تک پہنچ گیا تو استعاذہ، مستعاذ منہ اور مستعیذ کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ اب قلب عارف میں سوائے حق اور سلطنت الہیۂ کے کوئی چیز نہیں۔ نہ اسے اپنی کچھ خبر ہے نہ اپنے قلب کی اور " اعوذ بک منک (۲) " بھی اس مقام پر نہیں ہے اور جب صحو (غفلت سے ہوش میں آنے)، انس اور (اللہ کی طرف) رجوع کی حالت ظاہر ہو گئی تو پھر استعاذہ کی ایک اور حقیقت ہوگی، لیکن ویسی نہیں جیسی سالک کے استعاذہ کی ہوتی ہے اور اسی لیے حضرت رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ کو بھی استعاذہ کا حکم ہوا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:" قل اعوذ برب الفلق "" قل اعوذ برب الناس ""؛ قل رب اعوذ بک من همزات

۱۔ سورۂ انعام / ۱۱۲ .

۲۔ حاشیہ ا ص ۲۱۳ .

الشیاطین " اور " اعوذ بک رب ان یحضرون (۱) "۔

اس طرح انسان دو مقام میں مستعیذ نہیں ہے۔ ایک سلوک سے پہلے جو حجاب ہی حجاب ہے اور اس پر شیطان کا تصرف وتسلط قائم ہے۔ اور دوسرا سلوک کے تمام ہونے کے بعد، جہاں فنائے مطلق حاصل ہوتی ہے اور وہاں پہنچ کر انسان مستعیذ، مستعاذ منہ، مستعاذ لہ اور استعاذہ سب سے بے خبر ہوجاتا ہے اور دو مقام میں مستعیذ ہے۔ ایک سلوک الی اللہ کے حال میں، جہاں راہ وصول کے ان کانٹوں سے استعاذہ کرتا ہے جو انسانیت کے صراط مستقیم پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خداوند عالم شیطان کے قول کی حکایت کرتا ہے " فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطک المستقیم (۲) " اور دوسرے فنائے مطلق سے خودی میں آنے اور اس سے واپسی کے حال میں، جہاں احتجاجات تلوینیہ اور دوسرے حجابات سے استعاذہ کرتا ہے۔

دوسرا رکن " مستعاذ منہ " میں ہے اور وہ ابلیس لعین اور شیطان رجیم ہے جو طرح طرح کے جال پھیلا کر انسان کو پھانستا ہے اور مقصد تک پہنچنے اور مقصود کو حاصل کرنے سے روکتا ہے اور بعض اکابر اہل معرفت نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ حقیقت شیطان " جمیع عالم بہ جنبہ سوائیہ (استثناء کے رخ کے ساتھ) " ہے۔ یہ تعریف راقم الحروف کے نزدیک مکمل نہیں ہے، کیونکہ جنبہ سوائیہ ایک موہوم اور حقیقت سے عاری اور تحقق وواقعیت سے خالی تصور ہے۔ ابلیس کا ایک جال ہے جو انسان کو اسی میں مشغول رکھتا ہے اور شاید اسی مفہوم کی طرف خدائے تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے: " الهکم التکاثر حتی زرتم المقابر (۳) "۔ ورنہ خود ابلیس ایک حقیقت کا نام ہے جو تجرد مثالی رکھتی ہے (اس کی مثال نہیں دی جاسکتی ہے) اور ابلیسیت کی حقیقت کلیہ جو رئیس الابالسہ (ابلیسوں کا ابلیس) ہے وہم (ابلیس) الکل ہے۔ جس طرح عقل مجرد کی حقیقت کلیہ جو آدم اول ہے، عقل الکل ہے۔ جزئی

۱۔ " اور کہو کہ پروردگارا! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ (شیاطین) میرے پاس حاضر ہوں " سورۂ مؤمنون / ۹۷۔ ۹۸۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۳۰۴۔

۳۔ " تمہیں زیادہ مال کی طلب نے غافل کردیا ہے، قبرستان پہنچنے کے وقت تک " سورۂ تکاثر / ۱۔ ۲۔

اور ملکی واہمے اسی (وہم الکل) کے شئون ومظاہر (اور افراد ہیں) جیسے جزئی عقلیں عقل کلی کے شئون ومظاہر (اور افراد ہیں). اس مقام کی تفصیل و تحقیق اس رسالہ کے حوصلہ سے باہر ہے.

وبالجملہ، جو کچھ اس سلوک الٰہی اور سیر الیٰ اللہ میں سیر سے مانع ہے، وہ شیطان یا اس کے مظاہر ہیں کہ ان کے اعمال بھی اعمال شیطانی ہیں اور عوالم غیب وشہود، نفس میں پیدا ہونے والے عوارض اور اس کے مختلف حالات میں سے جو بھی کچھ روئے جاناں کے لیے حجاب بنتا ہے، چاہے عوالم ملکیۂ دنیاویہ سے ہوں جیسے فقر، غنا، صحت، مرض، قدرت، عجز، علم، جہل اور آفات وعیوب وغیرہ یا عوالم غیبیۂ مجردہ ومثالیہ سے ہوں جیسے بہشت، جہنم، ان کے بارہ میں علم، یہاں تک کہ علوم عقلیۂ جو برہان سے حاصل ہوتے ہیں اور جو توحید وتقدس حق کی طرف پلٹتے ہیں، وہ سب کے سب ابلیسی جال ہیں جو انسان کو حق اور حق کے ساتھ انس وخلوت سے روکتے ہیں اور انہیں (عوالم دنیا اور عوالم غیبیہ) میں سرگرم کردیتے ہیں، یہاں تک کہ مقامات معنوی میں سرگرمی اور مدارج روحانی میں ٹھہرا رہنا جو بظاہر صراط انسانیت میں ٹھہرنا اور درحقیقت صراط حق میں (آگے بڑھنے کے بجائے) ٹھہرا رہنا ہے جو فراق وبعد کے جہنم پر قائم ایک روحانی پل ہے اور جنت لقاء پر جا کے منتہی ہوتا ہے اور یہ پل اہل معرفت اور اصحاب قلوب کے ایک مختصر گروہ کے لیے مخصوص ہے. ابلیس الابالیسہ کے بڑے جالوں میں سے ایک جال ہے جس سے ذات مقدس حق کی پناہ لینا چاہیے.

وبالجملہ، جو کچھ تمہیں راہ حق پر چلنے سے روکے اور جمال جمیل محبوب سے محجوب کرے وہی تمہارا شیطان ہے، چاہے وہ انسان کی شکل میں ہو یا جن ہو اور جو چیزیں اس وسیلہ سے تمہیں مقصد اور مقصود تک پہنچنے سے روکیں وہ شیطانی جال ہیں، چاہے اصل مقامات ومدارج ہوں یا علوم وکمالات یا صنعتیں اور حرفتیں یا عیش وراحت یا رنج وذلت یا ان کے علاوہ کچھ اور. یہی وہ دنیا ہیں جس کی مذمت کی گئی ہے. دوسرے لفظوں میں غیر حق سے دل کا علاقہ اس کی دنیا ہے اور یہ قابل مذمت ہے اور شیطان کا جال ہے اور اس سے استعاذہ کرنا چاہیے اور وہ جو رسول (ص) سے منقول ہے کہ آپ (ص) فرماتے ہیں:

"اعوذ بوجہ اللہ الکریم، وبکلمات اللہ التی لایجاوزھنّ برٌ ولا فاجر، من شرّ ما

ینزل من السماء ومایعرج فیھا، وشر ماینزل من الارض ومایخرج منھا، ومن شر فتن اللیل والنھار، ومن شر طوارق اللیل والنھار، الا طارقاً یطرق بخیر [۱] " اس سے شاید یہی معنیٰ مراد ہیں۔

وہ اللہ اور کلمات اللہ سے استعاذہ بحر جمال وجلال میں مستغرق ہونا ہے اور جو بھی کچھ انسان کو اس سے روکے وہ شر ہے اور اس کا رابطہ عالم شیطان اور اس کی فریب کاریوں سے ہے اور اس سے وجہ اللہ کی پناہ مانگنا چاہیے، چاہے وہ آسمانی حقائق کاملہ میں سے ہو یا زمینی حقائق ناقصہ میں سے۔ مگر یہ کہ طارق خیر (نیکی کے ساتھ رات میں وارد ہونے والا) ہو، کیونکہ وہ طارق الٰہی ہے جو خیر مطلق، یعنی حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔

استعاذہ کا تیسرا رکن "مستعاذ بہ" ہے۔ معلوم رہے کہ چونکہ استعاذہ کی حقیقت سالک الی اللہ میں متحقق اور سیر وسلوک الیٰ اللہ میں حاصل ہوتی ہے، یعنی استعاذہ مراتب سلوک میں سالک کے ساتھ مختص ہے لہذا ارباب سیر کے مراتب ومقامات اور اہل سلوک کے مدارج ومنازل کے مطابق حقیقت "استعاذہ" و "مستعیذ" و "مستعاذ منہ" و "مستعاذ بہ" میں فرق ہوجاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سورۂ ناس میں اسی فرق کی طرف اشارہ ہو جس میں ارشاد ہے: "قل اعوذ برب الناس ملک الناس الہ الناس" مبادی سلوک سے لے کر مقام قلب تک سالک مقام ربوبیّت کی پناہ چاہتا ہے اور ممکن ہے کہ یہاں ربوبیّت سے ربوبیّت فعلی مراد ہو جو "اعوذ بکلمات اللہ التامات" کے مطابق ہوجائے اور جب سالک کی سیر مقام قلب تک پہونچ جاتی ہے تو قلب میں مقام سلطنت الٰہیہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس مقام پر ابلیس کے قلبی تصرفات اور اس کی ظالمانہ باطنی سلطنت کے شر سے مقام ملک الناس کی پناہ مانگتا ہے، جیسا کہ مقام اول میں اس کے صدری تصرفات کے شر سے پناہ مانگتا ہے اور شاید یہ جو فرمایا ہے: "الذی یوسوس فی صدور الناس" حالانکہ وسوسہ قلوب وارواح میں بھی پیدا ہو تو خناس ہے۔ شاید اس لیے ہو کہ مقام تعریف میں مناسب یہی ہوتا ہے کہ شان عمومی کے ساتھ اور ایسی

۱۔ بحار الانوار، ج ۹۱ ص ۲۱۵۔

صفت کے ساتھ تعریف کی جائے جو سب پر ظاہر ہو اور جب سالک مقام قلب سے آگے بڑھ کے مقام روح تک پہونچ گیا جو ایک نفحہ الٰہیہ ہے اور اس کا اتصال حق تعالیٰ سے شعاع آفتاب کے آفتاب کے ساتھ اتصال سے بھی زیادہ ہے اور اس مقام میں حیرت، وقار، جذبہ، عشق اور شوق کے مبادیات شروع ہوتے ہیں اور اسی مقام میں مقام الہ الناس کی پناہ مانگتا ہے اور جب اس مقام سے بھی بلند ہوجاتا ہے اور وہ ذات نصب العین ہوجاتی ہے جس کی شان کا عکس کوئی آئینہ نہیں اٹھا سکتا. دوسرے لفظوں میں مقام سر تک پہنچ جاتا ہے تو " اعوذ بک منک [۱] " (کی حقیقت) اس کے مناسب ہے. ان مقامات میں ایک تفصیل ہے جو اس مقالہ سے مناسبت نہیں رکھتی (اس لیے اسے ترک کیا جاتا ہے).

اور معلوم رہے کہ اسم " اللہ " کے ذریعہ استعاذہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے تمام مقامات سے مناسبت رکھتا ہے اور یہی اصل میں استعاذۂ مطلقہ ہے جب کہ دوسرے استعاذے مقید ہیں.

استعاذہ کا چوتھا رکن " مستعاذ لہ " میں ہے، یعنی استعاذہ کی غرض وغایت. معلوم رہے کہ انسان مستعیذ کے لیے جو کچھ بالذات مطلوب ہے وہ در اصل کمال وسعادت اور خیر ہے اور یہ مراتب ومقامات اہل سلوک کے لحاظ سے بہت تفاوت رکھتا ہے. چنانچہ سالک جب تک بیت نفس اور حجاب مادیت میں ہے اس وقت تک اس کی سیر کی غرض وغایت نفسانی کمالات اور مادی ادنیٰ سعادتوں کا حصول ہے اور یہ سلوک کے مبادیات میں سے ہے اور جب بیت نفس سے باہر آجاتا ہے اور مقامات روحانیہ وکمالات تجردی (غیر مادی) سے ذوق پیدا کرلیتا ہے تو اس کا مقصد زیادہ بلند اور اس کا مقصود زیادہ کامل ہوجاتا ہے اور مقامات نفسانیہ کو ٹھوکر لگاتا ہے اور اس کا قبلہ مقصود کمالات قلبیہ اور سعادات باطنیہ کا حصول ہوجاتا ہے اور جب اس منزل سے بھی آگے بڑھ گیا اور سیر روحی کی منزل تک پہنچ گیا تو اس باطن میں تجلیات الٰہیہ کے مبادیات ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے باطن کی زبان پہلی مرتبہ " وجهت وجهي لوجه الله " اور اس کے بعد " وجهت وجهي لاسماء الله

۱۔ حاشیہ ا ص ۲۱۴.

(او) للہ " اور اس کے بعد "وجہت وجھی لہ " ہوجاتی ہے اور شاید "وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض (۱) "فاطریت سے مناسبت کی وجہ سے مقام اول سے متعلق ہو.

وبالجملہ، سالک کی حقیقی غرض وغایت ہر مقام میں بالذات حصول کمال وسعادت ہے اور چونکہ سعادت وکمال کے ساتھ ہر مقام ایک شیطان اور اس کے جالوں میں سے کوئی نہ کوئی جال حصول کمال وسعادت سے روکنے کے لیے موجود ہے اس لیے سالک کا اللہ کی پناہ مانگنا ناگزیر ہے اس شیطان اور اس کے طرح طرح کے شر اور جالوں سے تاکہ مقصود اصلی اور منظور ذاتی حاصل ہو. پس درحقیقت سالک کے لیے استعاذہ کی غرض وغایت اسی متوقع کمال اور اسی مطلوبہ سعادت کا حاصل کرنا ہے اور تمام غایتوں کی غایت اور آرزوؤں کا منتہیٰ حق تعالیٰ جلت عظمتہ، کی ذات ہے. اس مقام میں یا اس کے بعد حق تعالیٰ کے علاوہ ہر شے محو ہوجاتی ہے اور بالتبع اور حال صحو (خودی وہوش) میں شیطان سے استعاذہ وجود میں آتا ہے.

والحمدللہ اولاً وآخراً

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۱۶۳ .

فصل چہارم

تسمیہ کے کچھ آداب

روی فی التوحید عن الرضا علیہ السلام حین سئل عن تفسیر "البسملة" قال: معنیٰ قول القائل: بسم اللہ، ای اسم علیٰ نفسی سمةً من سمات اللہ، وھی العبادۃ. قال الراوی فقلت لہ: ما السمة؟ قال: العلامة [1].

معلوم رہے، جعلک اللہ وایانا من المتسمین بسمات اللہ (خدا تمھیں اور ہمیں اللہ کی علامتوں سے اپنی پہچان بنانے والوں میں قرار دے) کہ سالک کے لیے منزل "تسمیہ" میں داخل ہونا آسان نہیں ہے جب تک کہ منزل استعاذہ میں داخل نہ ہوجائے اور اس منزل کے حقوق ادا نہ کردے جب تک انسان شیطان کے تصرف میں ہے اور اس کے زیر سلطنت جبر وقہر سے دوچار ہے اس وقت تک شیطانی علامتیں اس کی پہچان ہیں اور اگر (شیطان نے) اس کے ظاہر و باطن پر مکمل طور سے غلبہ کرلیا تو انسان خود شیطان کی آیت وعلامت بن جائے گا اور اس عالم میں اگر تسمیہ کہے گا تو شیطانی ارادہ وقوت اور زبان سے کہے گا اور اس استعاذہ اور تسمیہ سے شیطانی سلطنت کے مزید استحکام کے سوا

۱۔ کتاب "التوحید" میں امام رضاؑ سے روایات کی گئی ہے کہ جب آپؑ سے "بسملہ" (بسم اللہ) کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپؑ نے فرمایا: "کہنے والے کے "بسم اللہ" کہنے سے یہ مراد ہے کہ میں اپنے اوپر اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی لگا رہا ہوں اور وہ نشانی عبادت ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا: سمہ کیا ہے؟ فرمایا: نشان۔"

التوحید، ص ۲۲۹ باب ۳۱ حدیث ۱، معانی الاخبار، ۳۔

کچھ حاصل نہ ہو گا اور اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو گئی اور خواب غفلت سے بیدار ہو گیا اور بیداری کی حالت میں سیر وسلوک کے لازم ہونے کو فطرت الٰہیہ کے نور اور تعلیمات قرآنیہ اور ہادیان دین کی سیرت وسنت کی روشنی میں توحید تک پہنچنے کا راستہ سمجھ لیا اور موانع سیر کو قلب نے دریافت کرلیا تو رفتہ رفتہ حال استعاذہ حاصل ہوجائے گا اور اس کے بعد توفیق ربانی سے منزل استعاذہ میں وارد ہوجائے گا اور جب شیطانی آلوگیوں سے پاک ہو گیا تو باطن وظاہر کی پاکیزگی کے مطابق اس سے انوار الٰہیہ بہ حسب تناسب، آئینہ سالک میں جلوہ گر ہوں گے اور اول امر میں ان انوار میں ظلمت کا شائبہ ہو گا، بلکہ ظلمت ہی غالب ہوگی "خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیّئاً (۱)" اور آہستہ آہستہ جتنا جتنا سلوک قوی ہوتا جائے گا نور بڑھتا جائے گا اور ظلمت پر غالب آتا جائے گا اور سمات ربوبیت (آیات الٰہی) سالک میں پیدا ہوجائیں گی اور پھر اس کا تسمیہ ایک حد تک حقیقت پیدا کرلے گا اور رفتہ رفتہ شیطانی علامتیں، جو ظاہر میں مدینہ فاضلہ کے نظام کی مخالفت، باطن میں خود پسندی واستکباری اور ایسے ہی صفات رذیلہ ہیں اور باطن باطن میں خود بینی وخود خواہی اور ایسے ہی اخلاق ذمیمہ ہیں، سالک کی مملکت ظاہر وباطن سے نکل بھاگیں گے اور ان کی جگہ سمات اللہ، جو ظاہر میں مدینہ فاضلہ کے نظام کی حفاظت، باطن میں عبودیت وذلت نفس اور باطن باطن میں خدا خواہی وخدا بینی ہیں، جاگزین ہوجائیں گے اور جب مملکت، ملکت الٰہی ہو گئی اور شیاطین جن وانس سے خالی ہو گئی اور اس میں سمات الٰہیہ پیدا ہو گئیں تو خود سالک ہی کے لیے مقام اسمیت متحقق ہوجائے گا۔

پس ابتدا میں، سالک کے تسمیہ کے معنیٰ "سمات وعلامات الٰہیہ سے متصف ہونا" ہیں۔ اس کے بعد یہ مرتبہ ترقی کرتا ہے اور خود سالک مقام اسمیت پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ قرب نافلہ کے اوائل ہیں اور جب قرب نافلہ میں متحقق ہو گیا تو تمام اسمیت کو پا گیا۔ اب اس کے بعد عبد اور عبودیت میں سے کچھ باقی نہ رہا اور اگر کوئی اس مقام تک پہنچ جائے تو اس کی ساری نماز لسان اللہ کے ذریعہ ادا ہوگی اور یہ شخص کچھ کچھ اولیاء میں شامل ہوجائے گا۔

۱۔ "نیک عمل کو برے عمل میں ملا دیا" سورۂ توبہ / ۱۰۲۔

درمیانی مرتبہ کے لوگوں اور ہم جیسے ناقص لوگوں کے لیے ادب یہ ہے کہ عبودیت کا نشان "تسمیہ" کے وقت اپنے دل پر لگائیں ... اور قلب کو سمات اللہ اور آیات وعلامات الٰہیہ سے باخبر کریں اور محض زبان کی ادائیگی کو کافی نہ سمجھیں. ممکن ہے کہ تھوڑی بہت عنایات ازلیہ ہمارے شامل ہوں اور تلافی مافات ہوجائے اور اسماء سیکھنے کی راہ ہمارے قلب پر کھل جائے اور مقصود کو پالینے کا راستہ مل جائے۔

ہوسکتا ہے کہ اس حدیث شریف میں "سمة من سمات الله " (اللہ کے نشانوں میں سے کوئی نشان) سے مراد رحمت "رحمانیہ" اور رحمت "رحیمیہ" کی علامت ہو اور چونکہ یہ دونوں نام اسمائے محیط میں سے ہیں، کہ یہ تمام دار تحقق دوجود انہیں دونوں ناموں کے زیر سایہ اپنے اصل وجود وکمال کو پہنچا ہے اور پہنچتا ہے اور رحمت رحمانیہ ورحیمیہ تمام دار وجود کو شامل ہے، یہاں تک رحمت رحیمیہ بھی جس کے جلوؤں میں ہادیان طریق توحید کی تمام ہدایت شامل ہے، سب کو شامل ہے. مگر یہ کہ فطرت مستقیم سے خارج لوگ، اپنے غلط اختیار وانتخاب کی وجہ سے اس سے محروم ہیں. یہ بات نہیں کہ یہ رحمت ان کے شامل حال ہی نہ ہو، یہاں تک کہ عالم آخرت میں بھی جو عمل کی اچھی بری فصل کاٹنے کا دن ہے، جنھوں نے برے عمل کی کاشت کی وہ خود ہی قاصر وخطا دار ہیں کہ رحمت رحیمیہ سے استفادہ نہیں کیا۔

وبالجملہ، جو سالک چاہتا ہے کہ اس کا تسمیہ حقیقت پیدا کرے اس کو چاہیے کہ اللہ کی رحمتوں کو اپنے قلب تک پہنچائے اور رحمت رحمانیہ ورحیمیہ کے ساتھ متحقق ہوجائے. قلب میں اس کو کوئی نمونہ حاصل ہوجانے کی علامت یہ ہے کہ بندگان خدا پر لطف وعنایت سے نظر کرے اور سب کے لیے خیر وصلاح کا خواہشمند ہو. یہ نظر انبیائے کرام اور اولیائے کاملین علیہم السلام کی ہوتی ہے. منتہیٰ یہ کہ ان کی دو نظریں ہوتی ہیں. ایک سماج اور خاندان اور مدینہ فاضلہ کی سعادت پر نظر، اور دوسری فرد کی سعادت پر نظر. ان دونوں سعادتوں سے انہیں کامل طور پر تعلق خاطر ہوتا ہے جو قوانین الٰہیہ ان کے ہاتھوں بنتے، نافذ ہوتے اور جاری ہوتے ہیں، ان میں ان دونوں سعادتوں کی پوری مراعات ملحوظ رکھتے ہیں، یہاں تک کہ قصاص اور حدود وتعزیرات وغیرہ کے اجراء میں بھی نظر آتا ہے کہ نظام مدینہ فاضلہ

کے لحاظ سے قوانین بنائے گئے ہیں. دونوں سعادتیں پیش نظر ہیں، کیونکہ یہ امور روح کی تربیت اور اسے سعادت تک پہنچانے میں پوری طرح دخیل ہیں، یہاں تک کہ جو لوگ ایمان وسعادت کی روشنی ہی نہیں رکھتے اور جہاد میں یا اسی قسم کے کسی اور سبب سے قتل کیے جاتے ہیں، جیسے بنی قریظہ کے یہودی، خود ان کے لیے بھی یہ قتل صلاح واصلاح کا سبب ہوتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ نبی ختمی مرتبت (ص) کی رحمت کاملہ سے ان کا قتل واقع ہوا، کیونکہ اس دنیا میں رہ کر اپنے لیے روزانہ طرح طرح کے عذاب جمع کیے جاتے تھے کہ یہاں کی ساری زندگی وہاں کے ایک دن کے عذابوں اور سختیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی. یہ بات ان لوگوں کے لیے جو آخرت کے عذاب وعقاب اور وہاں کے اسباب ومسببات کو جانتے ہیں، اچھی طرح واضح ہے. لہذا وہ تلوار جو بنی قریظہ کے یہودیوں اور ان جیسوں کی گردن پر چلی وہ افق غیظ وغضب کی بہ نسبت افق رحمت سے زیادہ نزدیک تھی اور ہے.

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا باب بھی رحمت رحیمیہ ہی کا ایک رخ ہے. لہذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے قلب کو تھوڑی رحمت رحیمیہ کا ذائقہ چکھائے اور امر ونہی میں اس کی نظر خود نمائی، خود فروشی اور اپنے امر ونہی کو لوگوں پر تھوپنا نہ ہو، کیونکہ اگر اس طرح چلے گا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقصد یعنی بندوں کے لیے سعادت کا حصول اور احکام الٰہی کا ملک میں اجراء نہ ہوسکے گا، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے امر بالمعروف سے جاہل انسان پر الٹا اثر ہو اور ایک جاہلانہ امر ونہی کی وجہ سے اس قدر سرکش ومنحرف ہوجائے جو خواہش نفسانی اور تصرف شیطانی کے زیر اثر واقع ہوئی ہو. لیکن اگر رحمت وشفقت کے احساس اور حق نوع بشری واخوت انسانی کو جاہلوں کی ہدایت اور غافلوں کو بیدار کرنے کے لیے کام میں لایا جائے تو بیان وارشاد کی کیفیت جو ایک قلب رحیمانہ کی پھوار ہے، ایسی ہوجائے گی کہ قہری طور پر قبولیت کی صلاحیت رکھنے والوں پر اس کا مثبت اثر ہوگا اور سخت دلوں کا استکبار وغرور بھی اس سے دب جائے گا. افسوس یہ ہے کہ قرآن سے کچھ نہیں سیکھتے اور اللہ کی اس کتاب کریم پر تدبر وتحصیل کی نظر نہیں ڈالتے اور ہمارا استفادہ اس ذکر حکیم سے نہ ہونے کے برابر ہے. اب دیکھیے کہ آیہ شریفہ :

" اذھبا الی فرعون انه طغیٰ فقولا قولاً لیّناً لعله یتذکر او یخشیٰ " (۱) " میں تفکر انسان کے دل پر معرفت کی راہیں اور امید ورجاء کے دروازے کس طرح کھول دیتا ہے۔

فرعون، جس کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ " انا ربکم الاعلیٰ (۲) " کہنے لگا اور اس کا تکبر اور فساد اس قدر بڑھ گیا تھا کہ " یذبح ابناء ھم ویستحی نساء ھم (۳) " اس کے بارے میں نازل ہوا ہے اور محض ایک خواب دیکھنے کی وجہ سے اور کاہنوں اور جادوگروں کے خبر دینے کی وجہ سے کہ موسیٰ بن عمران پیدا ہونے والے ہیں، عورتوں کو مردوں سے الگ کردیا اور بے گناہ بچوں کو ذبح کردیا اور تمام فساد پھیلایا۔ خداوند رحمن نے اپنی رحمت رحیمیہ سے ساری زمین پر نظر ڈالی اور نوع بشر میں سب سے زیادہ خاکسار اور سب سے زیادہ باکمال، یعنی حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام جیسے نبی عظیم الشان اور رسول عالی مقام وصاحب کرامت کا انتخاب کیا اور اپنے دست تربیت پر انھیں تعلیم وتربیت دی۔ چنانچہ فرماتا ہے:" فلما بلغ اشدہ واستویٰ اتیناہ حکماً وعلماً وکذلک نجزی المحسنین (۴) " ان کی پیٹھ کو ان کے ہارون علیہ السلام جیسے عالی مرتبت بھائی سے مضبوط کیا اور ان دونوں بزرگواروں کو، جو عالم انسانیت کے گل سرسید تھے، خدائے تعالیٰ نے منتخب کیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:" وانا اخترتک (۵) " اور فرماتا ہے:" ولتصنع علی عینی (۶) " اور فرماتا ہے:" واصطفتک لنفسی اذھب انت واخوک بایاتی ولا تنیا فی ذکری (۷) "

۱۔ " فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ اس نے سرکشی کی ہے اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید تذکر حاصل کرے یا ڈرے "۔ سورۂ طٰہٰ / ۴۳۔۴۴۔

۲۔ " میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں " سورۂ نازعات / ۲۴۔

۳۔ " ان کے لڑکوں کو قتل کردیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا " سورۂ قصص / ۴۔

۴۔ " جب جوانی کے سن کو پہنچے اور طاقتور ہوگئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نیکوکاروں کو یوں ہی جزا دیتے ہیں " سورۂ قصص / ۱۴۔

۵۔ " میں نے تمہیں منتخب کیا " سورۂ طٰہٰ / ۱۳۔

۶۔ " اور تاکہ میری نظروں کے سامنے تمہاری تربیت ہو " سورۂ طٰہٰ / ۳۹۔

۷۔ " میں نے تم کو اپنے لیے بنایا۔ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور مجھے یاد کرنے میں سستی نہ کرنا "۔ سورۂ طٰہٰ / ۴۱۔۴۲۔

ان کے علاوہ اور دوسری آیتیں ہیں جو حوصلہ بیان سے باہر ہیں اور قلب عارف کو ان سے کیا کچھ نصیب ہوتا ہے، بتایا نہیں جاسکتا، خاص طور سے ان دو عظیم لفظوں سے "ولتصنع علیٰ عینی" اور "اصطفتک لنفسی"۔ آپ بھی اگر دل کی آنکھیں کھولیں تو ایک ایسا لطیف روحانی نغمہ سنائی دے گا جس سے آپ کے گوش ہائے دل اور سراسر وجود سر توحید سے معمور ہوجائیں گے۔

وبالجملہ، تمام عزت افزائیوں کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے یہ اہتمام کیا اور اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روحانی ورزشوں میں مشغول کردیا۔ چنانچہ فرماتا ہے: "وفتناک فتوناً (۱)" اور برسوں کے لیے بوڑھے حضرت شعیبؑ مربی راہ ہدایت، شائستہ عالم انسانیت کی خدمت میں ان کو بھیجا۔ چنانچہ فرماتا ہے: "فلبثت سنین فی اھل مدین ثم جئت علیٰ قدر یاموسیٰ (۲)" اس کے بعد ان کو آزمانے اور بالاتری کا ہنر سیکھنے کے لیے شام کی راہ کے بیابان میں بھیج دیا۔ وہ راستہ بھول گئے اور بارش بھی آگئی۔ تاریکی نے ان کو گھیر لیا اور ان کی بیوی کو دردزہ عارض ہوا اور جب مادیّت کے تمام دروازے ان پر بند ہوگئے اور ان کا قلب شریف کثرات سے تنگ آگیا اور صاف جبلت اور شفاف فطرت سے وہ سب سے قطع تعلق کرکے حق تعالیٰ کے ہو رہے اور الٰہی روحانی سفر اس تاریک اور بے کراں بیابان میں تمام ہوا "انس من جانب الطور ناراً" الیٰ ان قال: "فلما اتٰھا نودی من شاطی الوادی الایمن فی البقعة المبارکة من الشجرة ان یا موسیٰ انّی انا اللہ رب العالمین (۳)" ان تمام امتحانات اور روحانی تربیت کے بعد کس کام کے لیے اللہ نے انہیں تیار کیا؟ دعوت وہدایت وارشاد اور ایک سرکش ومنحرف کو نجات دلانے کے لیے جو "انا ربکم الاعلیٰ" کا نقارہ بجا رہا تھا اور وہ سب فساد زمین میں پھیلا رہا تھا، ممکن تھا کہ خدا اسے اپنے غضب کی بجلی گرا کر خاکستر کردیتا، لیکن رحمت رحیمیہ نے اس کے لیے دو عظیم پیغمبر بھیجے اور اس حالت میں ان دونوں سے

۱۔ "ہم نے تمہاری سخت آزمائش کی" سورۂ طٰہٰ / ۴۰۔

۲۔ "برسوں تم مدائن والوں کے درمیان رہے پھر معین مدت کے بعد واپس آئے اے موسیٰ" سورۂ طٰہٰ / ۴۰۔

۳۔ "کوہ طور کی جانب آگ نظر آئی۔۔۔ جب اس نے نزدیک پہنچے تو وادی ایمن کے کنارہ سے بقعہ مبارکہ میں درخت سے ان کو ندا آئی: اے موسیٰ! یقیناً میں دونوں جہان کا پروردگار، اللہ ہوں" سورۂ قصص / ۲۹۔ ۳۰۔

اس کی سفارش بھی فرماتا ہے کہ اس سے ذرا ملائم لہجہ میں گفتگو کرنا. ہوسکتا ہے خدا کو یاد کرنے لگے اور اپنے کرتوتوں اور ان کے انجام سے ڈرے. یہ ہے امر ونہی کا قانون! یہ فرعون جیسے طاغوت کو ہدایت کرنے کا طریقہ ہے.

اب اگر آپ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور خلق خدا کی ہدایت کرنا چاہتے ہیں تو ان آیات شریفہ الٰہیہ سے جو تذکر و تعلم کے لیے نازل کی گئی ہیں، تذکر حاصل کریں اور سیکھیں. محبت سے بھرے قلب اور مہربان دل کے ساتھ بندگان خدا سے ملاقات کریں اور دل کی گہرائی سے ان کی خیر خواہی کریں اور جب اپنے دل کو رحمانی اور رحیمی پائیں تب امر ونہی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تاکہ سخت دلوں کو آپ کے عاطفہ قلب کی برق نرم کردے اور دلوں کا لوہا موعظت و نصیحت سے مخلوط ہوکر آپ کی محبت کی گرمی سے پگھل جائے.

یہ وادی، وادی بغض فی اللہ اور حب فی اللہ کے علاوہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ خدا کے دشمنوں کو دشمن رکھے (اور خدا کے دوستوں سے دوستی رکھے) جیسا کہ قرآن کریم اور روایات شریفہ میں وارد ہے اور وہ اپنی جگہ پر صحیح ہے اور یہ اپنی جگہ پر صحیح ہے اور اب اس کے بیان کا موقع نہیں ہے.

فصل پنجم

سورۂ "حمد" کی اجمالی تفسیر
اور
تحمید وقرائت کے چند آداب

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی "ب" کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ہر ایک نے اپنے علم وعرفان کے مسلک کے مطابق اس کے متعلق کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ علمائے ادب نے "ابتداء" یا "استعانت" کے مادہ سے مثلاً (اس کے متعلق کا) اشتقاق قرار دیا ہے اور اسی کو تقدیر عبارت بتایا ہے اور یہ جو بعض روایات میں بھی وارد ہوا ہے کہ "بسم اللہ ، ای استعین" یا تو مذاق عامہ کے موافق ہے، چنانچہ بہت سی روایتوں میں (مذاق عامہ کی موافقت) شائع ہے اور بہت سی احادیث کے اختلاف کو اسی پر محمول کیا جاتا ہے۔ لہذا اسی (مذاق عامہ کی موافقت کے) باب میں "بسم اللہ" کے بارے میں حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے: "ای، اسم نفسی بسمة من سمات اللہ (۱)" اور یا یہ کہ "استعانت" سے مقصود اس سے زیادہ لطیف کوئی نکتہ ہے جس کا عامہ ادراک کرتے ہیں، جس میں سر توحید انتہائی باریکی کے ساتھ مضمر ہے۔

بعض اہل معرفت نے اس کو "ظہر" سے لیا ہے اور کہا ہے کہ: "ای ظهر الوجود بسم اللہ. (۲)"

۱۔ حاشیہ ا ص ۳۲۹۔

۲۔ "وجود بسم اللہ (الرحمن الرحیم) سے ظہور میں آیا" یہ وجہ "بسملہ" کے معنی میں محی الدین ابن عربی نے کتاب "الفتوحات المکیہ، ج ا ص ۱۰۲ میں لکھی ہے۔

یہ اہل معرفت اور اصحاب سلوک وعرفان کے مسلک کے مطابق ہے جو تمام موجودات اور ذرات کائنات اور عوالم غیب وشہادت کا ظہور اللہ کے جامع اسم، یعنی "اسم اعظم" کی تجلی سے جانتے ہیں. اس بنا پر "اسم" جو نشان اور علامت کے معنی ہیں اور یا علو وارتفاع کے معنی میں ہے،" تجلی فعلی انبساطی حق" (حق تعالیٰ کی اس کے فعل سے پھیلنے والی تجلی) سے عبارت ہے جسے "فیض منبسط" اور "افاضہ اشراقیہ" کہتے ہیں، کیونکہ اس مسلک کے اعتبار سے یہ تمام دار وجود، عقول مجردہ سے لے کر وجود کے آخری مرتبہ تک، اسی فیض کے تعینات اور اسی لطیف رمز کے تنزلات (کا مجموعہ) ہے. آیات شریفہ الٰہی اور احادیث مبارکہ معصومین علیہم السلام میں اس مسلک کی تائیدات بہت ہیں. چنانچہ کافی کی حدیث شریف میں ارشاد ہے:" خداوند عالم نے "مشیت" کو اس کی ذاتی حیثیت سے خلق کیا، اس کے بعد مشیت سے (تمام) اشیاء کو خلق کیا (۱)".

اس حدیث کی ہر شخص نے اپنے مسلک کے مطابق توجیہ کی ہے. جن میں سب سے ظاہر وہ ہے جو اس (عرفانی) مسلک سے مطابقت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ "مشیت" سے مراد مشیت فعلیہ ہے جس کی تعبیر "فیض منبسط" ہے اور اشیاء سے مراد مراتب وجود ہیں جو اس لطیف نکتہ کے تعینات وتنزلات ہیں. لہٰذا حدیث کے معنی یہ نکلے کہ خدائے تعالیٰ نے مشیت فعلیہ کو جو مشیت ذاتیہ قدیمہ کا ظل (سایہ اور عکس) ہے، بنفسہا اور بلا کسی واسطہ کے خلق کیا اور عالم غیب وشہادت کے دوسرے موجودات کو اس کی تبعیت میں خلق کیا اور سید محقق داماد (قدس سرہ) نے اس مقام تحقیق وتدقیق کے باوجود جو ان کو حاصل ہے، اس حدیث شریف کی عجیب توجیہ کی ہے (۲) اسی طرح مرحوم ملا فیض کاشانی (۳) کی توجیہ بھی بعید از صواب ہے.

وبالجملہ، "اسم" سے مراد نفس تجلی فعلی ہے جس سے تمام دار وجود وتحقق موجود ومتحقق ہے اور اسم کا اطلاق امور عینیہ پر زبان خدا اور زبان رسول (ص) واہل بیت (ع) پر بہت آیا ہے. جیسے "اسمائے

۱۔ اصول کافی، ج ۱ ص ۱۳۹ "کتاب التوحید، باب الارادۃ انہا من صفات الفعل" حدیث ۴؛ بحار الانوار، ج ۴ ص ۱۴۵.

۲۔ مرآۃ العقول، ج ۲ ص ۱۹.

۳۔ الوافی، ج ۱ ص ۱۰۰ "ابواب معرفۃ صفاتہ سبحانہ واسمائہ، باب صفات الفعل" بیان حدیث ۴.

حسنیٰ" کے لیے فرمایا ہے کہ ہم ہیں (۱) اور ادعیہ شریفہ میں "وباسمک الذی تجلیت علیٰ فلان" بہت آیا ہے (۲).

احتمال ہے کہ "بسم اللہ" ہر سورہ میں اسی سورہ سے متعلق ہو. مثلاً سورۂ حمد کی بسم اللہ حمد سے متعلق ہے. یہ بات ذوق عرفانی اور مسلک اہل معرفت سے مطابقت رکھتی ہے. اس لیے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حمد کرنے والوں کی حمد اور ثنا کرنے والوں کی ثنا بھی اسم "اللہ" کی قیومیت سے ہے. اس بنا پر تسمیہ اور تمام اقوال واعمال کا مقدمہ جو مستحبات شرعیہ میں سے ایک ہے. اس تذکر کے لیے ہے کہ ہر وہ قول وعمل جو انسان سے صادر ہوتا ہے وہ اسم الٰہی کی قیومیت سے ہے، کیونکہ تمام ذرات وجود "اسم اللہ" کا تعین اور ایک اعتبار سے وہ خود "اسماء اللہ" ہیں. اس احتمال کی بنا پر، بسم اللہ کے معنیٰ کثرت کے نقطہ نظر سے، ہر سورہ اور ہر قول وفعل میں الگ الگ ہیں. چنانچہ فقہاء کا کہنا ہے کہ بسم اللہ ہر سورہ کے لیے الگ الگ معین ہونا چاہیے. اگر ایک سورہ کے لیے بسم اللہ کہی گئی تو (وہ دوسرے سورہ کے لیے کافی نہیں اور) دوسرا سورہ بغیر بسم اللہ کے شروع نہیں کیا جاسکتا اور یہ بات فقہی مسلک کے مطابق بھی بلاوجہ نہیں ہے اور اس مدلل تحقیق کے مطابق ہے (جو ہم نے عرفانی نقطہ نظر سے بیان کی) اور اللہ کے اسم اعظم کے حضور میں کثرات کے فانی اور مضمحل ہونے کے نقطہ نظر سے ہر بسم اللہ کے ایک ہی معنیٰ ہیں.

چنانچہ یہی دو نظر مراتب وجود اور منازل غیب وشہود میں بھی ہیں، کثرت درویت تعینات، کثرت کو قبول کرنے والے موجودات، مراتب وجود اور تعینات عالم کی نظر سے مختلف رحمانی ورحیمی، اور قہری ولطفی اسماء ہیں اور فیض مقدس کے ازلی نور میں کثرات کے فانی ومضمحل ہونے اور انوار وجودی کے محو ہونے کے اعتبار سے، فیض مقدس اور اسم جامع الٰہی (اللہ) کے سوا اور کسی چیز کے بارے میں کسی خبر واثر کا پتہ نہیں.

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۲۹۳.

۲۔ ان میں سے ایک دعائے "سمات" میں ہے. مصباح المتہجد، ص ۳۷۴.

اسماء وصفات الٰہیہ میں بھی یہی دو نظر ہیں. نظر اول کے لحاظ سے حضرت واحدیت مقام کثرت اسماء وصفات ہے اور تمام کثرات اسی کے حضور سے ہیں اور نظر دوم کے لحاظ سے حضرت اسم اللہ الاعظم کے سوا اور کچھ نام ونشان نہیں ہے. یہ دو نظر حکیمانہ اور فکری ہیں اور اگر عارفانہ نظر ہو تو سلوک اور ریاضات قلبیہ کے قدموں سے دل کے دروازوں کے کھلنے کے بعد حق تعالیٰ فعلی، اسمی اور ذاتی تجلیات سے کبھی کثرت کی صفت کے ساتھ اور کبھی وحدت کی صفت کے ساتھ، اصحاب معرفت کے دلوں میں تجلی کرتا ہے. ان تجلیات کی طرف قرآن میں اشارہ موجود ہے. کہیں صراحتاً جیسے: "فلما تجلی ربه للجبل جعله دکاً وخر موسیٰ صعقاً (۱)" اور کہیں اشارتاً جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت رسول خدا (ص) کے مشاہدات جو سورۂ "انعام" اور سورۂ "النجم" کی آیات شریفہ میں مذکور ہیں اور اخبار وادعیہ معصومین علیہم السلام میں ان کی طرف بہت اشارے موجود ہیں. خصوصاً دعائے عظیم الشان "سمات" میں جس کے متن یا سند سے انکار کی مخالفین کو جرات نہیں ہو سکتی اور عوام وخواص اور عارف وعامی سب میں مقبول ہے. اس دعائے شریف میں اعلیٰ مضامین ومعارف بہت ہیں. جن کی خوشبو قلب عارف کو بے خود بنا دیتی ہے اور اس نفحۂ الٰہی کی نسیم روح سالک کو تازگی بخشتی ہے. چنانچہ فرماتے ہیں:

" وبنور وجهک الذی تجلیت به للجبل فجعلته دکاً وخر موسیٰ صعقاً وبمجدک الذی ظهر علیٰ طور سیناء فکلمت به عبدک ورسولک موسیٰ بن عمران علیه السلام، وبطلعتک فی ساعیر وظهورک فی جبل فاران (۲) ".

۱۔ "تو جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی دکھائی تو پہاڑ کے پرخچے اڑا دیے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے".

سورۂ اعراف / ۱۴۳.

۲۔ "تیرے نور رخ کی قسم جو تو نے پہاڑ پر چمکایا اور اس کو ہلا کے رکھ دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو گئے اور تیری بزرگی وعظمت کی قسم جو طور سیناء پر ظاہر ہوئی اور اپنے پیغمبر موسیٰ بن عمران سے تو نے کلام کیا اور ساعیر پر تیرے ظاہر ہونے کی قسم اور فاران پر تیرے جلوہ ریز ہونے کی قسم..." دعائے "سمات" سے، مصباح المتہجد، ص ۳۷۶.

وبالجملہ، سالک الیٰ اللہ کو چاہیے کہ "تسمیہ" میں اپنے قلب کو سمجھائے کہ تمام موجودات ظاہرہ وباطنہ اور تمام عوالم غیب وشہادت اسماء اللہ کے زیر تربیت، بلکہ ظہور اسماء اللہ سے ظاہر ہوئے ہیں اور اس (قلب) کی تمام حرکات وسکنات اور تمام عالم اسم اللہ الاعظم کی قیومیت سے ہے. پس اس کی تمام حمد وثنا حق کے لیے اور اس کے تمام عبادات واطاعات اور توحید واخلاص اسم اللہ کی قیومیت سے ہیں اور جب یہ مقام اور لطیف الٰہی رمز اس کے دل میں محکم ومستقر ہوجائے شدید تذکر کے وسیلہ سے ہو عبادات کی غرض وغایت ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے خلوت انس ومحفل قدس میں اپنے کلیم حضرت موسیٰ بن عمران سے فرمایا: "انی انا اللہ لا الہ انا فاعبدنی واقم الصلوۃ لذکری (۱)" نماز کے قائم کرنے غرض وغایت اپنے ذکر کو قرار دیا. لہٰذا تذکر شدید کے بعد معارف کی دوسری راہ قلب عارف پر کھل جائے گی اور وہ عالم وحدت میں جذب ہوجائے گا، یہاں تک کہ اس کی زبان حال اور اس کا قلب ایسا ہوجائے گا کہ: "باللہ الحمد للہ (۲)" اور "انت کما اثنیت علیٰ نفسک (۳)" اور "اعوذ بک منک (۴)".

یہ بسم اللہ کی "ب" سے متعلق راز کا ایک اجمال اور اس سے حاصل ہونے والے معارف میں سے تھوڑا سا بیان ہے، لیکن "ب" اور نقطہ تحت الباء کے اسرار جو مقام ولایت علویؑ کے باطن میں مضمر ہیں اور مقام جمع الجمع قرآنی ہے، اس کے بیان کے لیے ایک وسیع میدان چاہیے.

رہی حقیقت الاسم تو اس کے لیے مقام غیبی اور غیب الغیبی اور سری وسر السری ہے اور مقام ظہور وظہور الظہوری اور چونکہ اسم، علامت حق ہے اور ذات مقدس میں فانی ہے، لہٰذا ہر وہ اسم جو افق وحدت سے نزدیک تر اور افق کثرت سے دور تر ہو وہ اسمیت میں کامل تر ہے اور اتم الاسماء وہ اسم ہے

۱۔ "یقیناً میں خدائے واحد ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے. لہٰذا میری عبادت کرو اور نماز میرے ذکر کے لیے قائم کرو".

سورۂ طہٰ / ۱۴.

۲۔ "اس کی حمد اسی طرف سے ہے".

۳۔ ۴۔ حاشیہ ا ص ۲۱۴.

جو کثرات سے، یہاں تک کہ کثرت علمی سے بھی، مبرا ہو اور وہ (اتم الاسماء) مقام "فیض اقدس" پر حضور ذات میں تجلی غیبی احدی احمدی ہے کہ شاید جس کی طرف آیۂ کریمہ "او ادنیٰ (۱)" اشارہ ہو اور اس کے بعد حضور واحدیت میں حضرت اسم اللہ الاعظم کے ذریعہ تجلی ہے۔ اس کے بعد "فیض مقدس" کے ذریعہ تجلی ہے اور اس کے بعد صفت کثرت کے ذریعہ اعیان میں تجلی ہے آخر دار تحقق تک۔

راقم الحروف نے رسالہ مصباح الہدایۃ (۲) اور رسالہ شرح دعائے سحر (۳) میں اس اجمال کی تفصیل بیان کی ہے۔

اور "اللہ" مقام ظہور بہ "فیض مقدس" ہے۔ اگر "اسم" سے مراد تعینات وجودیہ ہوں اور "اللہ" کا اطلاق اسم پر اتحاد ظاہر کی جہت، مظہر ہونے کے اعتبار سے اور اسم کے مسمی میں فانی ہونے کے لحاظ سے کوئی اشکال نہیں رکھتا اور شاید آیۂ کریمہ "اللہ نور السموات والارض (۴)" اور آیۂ کریمہ "ھو الذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ (۵)" اسی مقام کی طرف اشارہ اور اسی اطلاق کی شاہد ہو اور مقام واحدیت و جمع اسماء یا بالفاظ دیگر، مقام اسم اعظم ہے، اگر اسم سے مراد مقام تجلی بہ "فیض مقدس" ہو اور شاید یہی احتمال تمام احتمالات سے ظاہر تر ہے اور مقام ذات یا مقام "فیض اقدس" ہے اگر اسم سے مراد "اسم اعظم" ہو اور مقام "رحمٰن" و "رحیم" مذکورہ احتمالات کی بنا پر اس سے فرق رکھتا ہے، جیسا کہ واضح ہے۔

۱۔ "فکان قاب قوسین او ادنیٰ" (پس نزدیک ہوئے اتنا کہ ان کا فاصلہ اس سے دو کمان کے بقدر یا اس سے بھی قریب تھا)۔ سورۂ نجم / ۹۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۲۰۰۔

۳۔ شرح دعائے سحر حضرت امام خمینیؒ کے قلم مبارک کے رشحات میں ہے جو عربی زبان میں ہے جس کے لکھنے کی غرض اس کے مقدمہ میں جناب مؤلفؒ کی تعبیر کے مطابق اس دعائے شریف کے کچھ وجوہ کی شرح کرنا ہے جو دعائے "مباہلہ" کے نام سے مشہور ہے۔ (دعائے وقت سحر جو ائمہ اطہار علیہم السلام سے مروی ہے) اس کتاب کی تالیف ۱۳۴۹ ہجری قمری میں انجام پائی۔

۴۔ حاشیہ ۲ ص ۲۶۶۔

۵۔ حاشیہ ۳ ص ۲۶۶۔

اور "رحمن" و "رحیم" ہوسکتا ہے، اسم کی صفت ہوں اور ہوسکتا ہے "اللہ" کی صفت ہوں، لیکن ان دونوں میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ "اسم" کی صفت ہوں، کیونکہ یہ دونوں تحمید میں "اللہ" کی صفت ہیں. لہذا (تسمیہ میں اس کی صفت قرار دینے سے) تکرار کا احتمال باقی نہیں رہتا، اگرچہ اللہ کی صفت قرار دیے جائیں تب بھی توجیہ کی جاسکتی ہے اور تکرار میں بھی بلاغت کا ایک نکتہ ہے اور اگر ہم "اسم" کی صفت فرض کریں تو یہ اس بات کی تائید ہوگی کہ "اسم" سے مراد اسمائے عینیہ ہیں، کیونکہ صفات "رحمانیہ ورحیمیہ سے اسمائے عینیہ ہی متصف ہیں. پس اگر "اسم" سے مراد اسم ذاتی اور مقام جمعی کے ساتھ تجلی ہو تو "رحمانیت" و "رحیمیت" صفات ذاتیہ میں ہیں جو حضرت "اسم اللہ" کے لیے مقام واحدیت پر تجلیات میں ثابت ہیں اور رحمت رحمانیہ ورحیمیہ فعلیہ ان (صفات ذاتیہ) کے تنزلات ومظاہر میں سے ہے اور اگر "اسم" سے مراد تجلی جمعی فعلی ہو جو مقام مشیت ہے، تو "رحمانیت" و "رحیمیت" صفات افعال میں ہیں. اس لحاظ سے رحمت رحمانیہ اصل وجود کا بسط وامتداد ہے اور یہ تمام موجودات کے لیے عام ہے مگر حق تعالیٰ کے صفات خاصہ میں ہے، کیونکہ اصل وجود کے بسط (پھیلاؤ) میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے. دیگر موجودات کا ہاتھ رحمت ایجادی تک پہنچنے سے قاصر ہے "ولا مؤثر فی الوجود الا اللہ ولا الـه فی دار التحقق الا اللہ".

لیکن رحمت "رحیمیہ" جس کے فیضان کا ایک حصہ ہادیان طریق کی ہدایت ہے، وہ اگرچہ اہل سعادت اور علیین کی فطرت وسرشت کے ساتھ مختص ہے، لیکن صافت عامہ میں ہے اور دوسرے موجودات کا بھی اس میں حصہ اور نصیب ہے. سابق میں بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ رحمت رحیمیہ بھی ان رحمتوں میں سے ہے جو سب کے لیے عام ہیں اور اہل شقاوت اپنے نقص کی وجہ سے اس سے دور ہوجاتے ہیں ورنہ خود رحمت رحیمیہ محدود نہیں ہے. اسی لیے دعوت وہدایت تمام نوع بشر کے لیے عام ہے. جیسا کہ قرآن شریف اس پر دلالت کرتا ہے. ایک لحاظ سے رحمت رحیمیہ حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے کوئی اور اس میں شریک نہیں. روایات شریفہ میں نظر واعتبار کے فرق کے مطابق رحمت رحیمیہ کا مختلف انداز سے ذکر کیا گیا ہے. کبھی فرمایا ہے:

"ان الرحمن اسم خاص لصفة عامة، والرحیم اسم عام لصفة خاصة (۱)" اور کبھی ارشاد ہوا ہے: "الرحمن بجمیع خلقه والرحیم بالمؤمنین خاصة (۲)" اور کبھی یہ فرمایا ہے: "یا رحمن الدنیا ورحیم الاخرة (۳)" اور یہ بھی ارشاد ہے: "یا رحمن الدنیا والاخرة ورحیمهما"۔

تحقیق عرفانی

علمائے ادب کا کہنا ہے کہ "رحمن" اور "رحیم" "رحمت" سے مشتق ہیں اور دونوں مبالغہ کے لیے ہیں۔ البتہ رحمن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے اور (اس بنا پر) قیام کا تقاضا یہ تھا کہ رحیم کو رحمن پر مقدم رکھا جاتا، لیکن چونکہ رحمن بمنزلہ علم شخصی ہے اور دوسرے موجودات پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا اسی کو مقدم رکھا گیا۔ بعض علماء نے دونوں کو ایک ہی معنی میں فرض کیا ہے اور ان کی تکرار کو محض تاکیدی قرار دیا ہے، اور ذوق عرفانی، جس کے اعلیٰ مراتب کے ساتھ قرآن نازل ہوا ہے، یہ تقاضا کرتا ہے کہ رحمن ہی رحیم پر مقدم رہے (جیسا کہ ہے) کیونکہ قرآن شریف اصحاب قلوب کے نزدیک تجلیات الٰہی سے نازل ہوا اور وہ اسمائے حسنیٰ کی مکتوبی صورت ہے اور چونکہ اسم "رحمن" اسم اعظم کے بعد محیط ترین اسمائے الٰہیہ ہے اور اصحاب معرفت کے نزدیک محقق ہے کہ اسمائے محاطہ کے ساتھ تجلی پر اسمائے محیطہ کے ساتھ تجلی مقدم ہے اور جو اسم جتنا زیادہ محیط ہے اس کے ساتھ تجلی بھی اتنی ہی مقدم ہے۔ اس جہت سے حضرت واحدیت میں پہلی تجلی اسم اللہ الاعظم کے ساتھ تجلی ہے اس کے بعد مقام رحمانیت کے ساتھ تجلی رحیمیت کے ساتھ تجلی رحمانیت کے ساتھ تجلی کے

۱۔ "رحمن ایک اسم خاص ہے صفت عام کے لیے اور رحیم ایک اسم عام ہے صفت خاص کے لیے" مجمع البیان، ج ۱ ص ۲۱ از امام جعفر صادق علیہ السلام (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)۔

۲۔ "الرحمن لجمیع العالم والرحیم بالمؤمنین خاصة" معانی الاخبار، ص ۳۔ بحار الانوار، ج ۸۹ ص ۲۲۹۔

۳۔ "اے رحمان دنیا وآخرت اور رحیم دنیا وآخرت" اصول کافی، ج ۴ ص ۳۴۰ "کتاب الدعاء، باب الدعاء للکرب" حدیث ۲؛ صحیفہ سجادیہ، دعا ۵۴۔

بعد ہے۔ اسی طرح تجلی ظہور فعلی میں بھی مقام "مشیت" کے ساتھ تجلی، جو اس منزل میں اسم اعظم ہے اور اسم اعظم کا ظہور ذاتی ہے، تمام تجلیات پر مقدم ہے اور مقام رحمانیت کے ساتھ تجلی، جو تمام موجودات عالم غیب وشہادت پر احاطہ کیے ہوئے ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے: "رحمتی وسعت کل شی (۱)" سائر تجلیات پر مقدم ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے: "وسعت رحمتہ غضبہ (۲)" بعض وجوہ سے۔

وبالجملہ، چونکہ "بسم اللہ" باطن وروح کے اعتبار سے تجلیات فعلیہ کی صورت ہے اور سر اور سر السر کے اعتبار سے تجلیات اسمائیہ، بلکہ تجلیات ذاتیہ کی صورت ہے اور تجلیات مذکورہ مقام "اللہ" کے ساتھ پہلے اور مقام "الرحمن" کے ساتھ اس کے بعد اور مقام "الرحیم" کے ساتھ اس کے بھی بعد ہیں۔ لہذا ان کی لفظی اور مکتوبی صورت بھی اسی ترتیب کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ نظام الٰہی وربانی کے مطابق رہے۔ لیکن "رحمن" و "رحیم" سورۂ حمد میں "ربّ العالمین" سے مؤخر ہے۔ یہ فرق شاید اس لیے ہے کہ "بسم اللہ" میں غیب وجود کے بواطن سے ظہور وجود کا اعتبار کیا گیا ہے اور سورۂ مبارکہ میں (ظہور وجود سے) رجوع وبطون کا، لیکن اس احتمال میں اشکال ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس فرق سے احاطہ رحمت "رحمانیہ" و "رحیمیہ" کی طرف اشارہ مقصود ہو یا شاید اس میں کوئی اور نکتہ مضمر ہو۔ بہر صورت جو نکتہ بسم اللہ کے سلسلہ میں بیان ہوا وہ اس لائق ہے کہ سچ مانا جائے اور شاید یہ ناچیز (راقم الحروف) کے دل پر نازل ہونے والی رحمت رحیمیہ کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔

"ولہ الحمد علیٰ ما انعم"

۱۔ "میری رحمت تمام موجودات پر وسیع ہے" سورۂ اعراف / ۱۵۶۔

۲۔ "اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے" علم الیقین، ج ۱ ص ۵۷۔

بحث و تفصیل

علمائے ظاہر کا کہنا ہے کہ "رحمٰن" و "رحیم" "رحمت" سے مشتق ہیں اور ان میں عطوفت ورقت ماخوذ ہے. ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ "انهما اسمان رقیقان، احدهما ارق من الاخر. فالرحمن ارق؛ والرحیم العطوف علیٰ عباده بالرزق والنعم (۱) " اور چونکہ عطوفت ورقت کے لیے اثر قبول کرنا لازم ہے (اور ذات مقدس ہر شے میں مؤثر ہے اور کسی قسم کا اثر قبول کرنے کا اس کے لیے سوال نہیں اٹھتا) لہذا اس ذات مقدس پر عطوفت ورقت کے اطلاق کی تاویل وتوجیہ کی گئی ہے اور اسے مجاز مانا گیا ہے۔

چند لوگوں نے اس طرح کے اوصاف کو مطلق طور پر "خذ الغایات واترک المبادی (۲) " کی قبیل سے قرار دیا ہے کہ حق تعالیٰ پر ان کا اطلاق آثار وافعال کے لحاظ سے ہے مبادی واوصاف کے اعتبار سے نہیں. لہذا حق تعالی کے لیے "رحیم" اور "رحمٰن" کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں کے ساتھ رحمت کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، بلکہ معتزلہ تو حق تعالیٰ کے تمام اوصاف کو ایسا یا تقریباً ایسا ہی سمجھتے ہیں. اس بنا پر حق تعالیٰ کے لیے ان تمام اوصاف کا اطلاق بھی مجاز ہے اور بہرصورت، مجاز ہونا بعید ہے، خصوصاً "رحمٰن" میں، کیونکہ ایسا مان لینے سے ایک عجیب امر لازم آتا ہے. وہ عجیب امر یہ ہے کہ کلمہ اس معنی کے لیے وضع ہوا ہے جس میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے اور درحقیقت یہ ایسا مجاز ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے. تامل.

اہل تحقیق نے اس کے جواب میں اس طرح کے اشکالات بیان کیے ہیں کہ یہ الفاظ معانی عامہ

۱۔ "یہ دو (رحمٰن ورحیم) دو لطیف (لطف کے معنی پر مشتمل) نام ہیں جن میں سے ایک دوسرے سے لطیف تر ہے. رحمٰن کے معنی لطف کرنے والا اور رحیم کے معنی مہربانی کرنے والا اپنے بندوں پر رزق ونعمت عطا کر کے"۔
الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، جلال الدین سیوطی، ج ۱ ص ۹ نقل از بیہقی در اسماء وصفات۔

۲۔ "مقاصد کو لے لو اور مقدمات کو ترک کر دو" از "خذ الغایات ودع المبادی" بولی جانے والی کہاوتوں میں سے ہے۔
اسرار الحکم سبزواری، ص ۵۲۔

اور حقائق مطلقہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ لہٰذا اس بنا پر عطوفت ورقت کی قید لفظ "رحمت" کے موضوع لہ میں شامل نہیں ہے اور یہ قید عام لوگوں کے ذہن کی تراشی ہوئی ہے۔ ورنہ اصل وضع میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ مطلب ظاہر کے لحاظ سے تحقیق سے بعید ہے، کیونکہ معلوم ہے کہ واضع بھی انہیں معمولی اشخاص میں سے تھا اور اس کی نظر میں معانی مجردہ اور حقائق مطلقہ ان الفاظ کو وضع کرتے وقت نہیں تھے۔ ہاں! اگر واضع حق تعالیٰ ہو یا وحی والہام الٰہی سے یہ الفاظ انبیاء کرام نے وضع کیے ہوں تو اس مطلب کے لیے یہ ایک وجہ ہوگی، لیکن یہ بھی ثابت نہیں ہے۔

دبالجملہ، ظاہراً یہ کلام خدشہ سے خالی نہیں ہے، لیکن یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اہل تحقیق کی مراد یہ ظاہر ہی ہے، بلکہ ان کے مراد کی وضاحت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ واضع لغات نے اگرچہ وضع کرتے وقت معانی مجردہ کو نظر میں نہیں رکھا، لیکن الفاظ کے مقابل جو کچھ وضع ہوا وہ وہی معانی مجردہ مطلقہ ہیں۔ مثلاً لفظ "نور" کو واضع نے وضع کرنا چاہا تو واضع کی نظر میں جو انوار آئے وہ یہی حسی اور عرضی انوار تھے، کیونکہ وہ ان انوار کے علاوہ کسی نور کو جانتا ہی نہ تھا، لیکن لفظ نور جس کے مقابل واقع ہوا وہ اس کے نور ہونے کی جہت ہی تھی نور کے ظلمت سے اختلاط کی جہت نہیں تھی کہ اگر اس سے سوال کیا جاتا کہ یہ عرضی محدود انوار نور صرف نہیں ہیں، بلکہ ظلمت دفتور سے مخلوط نور ہیں تو یہ جو تم نے لفظ نور کو وضع کیا ہے وہ جہت نوریت کے مقابل ہے یا نوریت اور (اس میں مخلوط) اس کی ظلمانیت (دونوں) کے لیے؟ تو بداہتہً اس کا جواب یہی ہوتا کہ جہت نوریت کے مقابل میں ہے اور جہت ظلمت کسی رخ سے بھی موضوع لہ میں دخیل نہیں ہے۔ چنانچہ ہم سب جانتے ہیں کہ جس واضع نے لفظ "نار" وضع کیا ہے اس کے پیش نظر وضع کے وقت نار دنیائی کے علاوہ کوئی نار نہ تھی اور اس وضع کے اس حقیقت کی طرف منتقل ہونے کے جو بھی کچھ اسباب ہیں وہ یہی نارہائے دنیائی ہیں۔ وہ نار آخرت اور "نار اللہ الموقدة التی تطلع علی الافئدة (۱)" سے غافل تھا، خصوصاً اگر واضع دوسرے عالم کا عقیدہ نہ رکھتا رہا ہو تب تو یہ وسیلہ انتقال حقیقت میں قید کا سبب ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ "نار" اسی جہت ناریت کے مقابل واقع ہوا ہے (جو واضع کے پیش نظر تھی)۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ خود واضع نے معانی

۱۔ "... خدا کی آگ وہ بھڑکتی ہوئی آگ جس کا شعلہ دلوں تک پہونچتا ہے" سورۂ ہمزہ / ۶-۷۔

مجردہ مراد لیے تھے کہ کوئی عجیب وغریب اور فہم سے بعید بات معلوم ہو، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ الفاظ معانی کی انہیں جہتوں میں، یعنی کوئی قید لگائے بغیر واقع ہوئے ہیں اور اس بنا پر کسی جہت استبعادی کا دخل نہیں رہتا اور معنیٰ جس قدر غرابت اور اجنبیت سے خالی ہوتے ہیں اسی قدر حقیقت سے قریب اور مجازیت کے شائبہ سے دور ہوتے ہیں۔ مثلاً کلمہ "نور" جو بالذات جہت ظاہریت کے لیے اور للغیر جہت مظہریت کے لیے وضع کیا گیا ہے، اگرچہ اس کا اطلاق ان عرضی دنیاوی انوار پر حقیقت سے خالی نہیں ہے، کیونکہ ان پر اطلاق سے مقصود محدودیت اور ظلمت سے مخلوط ہونا نہیں ہے، بلکہ ظہور ذاتی اور مظہریت ہی پیش نظر ہے، لیکن اس کا اطلاق انوار ملکوتیہ پر جن کا ظہور کامل تر اور افق ذاتیت سے قریب تر ہے اور ان کی مظہریت کم وکیف دونوں اعتبار سے بیش تر ہے اور ان کا ظلمت سے اختلاط اور نقص کمتر ہے، حقیقت سے زیادہ قریب ہے اور اس کا اطلاق ذات مقدس حق تعالیٰ پر جو نور الانوار وتمام جہات ظلمت سے خالص اور محض نور ونور محض ہے، حقیقت محض ومحض حقیقت ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر "نور" کی وضع "ظاھر بذاتہ (اور) مظھر لغیرہ" کے لیے ہوئی ہو تو حق تعالیٰ کے علاوہ کسی پر اس کا اطلاق عقول جزئیہ کے نزدیک حقیقت ہوسکتا ہے، لیکن اہل معرفت اور عقول مؤیدہ کی نظر میں مجاز ہے اور صرف حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق حقیقت ہے۔ اسی طرح تمام وہ الفاظ جو معانی کمالیہ، یعنی ان امور کے لیے وضع ہوئے ہیں جو اصل وجود وکمال سے ہیں (یہی حکم رکھتے ہیں)۔

اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ رحمن، رحیم، عطوف، رؤف اور ان جیسے اسماء میں ایک جہت کمال وتمام کی ہے اور ایک جہت انفعال ونقص کی اور یہ الفاظ جہت کمالیہ کے مقابل وضع کیے گئے ہیں جو ان کی اصل حقیقت ہے۔ رہیں جہات انفعالیہ جو نشو ونما کے لوازم اور حقیقت کے غیر اور اجنبی ہیں جو ان حقیقتوں سے اس وقت متلازم ہوئیں جب یہ حقیقتیں صفحات امکان اور عوالم دنیا میں اتریں جس طرح ظلمت، امکان کے پست عالم میں نور سے مخلوط ہوگئی ہے تو وہ معنی موضوع کہ میں کوئی دخل نہیں رکھتیں۔ لہذا ان کا اطلاق اس موجود پر جس میں صرف جہت کمال ہے اور جہات انفعال ونقص سے مطلقاً مبرا ہے، صرف حقیقت اور حقیقت صرف ہے اور یہ مطلب اس بیان کے ساتھ نہ صرف اہل

معرفت کے ذوق سے نزدیک ہے، بلکہ اہل ظاہر کے وجدان سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔

اس بنا پر معلوم ہوا کہ اس طرح کے اوصاف کمال جو بعض نشئات میں تنزل کی وجہ سے کسی دوسرے ایسے امر سے مخلوط ہوگئے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی ذات مقدس مبرا ہے. حق تعالیٰ کے لیے ان کا اطلاق مجاز نہیں ہے. واللہ الھادی ۔

قولہ: الحمد للہ...

یعنی حمد وستائش کی تمام انواع واقسام ذات مقدس الوہیت کے ساتھ خاص ہیں. اے عزیز! یہ سمجھ لو کہ اس کلمہ شریفہ کی تہ میں سر توحید خاص، بلکہ اخص خواص ہے اور تمام حمد وستائش کرنے والوں کی حمد وستائش کا حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا، برہان کے مطابق اصحاب حکمت اور ائمہ فلسفہ عالیہ کے نزدیک واضح وآشکار ہے، کیونکہ برہان سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام دار تحقق حضرت حق تعالیٰ کا ظل منبسط (پھیلا ہوا سایہ) اور فیض مبسوط (وسیع فیض) ہے اور تمام ظاہری وباطنی نعمتیں، وہ بظاہر اور عام نظروں میں کسی بھی منعم کی طرف سے ہوں، حق تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور موجودات میں کوئی بھی ان میں شریک نہیں ہے، یہاں تک کہ اعداد کی شرکت بھی اہل فلسفہ عامیہ کے نزدیک تو ہے مگر اہل فلسفہ عالیہ کے نزدیک وہ بھی نہیں. پس حمد چونکہ نعمت اور انعام واحسان کے مقابل میں ہے اور حق تعالیٰ کے علاوہ دار تحقق میں کوئی منعم نہیں ہے، لہذا تمام حمد وستائش اسی کے ساتھ مختص ہے اور کوئی جمال وجمیل اس کے جمال اور اس کے علاوہ نہیں، لہذا تمام حمد وستائش کا مرجع وہی ہے۔

دوسرے لفظوں میں، ہر حمد کرنے والے کی حمد اور ہر مدح کرنے والے کی مدح جہت نعمت وکمال کے مقابل میں ہے اور کمال ونعمت کا محل ومورد جس کی تنقیص وتحدید کی ہے، کسی طرح بھی ثنا وستائش میں دخیل نہیں ہے، بلکہ وہ ثنا وستائش کے منافی ومتضاد ہے. لہذا تمام حمد وستائش اور مدح وثنا ربوبیت ہی کا حق، جو کمال وجمال ہے، قرار پاتی ہے. نہ مخلوق کا حق، جو ناقص اور محدود ہے۔

بہ بیان دیگر، فطرت الہیہ کا ایک تقاضا جس پر تمام مخلوقات خلق ہوئے ہیں ثنائے کامل اور شکر وحمد منعم ہے اور فطرت الہیہ ہی کا ایک تقاضا نقص، ناقص اور نعمت کی منفعت کرنے والے سے

تنفر ہے اور چونکہ نعمت مطلقہ جو ہر نقص سے مبرا ہو اور جمال کامل اور کمال تام جو ہر نقص سے مبرا ہو وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور دوسرے موجودات نعمات مطلقہ اور جمال مطلق کی تنقیص و تحدید کرتے ہیں تزئید و تائید نہیں کرتے. اس لیے تمام لوگوں کی فطرتیں اسی کی ذات مقدس کی ثنا جو اور ستائش گو ہیں اور دوسرے موجودات سے متنفر ہیں. علاوہ ان ہستیوں کے جو ممالک کمال اور شہرہائے عشق میں سیر کے مطابق ذات ذوالجلال میں فانی ہوجاتی ہیں، ان سے عشق اور ان سے محبت اور ان کی ثنا و ستائش عین عشق حق اور ثنا و ستائش حق ہے .

حبّ خاصان خدا حبّ خدا است (۱)

عشق خاصان خدا ، عشق خدا

یہاں تک بھی جو کچھ ذکر کیا گیا وہ درمیانی درجہ رکھنے والوں کے مقامات کے مطابق ہے جو (ان مقامات تک پہنچ ہیں مگر) پھر بھی حجاب کثرت میں ہیں اور شرک خفی و اخفی کے تمام مراتب سے مبرا نہیں ہوئے اور مراتب خلوص و اخلاص کے کمال تک نہیں پہنچے ہیں .

لیکن ان لوگوں کے عرفان کے مطابق جن کے قلوب بعض خاص حالات میں فانی ہوجاتے ہیں، تمام نعمتیں اور تمام کمال و جمال و جلال صورت تجلی ذاتی ہے اور تمام محامد و مدائح ذات مقدس حق تعالیٰ سے مربوط ہیں، بلکہ " مدح و حمد خود اس سے اسی کے لیے (۲) " ہے؛ چنانچہ " بسم اللہ " کا " الحمد للہ " سے تعلق اسی معنی کی طرف اشارہ ہے .

اور معلوم ہو کہ سالک الیٰ اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ کو ان معارف کی علمی حد پر قناعت نہیں کیے رہنا چاہیے اور ساری زندگی استدلال ہی میں صرف نہ کر دینا چاہیے کیونکہ یہ حجاب، بلکہ حجاب اعظم

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۲۳۵ .

۲۔ بسمہ تعالیٰ

معلوم ہونا چاہیے کہ تمام حمد و ستائش یا جنس حمد کا اختصاص ، الف و لام میں دونوں احتمالوں کے مطابق ، فلسفی سببیت سے متضاد ہے، چاہے سببیت اپنے دقیق معنی ہی میں ہو اور لسان قرآن و عرفان اولیاء علیہم السلام کے علاوہ اس کی توجیہ کوئی نہیں کر سکتا .

ہے۔ یہ مرحلہ لکڑی کے پیروں (۱) بلکہ مرغ سلیمان (۲) سے بھی طے نہیں کیا جاسکتا۔ یہ وادی، مقدسین کی وادی ہے اور یہ مرحلہ خالصین کا مرحلہ ہے جب تک حبِّ جاہ و شرف اور حبِّ زن و فرزند کی نعلین نہ اتار دی جائیں اور غیر پر اعتماد اور اس کی طرف توجہ کا عصا ہاتھ سے پھینک نہ دیا جائے، وادی مقدس میں قدم رکھنا ممکن نہیں، کیونکہ یہ وادی جایگاہ مخلصین اور منزلگاہ مقدسین ہے۔ اگر سالک نے حقائق اخلاص کے ساتھ اس وادی میں قدم رکھا اور کثرات اور دنیا کو ٹھوکر مار دی، جو خیال اندر خیال (سے زیادہ کچھ نہیں) ہے، تو اگر انانیت سے کچھ باقی بھی رہ گیا ہوگا تو عالم غیب سے اس کی دستگیری ہوگی اور تجلیات الٰہیہ سے اس کی انیت کا پہاڑ شکستہ ہوجائے گا اور حال "صعق" و "فنا" اسے حاصل ہوجائے گا۔ یہ مقامات ان سخت دلوں کو بہت ناگوار ہوتے ہیں اور انہیں اوہام کی من گڑھت قرار دیتے ہیں جن کو دنیا اور لذات دنیا کے علاوہ کچھ معلوم نہیں اور غرور شیطانی کے علاوہ کسی چیز سے آشنا نہیں۔ حالانکہ جس فنا کا ادعا اصحاب عرفان و سلوک کرتے ہیں اس سے کئی گنا عجیب و غریب تو یہ فنا ہے جو ہم اب مادیت اور اس دنیا میں رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ہم ان تمام عوالم غیب سے غافل ہیں جو ہر جہت اور ہر حیثیت سے اس عالم سے زیادہ ظاہر ہیں، بلکہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات تک سے غافل ہیں، جس کی ذات سے ظہور مختص ہے اور ان عوالم اور حق تعالیٰ کی ذات مقدس کے اثبات کے لیے ہم برہان و استدلال کے دامن میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔

حیرت اندر حیرت آید زین قصص ‌‌ ‌‌ بی ھشیٔ خاصگان اندر اخسّ (۳)

کتنی خیرت خیز ہے یہ داستاں ‌‌ ‌‌ اتنی عام اور بے ہشی خاصگاں

"اخص" اگر "صاد" سے ہو تو اس قدر حیرت کی بات نہیں، کیونکہ ناقص کا کامل میں فنا ہونا ایک طبعی امر ہے اور سنت الٰہیہ کے مطابق ہے۔ لہذا حیرت اس صورت میں ہے جب "اخس" سین

۱۔ اشارہ ہے مولوی رومؒ کی اس بیت کی طرف: "پای استدلالیان چوبین بود ‌‌ پای چوبین سخت بے تمکین بود"

۲۔ اشارہ ہے حافظؒ کے اس شعر کی طرف: "من بہ سر منزل عنقا نہ بہ خود بردم راہ ‌‌ قطع این مرحلہ با مرغ سلیمان کردم"
(کب گیا تھا میں سر منزل عنقا خود سے ‌‌ لے گیا ساتھ وہاں مرغ سلیماں مجھ کو)

۳۔ بعض نسخوں میں یوں تحریر ہے: "حیرت اندر حیرت آمد این قصص ‌‌ بی ہشیٔ خاصگان اندر اخصّ" مولویؒ۔

سے ہو. چنانچہ ہم سب کے لیے اس دنیا میں اس طرح کی بے ہوشی اور فنا موجود ہے اور ہمارے کان اور ہماری آنکھیں مادیّت میں اس طرح غرق اور فانی ہیں کہ عالم غیب کے غلغلوں اور ہنگاموں کی ہمیں کچھ بھی خبر نہیں ہے .

نقل و تحقیق

علمائے ادب وظاہر کہتے ہیں کہ " حمد ،فعل جمیل اختیاری پر زبان سے مدح وثنا" کا نام ہے اور چونکہ یہ لوگ اس گوشت کے ٹکڑے سے بنی ہوئی زبان کے علاوہ دوسری تمام زبانوں سے بے خبر ہیں، اس لیے حق تعالیٰ کی تسبیح و تحمید، بلکہ کلام ذات مقدس کو مطلقاً مجازی نوعیت پر محمول کرتے ہیں. لہذا حق تعالیٰ کے تکلم کو ایجاد کلام سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرے موجودات کی تسبیح و تحمید کو ذاتی اور تکوینی سمجھتے ہیں. ان لوگوں نے در حقیقت نطق کو اپنی نوع میں منحصر سمجھا ہے اور ذات مقدس حق تعالیٰ اور دیگر موجودات کو غیر ناطق بلکہ ۔ پناہ بخدا ۔ گونگ سمجھ رکھا ہے ان کے گمان میں یہ "تنزیہ ذات مقدس" ہے. حالانکہ یہ تحدید بلکہ تعطیل ہے اور حق ایسی تنزیہ سے منزہ ہے. جیسا کہ عامہ کی اکثر تنزیہات، تحدید وتشبیہ ہیں. ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ الفاظ معانی عامہ مطلقہ کے لیے کیے وضع ہوئے اور اب یہ کہتے ہیں کہ: ہم کو وضع کی پابندی کی اس قدر ضرورت نہیں ہے کہ ان الٰہی حقائق میں بھی صدق لغوی یا حقیقت لغویہ کو لازم سمجھیں، بلکہ ان مباحث میں صحت اطلاق اور حقیقت عقلیہ میزان ہے، اگرچہ حقیقت لغویہ بھی بیان سابق کے مطابق ثابت ہے. لہذا ہم کہتے ہیں کہ زبان، تکلم و کلام، کتابت و کتاب اور حمد و مدح کے نشئات وجودیہ کے اعتبار سے مراتب ہیں. جن میں ہر ایک کسی نشئہ اور مرتبہ سے مناسبت رکھتا ہے اور چونکہ حمد ہر مورد میں کسی فعل جمیل پر اور مدح ہر جمال و کمال پر ہوتی ہے. لہذا جب حق تعالیٰ نے اپنے علم ذاتی کے مطابق، غیب ہویّت کے حضور میں اپنے جمال جمیل کا علم وشہود کے کامل ترین مرتبہ کے ساتھ مشاہدہ کیا تو خوشنودی ورضا کے اشدّ مراتب کے ساتھ اپنی ذات جمیل سے راضی و خوشنود تھا. پس تجلیات کے اعلیٰ مراتب کے ساتھ اپنی ذات کے لیے اپنی ذات کے حضور میں تجلی ازلی کے ساتھ تجلی فرمائی. یہی تجلی اور مکنون غیبی میں جو کچھ بھی

تھا اس کا اظہار اور مقارعہ ذاتیہ "کلام ذاتی" ہے جو لسان ذات سے حضور غیب میں واقع ہوا اور اس تجلی کلامی کا مشاہدہ "سماعت ذاتی" ہے اور ذات حق کے لیے یہ ثنائے ذات ہی "ثنائے حق ہے جس کے ادراک سے دوسرے موجودات عاجز ہیں، چنانچہ خود اقرب کلام ذاتی جو لسان ذات سے حضور غیب میں واقع ہوا اور اس تجلی کلامی مشاہدہ سماعت ذاتی ہے اور ذات حق کے لیے ثنائے ذات ہی ثنائے حق ہے جس کے ادراک سے دوسرے موجودات عاجز ہیں. یہاں تک کہ اقرب واشرف موجودات حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ نے بھی اعتراف عجز فرمایا. فرماتے ہیں: "لا احصی ثناًً علیک ؛ انت کما اثنیت علیٰ نفسک (۱)" اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ احصاء ثنا معرفت کمال و جمال کی فرع ہے اور جب جمال مطلق کی کامل معرفت ہو ہی نہیں سکتی تو اس کی ثنائے حقیقی بھی نہیں ہو سکتی اور اصحاب معرفت کی غایت معرفت یہ ہے کہ اپنے عجز کا عرفان حاصل کرلیں.

اہل معرفت کا کہنا ہے کہ حق تعالیٰ پانچ زبانوں سے اپنی حمد کرتا ہے. وہ پانچ زبانیں یہ ہیں:

اول: لسان ذات من حیث ہی. دوسرے: لسان احدیت غیب.

تیسرے: لسان واحدیت جمعیہ. چوتھے: لسان اسمائے تفصیلیہ. پانچویں: لسان اعیان.

یہ زبانیں لسان ظہور کے علاوہ ہیں جن میں پہلی لسان مشیت ہے. مراتب تعینات کے آخر تک کہ لسان کثرت وجودیہ ہے.

معلوم ہونا چاہئے کہ تمام موجودات کے لیے عالم غیب سے جو حیات محض ہے، حق بلکہ حقوق ہیں اور حیات تمام دار وجود میں سرایت کیے ہوئے ہے. یہ مطلب ارباب فلسفہ عالیہ کے نزدیک برہان سے اور اصحاب قلوب و معرفت کے نزدیک مشاہدہ وعیان سے ثابت ہے اور آیات شریفہ الہیہ اور احادیث اولیائے وحی علیہم السلام اس پر واضح طور سے دلالت کرتی ہیں اور اہل معرفت عامیہ اور اہل ظاہر میں سے جو لوگ محجوب ہیں اور موجودات کے نطق کا ادراک نہیں کر سکے ہیں، وہ توجیہ

۱۔ "میں تیری ستائش نہیں کر سکتا تو ویسا ہے جیسی تو نے خود اپنی ستائش کی ہے"۔ مصباح الشریعہ، باب ۵، غوالی اللئالی، ج ۱ ص ۳۸۹۔

و تاویل میں لگ گئے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اہل ظاہر جو اہل فلسفہ پر یہ طعن کرتے ہیں کہ وہ کتاب خدا کی اپنی عقل کے مطابق تاویل کرتے ہیں. وہ خود (اہل فلسفہ ہی کی طرح) ان تمام آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کی تاویل کرتے ہیں اور صرف اس لیے کہ موجودات کے نطق کا ادراک نہیں کرسکے ہیں. حالانکہ (اس تاویل کے لیے) ان کے پاس کوئی دلیل اور کوئی برہان نہیں ہے. لہذا قرآن کی تاویل برہان کے بغیر، محض استبعاد کے ذریعہ کرتے ہیں.

و بالجملہ، دار وجود اصل حیات اور حقیقت علم و شعور ہے اور تسبیح موجودات تسبیح نطقی شعوری ارادی ہے، تکوینی ذاتی نہیں، جیسا کہ محجوبین کہتے ہیں اور تمام موجودات، وجود کا جس قدر بھی حق و نصیب ان کو ملا ہے اسی قدر مقام باری تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اور چونکہ مادیّت میں اشتغال اور کثرت میں استغراق تمام موجودات کے درمیان سب سے زیادہ انسان رکھتا ہے. لہذا یہ تمام موجودات کے مقابلہ میں سب سے زیادہ محجوب ہے. ہاں! اگر بشریّت کے لبادہ سے نکل آئے اور کثرت و غیریّت کے حجابوں کو چاک کردے تو بے حجاب مشاہدۂ جمال جمیل کرسکتا ہے. اس وقت اس کی حمد و مدح ہر موجود کی حمد و مدح سے جامع تر ہوگی اور وہ تمام شئون الہیہ اور تمام اسماء و صفات کے ساتھ ستائش و عبادت حق کرے گا.

تتمیم

مذکورہ بیان کے مطابق کلمہ شریفہ "الحمد للہ" ان جامع کلمات میں ہے کہ اگر کوئی اس کے لطائف و حقائق کے ساتھ تحمید کرے تو بشری طاقت کے بقدر اس نے حمد کا حق ادا کردیا. اسی لیے احادیث شریفہ میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے. چنانچہ روایت ہے کہ حضرت باقر العلوم سلام اللہ علیہ کسی مکان سے نکلے (تو دیکھا کہ) مرکب نظر نہیں آرہا ہے. فرمایا: "اگر میرا مرکب مل گیا تو خدائے تعالیٰ کی اس طرح حمد کروں گا جو حمد کرنے کا حق ہے." جب مرکب مل گیا تو سوار ہوئے اپنے لباس کو درست کیا اور فرمایا: "الحمد للہ [1]" اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے روایت ہے. آپ (ص) نے

۱۔ اصول کافی، ج ۳ ص ۱۵۲ "کتاب الایمان والکفر، باب الشکر" حدیث ۱۸.

فرمایا: " لا الہ الا اللہ " نصف میزان ہے اور " الحمد للہ " میزان کو پر کر دیتی ہے (۱) " اور یہ اس لیے ہے کہ اس بیان کے مطابق جو ہم کر چکے، الحمد للہ جامع توحید بھی ہے۔

اور حضرت رسول خدا (ص) سے روایت ہے کہ : " بندہ کا الحمد للہ کہنا اس کا میزان میں ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے زیادہ وزن رکھتا ہے (۲) " آنحضرت (ص) ہی سے منقول ہے کہ : " اگر خداوند عالم اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو ساری دنیا عطا کر دے اس کے بعد وہ بندہ کہے : الحمد للہ، تو جو اس نے کہا وہ اس سے افضل ہے جو اس کو عطا ہوا (۳) " یہ حدیث بھی آنحضرت (ص) ہی سے مروی ہے کہ : " اللہ کے نزدیک کوئی چیز الحمد للہ کہنے والے کے اس کہنے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور اسی لیے خدا نے خود اپنی ثنا اسی کلمہ سے کی ہے (۴) " ۔ اس سلسلہ میں بہت حدیثیں ہیں۔

قولہ تعالیٰ : رب العالمین ۰۰۰

" ربّ " اگر متعالی، ثابت اور سیدّ کے معنی میں ہو تو اسمائے ذاتیہ میں ہے اور اگر مالک، صاحب، غالب اور قاہر کے معنی میں ہو تو اسمائے صفتیہ میں ہے اور اگر مربی، منعم اور متمم کے معنی میں ہو تو اسمائے افعالیہ میں ہے۔

اور " عالم " سے اگر " ما سوی اللہ " مراد ہو، جو وجود کے تمام مراتب اور غیب و شہود کے تمام منازل کو شامل ہے تو " ربّ " کو اسمائے صفات میں فرض کرنا چاہیے اور اگر " عالم ملک " مراد ہے جو تدریجاً حاصل ہوتا ہے اور تدریجاً کمال کو پہونچتا ہے تو " ربّ " کو اسمائے افعال میں ماننا چاہیے۔ بہرحال، یہاں اسم ذات مراد نہیں ہے اور شاید ایک نکتہ کی بنا پر عالمین سے مراد یہی عوالم ملکیہ ہوں جو الٰہی تربیت و مشیت کے تحت اپنے مناسب کمال تک پہونچتے ہیں اور " ربّ " سے مراد مربی ہو جو اسمائے افعال میں ہے۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۹۰ ص ۲۱۰، امالی طوسی، ج ۱ ص ۱۸ سے نقل۔

۲۔ مستدرک الوسائل، چاپ مؤسسہ آل البیت، ج ۵ ص ۳۱۴۔

۳۔ مکارم الاخلاق، ص ۳۰۷ " الباب العاشر، الفصل الثالث فی التحمید " (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)۔

۴۔ ماخذ نہیں ملا۔

اور معلوم رہے کہ ہم اس رسالہ میں آیات کی ترکیبی، لغوی اور ادبی جہتوں سے صرف نظر کررہے ہیں، کیونکہ ان سے اکثر لوگوں نے بحث کی ہے. بعض امور جن سے یا تو اصلاً تعرض ہی نہیں کیا گیا یا کم ذکر کیا گیا ہے، یہاں ہم انہیں کا ذکر کررہے ہیں.

جاننا چاہیے کہ اسمائے "ذات، صفات اور افعال" جن کی طرف اشارہ کیا گیا ارباب معرفت کی اصطلاح کے مطابق استعمال کیا گیا ہے. بعض مشائخ اہل معرفت نے کتاب انشاء الدوائر میں اسماء کو "اسمائے ذات، اسمائے صفات اور اسمائے افعال" میں تقسیم کیا ہے اور فرمایا ہے:

واسماء الذات هو:

الله ، الربّ ، الملک ، القدوس ، السلام ، المؤمن ، المهيمن ، العزيز ، الجبار ، المتكبر ، العلى ، العظيم ، الظاهر ، الباطن ، الاول ، الاخر ، الكبير ، الجليل ، المجيد ، الحق ، المبين ، الواجد ، الماجد ، الصمد ، المتعالى ، الغنى ، النور ، الوارث ، ذو الجلال ، الرقيب.

واسماء الصفات هى:

الحى ، الشكور ، القهار ، القاهر ، المقتدر ، القوى ، القادر ، الرحمن ، الرحيم ، الكريم ، الغفار ، الغفور ، الودود ، الرؤوف ، الحليم ، الصبور ، البر ، العليم ، الخبير ، المحصى ، الحكيم ، الشهيد ، السميع ، البصير.

واسماء الافعال هو:

المبدى ، الوكيل ، الباعث ، المجيب ، الواسع ، الحسيب ، المقيت ، الحفيظ ، الخالق ، البارء ، المصور ، الوهاب ، الرازق ، الفتاح ، القابض ، الباسط ، الخافض ، الرافع ، المعز ، المذل ، الحكيم ، العدل ، اللطيف ، المعيد ، المحى ، المميت ، الوالى ، التواب ، المنتقم ، المقسط ، الجامع ، المغنى ، المانع ، الضار ، النافع ، الهادى ، البديع ، الرشيد ـ انتهىٰ (۱).

۱۔ انشاء الدوائر، ص ۲۸.

اس تقسیم کی میزان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ تمام اسماء، اسماء ذات ہیں، لیکن ظہور ذات کے اعتبار سے، اسماء ذات کہتے ہیں، ظہور صفات کے اعتبار سے، اسمائے صفات اور ظہور افعال کے اعتبار سے، اسماء افعال کہتے ہیں، یعنی جو اعتبار (جس اسم میں) زیادہ ظاہر ہوا، اسم اسی کے تابع ہوگیا. اس طرح کبھی بعض اسماء میں دو یا تین اعتبار جمع ہوجاتے ہیں اور اس جہت سے اسماء، ذاتی، صفاتی اور افعالی ہوجاتے ہیں یا ان تینوں میں سے کوئی دو ۔ جیسے "ربّ" جیسا کہ ذکر ہوچکا، لیکن یہ مطلب راقم الحروف کی نظر میں درست نہیں ہے اور ذوق عرفانی سے مطابقت نہیں رکھتا ، بلکہ اس تقسیم میں جو بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ میزان ان اسماء میں یہ ہے کہ سالک معرفت کے قدموں سے بڑھتا ہے تو اس کو فنائے فعلی حاصل ہونے کے بعد حق تعالیٰ جو تجلیات اس کے قلب پر ظاہر کرتا ہے وہ اسمائے افعال کی تجلیات ہیں اور جب فنائے صفاتی حاصل کرلیتا ہے تو اسمائے صفات کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور جب فنائے ذاتی حاصل کرلیتا ہے تو اسمائے ذات کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور اگر اس کے قلب میں صحو (بے خودی کے بعد خودی) کے بعد حفظ کی قدرت ہوئی تو جو مشاہدات افعالی کی خبر دیں وہ اسمائے افعال ہیں اور جو مشاہدات صفاتیہ کی خبر دیں وہ اسمائے صفات ہیں اور جو مشاہدات ذاتیہ کی خبر دیں وہ اسمائے ذات ہیں ۔

اس مقام کی ایک تفصیل ہے جو ان اوراق کے مناسب نہیں ہے اور انشاء الدوائر میں جو کچھ مذکور ہوا ہے وہ اس میزان کے مطابق بھی صحیح نہیں ہے جو صاحب کتاب نے خود معین کی ہے. جیسا کہ اسماء پر نظر کرنے سے واضح ہے ۔

اور کہا جاسکتا ہے کہ " اسمائے ثلاثہ " کی اس تقسیم کی طرف قرآن شریف میں بھی اشارہ کیا گیا ہے اور وہ سورۂ " حشر " کی آخری آیتیں ہیں. قال تعالیٰ : هو الله الذی لا اله الا هـو عالم الغیب والشهادة هو الرحمن الرحیم ... الیٰ آخر الایات الشریفة (۱) .

ان آیات شریفہ میں شاید پہلی آیت اسمائے ذاتیہ کی طرف، دوسری اسمائے صفاتیہ کی طرف اور تیسری اسمائے افعالیہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور اسمائے ذاتیہ کا ذکر اسمائے صفاتیہ سے پہلے اور

۱۔ "وہ خدا وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ پنہان و آشکار کا جاننے والا ہے، وہ رحمن و رحیم ہے ..." سورۂ حشر / ۲۲ .

اسمائے صفاتیہ کا ذکر اسمائے افعالیہ سے پہلے حقائق وجودیہ اور تجلیات الٰہیہ کی ترتیب کے اعتبار سے ہے. اصحاب مشاہدہ کے مشاہدات اور ارباب قلوب کے قلوب پر تجلیات کی ترتیب کے مطابق نہیں اور معلوم رہنا چاہیے کہ آیات شریفہ میں اور بھی رموز ہیں جن کا ذکر اس رسالہ کے مناسب نہیں. یہ بات کہ آیۂ دوم اسمائے صفاتیہ اور آیت سوم اسمائے افعالیہ ہیں، واضح ہے، لیکن " عالم الغیب والشھادۃ " اور " رحمن ورحیم " کا اسمائے ذاتیہ ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ " غیب وشہادت " سے مراد اسمائے باطنہ وظاہرہ ہوں اور " رحمانیت ورحیمیت " تجلیات " فیض اقدس " سے ہوں نہ تجلیات " فیض مقدس " سے اور انہیں اسماء کے ذکر کو یہاں پر مختص کرنا، حالانکہ " حی وثابت ورب " اور ان جیسے اور اسماء، اسمائے ذاتیہ سے زیادہ نزدیک معلوم ہوتے ہیں، شاید ان کے احاطہ کے لیے ہو، کیونکہ یہ امہات اسماء میں ہیں. واللہ العالم.

تنبیہ

لفظ " عالمین " اور اس کے اشتقاق اور معنی میں اختلاف عظیم واقع ہوا ہے. چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ " عالمین " جمع ہے اور تمام اصناف خلق کو شامل ہے، چاہے وہ مادی ہوں یا مجرد اور ہر صنف خود بھی ایک عالم ہے اور یہ جمع اپنی جنس سے کوئی مفرد نہیں رکھتی ہے. یہ ایک مشہور قول ہے.

بعض نے کہا ہے کہ " عالم " بفتح لام، اسم مفعول اور " عالم " بکسر لام اسم فاعل ہے اور عالمین، معلومین کے معنی میں ہے. یہ قول علاوہ اس کے دعوائے بے دلیل اور بعید ہے، " ربّ المعلومین " کا اطلاق بہت ہی سرد اور بے موقع ہے.

بعض نے اس کا اشتقاق " علامت " سے قرار دیا ہے. اس صورت میں اس کا اطلاق تمام موجودات پر ہوسکتا ہے، کیونکہ سب ہی ذات مقدس کی علامت، نشانی اور آیت ہیں اور " واؤ " اور " نون " کا استعمال اس میں ذوی العقول کے شامل ہونے اور دوسرے موجودات پر ان کی اغلبیت کی وجہ سے ہے.

بعض اس کو " علم " سے مشتق جانتے ہیں. ہر صورت میں جمیع موجودات پر اس کا اطلاق صحیح ہے،

جیسا کہ ذوی العقول پر اطلاق بھی وجہ رکھتا ہے۔ لیکن "عالم" کا اطلاق ماسوی اللہ پر ہوتا ہے اور کبھی ہر صنف اور ہر فرد پر بھی ہوتا ہے اور اگر وہ شخص جو "عالم" کا ہر صنف اور ہر فرد پر اطلاق کرے اہل عرف اور اہل لغت میں سے ہو تو یہ اطلاق اس اعتبار سے ہوگا کہ ہر فرد ذات باری کی علامت ہے۔

وفی کل شیء لہ آیۃ (۱)

اور اگر عارف الٰہی (ہر صنف اور ہر فرد پر اطلاق کر رہا) ہو تو وہ اس اعتبار سے ہوگا کہ ہر موجود، احدیت جمع اور سر وجود کے ظہور کے اعتبار سے، اسم جامع کا ظہور ہے اور تمام حقائق کو شامل ہے۔ اس جہت سے تمام عالم اور اس کی ہر جزئی کو مقام احدیت پر اسم اعظم سمجھا جاسکتا ہے" والاسماء کلھا فی الکل وکذا الایات"۔

یہ جو کچھ بیان ہوا اس کی بناپر فیلسوف عظیم الشان صدر اللہ والدین (قدس سرہ) کا اعتراض جو انہوں نے بیضاوی جیسے لوگوں پر کیا ہے، صحیح ہے، کیونکہ ان لوگوں کو مسلک عرفان سے کوئی ذوق نہ تھا، لیکن اہل عرفان کے مسلک کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے اور چونکہ اس مقام پر بیضاوی کا کلام اور فیلسوف مذکور کا کلام طولانی ہے، اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا جو چاہے فیلسوف مذکور کی تحریر فرمودہ تفسیر سورۂ فاتحہ کا مطالعہ کرسکتا ہے۔

اور "ربّ" اگر اسمائے صفات سے اور "مالک" "صاحب" اور ان جیسے معنی میں ہے تو "عالمین" سے مراد جمیع ماسوی اللہ ہو سکتے ہیں، چاہے عالم ملک کے موجودات ہوں یا موجودات مجردۂ غیبیہ ہوں اور اگر اسمائے افعال سے ہے اور شاید یہی ظاہر تر ہے تو عالمین سے مراد فقط عالم ملک ہوگا، کیونکہ ربّ، اس صورت میں مربی کے معنی میں قرار پائے گا اور اس معنی کے لیے تدریج ضروری ہے جبکہ عوالم مجردہ تدریج زمانی سے منزہ ہیں۔ اگرچہ راقم الحروف کے نزدیک ایک معنی میں روح "تدریج" عالم "دہر" میں متحقق ہے اور انہیں معنی میں ہم نے عوالم مجردہ میں بھی حدوث زمانی، بمعنی روح زمان ودہریت تدریج کو ثابت کیا ہے اور مسلک عرفانی میں بھی ہم حدوث زمانی کو تمام عوالم کے لیے

۱۔ "وفی کل شیء لہ آیۃ تدل علی انہ واحد" ہر شے میں ہے اس کی نشانی کہتی ہے، نہیں ہے اس کا ثانی کشف الاسرار، میبدی، ج ۱ ص ۴۳۶ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ شعر "ابو العتاھیہ" کا ہے۔

ثابت مانتے ہیں، لیکن اس طرح نہیں کہ متکلمین اور اصحاب حدیث کی سمجھ میں آسکے۔

ایک اور تنبیہ

معلوم ہو کہ " حمد " چونکہ فعل " جمیل " کے مقابل میں ہے اور آیہ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حمد وستائش اسم اعظم کے لیے ثابت ہے جو اسم جامع ہے اور مقام ربوبیت عالمین اور مقام رحمت " رحمانیۃ ورحیمیۃ " و " مالک یوم الدین " کا حامل ہے، لہذا ان اسمائے شریفہ یعنی رب، رحمن، رحیم اور مالک کو تحمید میں مناسب دخل ہونا چاہیے۔ ہم بعد میں قول خدائے تعالیٰ: " مالک یوم الدین " کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ اس پر گفتگو کریں گے۔

اب " تحمید " کے ساتھ مقام ربوبیت عالمین کے تناسب کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ یہ تناسب دو جہتیں رکھتا ہے۔

ایک جہت یہ ہے کہ چونکہ حمد کرنے والا خود عالمیان میں سے، بلکہ خود ہی کبھی مستقل عالم قرار پاتا ہے، بلکہ اہل معرفت کی نظر میں موجودات عالم میں سے ہر موجود ایک مستقل عالم ہے، اس لیے وہ حمد کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو مقام ربوبیت کے دست تربیت سے، ضعف ونقص اور عدم کی ہیولانی وحشت وظلمت سے نکال کر عالم انسانیت کی قوت وکمال اور طمانینت ونورانیت تک پہنچایا اور جسمی وعنصری اور معدنی ونباتی اور حیوانی منزلوں سے آگے حرکات ذاتیۃ وجوہریۃ اور فطری وجبلی محبتوں سے گزارا اور منزلگاہ انسانیت پر جو موجودات کی سب سے اعلیٰ واشرف منزل ہے، پہنچایا اور اس کے بعد بھی تربیت کیے جا رہا ہے کہ " آنچہ در وہم تو ناید آن شوم " (ملے بار مجھ کو وہاں، جہاں ترے وہم میں بھی نہ آسکوں)۔

پس عدم گردم عدم چون ارغنون گویدم انا الیہ راجعون (۱)
پھر عدم بعد عدم ہونا ہے مثل ارغنوں آتی ہے مجھ کو صدا انا الیہ راجعون

۱۔ " بار دیگر از ملک قربان شوم آنچہ اندر وہم ناید آن شوم " مولوی "۔
(وہ دن آئے پھر کہ ملک کی بزم میں راہ پھر سے میں پاسکوں ملے بار مجھ کو وہاں، جہاں ترے وہم میں بھی نہ آسکوں)

دوسری جہت یہ ہے کہ چونکہ عالم ملک، یعنی فلکیات، عنصریات، جوہریات اور ان کے عرضیات کے نظام کی تربیت، انسان کامل کے وجود کا مقدمہ ہے اور انسان کامل ہی حقیقت میں عالم تحقق کی روح کا عطر اور عالمیان کی آخری غرض وغایت ہے اور اسی لیے وہ آخری مولود ہے اور چونکہ عالم ملک اپنی ذاتی جوہری حرکت کے ساتھ متحرک ہے اور یہ حرکت ذاتی واستکمالی ہے، جہاں منتہی ہوجائے وہی غایت خلقت اور نہایت سیر ہے اور جب ہم کلی طور پر جسم کل، طبع کل، نبات کل، حیوان کل اور انسان کل پر نظر ڈالتے ہیں تو انسان ہی وہ آخری مولود نظر آتا ہے جو عالم کی ذاتی وجوہری حرکات کے بعد وجود میں آیا ہے اور وہی منتہیٰ قرار پاتا ہے. اسی لیے حق تعالیٰ کا دست تربیت تمام دار تحقق میں انسان کی تربیت میں لگا ہوا ہے" والانسان هو الاول والاخر ".

یہ جو کچھ ذکر ہوا، افعال جزئیہ کے بارے میں ہے اور مراتب وجود کے اعتبار سے ہے. ورنہ فعل مطلق کے مطابق حق تعالیٰ کے کسی بھی فعل کی غایت خود اسی کی ذات مقدس ہے اور کچھ نہیں. جیسا کہ یہ بات اپنے محل پر برہان سے ثابت ہے. افعال جزئیہ پر بھی جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو غایت خلقت انسان عالم غیب مطلق ہے نظر آتا ہے. جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے" یابن آدم خلقت الاشیاء لاجلک، وخلقتک لاجلی (۱) " اور قرآن شریف میں حضرت موسیٰ بن عمران علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام سے خطاب فرمایا ہے:" واصطفتک لنفسی (۲) " اور یہ بھی فرمایا ہے:" وانا اخترتک (۳) " لہذا انسان مخلوق" لاجل اللہ " ہے اور اسی کی مقدس ذات کے بنایا گیا ہے اور موجودات کے درمیان وہی مصطفیٰ اور مختار (منتخب اور چنا ہوا) ہے. اس کی سیر کی انتہا باب اللہ، فنا فی ذات اللہ اور عکوف فی فناء اللہ ہے. اس کی بازگشت الیٰ اللہ، من اللہ، فی اللہ، اور باللہ (اللہ کی طرف، اللہ سے، اللہ میں اور اللہ کے وسیلہ سے ہے) جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:" ان الینا ایابھم (۴) " دوسرے

۱۔ " اے فرزند آدم! میں نے ہر چیز کو تیرے لیے اور تجھ کو اپنے لیے پیدا کیا ہے " علم الیقین، ج ۱، ص ۳۸۱.

۲۔ حاشیہ ۷ ص ۳۳۳.

۳۔ حاشیہ ۵ ص ۳۳۳.

۴۔ " یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے " سورۂ غاشیہ / ۲۵.

موجودات کی بازگشت انسان کے واسطہ سے اللہ کی طرف ہے، بلکہ ان کا مرجع ومعاد انسان کی طرف ہے. چنانچہ زیارت جامعہ میں، مقامات ولایت کا کچھ تذکرہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں :" وایاب الخلق الیکم وحسابھم علیکم " اور فرماتے ہیں :" بکم فتح اللہ ، وبکم یختم (۱) " اور یہ جو آیۂ شریفہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے :" ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم (۲) " اور زیارت جامعہ میں امامؑ فرماتے ہیں :" وایاب الخلق الیکم وحسابھم علیکم " یہ اسرار توحید میں سے ایک راز ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کامل کی طرف رجوع، اللہ ہی کی طرف رجوع ہے، کیونکہ انسان کامل فانی مطلق اور باقی بقاء اللہ ہوتا ہے. وہ خود اپنا کوئی تعین، انیت اور انانیت نہیں رکھتا، بلکہ وہ خود اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور خود اسم اعظم ہے. چنانچہ اس کی طرف قرآن واحادیث میں بہت اشارہ کیا گیا ہے .

قرآن شریف توحید کے اس قدر لطائف وحقائق اور سرائر ودقائق (نکات، سچائیوں، رموز اور باریکیوں) کا جامع ہے کہ اہل معرفت کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں اور یہ اس نورانی آسمانی صحیفہ کا ایک عظیم اعجاز ہے، نہ صرف حسن ترکیب، لطف بیان، غایت فصاحت، نہایت بلاغت، کیفیت دعوت، اخبار غیب، احکام احکام، اتقان تنظیم عائلہ بشری اور ان جیسے بے شمار حقائق کے اعتبار سے، جن میں سے ہر ایک مستقل اعجاز ہے جو طاقت بشری سے بالاتر اور خارق عادت ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن جو اپنی فصاحت کے لیے مشہور ہوا اور تمام معجزات کے درمیان اس اعجاز نے آفاقی شہرت حاصل کی. اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر اول کے اہل عرب کو فصاحت میں تخصص حاصل تھا اور وہ اعجاز کے اسی رخ کو سمجھ سکے . لیکن اعجاز قرآن کی چونکہ اس سے زیادہ اہم جہتیں ہیں، جو اس میں موجود ہیں اور ان کا اعجازی رخ بالاتر ہے اور ان کے ادراک کے لیے زیادہ بلند علمی وعقلی سطح کی ضرورت تھی، لہذا ان کا ادراک اس زمانے کے اہل عرب نہ کرسکے اور اب بھی وہ لوگ جن کی علمی

۱۔ " مخلوقات کی بازگشت آپ کی طرف اور ان کا محاسبہ آپ پر ہے ... خدا نے آپ کے سبب سے (خلقت کا) آغاز کیا اور آپ ہی پر ختم کرے گا " عیون اخبار الرضا، ج ۲ ص ۲۷۲ ، زیارت جامعہ کبیرہ .

۲۔ " یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے پھر ان کا حساب ہمارے ذمہ ہے " سورۂ غاشیہ / ۲۵۔۲۶ .

وفکری سطح اسی زمانے کے اہل عرب کی علمی وفکری سطح کے برابر ہے، وہ سوائے ترکیبات لفظیہ اور محسنات بدیعیہ و بیانیہ کے اس لطیفہ الٰہیہ سے کچھ بھی نہیں سمجھ پاتے ہیں، لیکن وہ لوگ جو معارف کے اسرار ودقائق سے آشنا ہیں اور توحید و تجرید کے باریک نکتوں کو سمجھتے ہیں، ان کا سطح نظر اس کتاب الٰہی کے بارے میں اور ان کا قبلہ امید اس وحی سماوی کے متعلق وہی معارف ہیں. وہ دوسری جہتوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے اور جو شخص بھی عرفان قرآن اور ان عرفائے اسلام کی طرف نظر کرے جنھوں نے قرآن سے معارف حاصل کیے ہیں اور ان کے اور تمام مذاہب کے علماء اور ان کی تصنیفات ومعارف کے درمیان موازنہ کرے تو معارف اسلام وقرآن کی وہ عظمت سمجھ میں آئے گی جو دین ودیانت کی اصل بنیاد اور بعثت رسل اور ارسال کتب کی آخری غرض وغایت ہے اور اس بات کی تصدیق کہ یہ کتاب وحی الٰہی ہے اور یہ معارف، معارف الٰہیہ ہیں اس کے لیے کچھ مشکل نہ ہوگی.

ایمانی بیداری

معلوم ہو کہ عالمین کے لیے حق تعالیٰ کی ربوبیت کی دو قسمیں ہیں:

. ایک ربوبیت عامہ جس میں تمام موجودات عالم شریک ہیں اور ربوبیت عامہ وہ تکوینی تربیتیں ہیں جو ہر موجود کو حد نقص سے نکال کر ربوبیت کے زیر تصرف لاتی اور اس کے لائق کمال تک پہنچاتی ہیں. جس کے بعد اس کی تمام طبعی وجوہری ترقیاں اور ذاتی وعرضی حرکات اور تبدیلیاں ربوبیت کے تصرفات کے تحت ہوتی ہیں.

وبالجملہ، مادۃ المواد اور ہیولائے اولیٰ سے لے کر منزل حیوانیت اور جسمانی قوتوں اور روحانی وحیوانی قوتوں کے حصول تک، تربیت تکوینی (کا نام ربوبیت عامہ ہے جس کے بعد) ہر قوت گواہی دیتی ہے کہ "اللّٰہ جلّ جلالہ ربی".

ربوبیت کا دوسرا مرتبہ "ربوبیت تشریعی" ہے جو نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے موجودات کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے. یہ تربیت طریق نجات کی ہدایت، سعادت وانسانیت کی طرف راہنمائی اور منافیات سے بچانے کا نام ہے. جس کا اظہار انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے

فرمایا ہے اور اگر کوئی اپنے اختیار سے خود کو ربّ العالمین کے زیر تربیت وتصرف لے آئے اور اس طرح یہ تربیت حاصل کرلے کہ اس کے اعضاء اور ظاہری وباطنی قوتوں کے تصرفات نفسانی نہ ہوں، بلکہ تصرفات الٰہیۂ وربوبیۂ ہوجائیں تو کمال انسانیت کے اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جو نوع انسانی کے ساتھ مختص ہے۔

انسان جب تک حیوانیت کی منزل میں ہوتا ہے اس وقت تک تمام حیوانوں کے ساتھ ہم قدم رہتا ہے اور اس منزل سے آگے ایک دو راہہ شروع ہوتا ہے جس کی طرف اختیار کے قدم سے بڑھنا ہے۔ ایک راستہ منزل سعادت کی طرف جاتا ہے جو ربّ العالمین کا صراط مستقیم ہے "ان ربی علیٰ صراط المستقیم (۱) " اور ایک راستہ منزل شقاوت کی طرف جاتا ہے جو شیطان کا ٹیڑھا راستہ ہے۔ اگر اپنی مملکت کے اعضاء اور قوتوں کو ربّ العالمین کے تصرف میں دے دیا تو اس کا تربیت یافتہ ہوجائے گا۔ اس وقت لسان غیبی، جو ظل قلب (دل کی ترجمان) ہے کہہ سکتی ہے :" اللہ جل جلالہ ربـی " عالم قبر کے ملائکہ کے سوال :"من ربک ؟ " کے جواب میں اور چونکہ ایسے شخص نے لازمی طور پر اطاعت رسول خدا (ص) اور اقتدائے ائمہ ھدیٰ (ع) اور عمل بہ کتاب الٰہی کیا ہوتا ہے تو اس کی زبان گویا ہوتی ہے کہ " محمد صلی اللہ علیہ وآلہ نبیّ، وعلیّ واولادہ المعصومین ائمتی، والقرآن کتابی " اور اگر دل کو الٰہی اور ربوبی نہیں بنایا ہوگا اور نقش "لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ ،علیّ ولیّ اللہ " لوح دل پر نقش اور باطن نفس کی صورت نہیں بنا ہوگا اور قرآن شریف پر عمل اور اس پر تفکر ،تذکر اور تدبر کے ذریعہ ،قرآن اس کی طرف منسوب اور اس کو قرآن سے معنوی وروحانی ربط نہ پیدا ہوا ہوگا تو جاں کنی، مرض الموت کی سختیوں اور خود موت میں جو ایک عظیم مصیبت ہے، تمام معارف اس کے دل سے محو ہوجائیں گے۔

عزیزم ! انسان ایک ٹائیفائڈ کے مرض اور دماغی قوتوں کی کمزوری سے تمام معلومات کو بھول جاتا ہے سوائے ان چیزوں کے جو شدید تذکر اور انس کی وجہ سے اس کی فطرت ثانیہ کا ایک حصہ بن گئی ہوں اور ایک بڑا حادثہ اور کوئی خوفناک واقعہ در پیش ہوجائے تو انسان اپنے بہت سے امور سے غافل

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۲۸۷۔

ہوجاتا ہے اور اس کے معلومات پر نسیان کی لکیر کھینچ جاتی ہے تو موت کی ہولناکیوں، شدتوں اور سکرات میں کیا حال ہو گا؟ اور اگر گوش دل بند ہوں گے اور دل سننے کی قوت نہ رکھتا ہو گا تو موت کے وقت اور موت کے بعد عقائد کی تلقین سے اس کو کیا نتیجہ حاصل ہو گا؟ تلقین ان کے لیے مفید ہے جن کے دل عقائد حقہ کو جانتے ہیں اور ان کے دل کے کان کھلے ہوئے ہیں اور ان سکرات وشدائد میں کچھ غفلت پیدا ہو گئی ہو تو یہ (عقائد حقہ سے واقفیت اور گوش دل کا کھلا ہونا) وسیلہ بن جائے گا کہ ملائکہ اللہ (اس وسیلہ سے) اس کے کانوں تک پہنچائیں، لیکن اگر انسان بہرا ہو اور عالم برزخ وقبر میں کام آنے والے کان نہ رکھتا ہو تو وہ ہرگز تلقین کو نہیں سنتا اور اس کے حال پر تلقین کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ احادیث شریفہ میں مذکورہ باتوں میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قولہ تعالیٰ: الرحمن الرحیم ...

حق تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کے بطور کلی دو مقام اور دو مراتب ہیں۔

ایک مقام اسماء وصفات ذاتیہ کہ جو حضرت واحدیت میں ثابت ہے۔ جیسے علم ذاتی جو تجلیات وشئون ذاتیہ میں ہے اور قدرت وارادۂ ذاتیہ اور دوسرے شئون ذاتیہ۔

دوسرا مقام اسماء وصفات فعلیہ ہے جو "فیض مقدس" کے ساتھ تجلی سے حق کے لیے ثابت ہے۔ چونکہ "علم فعلی" اشراقیین کے نزدیک ثابت ہے اور "علم تفصیلی" کو بھی اسی پر معلق سمجھتے ہیں اور جناب افضل الحکماء خواجہ نصیر الدین طوسی (نضر اللہ وجہہ) نے انہیں کے مسلک پر برہان قائم کیا ہے اور اس معنی میں کہ "علم تفصیلی" کی میزان "علم فعلی" ہے، اشراقیین کا اتباع کیا ہے [۱] اور یہ بات اگرچہ خلاف تحقیق ہے، بلکہ "علم تفصیلی" مرتبہ ذات میں ثابت ہے اور علم ذاتی کا کشف اور اس کی تفصیل علم فعلی سے بالاتر اور بیشتر ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر یہ بات برہان سے ثابت ومحقق ہے، لیکن اصل مطلب کہ نظام وجود حق تعالیٰ کا علم فعلی تفصیلی ہے، سنت، برہان ومشرب عرفان دونوں میں ثابت ومحقق ہے، اگرچہ اعلیٰ عرفانی مسلک اور زیادہ شیریں عرفانی ذوق کے لیے ان طریقوں

۱۔ مصارع المصارع، خواجہ نصیر الدین طوسی، تصحیح معزی، ص ۱۴۱۔

کے عـــلاوہ بھی ایک طریقہ ہے۔ " مذہب عـــاشق ز مذہبہا جدا است (۱) "۔

و بالجملہ، رحمت " رحمانیہ و رحیمیہ " کے دو مرتبے اور دو تجلیاں ہیں۔

ایک جلوہ گاہ ذات میں واحدیت کے حضور، فیض اقدس کی تجلی اور دوسرے اعیان وجودیہ کی جلوہ گاہ میں فیض مقدس کی تجلی اور سورۂ مبارکہ میں " رحمن و رحیم " اگر صفات ذاتیہ سے ہوں، جیسا کہ ظاہر تر ہے، تو آیہ شریفہ " بسم اللہ الرحمن الرحیم " میں ان دونوں صفتوں کو اسم کا تابع (صفت) سمجھا جاسکتا ہے تاکہ صفات فعلیہ میں شمار کیا جاسکے۔ اس بنا پر کسی تکرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ کہا جاسکے کہ تاکید و مبالغہ کے لیے ہے۔ اس احتمال سے۔ و العلم عند اللہ۔ آیات شریفہ کے معنی یہ ہوجائیں گے :" بمشیئتہ الرحمانیۃ و الرحیمیۃ الحمد لذاتہ الرحمانی و الرحیمی " اور جس طرح مقام " مشیت " جلوۂ ذات مقدس ہے، مقام " رحمانیت و رحیمیت " جو مقام مشیت کے تعینات میں سے ہے، جلوۂ رحمانیت و رحیمیت ذاتیہ ہے اور بھی احتمالات ہیں جنہیں ہم نے ترک کردیا، کیونکہ جس احتمال کا ذکر کیا وہ زیادہ ظاہر تھا۔

قولہ تعالیٰ : مالک یوم الدین ...

بہت سے قاریوں نے " ملک " کی میم کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ قرائت کی ہے اور ان دونوں قرائتوں میں سے ہر ایک کے لیے ادبی ترجیحات کا ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ بعض علمـــاء " نے " مالک " پر " ملک (۲) " کی ترجیح ثابت کرنے کے لیے رسالے لکھے ہیں، لیکن جو باتیں طرفین نے کہی ہیں وہ ایسی نہیں ہیں جن سے اطمینان پیدا ہوسکے۔

جو بات راقم الحروف کی نظر میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ " مالک " راجح بلکہ متعین ہے، کیونکہ یہ سورۂ مبارکہ اور سورۂ توحید دوسرے سوروں کی طرح نہیں ہیں، بلکہ ان سوروں کو چونکہ لوگ نمـــاز فرائض

۱۔ " مذہب عاشق ز مذہب ہا جـدا است عاشقاں را مذہب و ملت خـدا " مولوی"
(جدا ہے مذہب عاشق ہر ایک مذہب سے خدا ہے اہل محبت کا مذہب و ملت)

۲۔ ماخذ معلوم نہ ہوسکا۔

دنوافل میں پڑھتے ہیں اور ہر زمانے میں مسلمانوں کی سینکڑوں ملین کی جمعیتیں سینکڑوں ملین کی جمعیتوں سے سنتی آئی ہیں اور انہوں نے سینکڑوں ملین سابقین سے یوں ہی سنا ہے. یہ دو سورے جس طرح پڑھتے ہیں، ایک حرف کی کمی یا زیادتی یا تقدم و تاخر کے بغیر اسی طرح ائمہ ھدیٰ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور اس کے باوجود کہ اکثر قاریان نے "ملک" پڑھا ہے اور کثیر علماء نے "ملک" کو ترجیح دی ہے. اس کے باوجود ان تمام باتوں نے اس ثابت، بدیہی، متواتر اور قطعی امر کو ذرا بھی ضرر نہیں پہنچایا اور کسی نے ان (قارئین اور علماء) کی متابعت نہیں کی اور اس کے باوجود کہ علماء، قراء میں سے ہر ایک کی پیروی کو جائز سمجھتے ہیں، کسی ایک نے بھی۔ سوائے شاذ و نادر کے جس کا قول قابل اعتناء نہیں ہے۔ اس بداہت کے مقابل اپنی نمازوں میں "ملک" نہیں پڑھا اور اگر کسی نے ملک پڑھا تو بربنائے احتیاط پڑھا ہے اور ساتھ ہی "مالک" بھی پڑھا ہے. چنانچہ علوم نقلیہ میں ہمارے شیخ علامہ حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی (قدس سرہ) اپنے معاصر علمائے اعلام میں سے ایک کی خواہش پر "ملک" بھی کہتے تھے، لیکن یہ احتیاط بہت کمزور ہے، بلکہ راقم الحروف کے عقیدہ میں مقطوع الخلاف ہے (یعنی ملک نہ پڑھا جانا قطعی ہے).

یہ جو بیان ہوا، اس سے اس مطلب کا ضعف معلوم ہو گیا جو کہا گیا ہے کہ خط کوفی میں "ملک" اور "مالک" باہم مشتبہ ہو گئے، کیونکہ یہ دعویٰ ان سوروں کے لیے تو شاید کیا جا سکے جو کثرت سے زبانوں پر متداول نہیں ہیں. وہ بھی بہ اشکال، لیکن ان جیسے سوروں کے بارے میں جو تسامع اور قرائت سے ثابت ہیں، جیسا کہ اچھی طرح واضح ہے، بہت بے مغز اور بے اعتبار بات ہے.

اور یہ کلام جو ذکر ہوا "کفواً" میں بھی جاری ہے، کیونکہ "واو" مفتوحہ اور فائے مضمومہ کے ساتھ قرائت، حالانکہ یہ صرف عاصم (قاریوں میں سے ایک قاری) کی قرائت ہے، اس کے باوجود وہ بھی تسامع سے بداہتہً ثابت ہے اور دوسری قرائتیں اس بداہت سے معارض بھی نہیں. اگرچہ بعض لوگ اپنے خیال میں احتیاط کرتے ہیں اور قراء کی اکثریت کے مطابق، جو ضم "فاء" اور "ہمزہ" ہے، قرائت کرتے ہیں، لیکن یہ احتیاط بے جا ہے.

اور اگر ہم ان روایت کے مطابق قرائت کریں، جن میں لوگوں کی قرائت کے مطابق قرائت کرنے

کا حکم ہے (۱) تو مناقشہ پیدا ہوتا ہے اور مناقشہ کا محل بھی ہے، لیکن ظن یہ پیدا ہوتا ہے کہ روایتوں کی مراد یہ ہو کہ جس طرح لوگوں کے درمیان متداول ہے اسی طرح قرائت کرو۔ نہ یہ کہ اختیار ہے کہ قراءات سبع میں سے مثلاً کسی کے مطابق قرائت کرو۔ اس صورت میں "ملک" اور "کفوا" کی قرائت اس طریقہ کے علاوہ جو مسلمانوں کے درمیان مشہور اور قرآن میں مسطور ہے، غلط ہوجاتی ہے اور ہر صورت میں احتیاط کی ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ جس طور پر لوگوں کے درمیان متداول ہے اور زبانوں میں مشہور اور قرآن میں مسطور ہے۔ اسی طور پر قرائت کریں، کیونکہ اس طرح قرائت ہر مسلک کے مطابق صحیح ہے۔ واللہ العالم (۲)۔

حکیمانہ تحقیق

معلوم ہو کہ حق تعالیٰ کی مالکیت اس طرح کی مالکیت نہیں ہے جیسی مالکیت بندوں کو اپنی مملوکات پر حاصل ہوتی ہے اور ویسی مالکیت بھی نہیں ہے جیسی سلاطین کی مالکیت اپنی مملکت پر ہوتی ہے، کیونکہ یہ مالکیتیں اضافی اور اعتباری ہیں اور حق کی نسبت واضافت خلق سے ایسی نہیں ہے۔ اگرچہ علمائے فقہ کے نزدیک حق تعالیٰ کے لیے اس طور کی ملکیت طولاً ثابت ہے اور وہ بھی ہمارے ملحوظ نظر اور بیان مذکور کے منافی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں ہے جیسی انسان کی مالکیت اپنے اعضاء وجوارح پر ہوتی ہے اور ویسی بھی نہیں ہے جیسی انسان کی مالکیت اپنی ظاہری وباطنی قوتوں پر ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ مالکیت، حق تعالیٰ کی مالکیت سے سابق میں مذکور تمام مالکیتوں کی بہ نسبت نزدیک تر ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں ہے جیسی نفس کو اپنے ان افعال ذاتی پر حاصل ہوتی ہے جو نفس کی شان سے ہیں، جیسے ایجاد صور ذہنیہ جن کو کم کرنا اور پھیلانا ایک حد تک نفس کے ارادہ کے تحت ہے۔ حق تعالیٰ کی مالکیت ویسی بھی نہیں ہے جیسی عوالم عقلیہ کی مالکیت اپنے ماسوا پر ہوتی

۱۔ ان روایتوں میں کچھ یہ ہیں... "اقرء کما یقرء الناس" "واقرؤا کما تعلمتم" وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۸۲۱ "کتاب الصلوۃ، ابواب القراءۃ فی الصلوۃ" باب ۸۴ حدیث ۱۔۳۔

۲۔ اگرچہ قرائت کا جواز قراء کی قراءات (میں سے) کسی ایک کے مطابق علی الظاہر اجماعی ہے۔

ہے. اگرچہ وہ ان عوالم میں اعدام و ایجاد کے ساتھ متصرف ہیں، کیونکہ تمام دار تحقق امکانی، جن کی پیشانی پر ذلت کا نشان ثبت ہے، حدود میں محدود اور قدر (مقدار) میں مقدر ہیں، چاہے ماہیت ہی کی حد تک ہوں اور جو حد میں محدود ہوتا ہے وہ اپنی محدودیت کے مطابق اپنے فعل کے ساتھ تباین عزلی رکھتا ہے (یعنی ایک وقت اس فعل کو انجام دے سکتا ہو اور دوسرے وقت اس کی انجام دہی سے معزول ہوجائے) اور حق تعالیٰ کی طرح احاطہ قیومیت نہیں رکھتا ہے. پس تمام اشیاء اپنی ذات کے مرتبہ کے مطابق اپنے افعال سے تباین اور متقابل ہوتی ہیں. اسی جہت سے احاطہ ذاتیہ قیومیہ نہیں رکھتیں.

لیکن حق تعالیٰ کی مالکیت جو اضافہ اشراقیہ اور احاطہ قیومیہ سے ہے، مالکیت ذاتیہ حقیقیہ حقہ ہے جو اپنے موجودات میں سے کسی بھی موجود کے ساتھ ذات وصفات میں تباین عزلی کا کسی رخ سے شائبہ نہیں رکھتی اور اس ذات مقدس کی مالکیت تمام عوالم پر برابر ہے بغیر اس کے کہ موجودات میں سے کسی موجود کسی جہت سے بھی تفاوت ہو یا عوالم غیب ومجردات پر دوسرے عوالم کی بہ نسبت زیادہ محیط اور زیادہ نزدیک ہو، کیونکہ یہی (کمی بیشی) محدودیت اور تباین عزلی کا سبب ہوتی ہے اور احتیاط وامکان کا لازمہ ہے، تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً.

چنانچہ ممکن ہے قول خدائے تعالیٰ میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہو : " نحن اقرب الیہ منکم (۱) " اور " نحن اقرب الیہ من حبل الورید (۲) " اور " اللہ نور السموات والارض (۳) " " وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ (۴) " اور " لہ ما فی السموات والارض (۵) " اور قول رسول خدا (ص) : " لو دلیتم بحبل الی الارضین السفلیٰ لھبطتم علی اللہ (۶) " اور کافی کی روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول : " فلا یخلو منہ مکان،

۱۔ " ہم تم سے زیادہ اس سے نزدیک ہیں " سورہ واقعہ / ۸۵.

۲۔ " ہم اس سے رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہیں " سورۂ ق / ۱۶.

۳۔ حاشیہ ۲ ص ۲۶۶.

۴۔ حاشیہ ۳ ص ۲۶۶.

۵۔ " آسمانوں اور زمین کا ملک اس کا ہے " سورۂ بقرہ / ۱۰۷.

۶۔ حاشیہ ۳ ص ۲۴۴.

و لا یشتغل منه مکان، و لا یکون الیٰ مکان اقرب منه الیٰ مکان (۱) " اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا قول: " واعلم انه اذا کان فی السماء الدنیا فهو کما هو علی العرش. والاشیاء کلها له سواء علماً وقدرةً وملکاً واحاطة (۲) ".

اس کے باوجود کہ اس کی ذات مقدس کی مالکیت تمام اشیاء اور تمام عالم پر علی السواء (برابر) ہے اس کے ساتھ آیۂ شریفہ میں ارشاد ہے: " مالک یوم الدین " یہ اختصاص ممکن ہے اس لیے ہو کہ " یوم الدین " یعنی یوم الجمع کا مالک، دوسرے ایام کا مالک بھی ہے، جو متفرق ہیں. " والمتفرقات فی النشئة الملکیة مجتمعات فی النشئة الملکوتیة (۳) ".

اور (یہ اختصاص) اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی مالکیت وقاہریت کا ظہور " یوم الجمع " میں ہیں جو ممکنات کے باب الٰہی کی طرف رجوع اور موجودات کے فناء اللہ کی طرف صعود کا دن ہے.

اس اجمال کی، اس رسالہ کے مناسب تفصیل یہ ہے کہ جب تک نور وجود اور آفتاب حقیقت سیر تنزلی اور عالم غیب سے عالم شہود کی طرف نزول میں ہے، تب تک وہ احتجاب وعینیت کی طرف جا رہا ہے. دوسرے لفظوں میں، ہر تنزل میں ایک تعین ہے اور ہر تعین اور قید ایک حجاب ہے اور چونکہ انسان میں تمام تعینات وقیود جمع ہیں، اس لیے وہ سات ظلمت کے پردوں میں اور سات نور کے پردوں میں محجوب ہے. یہ پردے تاویل کے اعتبار سے سات زمینوں (ارضین سبع) اور سات آسمانوں (سموات سبع) کے پردے ہیں اور شاید " اسفل السافلین " کی طرف پلٹنا بھی ہر قسم کے حجابات میں محجوب ہونا ہو. اس شمس وجود اور نور صرف کے افق تعینات میں محجوب ہونے کی تعبیر " لیل " اور " لیلۃ القدر " سے کی جا سکتی ہے اور جب تک انسان ان حجابوں میں ہے اس وقت تک

۱۔ " کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور کوئی جگہ اس کا احاطہ نہیں کرتی اور وہ ایسی جگہ نہیں جو دوسری جگہ سے زیادہ نزدیک ہو ". اصول کافی، ج ۱ ص ۱۷۰ " کتاب التوحید، باب الحرکة والانتقال " حدیث ۳.

۲۔ اور جان لو کہ جب وہ آسمان دنیا میں ہے تو ایسا ہی ہے جیسے عرش پر ہے اور تمام چیزیں اس کے علم، قدرت، مالکیت اور احاطہ میں برابر ہیں ". حوالہ سابق، حدیث ۴.

۳۔ " عالم ملک کے متفرقات عالم ملکوت میں جمع ہوتے ہیں ".

جمالِ ازل اور نورِ اول کے مشاہدہ سے محجوب ہے اور جب پستی سے بلندی کی طرف سیر میں، تمام موجودات، عالمِ مادیات کی پست منزلوں سے، طبعی حرکات کے ذریعہ جو ان کی جبلّت میں فطرتِ الٰہی کی قوتِ جاذبہ کے نور سے "فیضِ اقدس" کی تقدیر کے مطابق، حضورِ علمی میں ودیعت کی گئی ہیں، اپنے اصلی وطن اور حقیقی وعدہ گاہ کی طرف پلٹتے ہیں. جیسا کہ آیاتِ شریفہ میں اس کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے تو نورانی اور ظلمانی حجابوں سے دو بارہ باہر آتے ہیں اور حق تعالیٰ کی مالکیت وقاہریت جلوہ کرتی ہے اور حق، وحدت وقہاریت کے ساتھ تجلی کرتا ہے اور اس جگہ جہاں آخر اول کی طرف رجوع کرتا ہے اور ظاہر باطن سے متصل ہوتا ہے اور ظاہر کی حکمرانی ساقط اور باطن کی حکومت جلوہ کرتی ہے، مالک علی الاطلاق کے حضور سے خطاب آتا ہے اور مخاطب ذاتِ مقدس کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا "لمن الملک الیوم" اور چونکہ کوئی جواب دینے والا نہیں ہے تو خود فرماتا ہے "للہ الواحد القہار [۱]".

اور یہ یومِ مطلق جو افقِ تعینات کے حجاب سے آفتابِ حقیقت کے نکلنے کا دن ہے، ایک معنی میں "یوم دین" ہے، کیونکہ موجودات میں سے ہر موجود اپنے مناسب اسم کے زیرِ سایہ حق میں فانی ہوجاتا ہے اور جب صور پھونکا جائے گا تو اسی اسم سے ظہور کرے گا اور اس اسم کے توابع سے قریب ہوجائے گا "فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر [۲]".

اور انسانِ کامل اس عالم میں سلوک الیٰ اللہ اور اس کی طرف ہجرت کے مطابق، ان حجابوں سے نکل آئے گا اور قیامت، ساعت اور یوم الدین کے احکام اس کے لیے ثابت ہوجائیں گے تب، حق اپنی مالکیت کے ساتھ اس معراجِ صلوتی میں اس کے قلب، پر ظہور کرے گا اور اس کی زبان اس کے قلب کی ترجمان ہوگی اور اس کا ظاہر اس کے باطن کے مشاہدات کی زبان بن جائے گا. یہ ہے "یوم الدین" کے ساتھ مالکیت کے اختصاص کے اسرار میں سے ایک راز!

۱۔ "آج ملک کس کا ہے؟ اس خدائے یگانہ قہار کا ہے" سورۂ غافر / ۱۶۔

۲۔ "ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک گروہ جہنم میں" سورۂ شوریٰ / ۷۔

الہام عرشی

معلوم ہو کہ "عرش" اور "حملہ" عرش کے بارے میں اختلاف ہے اور اخبار شریفہ کے ظواہر میں بھی اختلاف ہے۔ اگرچہ باطن کے اعتبار سے اختلاف کا کوئی کام نہیں، کیونکہ نظر عرفانی اور طریق برہانی میں عرش کا اطلاق بہت سے معانی پر ہوتا ہے۔

ان میں سے ایک معنیٰ جو میں نے قوم کی زبان میں نہیں دیکھے، حضرت "واحدیّت" ہے جو "فیض اقدس" کا مستویٰ (مقام تمکن) ہے اور اس کے حاملین چار اسم ہیں امہات اسماء میں سے "اول، آخر، ظاهر اور باطن"۔

دوسرے معنیٰ جو میں نے قوم کی زبان میں نہیں دیکھے، "فیض مقدس" ہے جو اسم اعظم کا مستویٰ ہے۔ اس کے حاملین "رحمن، رحیم، ربّ اور مالک" ہیں۔

تیسرے معنیٰ، جملہ "ما سوی اللہ" ہیں۔ اس کے حاملین "اسرافیل، جبرائیل، میکائیل اور عزرائیل" ہیں۔

چوتھے معنی، "جسم کل" ہیں، جس کے حامل چار ملک ہیں جو "ارباب انواع" کی صورتیں ہیں اور کافی کی روایت میں ان کی طرف اشارہ وارد ہوا ہے (۱)۔

عرش کا اطلاق کبھی "علم" پر بھی ہوا ہے کہ شاید علم سے مراد "علم فعلی" حق ہو جو مقام ولایت کبریٰ ہے۔ اس کے حاملین اولیائے کاملین میں سے چار نفر ہیں۔ سابقہ امتوں میں سے نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ـ علی نبینا و علیہم السلام ـ اور چار نفر کاملین میں سے ہیں۔ اس امت سے رسول ختمی مرتبت، امیر المؤمنین، حسن اور حسین ـ علیہم السلام ـ جب یہ مقدمہ جان لیا گیا تو معلوم ہونا چاہئے کہ سورۂ شریفہ "حمد" میں اسم "اللہ" کے بعد جو ذات کی طرف اشارہ ہے، یہ چار اسم شریف یعنی رب، رحمن، رحیم اور مالک کے ذکر کو مختص کیا گیا ہے، ممکن ہے یہ اس لیے ہو کہ یہ چار اسم شریف باطن

۱۔ اصول کافی، ج ۱ ص ۱۳۱ و ۱۳۲۔

کے اعتبار سے حامل عرش "وحدانیت" ہیں اور ان کے مظہر حق تعالیٰ کے چار ملائکہ مقربین ہیں جو عرش "تحقق" کے حامل ہیں. لہذا اسم مبارک "ربّ" میکائیل کا باطن ہے جو مظہریت ربّ کے ساتھ موکل ارزاق اور مربی دار وجود ہے اور اسم شریف "رحمن" اسرافیل کا باطن ہے جو منشیء ارواح نافخ صور اور باسط ارواح وصور ہے. چنانچہ بسط وجود (وجود کا پھیلاؤ) بھی اسم "رحمن" سے ہے اور اسم شریف "رحیم" جبرائیل کا باطن ہے جو تعلیم و تکمیل موجودات پر موکل ہے اور اسم شریف "مالک" عزرائیل کا باطن ہے جو قبض ارواح وصور اور ظاہر کو باطن کی طرف پلٹانے پر موکل ہے. پس سورۂ شریفہ "مالک یوم الدین" تک، عرش وحدانیت اور عرش تحقق پر مشتمل ہے اور ان کے حاملین کی طرف اشارہ کر رہا ہے. اس لیے پورا دائرۂ وجود اور تجلیات غیب وشہود، جن کی قرآن مجید ترجمانی کر رہا ہے سورۂ مذکورہ کے اسی مقام (مالک یوم الدین) تک ہے. یہی معنیٰ جمعاً بسم اللہ میں موجود ہیں جو اسم اعظم ہے. اور "ب" میں بھی موجود ہیں جو مقام سببیت ہے اور حضرت علی علیہ السلام سر ولایت و سببیت ہیں. لہذا وہی نقطہ تحت الباء [۱] (یعنی) ترجمان سر ولایت ہیں. تامل. وجہ تامل ایک اشکال ہے جو حدیث کے بارے میں ہے. واللہ العالم.

تنبیہ عرفانی

"ربّ" کو مقدم کرنے اور "رحمن ورحیم" کو اس کے بعد ذکر کرنے اور "مالک" کو آخر میں بیان کرنے میں شاید نشئہ ملکیہ دنیاویہ سے فنائے کل تک یا مالک الملک کے محضر میں حاضری تک، سلوک انسانی کی کیفیت کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے. پس سالک جب تک مبادی سیر میں ہے تب تک "ربّ العالمین" کی تدریجی تربیت کے تحت ہے، کیونکہ وہ خود بھی عالمیان میں شامل ہے اور اس کا سلوک زمان و تدریج کے زیر تصرف ہے اور جب سلوک کے قدموں سے عالم طبیعت سے جدا ہوگیا تو اسمائے محیطہ کا مرتبہ عالم سے جن میں سوائیت (برابری) کا جنبہ غالب ہے. فقط تعلق ہی نہیں رکھے گا بلکہ اس کے قلب میں تجلی کرے گا اور چونکہ اسم شریف "رحمن" کو تمام اسمائے محیطہ

۱۔ الاسفار الاربعہ، ج ۷، ص ۳۲، اسرار الحکم، ص ۵۵۹.

کے درمیان ایک مزید اختصاص ہے، اس لیے اس کو ذکر کیا گیا اور چونکہ "رحمن" ظہور رحمت اور مرتبہ بسط مطلق ہے اس لیے "رحیم" پر مقدم ہوا جو افق بطون سے نزدیک تر ہے۔ پس سلوک عرفانی میں پہلے اسمائے ظاہرہ تجلی کرتے ہیں اس کے بعد اسمائے باطنہ اور چونکہ سالک کی سیر "من الکثرۃ الی الوحدۃ" (کثرت سے وحدت کی طرف) ہوتی ہے، یہاں تک کہ اسمائے باطنہ محضہ پر جن میں سے ایک اسم "مالک" ہے، منتہی ہوتی ہے، لہذا مالکیت کے ساتھ تجلی میں عالم غیب وشہادت کے کثرات فانی و مضمحل ہوجاتے ہیں اور فنائے کلی اور حضور مطلق حاصل ہوتا ہے اور جب کثرت کے حجابات سے چھٹکارا حاصل کر کے مقام ظہور وحدت و سلطنت الہیہ کو پالیا اور مشاہدۂ حضور تک رسائی ہوگئی تو مخاطبہ حضوریہ کرتا ہے اور کہتا ہے "ایاک نعبد"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم مادیت کے آخری حجاب کے اٹھنے سے لے کر حجابات ظلمانی و نورانی کے اٹھنے اور حضور مطلق کے حاصل ہونے تک اہل سیر کا پورا دائرۂ سیر اس سورۂ مبارکہ میں موجود ہے۔ یہ حضور مطلق ہی سالک کی قیامت کبریٰ اور اس کا قیام ساعت ہے اور شاید آیۂ شریفہ: "فصعق من فی السموات والارض الا من شاء اللہ (۱)" میں "مستثنیٰ" سے مقصود اہل سلوک کی یہی نوع ہو جن کو نفخ صور کلی سے پہلے ہی صعق و محو حاصل ہوچکا اور شاید قول رسول خدا (ص): "انا والساعۃ کھاتین (۲)" اور اپنی دونوں انگشت ہائے شہادت کو ملایا، کے یہی معنیٰ ہوں۔

تنبیہ ادبی

متداول تفسیریں جو ہم نے دیکھی ہیں یا ان سے جو کچھ نقل ہوا ہے ان میں "دین" کو جزا و حساب کے معنی میں قرار دیا گیا ہے اور کتب لغت میں بھی یہی معنی مذکور ہیں اور شعرائے عرب کے قول

۱۔ "... پس جو شخص بھی زمین و آسمان میں ہے بے ہوش ہوجائے گا سوائے اس کے جسے تمہارا پروردگار چاہے"۔ زمر / ۶۸۔

۲۔ "میں اور قیامت ان دو (انگشت سبابہ ووسط) کی طرح ہیں"۔ الاشعثیات، ص ۲۲۲ "باب ما یوجب الصبر"؛ بحار الانوار، ج ۲ ص ۳۹ "کتاب العلم" حدیث ۲ از مجالس مفید۔

سے بھی یہ استشہاد ہوتا ہے، جیسے شاعر کا قول: " واعلم بانک ما تدین تدان (۱) "
اور سہل بن ربیعہ کی طرف منسوب قول: " ولم یبق سوی العدوان دناہم کما دانوا (۲) " اور کہا ہے کہ " دیان " کے بھی جو اسمائے الٰہیہ میں ہے یہی معنی ہیں اور شاید " دین " سے مراد شریعت حقہ ہو اور چونکہ روز قیامت دین کے آثار ظاہر ہوں گے اور دین کے حقائق بے پردہ ہوکر سامنے آئیں گے اس لیے اس روز کو روز " دین " کہنا ہی چاہیے جس طرح آج روز " دنیا " ہے، کیونکہ آثار دنیا کے ظاہر ہونے کا دن ہے اور دین کی صورت ظاہر نہیں ہے اور یہ بات اللہ کے اس قول جیسی ہے جس میں فرماتا ہے: " وذکرھم بایام اللہ (۳) " اور یہ وہ ایام ہیں جن میں حق تعالیٰ ایک قوم کے ساتھ اپنے قہر و سلطنت سے سلوک کرلے گا اور قیامت کا روز " یوم اللہ " بھی ہے اور " یوم الدین " بھی، کیونکہ وہ سلطنت الٰہیہ کے ظہور اور دین خدا کی حقیقت کے سامنے آنے کا دن ہے۔

قولہ تعالیٰ: ایاک نعبد وایاک نستعین ...

اے عزیز! جب بندۂ سالک نے طریق معرفت میں تمام حمد وستائش کو ذات مقدس حق سے مختص جان لیا اور وجود کے سکڑنے اور پھیلنے کو اسی سے سمجھ لیا اور توحید ذات وصفات نے اس کے قلب میں تجلی کی تو وہ ذات حق میں عبادت واستعانت کو منحصر قرار دے گا اور تمام دار تحقق کو طوعاً وکرہاً ذات مقدس کے سامنے خاضع وعاجز دیکھے گا اور اس کے سوا دار تحقق میں اسے کوئی صاحب قدرت نظر نہ آئے گا تاکہ اس کی طرف اعانت کی نسبت دے سکے اور یہ جو بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ حصر عبادت حقیقی ہے اور حصر استعانت حقیقی نہیں ہے، کیونکہ استعانت غیر حق سے بھی

۱۔ " جان لو کہ جیسا کروگے ویسی جزا پاؤگے "۔

۲۔ " فلما اصبح الشر وامسیٰ وھو عریان ولم یبق سوی العدوان دناھم کما دانوا " اور دشمنی کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ ہم نے ان کو ویسا ہی بدل دیا جیسے انہوں نے جزا دی تھی۔ ـ سہل بن شیبان، جامع الشواہد " باب الفاء مع اللام " ص ۱۸۵۔

۳۔ " اللہ کے دنوں کو انہیں یاد دلاؤ " سورۂ ابراہیم / ۵۔

ہوتی ہے اور قرآن میں بھی ارشاد ہے :" تعاونوا علی البـــر والتقوی (۱) " اور یہ بھی ارشاد ہے :
" استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (۲) " اور بدیہی طور پر یہ معلوم ہے کہ نبی اکرم اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام اور ان کے اصحاب اور مسلمین غیر حق سے اکثر مباح امور میں استعانت کیا کرتے تھے جیسے چوپائے ، خادم ، زوجہ ، ساتھی اور مزدور وغیرہ سے . یہ کلام اہل ظاہر کے اسلوب کلام کے مطابق ہے ، لیکن جو شخص حق تعالیٰ کی توحید فعلی کی اطلاع رکھتا ہے اور نظام وجود فاعلیت حق تعالیٰ کی صورت سمجھتا ہے اور " لا مؤثر فی الوجود الا اللہ " کو برہان یا مشاہدہ سے دریافت کرچکا ہے وہ چشم بصیرت اور قلب نورانی کے ساتھ حصر استعانت کو بھی حصر حقیقی سمجھتا ہے اور دوسرے موجودات کی اعانت کو اعانت حق کی صورت جانتا ہے اور ان کے کہنے کی بنا پر ، حمد وستائش کے اللہ تعالیٰ سے اختصاص کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے ، کیونکہ دوسرے موجودات کے لیے اس مسلک کی بنا پر ، تصرفات واختیارات اور جمال وکمال ہے جس کی وجہ سے وہ لائق حمد وستائش ہیں ، بلکہ زندگی دنیا ، موت دنیا ، رزق دنیا اور خلق کرنا بھی حق اور خلق کے درمیان مشترک امور ہیں اور یہ امور اہل اللہ کی نظر میں شرک ہیں اور روایات میں ان امور کو شرک خفی سے تعبیر کیا گیا ہے . چنانچہ کسی چیز کے یاد رہ جانے کے لیے انگشتری کو گردش دینا ، شرک خفی میں محسوب کیا گیا ہے (۳) .

وبالجملہ " ایاک نعبد وایاک نستعین " الحمدللہ کے فروع میں سے ہے جو توحید حقیقی کی طرف اشارہ ہے اور جس کے قلب میں حقیقت توحید نے جلوہ نہیں کیا اس نے اپنے قلب کو مطلق شرک سے پاک نہیں کیا ہے . اس کا " ایاک نعبد " (کہنا) کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور وہ عبادت واستعانت کو حق کے لیے منحصر نہیں کرسکتا . توحید کا جلوہ قلب میں جس قدر ہوگا اسی قدر موجودات سے روگرداں اور حق تعالیٰ کے عزوقدس سے مربوط ہوگا ، یہاں تک کہ مشاہدہ کرے گا کہ اسم اللہ کے

۱۔ " نیکوکاری اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو " سورۂ مائدہ / ۲ .

۲۔ " صبر اور نماز سے مدد مانگو " سورۂ بقرہ / ۴۵ .

۳۔ قال ابوعبداللہ علیہ السلام : " ان الشرک اخفیٰ من دبیب النمل " . وقال : " منہ تحویل الخاتم لیذکر الحاجۃ وشبہ ھذا " . معانی الاخبار ، ص ۳۷۹ " باب نوادر المعانی " حدیث ۱ ، بحار الانوار ، ج ۶۹ ص ۹۶ .

ساتھ "ایاک نعبد وایاک نستعین" واقع ہورہا ہے اور "انت کما اثنیت علیٰ نفسک (۱)" کے بعض حقائق اس کے قلب میں تجلی کررہے ہیں۔

تنبیہ اشراقی

اس رسالہ کے بیانات سے "غیبت سے خطاب کی طرف عدول" کا نکتہ معلوم ہوچکا ہے اور یہ اگرچہ خود محسنات کلام اور امتیازات بلاغت میں سے ہے جو فصحاء و بلغاء کے کلام میں بہت آیا ہے اور حسن کلام کا سبب ہوتا ہے اور خود "التفات" ایک حال سے دوسرے حال کی طرف، مخاطب کی اکتاہٹ کو دور کرتا ہے اور اس کی روح میں ایک نشاط تازہ پیدا کرتا ہے۔ لیکن نماز چونکہ حضور قدس میں پہنچنے کی معراج اور مقام انس کے حصول کا زینہ ہے لہذا اس سورہ میں اس روحانی ارتقاء اور عرفانی سفر کا دستور بتایا گیا ہے اور بندہ چونکہ سلوک الیٰ اللہ کے آغاز میں عالم مادیّت کے تاریک حجابات اور عالم غیب کے نورانی پردوں میں محجوب و محبوس ہے اور سفر الیٰ اللہ کا مطلب سلوک معنوی کے قدموں سے انہیں (دونوں طرح کے) پردوں سے باہر آنا ہے اور مہاجرت الیٰ اللہ درحقیقت بیت نفس اور بیت خلق سے اللہ کی طرف واپسی، کثرات کا ترک غیریّت کے غبار سے دوری، توحیدات (ثلاثہ) کو حاصل کرنا، خلق سے غیبت اور محضر ربّ میں حاضری کا نام ہے اور جب آیہ شریفہ "مالک یوم الدین" میں کثرات کو مالکیت قاہریّت کے نور کی درخشندگی کے تحت غائب دیکھا تو کثرت سے محو اور محضر حق میں حضور کی حالت پیدا ہوگی اور مخاطبہ حضوریہ اور مشاہدۂ جمال وجلال کے ساتھ اپنی بندگی کو پیش کرے گا اور اپنی خدا خواہی وخدا بینی کو محفل قدس و محفل انس تک پہنچا دے گا۔

اور شاید "ایاک" کی ضمیر کے ساتھ اس مقصد کو ادا کرنے میں یہ نکتہ مضمر ہو کہ یہ ضمیر ذات کی طرف پلٹتی ہے جس میں کثرات مضمحل اور فانی ہوجاتی ہیں۔ لہذا سالک کے لیے ممکن ہے اس مقام میں توحید ذاتی کی حالت پیدا ہو اور کثرت اسماء وصفات سے بھی منصرف ہوجائے اور قلب

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۲۱۴۔

کا رخ ذات کے حضور کثرات کے حجابات کے بغیر ہوجائے اور یہی وہ کمال توحید ہے جس کے بارے میں امام موحدین، سرحلقہ عارفین، پیشوائے عاشقان، سر سلسلہ مجذوبان و محبوبان حضرت امیرالمؤمنین صلوات اللہ علیہ واولادہ المعصومین فرماتے ہیں :" وکمال التوحید نفی الصفات عنہ (۱) " کیونکہ صفت میں غیریت اور کثرت کا رخ پایا جاتا ہے اور کثرت کی طرف یہ توجہ، چاہے وہ کثرت اسمائے ہو، اسرار توحید اور حقائق توحید سے بعید ہے. اسی لیے خطیئہ آدم علیہ السلام کا راز کثرت اسمائی ہی کی طرف توجہ ہے جو شجرۂ ممنوعہ کی روح ہے .

تحقیق عرفانی

معلوم ہو کہ اہل ظاہر نے "نعبد اور نستعین" کو صیغہ متکلم مع الغیر (جمع متکلم) کے ساتھ ذکر کیے جانے میں جبکہ عبادت گزار واحد ہے (فرادیٰ نماز پڑھ رہا ہو، یا محض سورہ کی تلاوت کررہا ہو) بہت سے نکات بیان کیے ہیں.

ان میں ایک نکتہ یہ ہے کہ عبادت گزار کی نظر میں ایک حیلہ شرعیہ رہے جس کے وسیلہ سے اس کی عبادت درگاہ حق تعالیٰ میں مقبول ہوجائے وہ حیلہ شرعیہ یہ ہے کہ اپنی عبادت کو تمام مخلوقات کی عبادت کے ضمن میں، جن میں ان اولیائے کاملین کی عبادتیں بھی شامل ہیں جو یقیناً مقبول ہیں، بارگاہ قدس دوستگاہ رحمت میں پیش کرے تاکہ ان عبادتوں کے وسیلہ سے اس کی عبادت بھی ضمناً قبول ہوجائے، کیونکہ تبعض صفقہ (کچھ مال خریدنا اور کچھ چھوڑ دینا) کریم کی عادت نہیں ہوتی .

ان میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اول امر میں نماز جماعت ہی سے ادا کی جاتی تھی اس لیے صیغہ جمع استعمال ہوا .

ہم اذان واقامت کا مجموعی راز بیان کرتے ہوئے ایک نکتہ بیان کرچکے ہیں جس سے ایک حد تک اس راز کا انکشاف ہوتا ہے. وہ نکتہ یہ ہے کہ اذان سالک کی قوائے ملکیہ وملکوتیہ کا اعلان ہے کہ وہ محضر

۱ـ "کمال توحید اس سے صفات کی نفی ہے" اصول کافی، ج ۱ ص ۱۹۱ "کتاب التوحید، باب جوامع التوحید" حدیث ۶ .

میں حاضر ہو رہا ہے اور اقامہ یہ اعلان ہے کہ وہ حاضر ہو گیا اور جب سالک نے اپنی ملکی اور ملکوتی قوتوں کو محضر میں حاضر کر دیا اور قلب نے جو ان قوتوں کا پیشوا اور امام ہے ان کی امامت کے لیے قدم آگے بڑھایا "فقد قامت الصلاۃ والمؤمن وحدہ جماعۃ (۱)" لہذا "نعبد" اور "نستعین" اور "اھدنا" (جمع کے صیغے) سب محضر قدس میں حاضر (قوتوں کی) اس جمعیت کے لیے ہے. اہل بیت عصمت وطہارت کی روایات اور ادعیہ ماثورہ جو عرفان وشہود کا سرچشمہ ہیں، اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں.

ایک اور وجہ جو راقم الحروف کی نظر میں آتی ہے، یہ ہے کہ جب سالک نے "الحمدللہ" میں، ملک وملکوت میں ہر حمد وثنا کرنے والے کی ہر حمد وثنا کو ذات مقدس حق سے مقصود و مخصوص قرار دیا اور ائمہ برہان کے مدارک میں اور اہل عرفان کے قلوب میں یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ تمام دائرۂ وجود (اپنے ملک وملکوت اور قض وقضیض کے ساتھ) "بملکھا وملکوتھا وقضھا وقضیضھا" حیات شعوری ادراکی حیوانی، بلکہ انسانی رکھتے ہیں اور شعور وادراک کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمد وتسبیح کرتے ہیں اور تمام موجودات بالخصوص نوع انسان کی فطرت میں کامل وجمیل علی الاطلاق کی بارگاہ میں خاکساری وعاجزی ثبت ہے اور ان کی پیشانی حق تعالیٰ کے آستانہ پر سجدہ ریز ہے، جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:" وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم (۲) " اور دوسری آیات شریفہ اور روایات معصومینؑ جو اس الٰہی نکتہ پر مشتمل ہیں؛ اس مستحکم حکیمانہ برہان کی تائید کرتی ہیں. پس جب سالک الیٰ اللہ نے استدلال برہانی سے یا ذوق ایمانی سے یا مشاہدۂ عرفانی سے اس حقیقت کو دریافت کر لیا تو وہ جس مقام میں بھی ہے، ادراک کر لے گا کہ تمام ذرات وجود اور ساکنان غیب وشہود، معبود مطلق کے عبادت گزار اور اپنے آشکار کرنے والے کے طلبگار ہیں اور اسی لیے صیغہ جمع کے ساتھ اظہار کرتا ہے کہ تمام موجودات اپنی تمام حرکات وسکنات کے ساتھ حق تعالیٰ کی ذات

۱۔ "مؤمن (اپنے مقام پر) تنہا ایک جماعت ہے"۔ وسائل الشیعہ، ج ۵ ص ۳۷۹ "کتاب الصلاۃ، ابواب صلاۃ الجماعہ" باب ۴ حدیث ۵۰۲.

۲۔ "کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے" سورۂ اسراء / ۴۴.

مقدس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں۔

ایک تنبیہ، ایک نکتہ

معلوم ہو کہ " ایاک نعبد " کو " ایاک نستعین " پر مقدم کرنے کی توجیہ، حالانکہ قاعدہ کے مطابق " استعانت " کو عبادت میں خود عبادت پر بھی مقدم ہونا چاہیے۔ یہ بیان کی گئی ہے کہ "عبادت" " استعانت " (مدد مانگنے) پر مقدم ہے۔ " اعانت " (مدد کرنے پر) پر نہیں اور مدد کبھی مدد مانگے جانے کے بغیر بھی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ دونوں (استعانت و عبادت) ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ لہٰذا تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کما یقال: " قضیت حقّی فاحسنت الیّ " اور " احسنت الیّ فقضیت حقّی [1] " نیز استعانت اس عبادت کے لیے نہیں ہے جو ہو رہی ہے بلکہ اس عبادت کے لیے جو اس کے بعد نئے سرے سے ہوگی۔ یہ وجوہ کس قدر سرد ہیں، ارباب ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور شاید نکتہ یہ ہو کہ حق تعالیٰ سے استعانت کا حصر سلوک الیٰ اللہ کے مقام کے اعتبار سے حصر عبادت سے مؤخر ہے۔ جیسا کہ واضح ہے کہ بہت سے لوگ عبادت کے سلسلے میں موحد ہیں یعنی عبادت کا حصر ذات حق کے لیے مانتے ہیں۔ مگر استعانت کے معاملہ میں مشرک ہیں، یعنی استعانت کا حصر ذات حق میں نہیں مانتے جیسا کہ ہم نے بعض مفسرین کے بارے میں نقل کیا جو کہتے ہیں کہ حصر اعانت حقیقی نہیں ہے۔ لہٰذا عبادت میں حصر بمعنی متعارف، موحدین کے اوائل مقدمات میں ہے اور حصر استعانت کا مطلب مطلقاً ترک غیر حق ہے۔

مخفی نہ رہے کہ " استعانت " سے فقط عبادت میں استعانت مراد نہیں ہے، بلکہ مطلق امور میں استعانت مراد ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اسباب سے دوری، کثرات کا ترک اور اقبال تام علی اللہ (محضر الٰہی میں پوری طرح حاضری) پیدا ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں، حصر

۱۔ " جیسا کہ کہا جاتا ہے: " تم نے میرا حق دیا تو مجھ پر احسان کیا اور مجھ پر احسان کیا کہ میرا حق ادا کر دیا "۔

عبادت کا مطلب حق خواہی و حق طلبی اور ترک طلب غیر ہے اور حصر استعانت کا مطلب حق بینی اور ترک رویت غیر ہے اور ترک رویت غیر مقامات عارفین اور منازل سالکین میں ترک طلب غیر سے مؤخر ہے۔

ایک عرفانی فائدہ

اے بندۂ سالک! حق تعالیٰ کی ذات میں "عبادت و استعانت" کا حصر بھی موحدین کے مقامات اور سالکین کے مدارج کاملہ میں نہیں ہے، کیونکہ اس میں ایک ایسا دعویٰ ہے جو توحید و تجرید کے منافی ہے، بلکہ عبادت، عابد، معبود، مستعین، مستعان اور استعانت کو دیکھنا بھی منافی توحید ہے اور توحید حقیقی میں، جو قلب سالک پر جلوہ کرتی ہے، یہ کثرات متہلک اور ان امور کی رویت مضمحل و فانی ہوجاتی ہے۔ ہاں! وہ لوگ جو غیبی جذب و کشش سے ہوش میں آچکے ہیں اور مقام صحو حاصل کر چکے ہیں، ان کے لیے کثرت حجاب نہیں بنتی، کیونکہ لوگوں کے چند گروہ ہوتے ہیں۔

ایک گروہ محجوبین کا ہے، جیسے ہم بے چارے مادیات کی ظلمتوں کے حجابوں میں پڑے ہوئے۔

ایک گروہ سالکین کا ہے جو اللہ کی طرف سفر اور بارگاہ قدس کی طرف سفر کر رہے ہیں۔

ایک گروہ واصلین کا ہے جو کثرت کے حجابات سے باہر آچکے ہیں اور مشغول حق ہیں اور خلق سے غافل و محجوب ہیں اور ان کے لیے صعق کلی (پوری طرح بے خودی و بے ہوشی ' ر محو مطلق حاصل ہوچکا ہے۔

ایک گروہ راجعین الی الخلق کا ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن میں تکمیل (کمال تک پہنچانے) اور ہدایت (راہنمائی) کی جہت پائی جاتی ہے۔ جیسے انبیاء اور ان کے اوصیاء علیہم السلام۔ یہ گروہ حالانکہ کثرت کے درمیان رہتا ہے اور ارشاد و ہدایت خلق میں مشغول ہوتا ہے مگر کثرت ان کے لیے حجاب نہیں بنتی اور ان کو مقام برزخیت (بندوں اور معبود کے درمیان واسطہ) حاصل ہے۔

اس بنا پر "ایاک نعبد و ایاک نستعین" میں مذکورہ گروہوں کے حالات کے مطابق فرق ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ہم محجوبوں کی طرف سے صرف دعویٰ اور صورت ہے۔ اب اگر اپنے حجاب کی طرف

متنبہ ہوجائیں اور اپنی کمی کو سمجھ لیں تو جس قدر اپنی کمی سے مطلع ہوتے جائیں گے اسی قدر ہماری عبادت میں نورانیت پیدا ہوتی جائے گی اور حق تعالیٰ کی عنایت حاصل ہوتی جائے گی۔

سالکین کا گروہ اپنے قدم سلوک کے بقدر حقیقت سے قریب ہے اور واصلین کا گروہ رویت حق کے تناسب سے حقیقت سے نزدیک ہے اور رویت کثرت کے تناسب سے صرف صورت اور اپنی عادت پر ہے اور کاملین کا گروہ صرف حقیقت (حقیقت ہی حقیقت) ہے۔ لہذا وہ نہ حجاب حقی رکھتے ہیں نہ حجاب خلقی۔

ایمانی بیداری

اے عزیز! یہ بات یاد رکھو کہ ہم جب تک عالم مادیت کے غلیظ و دبیز پردوں میں رہیں گے اور تعمیر دنیا اور لذائذ دنیا میں وقت کو صرف کرتے رہیں گے اور حق تعالیٰ اور اس کے ذکر و فکر سے غافل رہیں گے اس وقت تک ہماری تمام عبادات، تمام اذکار اور تمام قرائات بے حقیقت رہیں گی۔ نہ ہم الحمدللہ میں تمام حمد و ستائش کو ذات حق میں منحصر کر سکیں گے اور نہ "ایاک نعبد وایاک نستعین" میں حقیقت کی راہ طے کر سکیں گے، بلکہ ان بے مغز دعووں سے محضر حق میں اور ملائکہ مقربین وانبیائے مرسلین واولیائے معصومینؑ کی نظر میں رسوا اور شرمندہ ہوں گے۔ جس شخص کی زبان حال وقال اہل دنیا کی مدح میں مصروف ہو وہ کیسے الحمدللہ کہے گا؟ اور جس کے قلب کا رخ مادی ہے اور اس میں بوئے الہیت نہیں ہے اور اس کا اعتماد اور توکل مخلوقات پر ہے وہ کس زبان سے "ایاک نعبد وایاک نستعین" کہے گا؟ لہذا اگر اس میدان کے مرد ہو تو کمر ہمت کس لو اور عظمت حق، ذلت و عجز و فقر مخلوق کے بارے میں شدید تذکر و تفکر کے ذریعہ، ابتدا ہی میں ان حقائق ولطائف کو جو اس رسالہ میں مذکور ہوئے ہیں اپنے دل تک پہنچا دو اور اپنے دل کو ذکر حق سے زندہ کرو تاکہ توحید کی خوشبو تمہارے شامہ قلب تک پہنچے اور غیبی مدد سے اہل معرفت کی نماز کی طرف کوئی راہ پیدا ہو اور اگر اس میدان کے مرد نہیں ہو تو کم سے کم اپنے نقص کو نظر میں رکھے رہو اور اپنی ذلت و عاجزی کی طرف توجہ کیے جاؤ اور ندامت و شرمساری کے ساتھ قیام امر کرو اور بندگی کے دعوے سے ہاتھ اٹھا لو اور ان

آیات شریفہ کو جن کے حقائق ولطائف تم میں موجود نہیں ہیں یا کاملین کی زبان سے پڑھو اور یا صرف صورت قرآن ہی کو مطمح نظر رکھو تاکہ کم سے کم دعوائے باطل اور ادعائے کاذب تو نہ کرو ۔

فرع فقہی

بعض فقہاء نے " ایاک نعبد " اور " ایاک نستعین " جیسے صیغوں میں، قصد انشاء کو، مثلاً جائز نہیں سمجھا ہے. ان کا گمان ہے کہ یہ قرآنیت اور قرائت کے منافی ہے، کیونکہ قرائت کا مطلب دوسرے کے کلام کو نقل کرنا ہے، لیکن (فقہاء کے) اس کلام کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی. اس لیے کہ جس طرح یہ ممکن ہے کہ انسان اپنے کلام سے مثلاً کسی کی مدح کرے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ دوسروں کے کلام سے مدح کرے. مثلاً اگر حافظ کے شعر سے ہم کسی کی مدح کریں تو یہ بھی صادق آتا ہے کہ ہم نے مدح کی اور یہ بھی صادق آتا ہے کہ ہم نے حافظ کا شعر پڑھا تو اگر " الحمدللہ رب العالمین " سے ہم تمام حمد وستائش کو حق کے لیے انشاء کریں اور " ایاک نعبد " سے حق کے لیے حصر عبادت کا انشاء کریں تو یہ بھی صادق آئے گا کہ ہم نے کلام خدا کے ذریعہ حمد خدا کی اور یہ بھی کہ کلام خدا سے حصر عبادت کیا، بلکہ اگر کوئی شخص کلام کو معنیٰ انشائی سے مجرد کرے تو اگر ہم یہ نہ کہیں کہ اس کی قرائت باطل ہے تو یہ احتیاط کے مخالف تو ہے ہی. ہاں ! اگر کوئی اس کے معنیٰ نہیں جانتا تو لازم نہیں ہے کہ یاد کرنے، بلکہ قرائت کی صورت ہی " بمالھا من المعنی " (اس کے جو بھی معنی ہیں ان معنی کے ساتھ) کافی ہے ۔

روایات میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ قاری انشاء کرتا ہے. چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے :" فاذا قال الی العبد فی صلوته : " بسم اللہ الرحمن الرحیم " یقول اللہ : " ذکرنی عبدی " واذا قال : " الحمدللہ " یقول اللہ : " حمدنی عبدی " ... [1] " . اور جب تک عبد ہی کی طرف سے انشاء " تسمیہ " و " حمد " نہ ہو تب تک " ذکرنی " اور " حمدنی " بے معنیٰ ہے اور احادیث

۱۔ حاشیہ ا ص ۳۰۲ .

معراج میں ارشاد ہے: "الان وصلت، فسمّ باسمی (۱)" اور وہ حالات جو "مالک یوم الدین" میں ائمہ علیہم السلام پر طاری ہوجاتے تھے اور بعض ائمہ علیہم السلام کا ان آیات کی تکرار کرنا بتاتا ہے کہ وہ صرف قرائت نہیں فرماتے تھے، بلکہ انشاء فرماتے تھے اور یہ انشاء ایسا ہوتا تھا جیسے "اسماعیل یشھد ان لا الہ الا اللہ (۲)"۔

اور اہل اللہ کی نماز کے مراتب کے مختلف ہونے کے اہم اسباب میں سے ایک یہی قرائت کا اختلاف ہے. جیسا کہ کچھ اشارہ اس کی طرف سابق میں ہوچکا اور اس کا تحقق اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک قاری خود انشاء قرائت واذکار نہ کرے. اس معنیٰ پر بہت شواہد ہیں.

وبالجملہ، کلام الٰہی سے ان معنیٰ کے انشاء کے جواز میں کوئی اشکال نہیں.

ایک فائدہ

"عبادت" کو اہل لغت انتہائے خضوع واظہار ذلت کے معنی میں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ عبادت خضوع کا بلند ترین مرتبہ ہے. لہذا سوائے اس کے کسی کے لیے جائز نہیں ہے جو وجود وکمال کا سب سے اعلیٰ مرتبہ اور نعمات واحسانات کا سب سے عظیم درجہ رکھتا ہو. اسی لیے غیر حق کی عبادت شرک ہے اور شاید "عبادت" جو فارسی میں "پرستش" اور "بندگی" کے معنی میں ہے، اپنی حقیقت میں ان معنی سے، جو بیان کیے گئے ہیں، زیادہ کے لیے اخذ کیا گیا ہو، اور وہ "خالق ومالک کے لیے خضوع" سے عبارت ہے. اس لیے یہ خضوع یا تو معبود کو "الہ" اور مالک قرار دینے کے ساتھ لازم ہے یا مثلاً لازم کی نظیر وشبیہ اور مظہر ہے، لیکن مطلق خضوع بغیر اس معنی پر اعتقاد اور جزم کے چاہے بطور تکلف ہو اور چاہے خضوع کی انتہا تک پہنچ جائے کفر وشرک کے اسباب میں سے نہیں

۱۔ "اب تم پہنچ گئے میرا نام لے جاؤ". علل الشرائع، ص ۳۱۵ از حدیث "صلاۃ معراج".

۲۔ یہ وہ جملہ ہے جو روایت کی بنا پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے فرزند اسماعیل کے کفن پر لکھا کہ اخباری لوگ (جو ظواہر روایات پر جے ہوئے ہیں) بعینہ یونہی یہ جملہ اپنی میتوں کے کفن پر لکھتے ہیں. وسائل الشیعہ "کتاب الطہارۃ، ابواب التکفین" باب ۲۹ حدیث ۲.

ہے چاہے اس خضوع مطلق کی بعض انواع حرام ہوں۔ مثلاً خضوع کے لیے پیشانی خاک پر رکھنا اور یہ اگرچہ عبادت و پرستش نہیں ہے مگر شرعاً ممنوع ہے، علی الظاہر۔ پس وہ احترامات جو ارباب مذاہب اپنے مذہبی بزرگوں کے لیے اختیار کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ لوگ بندے ہیں جو ہر چیز میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں، اصل وجود میں بھی اور کمال میں بھی، اور صالح و نیک بندے ہیں، مگر اپنے نفع وضرر اور موت وحیات کے خود مالک نہیں ہیں۔ عبودیت کی وجہ سے حق تعالیٰ کے مقرب بارگاہ اور مورد عنایات ہوئے ہیں اور اس کے عطیات کو وسیلہ ہیں کسی رخ سے بھی اس میں شرک و کفر کا شائبہ نہیں ہے اور خاصان خدا کا احترام خدا کا احترام ہے اور خاصان خدا کی محبت خدا کی محبت ہے (۱)۔

تمام فرقوں کے درمیان، میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں اور وہی گواہی کے لیے کافی ہے، وہ فرقہ جو اہل بیت وحی و عصمت اور خزینہ داران علم وحکمت کی برکت سے عائلہ بشری کے تمام فرقوں کے درمیان حق تعالیٰ کی توحید وتقدیس وتنزیہ کے بارے میں امتیاز رکھتا ہے وہ فرقہ شیعہ اثنا عشری ہے، جس کی اصول عقائد کی کتابیں، جیسے کتاب شریف اصول کافی اور کتاب شریف توحید شیخ صدوقؒ اور ان کے ائمہ معصومین علیہم السلام کے خطبے اور دعائیں، جو توحید وتقدیس حق تعالیٰ کے بارے میں ان معادن وحی وتنزیل کی زبان سے ادا ہوئی ہیں، اس بات کی گواہ ہیں کہ ایسے علوم سے انسان کو کبھی سابقہ نہیں ہوا اور حق تعالیٰ کی تقدیس وتنزیہ ان کی طرح کسی نے نہیں بیان کی سوائے کتاب مقدس وحی الٰہی وقرآن مجید کے جو دست قدرت سے لکھا گیا ہے۔

اس کے باوجود، کہ شیعوں نے ہر مکان اور ہر زمان میں ایسے ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کی پیروی کی جو معصوم ہیں اور ان کے بتائے ہوئے روشن ادلہ وبراہین سے حق کو پہچان کر اس کی تنزیہ وتوحید کا اظہار کرتے رہے، بعض فرقے جن کی بے دینی ان کے عقائد اور ان کی کتابوں سے واضح ہے، شیعوں پر طعن ولعن کا دروازہ کھولے رہتے ہیں اور اس باطنی عداوت کی بنا پر جو وہ شیعوں سے رکھتے ہیں، تابعین اہل بیت عصمتؑ کی طرف شرک اور کفر کی نسبت دیتے ہیں اور یہ نسبت اگرچہ بازار حکمت ومعرفت میں کوئی قیمت نہیں رکھتی، لیکن چونکہ اس کا مفسدہ یہ ہے کہ ناقص افراد اور جاہل وبے خبر عوام کو معادن

۱۔ حاشیہ ۱ص ۲۳۵۔

علم سے دور اور جہالت وشقاوت کی طرف کھینچ لے جاتی ہے لہذا نوع بشر کے حق میں یہ ایک بہت بڑا جرم ہے جس کی تلافی کسی طرح سے بھی ممکن نہیں ہے. لہذا عقلی وشرعی میزان کے مطابق ان قاصر، جاہل اور مجبور عوام کی غلطیوں اور گناہوں کی ذمہ داری ان بے انصاف (جھوٹے پروپیگنڈہ بازوں) کی گردن پر آتی ہے جو اپنے موہوم اور خیالی چند روزہ فوائد کے لیے معارف واحکام الٰہیہ کی نشر واشاعت میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور نوع بشر کی بد بختی وشقاوت کا سبب بنے ہوئے ہیں اور خاندان وحی وتنزیل کا دروازہ لوگوں پر بند کیے ہوئے ہیں" اللهم العنهم لعناً وبيلاً وعذبهم عذاباً اليماً " ۔

قولہ تعالیٰ: اهدنا الصراط المستقيم ...

اے عزیز ! معلوم رہے کہ چونکہ سورۂ شریفہ " حمد " میں ارباب معرفت وریاضت کے سلوک کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے اور " اياک نعبد " تک سلوک من الخلق الی الحق کی ساری کیفیت کا بیان ہے. چنانچہ سالک جب تجلیات افعالیہ سے تجلیات صفاتیہ تک اور تجلیات صفاتیہ سے تجلیات ذاتیہ تک بلند ہوتا ہے اور نورانی وظلمانی حجابات سے نکل کر مقام حضور ومشاہدہ تک پہنچتا ہے تو اس کو فنائے تام کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور استہلاک کلی کا مقام مل جاتا ہے اور جب افق عبودیت کے غروب اور سلطنت مالکیت کے طلوع کے ساتھ "مالک یوم الدین " میں سیر الیٰ اللہ تمام ہوجاتی ہے تو اس سلوک کی انتہا پر تمکن واستقرار کی حالت پیدا ہوتی ہے اور سالک ہوش اور خودی میں آتا ہے اور مقام صحو حاصل ہوجاتا ہے اور وہ اپنے مقام کی طرف متوجہ ہوتا ہے، لیکن توجہ بہ حق کی تبعیت میں، رجوع الیٰ اللہ کی حالت کے برعکس جہاں حق کی طرف توجہ خلق کی طرف توجہ کی تابع ہوتی ہے. بالفاظ دیگر، سلوک الیٰ اللہ کی حالت میں تو حجاب خلقی میں حق کو دیکھ رہا تھا اور " ملک یوم الدین " میں جو فنائے کلی کا مرتبہ حاصل ہوا ہے اس سے رجوع کے بعد نور حق میں خلق کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسی لیے کہتا ہے " اياک نعبد " ضمیر " ایا " اور " کاف " خطاب کو اپنی ذات اور اپنی عبادت پر مقدم کرکے اور چونکہ اس حال کے لیے ممکن ہے، ثبات نہ ہو اور اس مقام میں لغزش کا بھی امکان ہے، لہذا اپنے ثبات ولزوم کو حق سے یہ کہہ کر طلب کرتا ہے " اهـدنا ، اى الزمنا "

جیسا کہ تفسیر کی گئی ہے۔

اور معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مقام جس کا ذکر ہوا اور یہ تفسیر جو بیان ہوئی، کامل اہل معرفت کے لیے ہے جن کا مقام اول یہ ہے کہ سیر الی اللہ سے رجوع کے مقام پر، حق تعالیٰ خلق سے ان کا حجاب ہوجاتا ہے اور ان کا مقام کمال برزخیت کبریٰ کی حالت ہے، جہاں نہ خلق حق کے لیے حجاب ہوتی ہے، جیسے ہم محجوبوں کے لیے ہوتی ہے، اور نہ حق خلق کے لیے حجاب ہوتا ہے، جیسے واصلان مشتاق اور فانیان مجذوب کے لیے۔

پس ان (کامل اہل معرفت) کا "صراط مستقیم" اس حالت برزخیت سے عبارت ہے جو نشاتین کے درمیان واسطہ ہے اور وہی صراط حق ہے۔ اس بنا پر "الذین انعمت علیھم" سے مراد یہی لوگ ہیں جن کے لیے "فیض اقدس" کی تجلی سے حق تعالیٰ نے استعداد مقدر کی ہے اور فنائے کلی کے بعد ان کو اپنی مملکت میں واپس بھیجا ہے اور "مغضوب علیھم" اس تفسیر کی بنا پر، وہ لوگ ہیں جو وصول (الی الحق) سے پہلے محجوب ہوں اور "ضـالین" وہ لوگ ہیں جو حضور میں فانی ہوں۔

رہے وہ لوگ جو غیر کامل (معرفت رکھتے) ہیں۔ وہ اگر وارد سلوک ہی نہیں ہوئے تو یہ امور ان کے بارے میں صحیح نہیں ہیں اور ان کا "صراط" صراط ظاہر شریعت ہے۔ اسی بنا پر "صراط مستقیم" کی تفسیر "دین" اور "اسلام" اور ان جیسے الفاظ سے کی گئی ہے اور اگر وہ اہل سلوک سے ہیں تو "ہدایت" سے مراد راہنمائی اور "صراط مستقیم" سے مراد وصول الی اللہ کا نزدیک تر راستہ ہے، یعنی رسول اللہ (ص) اور ان کے اہل بیت طاہرین علیہم السلام کا راستہ، جیسا کہ رسول، ائمہ ھدیٰ اور امیرالمؤمنین علیہم السلام سے تفسیر وارد ہوئی ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ص) نے ایک خط مستقیم (سیدھی لکیر) کھینچی اور اس کے ادھر ادھر بھی لکیریں کھینچیں اور فرمایا: "یہ درمیانی خط مستقیم میرا ہے (۱)" اور شاید "امت وسط" جس کا خداوند عالم نے ذکر فرمایا ہے: "جعلنا کم امۃ وسطاً (۲)" وسطیت مطلق اور تمام معانی میں ہے جن میں روحانی معارف و کمالات کی وسطیت بھی

۱۔ اسی معنی سے قریب، علم الیقین، ج ۲ ص ۹۶۷ میں روایت ہے۔

۲۔ "تم کو ہم نے درمیانی امت قرار دیا" سورۂ بقرہ / ۱۴۳۔

شامل ہے جو برزخیت کبریٰ اور وسطیت عظمیٰ کا مقام ہے. لہذا یہ مقام اللہ کے اولیائے کاملین کے ساتھ مختص ہے. اسی لیے روایت میں وارد ہوا ہے کہ اس آیت سے ائمہ ھدیٰ علیہم السلام مراد ہیں. چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے یزید بن معاویہ عجلی سے فرمایا: "ہم ہیں امت وسط، اور ہم ہیں خلق پر اللہ کے گواہ (۱) " دوسری روایت میں فرماتے ہیں: " ہماری طرف رجوع کرتا ہے غالی (حد سے بڑھ جانے والا) اور ہم سے ملحق ہوتا ہے مقصر (حد سے پیچھے رہ جانے والا) (۲) " اور اس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو بیان ہوچکا.

تنبیہ اشراقی اور اشراق عرفانی

اے طالب حق و حقیقت! معلوم رہے کہ حق تعالیٰ نے چونکہ نظام وجود اور مظاہر غیب و شہود کی تخلیق، اسماء و صفات کے حضور کے ذریعہ اپنے پہچانے جانے سے اپنی ذاتی محبّت کی بنا پر فرمائی ہے، جیسا کہ حدیث شریف قدسی " کنت کنزاً مخفیاً، فاحببت ان اعرف، فخلقت الخلق لکی اعرف (۳) " سے معلوم ہوتا ہے. اس لیے تمام موجودات کی فطرت میں حبّ ذاتی و عشق جبلی ودیعت اور ایجاد فرمایا ہے اور اسی جذبہ الہیہ اور آتش عشق ربانی کی وجہ سے وہ کمال مطلق کی طرف متوجہ اور جمیل علی الاطلاق کے عاشق و طالب ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک فطری الہی نور قرار دیا ہے جس کے ذریعہ مقصد اور مقصود تک پہنچنے کا راستہ دریافت کرتے ہیں. یہ نار اور یہ نور وصول الی الحق کا رفرف اور بلندی تک پہنچنے کا براق ہے اور شاید حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا " رفرف " اور " براق " اسی نکتہ کی باریک اور لطیف شکل اور اسی حقیقت کی ملکی مثالی صورت ہو. اسی لیے وہ بہشت سے جو اس عالم کا باطن ہے نازل ہوا تھا.

اور چونکہ موجودات مراتب تعینات میں نازل کیے گئے ہیں اور جمال جمیل محجب جلّت عظمتہ

۱۔ اصول کافی، ج ۱ ص ۲۷۰ " کتاب الحجہ، باب فی ان الائمۃ شہداء اللہ علیٰ خلقہ " حدیث ۲

۲۔ تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۶۳ حدیث ۱۱۱.

۳۔ " میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں خلق کو پیدا کیا تاکہ پہچانا جاؤں " اسرار الحکم، ص ۲۰.

سے محجوب ہوگئے ہیں، لہذا حق تعالیٰ اس نار اور اس نور کے ساتھ ان کو تعینات ظلمانیہ اور انیات نورانیہ کے پردوں سے "ھادی" کے اسم مبارک کے ساتھ جو ان باریک ولطیف صورتوں کی حقیقت ہے باہر لے آتا ہے. پس "ہدایت" حق تعالیٰ کا یہی نور اور "توفیق" الٰہی اور طریق اقرب پر سیر وسلوک کی یہی نار "صراط مستقیم" ہے اور حق تعالیٰ اسی صراط مستقیم پر ہے اور شاید آیہ شریفہ "ما من دابة الا هو آخذ بناصيتها ان ربى علىٰ صراط مستقيم [۱]" سے اسی ہدایت اسی سیر اور اسی مقصد کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ اہل معرفت کے لیے ظاہر ہے۔

اور معلوم ہونا چاہیے کہ موجودات میں سے ہر ایک کے لیے خود اس کے ساتھ خاص صراط اور مخصوص نور وہدایت ہے "والطرق الى الله بعدد انفاس الخلائق [۲]" اور چونکہ ہر تعین میں ایک ظلمانی حجاب اور ہر وجود وانیت میں ایک نورانی حجاب ہے اور انسان مجمع تعینات اور جامع وجودات ہے اس لیے وہ حق تعالیٰ سے تمام موجودات میں محجوب ترین موجود ہے اور شاید آیہ کریمہ اسی معنیٰ کی طرف اشارہ ہو: "ثم رددناه اسفل سافلين [۳]" اور اسی وجہ سے انسان کا صراط زیادہ طولانی اور زیادہ ظلمانی ہے. اس کے علاوہ چونکہ انسان کا "ربّ" اسم اللہ الاعظم کا حضور ہے کہ ظاہر وباطن، اول وآخر، رحمت وقہر اور بالآخر اسمائے متقابلہ ومتضادہ جس کی نسبت سے برابر ہیں. لہذا خود انسان کو منتہائے سیر میں مقام برزخیت کبریٰ حاصل ہونا چاہیے. اسی لیے اس کا صراط سب سے زیادہ باریک ہے۔

تنبیہ ایمانی

جیسا کہ بیان کیا گیا اور معلوم ہوگیا، ہدایت کے لیے سیر سائرین کے انواع کے لحاظ سے اور سلوک سالکین کے مراتب کے اعتبار سے مراتب ومقامات ہیں. ہم بطور اجمال بعض مقامات کی طرف

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۲۰۰۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۳۱۔

۳۔ "... تب ہم نے اس کو پست جگہوں میں سے سب سے پست جگہ پلٹا دیا" سورۂ تین / ۵۔

اشارہ کرتے ہیں تاکہ ضمناً "صراط مستقیم، صراط مفرطین اور صراط مفرّطین" جو "مغضوب علیہم" اور "ضآلین" ہیں۔ ہر مرتبہ کے مطابق معلوم ہوجائے۔

پہلا مقام، ہدایت فطری کا نور ہے جس کی طرف تنبیہ سابق میں اشارہ کیا جاچکا۔ ہدایت کے اس مرتبہ میں صراط مستقیم ملکی یا ملکوتی حجابات کے بغیر سلوک الیٰ اللہ ہے یا معاصی قالبیہٗ ومعاصی قلبیہ کے بغیر سلوک الیٰ اللہ ہے یا غلو وتقصیر کے حجابات کے بغیر سلوک الیٰ اللہ ہے یا نورانی یا ظلمانی حجابوں کے بغیر سلوک الیٰ اللہ ہے یا وحدت یا کثرت کے حجابات کے بغیر سلوک الیٰ اللہ ہے اور شاید "یضل من یشاء ویھدی من یشآء (۱)" ہدایت اور احتجابات کے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہو جو خدا کے حضور میں مقدر ہوا ہے جو ہمارے نزدیک حضرات اعیان ثابتہ میں تجلّی کا مرتبہ واحدیت ہے۔ اس کی تفصیل اس رسالہ کے حوصلہ سے بلکہ تحریر وبیان سے باہر "وھو سر من اسرار اللہ وستر من استار اللہ (۲)"۔

دوسرا مقام، ہدایت بہ نور قرآن ہے۔ اس کے مقابل اس کی معرفت میں غلو وتقصیر یا ظاہر پر وقوف وقناعت یا باطن پر وقوف وقناعت ہے۔ جیسا کہ بعض اہل ظاہر علوم قرآن کو معانی عرفیہ عامیہ اور مفاہیم سوقیہٗ وضعیہٗ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی اعتقاد کے ساتھ اس میں تفکر وتذکر کرتے ہیں اور ان کا استفادہ اس صحیفہ نورانیہٗ سے جو روحانی وجسمانی اور قالبی وقلبی سعادتوں کا ذمہ داری ہے، صوری وظاہری دستورات میں منحصر ہے اور ان تمام آیات کہ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان میں تدبر وتفکر لازم یا بہتر ہے اور نور قرآن سے روشنی حاصل کرنے کو تاکہ معرفت کے دروازے کھلیں، پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔ گویا قرآن دنیا، حیوانی لذات، مقام حیوانیت کی تاکید اور بہیمانہ شہوات کی تائید کے لیے آیا ہے۔

بعض اہل باطن، اپنے گمان میں، ظاہر قرآن اور قرآن کی صوری دعوتوں سے جو محضر الٰہی کے

۱۔ "جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے" سورۂ نحل/ ۹۳ ۔ فاطر/ ۸۔

۲۔ قال امیر المؤمنین علیہ السلام فی القدر، "الا ان القدر سر من سر اللہ، وستر من ستر اللہ" التوحید، ص ۳۸۳ "باب القضاء والقدر..." حدیث ۳۲۔

آداب سکھانے اور سلوک الی اللہ کا دستور ہے اور یہ لوگ اس غافل ہیں، روگردانی کرتے ہیں اور ابلیس لعین اور نفس امارہ کی تلبیسات میں پڑکر ظاہر قرآن سے منحرف اور اپنے خیال میں قرآن کے علوم باطنیہ میں مشغول ہیں۔ حالانکہ ظاہری آداب ہی باطن تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔

لہذا یہ دونوں ہی گروہ راہ اعتدال سے الگ، قرآنی صراط مستقیم تک پہنچنے کے نور ہدایت سے محروم اور افراط وتفریط کا شکار ہیں اور عالم محقق وعارف مدقق کو چاہئے کہ ظاہر و باطن دونوں کا لحاظ رکھے اور صوری و معنوی دونوں طرح کے آداب سے آراستہ ہو جس طرح اپنے ظاہر کو نور قرآن سے منور کرے اسی طرح اپنے باطن کو اس کے انوار معارف وتوحید و تجرید سے نورانی بنائے۔

اہل ظاہر کو معلوم ہو کہ قرآن کو محض ظاہری صوری آداب اور مٹھی بھر توحید واسماء وصفات سے متعلق عام عقائد اور عملی واخلاقی دستورات تک محدود رکھنا، قرآن کا حق نہ پہچاننے کے مرادف اور شریعت ختمی مرتبت (ص) کو ناقص جاننے کے برابر ہے جبکہ اس سے زیادہ کامل شریعت کا تصور ممکن نہیں ہے۔ ورنہ عدل کے تقاضے کی بناپر اس کو آخری شریعت کہنا ناممکن ہوجائے گا تو چونکہ شریعت آخری شریعت اور قرآن آخری آسمانی کتاب اور خالق و مخلوق کے درمیان آخری رابطہ ہے، لہذا حقائق توحید و تجرید اور معارف الہیہ کو جو آسمانی ادیان وشرائع اور اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں کا اصلی مقصد اور حقیقی غرض وغایت ہیں، اوج کمال کا منتہیٰ اور آخری مرتبہ ہونا چاہئے۔ ورنہ شریعت میں نقص لازم آئے گا جو عدل الہی اور لطف ربانی کے خلاف ہے اور یہ خود ایک ایسا ذلیل وپست محال اور ایسا قبیح عار ہے جس کے ننگ وعار کا ایک دھبہ بھی ادیان حقہ کی چہرہ سے ساتوں سمندروں میں دھوئے جانے کے بعد بھی نہیں چھوٹ سکتا، والعیاذ باللہ۔

اور اہل باطن کو معلوم ہو کہ مقصد اصلی اور غایت حقیقی تک پہنچنا، تطہیر ظاہر وباطن کے بغیر ممکن نہیں اور صورت وظاہر کو وسیلہ بنائے بغیر لب وباطن تک رسائی نہیں ہوسکتی اور ظاہر شریعت کا لباس زیب تن کیے بغیر باطن تک پہنچنے کی راہ پیدا نہیں ہوسکتی۔ لہذا ظاہر کو ترک کرنے سے شریعت کے ظاہر اور باطن دونوں کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ شیطان جن وانس کے تلبیات میں سے

ہے. ہم نے اس مطلب کو کچھ کتاب شرح اربعین حدیث (۱) میں بیان کیا ہے۔

تیسرا مقام، نور شریعت سے ہدایت ہے۔

چوتھا مقام، نور اسلام سے ہدایت ہے۔

پانچواں مقام، نور ایمان سے ہدایت ہے۔

چھٹا مقام، نور یقین سے ہدایت ہے۔

ساتواں مقام، نور عرفان سے ہدایت ہے۔

آٹھواں مقام، نور محبت سے ہدایت ہے۔

نواں مقام، نور ولایت سے ہدایت ہے۔

دسواں مقام، نور تجرید وتوحید سے ہدایت ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے لیے افراط وتفریط اور غلو وتقصیر کی دو طرف ہیں. جن کی تفصیل موجب تطویل ہوگی اور شاید ان میں سے بعض یا تمام مراتب کی طرف کافی کی حدیث شریف میں اشارہ ہو جن میں ارشاد ہے: "نحن آل محمد، النمط الاوسط الذی لا یدرکنا الغالی ولا یسبقنا التالی (۲)"۔

اور حدیث نبوی (ص) ہے: "خیر ھذہ الامۃ النمط الاوسط یلحق بھم التالی ویرجع الیھم الغالی (۳)"۔

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۵۹۔

۲۔ "ہم آل محمدؐ درمیانی گروہ ہیں، حد سے بڑھ جانے والا ہم تک نہیں پہنچتا اور ہمارا پیروکار ہم سے آگے نہیں بڑھتا"۔

اصول کافی، ج ۱ ص ۱۳۶ "کتاب التوحید، باب النہی عن الصفۃ..." حدیث ۳۔

۳۔ "اس امت میں سب سے بہتر درمیانی گروہ ہے۔ ان سے پیچھے چلنے والا آن سے مل جاتا ہے اور حد سے بڑھنے والا واپس لوٹتا ہے"۔ لسان العرب، مادۂ "نمط"، ج ۷، ص ۴۱۷۔ روایت حضرت علی علیہ السلام سے نقل کی ہے۔

تنبیہ عرفانی

معلوم ہو کہ عالم غیب وشہادت اور عالم دنیا وآخرت کے موجودات میں سے ہر ایک کے لیے ایک کا ایک مبدا ہے اور ایک معاد. اگر مبدا کل اور مرجع کل ذات الٰہی ہے، لیکن چونکہ اسماء کے حجاب کے بغیر موجودات عالیہ یا سافلہ پر ذات حق تعالیٰ کی بالذات کوئی تجلی نہیں ہے اور اس مقام کے مطابق جو ایک "بے اسم ورسم لامقامی" ہے اور موجودات میں سے کسی ایک کو بھی اس سے کوئی تناسب نہیں ہے اور کسی ارتباط واختلاط کی گنجائش نہیں ہے "این التراب و ربّ الارباب (۱)" چنانچہ اس لطیف نکتہ کی تفصیل ہم نے مصباح الہدایۃ (۲) میں پوری طرح بیان کی ہے. لہٰذا ذات مقدس کی مبدایت ومصدریت اسماء کے حجابات میں ہے اور اسم اس کا عین مسمیٰ ہونے کے باوجود اس کا حجاب بھی ہے. اس لیے عوالم غیب وشہادت تجلی اسماء کے مطابق اور اسماء ہی کے حجاب میں ہوتی ہے. اس طرح جلوۂ اسماء وصفات میں ذات مقدس کی تجلیات ہیں جنہیں اہل معرفت "اعیان ثابتہ" کہتے ہیں. اس بنا پر ہر تجلی اسمی کے لیے حضور علمی میں ایک عین ثابت لازم ہے اور ہر اسم کے لیے تعین علمی کے ساتھ نشئہ خارجیہ میں ایک مظہر ہے جس کا مبدا ومرجع وہی اسم ہے جو اس سے تناسب رکھتا ہے اور موجودات عالم کثرت میں سے ہر موجود کی بازگشت جس غیب اسم کی طرف ہوتی ہے اور جو اس کا مبدا ومصدر ہے وہی اس کے "صراط مستقیم" سے عبارت ہے. لہٰذا ہر ایک کی ایک مخصوص سیر اور ایک مخصوص صراط ہے اور ایک مخصوص مبدا ومرجع ہے جو طوعاً یا کرہاً حضرت علم میں مقدر ہے اور مظاہر وصراط کا اختلاف ظاہر اور حضرات اسماء کے اختلاف سے ہوتا ہے.

اور معلوم رہے کہ "تقویم" انسان اعلیٰ علیین میں، جمع اسمائی ہے. اسی جہت سے "اسفل سافلین" کی طرف اسے رد کیا گیا ہے اور اس کا صراط اسفل سافلین سے شروع ہوتا ہے اور اعلیٰ علیین پر تمام

۱۔ "خاک کہاں، رب الارباب کہاں!" عفیف عسیران مصحح کتاب تمہیدات عین القضاۃ" ص ۲۷۶ پر اس کو حدیث کے عنوان سے تحریر کیا ہے. اسرار الحکم سبزواری، ص ۲۳.

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۲۰۰.

ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا صراط ہے جن پر اللہ نے نعمت مطلقہ عطا کر کے انعام کیا ہے۔ یہ نعمت کمال جمع اسمائی کی نعمت ہے جو نعمات الٰہیہ میں سب سے اعلیٰ نعمت ہے۔

دوسرے صراط، چاہے سعداء اور "منعم علیہم" کے صراط ہوں یا اشقیاء کے صراط ہوں، نعمت مطلقہ کا فیض جتنا کم ہوگا اسی کے بقدر افراط وتفریط کی دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف میں داخل ہوں گے۔ پس انسان کامل کا صراط فقط صراط "منعم علیہم" ہے بہ قول مطلق اور یہ صراط اصالتاً ذات مقدس حضرت ختمی مرتبت (ص) سے مختص ہے اور دیگر اولیاء وانبیاء کے لیے آنحضرت (ص) ہی کی تبعیت میں ثابت ہے اور اس کلام کا سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ نبی اکرم (ص) خاتم الانبیاء ہیں، حضرات "اسماء واعیان" کے سمجھنے کا محتاج ہے جس کو رسالہ مصباح الہدایۃ میں ہم نے بیان کیا ہے۔

واللہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد

ایک اقتباس، مزید توضیح کے لیے

شیخ جلیل بہائی (قدس سرہ)، رسالہ عروۃ الوثقیٰ میں فرماتے ہیں: "خدائے سبحان کی نعمتیں اگرچہ اس سے اجل ہیں کہ ان کی حد بندی کی جاسکے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (۱)" لیکن وہ دو جنس کی ہیں۔ ایک دنیاوی نعمتیں، دوسری اخروی نعمتیں اور ان میں سے ہر ایک یا موہبت وعطا ہے یا اجر وجزا اور ان میں ہر ایک یا روحانی ہے یا جسمانی۔ یہ مجموعی طور پر آٹھ قسمیں ہوتی ہیں:۔

اول، دنیاوی موہبتی روحانی نعمت، جیسے نفخ روح اور عقل وفہم کا فیض۔

دوم، دنیاوی موہبتی جسمانی نعمت، جیسے اعضاء اور ان کے قویٰ کی تخلیق۔

سوم، دنیاوی کسبی روحانی نعمت، جیسے نفس کا امور دنیہ سے تخلیہ اور اس کو اخلاق پاکیزہ اور ملکات عالیہ سے آراستہ کرنا۔

۱۔ "اگر نعمات خدا کو شمار کرنا چاہو گے تو نہیں کر سکو گے" سورہ ابراہیم / ۳۴ ۔ نحل / ۱۸۔

چہارم، دنیاوی کسبی جسمانی نعمت، جیسے پسندیدہ شکل وصورت اور اچھے خد وخال سے پیراستہ کرنا.
پنجم، اخروی موہبتی روحانی نعمت، جیسے ہمارے گناہوں کو بخشنا اور ہم میں سے اس شخص سے راضی ہوجانا جس نے سابق میں توبہ کرلی ہو.

شیخ بہائی علیہ الرحمہ کی عبارت اس مثال میں یوں ہی ہے جیسی ذکر کی گئی اور بظاہر نسخہ نویس سے اشتباہ ہوا ہے. شاید مقصود یہ ہو کہ حق تعالیٰ ہم کو سابق میں توبہ کے بغیر بخش دے گا، فراجع.
ششم، اخروی موہبتی جسمانی نعمت، جیسے دودھ اور شہد کی نہریں.

ہفتم، اخروی کسبی روحانی نعمت، جیسے سابق میں توبہ کی وجہ سے بخشش ورضا اور جیسے وہ روحانی لذتیں جو اطاعات کے عمل میں لانے سے حاصل ہوں.

ہشتم، اخروی کسبی جسمانی نعمت، جیسے جسمانی لذتیں جو اطاعت کے عمل میں لانے سے حاصل ہوں. اور اس جگہ نعمت سے چار آخری نعمتیں مراد ہیں اور جو چیزیں ان چار قسم کی نعمتوں تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتی ہیں وہ پہلی چار قسمیں ہیں." کلام شیخ قدس سرہ کا ترجمہ تمام ہوا (۱).

شیخ کی یہ تقسیمات اگرچہ لطیف تقسیمات ہیں، لیکن سب سے اہم الٰہی نعمت اور کتاب الٰہی کا سب سے بڑا مقصد شیخ بزرگوار کے قلم سے چھوٹ گیا اور فقط ناقصین ومتوسطین کو ملنے والی نعمتوں پر اکتفا ہوگئی ہے اور ان کے کلام میں اگرچہ لذات روحانی کا بھی نام لیا گیا ہے، لیکن اخروی روحانی لذت جو فعل طاعات سے حاصل ہو وہ متوسطین کا حصہ ہے. اگر ہم یہ نہ کہیں کہ ناقصین کا حصہ ہے.

وبالجملہ، جن نعمتوں کا ذکر شیخ بزرگوار نے فرمایا اور جو لذات حیوانیہ اور حظوظ نفسانیہ کی طرف پلٹتی ہیں ان کے علاوہ اور بھی نعمتیں ہیں جن میں سب سے عمدہ تین ہیں:

اول، معرفت ذات ومعرفت توحید ذاتی کی نعمت، جس کی اصل سلوک الیٰ اللہ اور جس کا نتیجہ بہشت لقاء ہے اور اگر سالک کی نظر نتیجہ پر ہو تو یہ سلوک کا نقص ہے، کیونکہ یہ "خود اور لذات خود" کو ترک کرنے کا مقام ہے اور نتیجہ کے حصول کی طرف توجہ "خود کی طرف توجہ" ہے اور یہ خود پرستی ہے

۱۔ رسالہ عروۃ الوثقیٰ، ص ۳۸.

خدا پرستی نہیں، تکثیر ہے توحید نہیں اور تلبیس ہے تجرید نہیں۔

دوم، معرفت اسماء کی نعمت اور کثرت اسمائی کے مطابق اس نعمت کے بہت سے شعبے ہیں اور اگر ان کے مفردات کا حساب کیا جائے تو ہزار ہیں اور اگر دو یا چند اسموں کی ترکیبات کے ساتھ حساب کیا جائے تو حد احصاء سے خارج ہیں "وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها" اور توحید اسمائی اس مقام پر معرفت "اسم اعظم" کی نعمت ہے جو جمع اسماء کا مقام احدیت ہے اور معرفت اسماء کا نتیجہ ہر شخص کے لیے ایک اسم یا چند کی معرفت کے بقدر فرداً یا جمعاً بہشت اسماء ہے۔

سوم، معرفت افعال کی نعمت، اس نعمت کے بھی کثیر اور لامحدود شعبے ہیں اور اس مرتبہ میں مقام توحید جمع تجلیات فعلیہ کا مقام احدیت ہے جو مقام "فیض مقدس" اور مقام "ولایت مطلقہ" ہے اور اس کا نتیجہ "بہشت افعالی" ہے، یعنی قلب سالک میں حق تعالیٰ کے تجلیات افعالی اور شاید حضرت موسیٰ بن عمران کے لیے اول امر میں جو تجلی ہوئی جس کو دیکھ کے انہوں نے کہا: "آنست ناراً (۱)" تجلی افعالی تھی اور وہ تجلی جس کی طرف قول خدائے تعالیٰ: "فلما تجلیٰ ربه للجبل جعله دکاً وخر موسیٰ صعقاً (۲)" تجلی اسمائی تھی یا تجلی ذاتی۔

پس صراط "منعم علیہم" مقام اول میں، "صراط" سلوک الیٰ ذات اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں تجلی ذاتی ہے اور دوسرے مقام میں "صراط" سلوک بہ اسماء اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں، تجلیات اسمائی ہیں اور مقام سوم میں "صراط" سلوک بہ فعل اللہ ہے اور نعمت اس مقام میں، تجلیات افعالی ہیں۔ جن لوگوں کو یہ مقامات حاصل ہیں، ان کی نظر عام بہشتوں اور لذتوں کی طرف نہیں ہوتی، چاہے روحانی ہوں یا جسمانی۔ جیسا کہ روایات میں بھی بعض مؤمنین کے لیے یہ مقام ثابت کیا گیا ہے (۳)۔

۱۔ سورۂ طٰہٰ / ۱۰۔ نمل / ۷۔ قصص / ۲۹۔

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۳۴۰۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۷۷ ص ۲۳۔

خاتمة

معلوم رہے کہ سورۂ مبارک " حمد " جس طرح تمام مراتب وجود پر مشتمل ہے اسی طرح تمام مراتب سلوک کو بھی شامل ہے. نیز بطور اشارہ، تمام مقاصد قرآن کو بھی شامل ہے اور ان مطالب میں غور وفکر اگرچہ ایک مکمل بحث اور اس گفتگو کے علاوہ ایک مستقل گفتگو کی ضرورت کا متقاضی ہے، لیکن ان میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ بھی اہل معرفت ویقین کے لیے فائدہ، بلکہ فوائد سے خالی نہیں ہے.

پس مقام اول کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے "بسم اللہ الرحمن الرحیم " تمام دائرۂ وجود اور نزول وصعود کی دو کمانوں کی طرف اشارہ ہو. لہذا " اسم اللہ " قبض وبسط کا مقام احدیت اور " رحمن " بسط وظہور کا مقام احدیت ہے جو قوس نزول ہے اور " رحیم " قبض وبطون کا مقام احدیت ہے جو قوس صعود ہے اور " الحمدللہ " ہوسکتا ہے، عالم جبروت اور ملکوت اعلیٰ جن کی حقیقتیں محامد مطلقہ ہیں، کی طرف اشارہ ہو اور " ربّ العالمین " " تربیت " اور " عالمین " کی مناسبت سے جو مقام سوائیت ہے، عوالم طبیعت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جو جوہر ذات ہی سے متحرک ومنظم اور اسی کے زیر تربیت ہیں اور " مالک یوم الدین " مقام وحدت وقہاریت اور مقام رجوع دائرۂ وجود کی طرف اشارہ ہے اور اس مقام پر تمام دائرۂ وجود نزول وصعود دونوں طرح سے ختم ہوجاتا ہے.

مقام دوم کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ " استعاذہ " جو مستحب ہے، شاید غیرحق کے ترک اور سلطنت شیطانی سے فرار کی طرف اشارہ ہو اور چونکہ یہ (استعاذہ) مقامات کا مقدمہ ہے، ان مقامات کا جزء نہیں ہے، کیونکہ (رذائل سے) تخلیہ (فضائل سے) تحلیہ (آراستگی) کا مقدمہ ہے اور چونکہ بالذات مقامات کمالیہ میں نہیں ہے. اس وجہ سے، استعاذہ سورۂ کا جزء نہیں ہے، بلکہ سورۂ میں داخل ہونے کا مقدمہ ہے اور "تسمیہ " شاید توحید فعلی وذاتی کی طرف اشارہ ہو اور دونوں میں جمع کی طرف بھی اشارہ ہو اور " الحمد للہ " سے " ربّ العالمین " تک شاید توحید فعلی کی طرف اشارہ ہو اور " مالک یوم الدین " فنائے کامل اور توحید ذاتی کی طرف اشارہ ہو اور " ایاک نعبد " سے حالت صحو ورجوع

شروع ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں "استعاذہ" خلق سے حق کی طرف سفر اور بیت نفس سے خروج ہے اور "تسمیہ" خلقیت اور عالم کثرت سے الگ ہونے کے بعد حقانیت کے ساتھ تحقق کی طرف اشارہ ہے اور "الحمد للہ" سے "رب العالمین" تک "حق سے، حق کے لیے، حق میں سفر" کی طرف اشارہ ہے اور "مالک یوم الدین" میں یہ سفر تمام ہوجاتا ہے اور "ایاک نعبد" میں حق سے خلق کی طرف سفر صحو ورجوع کے حصول کے ذریعہ شروع ہوتا ہے اور "اھدنا الصراط المستقیم" میں یہ سفر تمام ہوجاتا ہے۔

مقام سوم کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ سورۂ شریفہ قرآن شریف میں مذکور مقاصد الٰہیہ میں سے سب سے اہم اور عمدہ مقصد پر مشتمل ہے، کیونکہ قرآن کے اصل مقاصد معرفۃ اللہ کی تکمیل، توحیدات ثلاثہ کی تحصیل، حق وخلق کے ما بین رابطہ، سلوک الی اللہ کی کیفیت، لطیف ورقیق قوتوں کی حقیقۃ الحقائق کی طرف واپسی، تجلیات الٰہیہ کی جمعاً وتفصیلاً اور فرداً وترکیباً معرفی، سلوک و تحقق کے اعتبار سے خلق کی رہبری اور بندوں کی علمی، عملی اور عرفانی وشہودی تعلیم ہیں اور یہ تمام حقائق اس سورۂ شریفہ میں کمال ایجاز واختصار کے ساتھ جو قرآن کی ایک خصوصیت ہے، موجود ہیں۔

پس یہ سورۂ شریفہ "فاتحۃ الکتاب" اور "امّ الکتاب" اور مقاصد قرآن کی اجمالی صورت ہے اور چونکہ کتاب الٰہی کے تمام مقاصد کی بازگشت ایک ہی مقصد، یعنی حقیقت توحید کی طرف ہے جو تمام نبوتوں کی غایت اور تمام انبیاء علیہم السلام کے مقاصد کی نہایت ہے اور توحید کے حقائق واسرار آیۂ مبارکہ "بسم اللہ" میں پوشیدہ ہیں۔ اسی لیے یہ آیۂ شریفہ آیات الٰہیہ میں سب سے زیادہ باعظمت ہے اور کتاب الٰہی کے تمام مقاصد پر مشتمل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہے [۱] اور چونکہ "باء" ظہور توحید اور نقطہ تحت الباء [۲] سر توحید ہے اس لیے تمام کتاب ظہور وسرّ دونوں طرح سے اس "باء" میں موجود ہے اور انسان کامل، یعنی حضرت علی علیہ السلام کا وجود مبارک سرّ

۱۔ بحار الانوار، ج ۹۲ ص ۲۳۸ اس سلسلہ میں تین حدیثیں بیان کی ہیں۔

۲۔ قولنا تحت الباء اور اگر اشکال پیدا ہو کہ کوئی رسم الخط میں جو نزول قرآن کے وقت رائج تھا، نقطہ کا وجود نہ تھا تو کہا جا سکتا ہے کہ اس سے حقیقت وواقعیت کو کوئی ضرر نہیں پہونچتا۔ اگرچہ نقش ظہور کے اعتبار سے متاخر ہو، کیونکہ حقائق پر اس ==

توحید کا نقطہ ہے (۱) اور عالم میں کوئی آیت حضرت ختمی مرتبت (ص) کے بعد آپ کے وجود مبارک سے زیادہ عظیم نہیں ہے. جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے (۲).

تتمة

اس سورۂ مبارکہ کی فضیلت میں چند روایات شریفہ:

منها ما روی عن النبی صلی الله علیه وآله، انه قال لجابر بن عبدالله الانصاری رضی الله عنه: " یا جابر، الا اعلمک افضل سورة انزلها الله فی کتابه؟ فقال له جابر: بلیٰ، بابی انت وامی یا رسول الله، علمنیها. قال: فعلمه " الحمد " ام الکتاب. ثم قال: یا جابر، الا اخبرک عنها؟ قال: بلیٰ، بابی انت وامی یا رسول الله، اخبرنی. قال: هی شفاء من کل داء الا السام (۳) ".

اور ابن عباسؓ حضرت رسول اللہ (ص) سے روایت کرتے ہیں، آپ (ص) نے فرمایا: " ہر چیز کی ایک اساس ہوتی ہے اور اساس قرآن " فاتحہ " ہے اور اساس " فاتحہ " " بسم اللہ الرحمن الرحیم " ہے (۴) ".

= کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ اس دعوے کی صحت بھی بطور مطلق اطمینان بخش دلیل نہیں بنتی اور صرف تعارف عدم مطلق کی دلیل نہیں ہے. تامل.

۱۔ " انا النقطة تحت الباء " اسرار الحکم، ص ۵۵۹.

۲۔ تفسیر صافی، ج ۲ ص ۷۷۹ ذیل آیۂ شریفہ " عن النبا العظیم ".

۳۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے جابر عبداللہ الانصاریؓ سے فرمایا: " اے جابر! کیا میں تمہیں وہ بزرگ ترین سورہ جو خدا نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے تمہیں نہ سکھاؤں؟ جابر نے عرض کی: کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان یا رسول اللہ! مجھے سکھائیے. جناب رسول خداؐ نے " سورۂ حمد " ام الکتاب انہیں تعلیم دی اور فرمایا: اے جابر! کیا تمہیں اس سورہ سے آگاہ نہ کروں؟ جابر نے کہا: کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں یا رسول اللہ مجھے اس سے باخبر کیجئے. فرمایا: وہ موت کے سوا ہر مرض سے شفا ہے ". تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۲۰ حدیث ۹.

۴۔ مجمع البیان، ج ۱ ص ۱۷.

آنحضرت (ص) ہی سے منقول ہے کہ " فاتحۃ الکتاب " میں ہر مرض سے شفا ہے (۱).

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس کو " الحمدللہ " سے شفا نہ ملے اسے کسی چیز سے شفا نہیں مل سکتی (۲).

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدائے تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: " اے محمد! ہم نے یقیناً تمہارے لیے سبع مثانی اور قرآن عظیم بھیجا (۳) ".

اس کے علاوہ ایک اور احسان مجھ پر کیا فاتحۃ الکتاب کے ذریعہ اور اس کو قرآن کا مد مقابل قرار دیا اور یقیناً فاتحۃ الکتاب عرش کے خزانوں میں بزرگ ترین چیز ہے اور خدائے تعالیٰ نے اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختص کیا اور اس سے آپ کو شرف بخشا اور اس شرف میں آپ کے ساتھ اپنے انبیاء میں سے کسی کو شریک نہیں کیا سوائے حضرت سلیمانؑ کے، جنہیں فاتحۃ الکتاب میں سے فقط " بسم اللہ الرحمن الرحیم " عطا فرمائی. چنانچہ بلقیس کے بارے میں حکایت کرتا ہے کہ اس نے کہا: " انی القی الی کتاب کریم انه من سلیمان وانه بسم الله الرحمن الرحیم (۴) ". پس جو شخص اس کی تلاوت کرے اس طرح کہ محمد وآل محمد (ص) کی محبت دل میں رکھتا ہو اور اس (قرآن) کے حکم کا پیرو ہو اور اس کا ظاہر بھی مؤمن ہو اور باطن بھی تو خداوند عالم اس کی ہر حرف (کی قرائت) کے بدلے میں ایک نیکی عطا فرماتا ہے، جن میں ہر ایک نیکی اس کے لیے دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے، مال و دولت، سب سے بہتر ہے اور جو شخص قرآن پڑھنے والے کی تلاوت کو سنے اس کو قاری کے ثواب کے ایک تہائی کے برابر ثواب ملے گا. لہذا تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ جو خیر اس کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس میں اضافہ کرے، کیونکہ وہ غنیمت ہے. ایسا نہ ہو کہ اس کا وقت

۱۔ دونوں سابقہ حوالہ.

۲۔ تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۲۰ حدیث ۱۰. بحار الانوار، ج ۸۹ ص ۲۳۷ حدیث ۳۴.

۳۔ " ولقد آتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم " سورۂ حجر / ۸۷.

۴۔ سلیمان کی طرف سے ایک نامہ گرامی مجھ تک پہنچا ہے اور اس میں یہ ہے " بسم اللہ الرحمن الرحیم " سورۂ نمل / ۲۹۔۳۰

ہاتھ سے نکل جائے اور تمہارے دل میں اس کی حسرت رہ جائے (۱).

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "اگر مردے پر ستر مرتبہ "حمد" پڑھ دیں اور اس کی روح واپس آجائے تو کچھ عجب نہیں ہے (۲)".

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ "جو شخص فاتحۃ الکتاب کی قرائت کرے تو دو ثلث قرآن کی قرائت کا ثواب اسے ملتا ہے (۳)" دوسری روایت میں ہے کہ "ایسا ہے جیسے پورے قرآن کی تلاوت کی ہو (۴)".

ابی بن کعب سے روایت ہے وہ کہتا ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے فاتحۃ الکتاب پڑھی آپ (ص) نے فرمایا: "قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، خدا نے توریت وانجیل وزبور اور قرآن میں فاتحۃ الکتاب کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ وہ ام الکتاب اور سبع مثانی ہے اور وہ خدا اور اس کے بندہ کے درمیان تقسیم ہے اور اس کے بندہ کے لیے وہ سب ہے جو وہ مانگے (۵)".

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خدائے تعالیٰ حتمی اور فیصل شدہ عذاب کسی قوم کے لیے بھیجتا ہے اور اس وقت ان کے بچوں میں سے کوئی بچہ قرآن میں سے "الحمدللہ رب العالمین" پڑھتا ہے جب خدائے تعالیٰ سنتا ہے تو چالیس سال تک لیے عذاب اٹھالیتا ہے (۶)".

۱۔ عیون اخبار الرضا، ج ۱ ص ۳۰۱ "فیما جاء عن الامام علی بن موسی من الاخبار المتفرقۃ" حدیث ۶۰؛ بحار الانوار، ج ۸۹ ص ۲۲۷ حدیث ۵۔

۲۔ تفسیر نور الثقلین، ج ۱ ص ۹ تفسیر سورۃ "حمد" حدیث ۸۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۸۹ ص ۲۵۹؛ مجمع البیان، ج ۱ ص ۱۷۔

۴۔ حوالہ سابق۔

۵۔ مجمع البیان، ج ۱ ص ۱۷۔

۶۔ تفسیر کبیر، ج ۱ ص ۱۷۸۔

اور ابن عباس سے منقول ہے کہ ہم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ اچانک ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا: "آپ کو دو نور مبارک ہوں جو آپ کو عطا کیے گئے ہیں اور آپ سے قبل انبیاء کو نہیں دیے گئے۔ وہ دو نور "فاتحۃ الکتاب" اور سورۂ "بقرہ کے خواتیم" ہیں۔ ہرگز کوئی ان میں سے کسی حرف کی قرائت نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ ہم اس کی حاجت پوری کرتے ہیں (۱) "۔ یہ روایت مجمع البیان میں تقریباً اسی مضمون کے ساتھ نقل کی گئی ہے (۲)۔

۱۔ مستدرک الوسائل "کتاب الصلاۃ، ابواب القرائۃ" باب ۴۴ حدیث ۳۔

۲۔ مجمع البیان، ج ۱ ص ۱۸۔

فصل ششم

سورۂ مبارکہ "توحید" کی مختصر تفسیر

معلوم ہو کہ یہ سورہ چونکہ حق تعالیٰ کا نسب ہے، جیسا کہ احادیث شریفہ میں ہے، منجملہ ان کے کافی شریف میں باسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: "یہودیوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، کہنے لگے: اپنے پروردگار کا نسب ہم سے بیان کیجیے! آپ (ص) نے جواب میں تین روز تک تاخیر کی اور انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد نازل ہوا: " قل ھو اللہ احد ... " الخ (۱) "۔ لیکن اس کے باوصف، اہل معرفت کو بھی اس میں نصیب ہے اور جس چیز سے اہل قلوب کو فائدہ ملتا ہے، عقل مجرد کی میزان میں اس کے لیے گنجائش نہیں ہوتی۔

ولعمر الحبیب، یہ سورۂ شریفہ ان امانتوں میں سے ہے جن کو اٹھانے سے سماوات ارواح، اراضی اشباح اور جبال انیات عاجز رہ گئے اور اس انسان کامل کے علاوہ یہ قدرت کسی میں نہیں ہے جو حدود امکان سے آگے بڑھ چکا ہو اور خود سے بے خود ہو چکا ہو۔ لیکن پھر بھی ایک خوشخبری اور بشارت کی ضرورت ہے جو آخر زمانہ کے لوگوں کی آنکھوں کو روشن کرے اور اہل معرفت کے دلوں کو اطمینان بخشے اور وہ ایک حدیث ہے جو کافی شریف میں ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علی بن الحسین

۱۔ اصول کافی، ج ۱ ص ۱۲۲ "کتاب التوحید، باب النسبۃ" حدیث ۱۔

امام زین العابدین علیہ السلام سے توحید کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: "یقیناً خدائے عزوجل جانتا تھا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو گہری نظر رکھتے ہوں گے۔ اس لیے "قل ھو اللہ احد" اور سورۂ حدید کی آیات "علیم بذات الصدور" تک نازل فرمائیں۔ پس جو شخص اس کے علاوہ قصد کرے گا وہ ہلاک ہوگا (۱)"۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات شریفہ اور اس سورۂ مبارکہ کو سمجھنا گہرائی سے سوچنے والوں اور باریک نظر رکھنے والوں کا حصہ ہے اور ان میں توحید ومعرفت کے اسرار مضمر ہیں اور لطیف علوم الٰہی حق تعالیٰ نے ان کے اہل کے لیے نازل کیے ہیں اور جو لوگ توحید ومعارف الٰہیہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، ان کو ان آیات کے بارے میں غور وفکر کا حق نہیں۔ وہ یہ حق نہیں رکھتے کہ ان آیات کو عام سوقیانہ معانی پر، جنہیں وہ خود سمجھتے ہیں، محمول ومنحصر کریں۔

سورۂ مبارکہ "حدید" کی ابتدائی آیات شریفہ میں توحید کی باریکیاں اور اسرار الٰہیت وتوحید سے متعلق جلیل القدر معارف بیان کیے گئے ہیں جن کے نظیر کسی الٰہی آسمانی کتاب اور اہل معرفت وقلوب کے کسی صحیفے میں نظر نہیں آتی اور اگر حضرت ختمی مرتبت (ص) کے صدق نبوت اور کمال شریعت کے لیے ان آیات کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا تو اہل نظر اور ارباب معرفت کے لیے یہی کافی تھیں۔ سب سے بڑا شاہد اس بات کا کہ یہ معارف حوصلہ بشر سے بالاتر اور فکر انسانی کے دائرہ سے باہر ہیں، یہ ہے کہ ان آیات شریفہ اور ان جیسی معارف پر مشتمل قرآنی آیات کے نزول سے قبل، نوع بشر کو اس طرح کے معارف سے سابقہ نہیں ہوا تھا اور ان اسرار تک پہنچنے کا کوئی راستہ انہیں معلوم نہ تھا۔ اب بڑے بڑے فلاسفہ عالم کے کتب وصحف، حالانکہ ان کے علوم کا سرچشمہ بھی وحی الٰہی ہے، موجود ہیں کہ شاید ان میں سب سے اعلیٰ اور لطیف فیلسوف عظیم الشان، حکیم بزرگوار ارسطاطالیس کی تصنیف "اثولوجیا (۲)" ہے جس کے سامنے شیخ الرئیس ابوعلی سینا جیسے اعجوبہ روزگار اور نادرۂ دہر نے

۱۔ اصول کافی، ج ۱ ص ۲۵ "کتاب التوحید، باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ" حدیث ۴۔

۲۔ لغت نامہ دہخدا نے مادۂ "ارسطو" کے ذیل میں "اثولوجیا" کو ارسطو کے آثار میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے: "اثولوجیا اور ربوبیت کے بارے میں بحث ہے اور اس کی "فرفوریوس صوری" نے تفسیر کی ہے اور عبدالمسیح بن عبداللہ ==

بھی خاکساری وعاجزی سے سر تسلیم خم کیا ہے، علم منطق اور اس کے قواعد کی تنظیم اسی کے رشحات فکر میں سے ہے اور اسی وجہ سے اس کو "معلم اول" کہتے ہیں. شیخ الرئیس فرماتے ہیں کہ جس زمانے سے اس نے قواعد منطق کو منظم کیا ہے، اس وقت سے آج تک اس کے بنائے ہوئے کسی ایک قاعدہ پر نہ کوئی شبہ وارد کرسکا اور نہ مزید قواعد کی تاسیس کرسکا !! تمام اوصاف کے باوجود، حالانکہ اس کتاب شریف کو معرفت ربوبیت کی غرض سے لکھا جس میں اس موضوع پر بنیادیں قائم کی ہیں اور قوانین وضع کیے ہیں. آپ دیکھ لیں کہ کیا اول سے آخر تک یہ کتاب شریف مقام ربوبیت کے تعارف کے لیے سورۂ "حدید" کی ابتدائی آیۂ شریفہ کے مثل یا اس کے قریب المعنیٰ جس میں توحید کے اس عظیم راز کی بو بھی پائی جاتی ہو، ہے؟ اور وہ خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "ھو الاول والاخر والظاھر والباطن (۱) " یا اس سے ملتا جلتا قول تمام فلاسفہ عالم کے اقوال میں ہے: "وھو معکم اینما کنتم (۲) ".

اب گہرائی سے سوچنے والی قومیں اور ارباب نظر ومعرفت جانتے ہیں کہ ان آیات میں کیا اسرار پوشیدہ ہیں اور خدائے تعالیٰ نے کیسے کلام شریف اور راز عظیم کے ذریعہ آخر زمانہ کے لوگوں کو اعزاز بخشا ہے اور ان پر احسان کیا ہے جو شخص بھی ادیان عالم اور اکابر فلاسفہ کے معارف پر نظر کرے گا اور ان کے معارف مبدا ومعاد کا موازنہ ان معارف سے کرے گا جو دین اسلام اور بزرگ اسلامی حکماء

== الحمصی الناعمی نے عربی میں نقل کیا ہے اور ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی نے احمد بن المعتصم کے لیے اس کی اصلاح کی ہے. برلین میں ۱۸۸۲ میلادی میں طبع ہوئی اور "قبسات" تالیف میر داماد کے حاشیہ پر بھی ایران میں ۱۳۱۴ قمری میں چھپی". لیکن مادۂ "اثولوجیا" کے ذیل میں یوں لکھا ہے: "اثولوجیا، یونانی (ث اس ل گس) سے بمعنی الٰہیات، میامیر، فلوطینس (PLOTIN) جو مسلمانوں میں "شیخ الیونانی" کے نام سے مشہور ہے ایک کتاب کا نام اور وہ "تاسوعات" کی کتاب چہارم تا ششم پر مشتمل ہے اور بعض قدماء نے غلطی سے اسی کتاب کو "ارسطو" کی طرف منسوب کیا ہے". لیکن ۱۳۱۴ میں کتاب اثولوجیا کتاب قبسات کے حاشیہ پر ابوالقاسم بن آخوند ملا رضا کرمنی کے ذریعہ لکھی گئی ہے اور لغت نامہ دہخدا میں تاریخ کتابت کو اشتباہاً تاریخ طبع سمجھ لیا گیا ہے.

۱. حاشیہ ۲ ص ۴۴.

۲. "وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو" سورۂ حدید / ۴.

اور اس ملت کے عظیم عرفاء نے پیش کیے تو اسے تصدیق کرنا پڑے گی کہ یہ معارف نور قرآن مجید اور احادیث حضرت ختمی مرتبت (ص) اور ارشادات اہل بیت رسالت علیہم السلام کی روشنی ہیں جو نور قرآن کے سرچشمہ سے حاصل ہوئے ہیں. تب سمجھ گا کہ اسلامی حکمت وعرفان کا تعلق نہ یونان سے ہے نہ یونانیوں سے، بلکہ اس سے کوئی شباہت ہی نہیں رکھتا. ہاں! بعض حکمائے اسلام حکمت یونان کے ڈھرے پر ضرور چلے ہیں، جیسے شیخ الرئیس، لیکن حکمت شیخ بازار اہل معرفت اور معرفۃ الربوبیت ومبدا ومعاد کے باب میں کوئی رونق وتازگی نہیں رکھتی اور اہل معرفت کی بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

وبالجملہ، آج کا فلسفہ حکمائے اسلام کو اور اہل معرفت کے معارف جلیلہ کو حکمت یونان سے نسبت دیتا ہے. یہ قوم کی کتابوں سے بے خبر ہونے کی دلیل ہے. جیسے فیلسوف عظیم الشان اسلامی، صدر المتالہین (قدس سرہ)، استاد عظیم الشان محقق داماد (قدس سرہ)، ان کے شاگرد بزرگوار فیض کاشانی (قدس سرہ) اور فیض کے شاگرد عظیم الشان، عارف جلیل ایمانی، قاضی سعید قمی (قدس سرہ)، نیز یہ نسبت، صحیفہ الٰہیہ اور احادیث معصومین علیہم السلام کے معارف سے ناواقفیت کا ثبوت ہے. اسی بے خبری اور ناواقفیت کی وجہ سے ہر حکمت کو یونان کی طرف منسوب کردیا ہے اور حکمائے اسلامی کو حکمت یونان کا تابع سمجھ بیٹھے ہیں۔

ہم نے کچھ سورۂ کریمہ "توحیـد" کے دقیق نکات اور کچھ آیات شریفہ سے متعلق اشارات کتاب "شرح اربعین (۱)" میں بیان کیے ہیں اور اس سورۂ مبارکہ کی مختصر تفسیر "سر الصلاۃ (۲)" میں لکھی ہے. تھوڑی سی یہاں بھی تحریر کرتے ہیں. وعلی اللہ التکلان۔

پس ہم کہتے ہیں: اس سورہ کی "بسم اللہ" اگر خود اسی سورۂ سے متعلق ہے، جیسا کہ ہم نے سورۂ "حمد" میں احتمال دیا ہے، تو شاید اشارہ اس بات کی طرف ہوگا کہ نسب حق کی شرح اور اسرار توحید کا بیان اپنی انانیت کے ساتھ اور اپنی طرف منسوب زبان سے نہیں کیا جاسکتا، بلکہ جب تک سالک

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۵۹۔

۲۔ حاشیہ ۲ ص ۱۸۔

خودی کے حجاب سے باہر نہ آئے گا، مقام مشیت مطلقہ اور حضرت فیض مقدس میں متحقق نہ ہوجائے گا اور ہستی مطلق میں فانی نہ ہوجائے گا تب تک اسرار توحید کا ادراک ہی نہیں کرسکتا۔

قل احدیت جمع کے حضور سے مقام برزخیت کبریٰ و مرات جمع و تفصیل کی طرف امر ہے، یعنی کہو اے محمد! اے مرات ظہور احدیت جمع ؛ مقام تدلی ذاتی یا مقام مقدس "او ادنیٰ" میں جو شاید مقام "فیض اقدس" کی طرف اشارہ ہو خود سے فانی اور بقاء حق کے ساتھ باقی زبان میں "ھو اللّٰہ احد"۔

اے راہ معرفت و توحید کے راہی! اور اے تنزیہ و تجرید کی بلندیوں پر جانے والے! یاد رکھو کہ ذات مقدس حق تعالیٰ "من حیث ھی (جیسی وہ ہے)" تجلیات ظاہرۃ و باطنہ سے منزہ اور اشارہ و رسم اور صفت و اسم سے مبرا ہے۔ اہل معرفت کا دست امید اس کے دامن کبریائی تک جانے سے قاصر اور اصحاب قلوب کے پائے سلوک اس کی بارگاہ قدس تک پہنچنے سے عاجز ہیں۔ اولیائے کاملین کی غایت معرفت "ما عرفناک" اور اصحاب اسرار کی نہایت سیر "ما عبدناک" ہے (۱) سر حلقہ اہل معرفت اور امیر اہل توحید اس مقام رفیع کے بارے میں فرماتے ہیں "کمال الاخلاص نفی الصفات عنہ (۲)" اور پیشوائے اہل سلوک، سید ساجدین و عارفین اس پیشگاہ بلند میں یوں مدحت سرا ہیں: "ضلت فیک الصفات، و تفسخت دونک النعوت (۳)"۔

اصحاب سلوک علمی واصطلاحات، ذات مقدس کو "غیب مصون" "سر مکنون" "عنقائے مغرب" اور "مجہول مطلق" کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذات اسماء و صفات کے حجاب کے بغیر کسی آئینے میں تجلی نہیں کرتی اور نشئات وجود کے کسی نشئہ میں اور عوالم غیب و شہود کے کسی عالم میں کوئی ظہور نہیں کرتی، لیکن "کل یوم ھو فی شان (۴)" کے مطابق اس کی ذات مقدس کے لیے اسماء

۱۔ اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس روایت کی طرف: "ما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک" مراۃ العقول، ج ۸ ص ۱۴۶ کتاب الایمان والکفر، باب الشکر۔

۲۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۱۔

۳۔ "صفتیں تیرے بارے میں گم ہوگئیں اور اوصاف تیرے سامنے باطل ہوگئے" صحیفہ سجادیہ، دعا ۳۲۔

۴۔ "وہ ہر روز ایک شان میں ہے" سورۂ رحمن / ۲۹۔

وصفات اور شئون جمالیہ وجلالیہ ہیں اور اس کے لیے کچھ اسمائے ذاتیہ ہیں مقام احدیت میں جو مقام غیب ہے اور ان اسماء کو اسمائے ذاتیہ کہنا چاہیے اور تعین " اسمائے ذاتیہ " ہی سے وہ "فیض اقدس " کے ساتھ تجلی کرتا ہے. اسمائے ذاتیہ کے لباس میں اس تجلی کی وجہ سے مقام " واحدیت " وحضور اسماء وصفات اور " مقام الوہیت " تعین اور ظہور پیدا کرتا ہے.

معلوم ہوا کہ ذات مقدس کے بعد " من حیث ھی " تین مقام اور تین مشہد اور ہیں:

مقام غیب " احدی " اور مقام تجلی بہ " فیض اقدس " جس کی طرف شاید حدیث نبوی (ص)(۱) میں لفظ " عماء " سے اشارہ کیا گیا ہے اور مقام " واحدیت " جو احدیت جمع کے ساتھ مقام " اسم اعظم " ہے اور کثرت تفصیلی کے ساتھ مقام " اسماء وصفات " ہے. ان مقامات کی تفصیل ان اوراق کے حوصلہ سے باہر ہے.

اس مقدمہ کے سمجھ لینے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ " ھو " سے مقام فیض اقدس کی طرف اشارہ ہو جو اسماء ذاتیہ کے تعین سے تجلی ذاتی ہے اور " اللہ " احدیت جمع اسمائی کے مقام کی طرف اشارہ ہو جو حضرت " اسم اعظم " ہے اور " احد " مقام احدیت کی طرف اشارہ ہو. اس بنا پر آیہ شریفہ سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ تینوں مقامات، در انحالیکہ مقام تکثیر اسمائی میں کثرت رکھتے ہیں، لیکن حقیقت کے اعتبار سے غایت وحدت میں ہیں اور تجلی بہ " فیض اقدس " مقام ظہور کے اعتبار سے " اللہ " ہے اور مقام بطون کے اعتبار سے " احــد ".

اور شاید " ھو " مقام ذات کی طرف اشارہ ہو اور چونکہ " ھو " غائب کی طرف اشارہ ہے لہذا درحقیقت مجہول کی طرف اشارہ ہے اور شاید " اللہ " اور " احد " مقام " واحدیت " اور مقام " احدیت " کی طرف اشارہ ہو. پس ذات کی جو مجہول ہے، معرفی فرماتا ہے اسمائے ذاتیہ اور اسمائے واحدیہ صفاتیہ سے اور درحقیقت اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ذات غیب ہے اور دست امید اس تک پہنچنے سے

۱۔ قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حین سئل عنہ، این کان ربنا قبل خلق السموات والارض ؟، " کان فی عمــاء. "

عوالی اللئالی، ج ۱ص ۵۴، فصل چہارم، حدیث ۷۹.

قاصر ہے اور ذات کے بارے میں تفکر کر کے عمر ضائع کرنا گمراہی کا سبب ہے. اہل اللہ جہاں تک معرفت حاصل کر سکتے ہیں اور ذات الٰہی کے بارے میں صاحبان علم کے علم کی رسائی جس مقام تک ہو سکتی ہے وہ مقام "واحدیت" و "احدیت" ہے: "واحدیت" عام اہل اللہ کے لیے اور "احدیت" خالص اہل اللہ کے لیے.

ایک حکیمانہ تنبیہ

حکماء کی نظر میں حق تعالیٰ کے کچھ "صفات ثبوتیہ" ہیں اور کچھ "صفات سلبیہ" اور انہوں نے کہا ہے کہ "صفات سلبیہ" "سلب سلب" کی طرف، یعنی "سلب نقص" کی طرف پلٹتے ہیں. بعض نے کہا ہے کہ "صفات ثبوتیہ" "صفات" جمال" ہیں اور صفات سلبیہ" "صفات" جلال" ہیں اور "ذو الجلال والاکرام" صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ دونوں کا جامع ہے. یہ کلام ان دونوں ہی مرحلوں میں خلاف تحقیق ہے.

پہلا مرحلہ: "صفات سلبیہ" تحقیق کی بنا پر صفات میں سے نہیں ہیں، بلکہ ذات حق میں نہ سلب کے لیے راہ ہے نہ سلب السلب کے لیے اور حق تعالیٰ اوصاف سلبیہ سے متصف نہیں ہے، کیونکہ سلب سے اتصاف قضایائے "معدولہ" میں سے ہے اور قضیہ معدولہ کو حق تعالیٰ سے مربوط کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں اس کے لیے جہات امکانی کو صحیح ماننا پڑے گا اور ذات مقدس میں ترکیب لازم آئے گی، بلکہ اس کے اوصاف سلبیہ بہ طریق سلب مطلق بسیط ہیں اور سلب مطلق بسیط، سلب صفت ہے، اثبات صفت سلب سلب نہیں. دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ نقائص حق تعالیٰ بہ سلب بسیط مسلوب ہیں، نہ یہ کہ سلب نقائص اس کے لیے بہ طریق ایجاب عدولی ثابت ہے. لہذا حقیقت یہ ہے کہ صفات تنزیہ "صفت" نہیں ہیں اور حق تعالیٰ فقط صفات ثبوتیہ سے متصف ہے.

دوسرا مرحلہ: اہل معرفت کے نزدیک صفات "جمال" وہ صفات ہیں جن سے انس اور دلبستگی پیدا ہوتی ہے اور صفات "جلال" وہ صفات ہیں جن سے وحشت وحیرت اور رعب پیدا ہوتا ہے.

پس جو لطف و رحمت سے متعلق ہیں وہ صفات " جمال " ہیں جیسے رحمن، رحیم، لطیف، عطوف، رب اور ان جیسے اور جو قہر و کبریا سے متعلق ہیں۔

وہ صفات " جلال " ہیں جیسے مالک، ملک، قہار، منتقم اور ان جیسے صفات. اگرچہ ہر جمال کے سر میں ایک جلال ہوتا ہے، کیونکہ ہر جمال اپنے باطن میں حیرت و خوف رکھتا ہے اور سر عظمت و قدرت کے ساتھ قلب پر ظہور کرتا ہے اور ہر جلال اپنے باطن میں رحمت رکھتا ہے اور قلب کو اس سے باطنی انس ہوتا ہے اور اس وجہ سے دل جس طرح مجذوب جمال و جمیل ہے اسی طرح مجذوب قدرت و عظمت و قادر و عظیم ہے. لہذا صفات کی یہ دونوں ہی انواع ثبوتی ہیں، سلبی نہیں۔

جب یہ مفہوم سمجھ میں آ گیا تو اب معلوم ہو کہ " اللہ " اگرچہ " اسم اعظم " ہے، صفات " جمال و جلال " جس کی تجلیاں اور اسی کے حدود میں ہیں، لیکن صفات جمال کا اطلاق کبھی صفات " جلال " کے مقابل پر ہوتا ہے. چنانچہ " الہیت " و " الوہیت " نوع کے اعتبار سے صفات " جمال " کی طرف راجع ہے. خصوصاً اگر صفات " جلال " کے مقابل واقع ہوں اور آیہ شریفہ " قل ھو للہ احد " میں ممکن ہے " احد " امہات صفات " جلال " میں سے کسی کی طرف اشارہ ہو جو بساطت ذات مقدس کا مقام کمال ہے اور " اللہ " اسم " جمال " کی طرف اشارہ ہو۔ پس آیہ شریفہ میں حق تعالیٰ کی نسبت سے مقام " احدیت " و " واحدیت " اور تجلی بہ " فیض اقدس " کے مطابق، کہ یہ تینوں کے تینوں " اللہ " کے شئون ہیں، معرفی ہوئی ہے پہلے احتمال کی بنیاد پر جس کی طرف اس سے پہلے متنبہ کیا جا چکا اور اس احتمال کی بنا پر جو اس تنبیہ میں مذکور ہوا حق تعالیٰ کی نسبت کی معرفی مقام اسمائے جمالیہ و جلالیہ کے مطابق جو تمام اسماء پر محیط ہیں، کی گئی ہے۔

تنبیہ عرفانی

معلوم ہو کہ ہر متکلم کا کلام مقام ظہور کے مطابق اس کا جلوۂ ذات ہوتا ہے اور اس کی لفظی ترکیبات کی استعداد کی مقدار بھر الفاظ کے آئینہ میں اس کے باطنی ملکات کا مظاہرہ ہوتا ہے. چنانچہ اگر قلب نورانی و شفاف اور عالم مادیت کی کدورتوں اور آلودگیوں سے صاف ہو تو اس کا کلام بھی نورانی

بلکہ نور ہوگا اور قلب کی وہی نورانیت الفاظ کے لباس میں نمایاں ہوگی، ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کے بارے میں وارد ہوا ہے "کلامکم نور (۱)" اور وارد ہے "لقد تجلیٰ فی کلامه لعباده (۲)" اور نہج البلاغہ میں ہے "انما کلامه فعله (۳)" اور فعل بغیر "کلام" جلوۂ ذات فاعل ہوتا ہے اور اگر قلب ظلمانی اور آلودہ ہو تو اس کا قول و فعل بھی ظلمانی اور آلودہ ہوجائے گا "مثل کلمة طیبة کشجرة طیبة... ومثل کلمة خبیثة کشجرة خبیثة (۴)".

چونکہ ذات مقدس حق تعالیٰ "کل یوم هو فی شان (۵)" کے مطابق اسماء وصفات کے لباس میں قلوب انبیاء و اولیاء پر تجلی کرتی ہے اور ان کے قلوب کے مختلف ہونے کے اعتبار سے تجلیات بھی مختلف ہوتی ہیں اور آسمانی کتابیں، جو نزول وحی کی صفت کے ساتھ امین وحی جناب جبریلؑ کے توسط سے ان کے قلوب پر نازل ہوئی ہیں، ان تجلیات کے اختلاف کے مطابق اور اسماء کے اختلاف کے مطابق جو تجلیات کا مبدا ہیں، مختلف ہیں۔ اسی طرح انبیاء اور ان کی شریعتیں بھی اختلاف دول اسمائی کی وجہ سے مختلف ہیں۔ پس جو اسم زیادہ محیط اور زیادہ جامع ہے اس کی دولت بھی محیط تر اور اس کی تابع نبوت بھی محیط تر ہے نیز اس سے نازل ہونے والی کتاب بھی محیط تر اور جامع تر ہے اور اس کی تابع شریعت بھی محیط تر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے اور چونکہ حضرت ختمی مرتبت (ص) کی نبوت اور قرآن شریف نیز آنحضرت (ص) کی شریعت، مظاہر میں سے ایک مظہر اور جلوہ گاہوں میں سے ایک جلوہ گاہ ہے یا تجلیات و ظہورات میں سے ایک تجلی اور ایک ظہور ہے۔ اس لیے وہ مقام جامع احدی اور مقام حضور اسم اللہ الاعظم ہے۔ اس وجہ سے تمام نبوتوں، کتابوں اور شریعتوں میں سب سے زیادہ محیط اور جامع ہے اور اس سے زیادہ اکمل و اشرف کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور اب کبھی عالم

۱۔ عیون اخبار الرضا، ج ۲ ص ۲۷۷، زیارت "جامعہ کبیرہ"۔

۲۔ "یقیناً خداوند عالم نے اپنے کلام میں اپنے بندوں پر جلوہ کیا ہے" بحار الانوار، ج ۸۹ ص ۱۰۷۔

۳۔ "یقیناً اس کا کلام فعل ہے" نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۷۴۰، خطبہ ۲۲۸۔

۴۔ "کلمہ طیبہ کی مثال پاکیزہ درخت کی مثال ہے... اور مثل کلمہ خبیثہ مثل درخت خبیث ہے..."۔ سورۂ ابراہیم / ۲۴-۲۶۔

۵۔ حاشیہ ۴ ص ۴۰۷۔

غیب سے بسیط طبیعت و مادیت کی طرف اس سے اعلیٰ تر یا اس جیسا علم نازل ہونے والا نہیں ہے، یعنی کمال علم کا آخری ظہور جس کا تعلق شرائع سے ہے، یہی ہے اور عالم ملک میں اس سے بالاتر کے نزول کا امکان نہیں ہے. لہذا رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اشرف مخلوقات اور اسم اعظم کا مظہر تام ہیں اور ان کی نبوت بھی تمام ممکن نبوتوں میں کامل ترین اور دولت اسم اعظم کی صورت ہے جو ازلی و ابدی ہے اور آپ (ص) پر نازل ہونے والی کتاب بھی مرتبہ غیب سے اسم اعظم کی تجلی کے ذریعہ نازل ہوئی ہے. اسی وجہ سے یہ کتاب شریف مقام احدیت جمع و تفصیل ہے اور "جوامع الکلم" سے ہے (۱) جیسا کہ خود آنحضرت (ص) کا کلام جوامع الکلم سے ہے اور قرآن یا آنحضرت (ص) کے کلام کے "جوامع الکلم" ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ معاشرہ کے لیے کلیات اور ضوابط بیان فرمائے ہیں، اگرچہ ان معنیٰ میں بھی آپ (ص) کے احادیث جوامع و ضوابط میں ہیں، جیسا کہ علم فقہ میں معلوم ہے، بلکہ قرآن و کلام آنحضرت (ص) کی جامعیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حیات بشری کے تمام ادوار میں تمام طبقات بشر کے لیے نازل ہوا ہے اور نوع انسان کی تمام ضروریات و احتیاجات کو پورا کرنے والا ہے اور اس نوع کی حقیقت چونکہ حقیقت جامعہ ہے اور منزل اسفل ملکی سے لے کر روحانیت وملکوت و جبروت کے بلند ترین مراتب تک تمام مراتب اس میں پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اس نوع کے افراد اس عالم اسفل ملکی میں کامل (باہمی) اختلافات رکھتے ہیں اور جس قدر تفاوت و اختلاف اس نوع کے افراد میں ہے اس قدر تفاوت و اختلاف موجودات کی کسی نوع کے افراد میں نہیں ہے. یہ وہ نوع ہے جس کا کوئی فرد شقی ہے تو کمال شقاوت اس میں پایا جاتا ہے اور سعید ہے تو کمال سعادت کا حامل ہے. یہ وہ نوع ہے جس کے بعض افراد تمام انواع حیوانات سے پست تر ہیں اور بعض افراد تمام ملائکہ مقربین سے شریف تر ہیں.

وبالجملہ، چونکہ نوع انسانی کے افراد مدارک و معارف میں مختلف اور متفاوت ہیں اس لیے قرآن اس طور سے نازل ہوا ہے کہ ہر شخص اپنے ادراک معارف کے کمال وضعف کے مطابق اور اپنے درجہ

۱۔ حدیث نبویؐ کی طرف اشارہ ہے: "واعطیت جوامع الکلم" الخصال، باب ۵ حدیث ۵۶.

علم کے موافق اس سے استفادہ کرسکے مثلاً آیہ شریفہ "لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (۱)" سے اہل عرف، اہل ادب اور اہل لغت جب کوئی بات سمجھتے ہیں تو علمائے کلام دوسری طرح سے استفادہ کرتے ہیں اور فلاسفہ وحکماء کسی دوسرے انداز سے اور عرفاء واولیاء دوسرے طریقہ ہے. اہل عرف اس سے اپنے ذوق کے مطابق بیان خطابی سمجھتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ دو بادشاہ ایک مملکت میں نہیں رہ سکتے اور دو رئیس ایک قبیلہ اور ایک گروہ میں فساد کا سبب ہوتے ہیں اور ایک دیہات میں دو پردھان یا مکھیا بڑے اختلاف وکشاکش اور نزاع کا سبب ہوتے ہیں اور عالم میں بھی اگر دو خدا ہوں گے تو فساد ونزاع اور اختلاف وافتراق پیدا ہوگا اور جب ایسا اختلاف نہیں ہے اور نظام سموات وارض محفوظ ہے تو یہ دلیل ہے کہ مدبر عالم ایک ہے اور متکلمین اس سے دلیل تمانع کا استفادہ کرتے ہیں اور فلاسفہ وحکماء اس سے یہ حکیمانہ محکم برہان قائم کرتے ہیں کہ "الواحد لا یصدر منہ الا الواحد؛ والواحد لا یصدر الا من الواحد (۲)" اور اہل معرفت اس طریقہ سے کہ عالم مراتب ظہور اور تجلی حق کی جلوہ گاہ ہے، دوسرے ہی طریقہ سے وحدانیت کا استفادہ کرتے ہیں. الیٰ غیر ذلک طول کے خوف سے باقی لوگوں کے استفادات کا ذکر ترک کیا جاتا ہے.

جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا تو اب معلوم ہو کہ سورۂ شریفہ "قل ھو اللہ احد" تمام قرآن کی طرح "جوامع الکلم" میں ہے. اسی وجہ سے ہر شخص اپنے طور پر اس سے استفادہ کرتا ہے. چنانچہ علماء ادب وظاہر نے ضمیر "ھو" کو ضمیر شان اور "اللہ" کو علم ذات اور "احد" کو واحد کے معنیٰ میں یا وحدت میں مبالغہ سمجھا ہے، یعنی خدا ایک ہے یا الہیت میں کوئی شریک نہیں رکھتا "یا لیس کمثلہ شی (۳)" یا ذاتی الہیت وقدم میں شریک نہیں رکھتا یا اس کے افعال واحد ہیں، یعنی تمام افعال صلاح واحسان کے مطابق ہیں. اپنے لیے کوئی فائدہ نہیں حاصل کرتا اور خدا "صمد" ہے، یعنی بڑا سردار ہے جس کی

۱۔ "اگر ان دونوں (آسمان وزمین) میں خدا کے علاوہ اور خدا ہوتے تو یقیناً آسمان وزمین تباہ ہوجاتے" سورۂ انبیاء / ۲۲.

۲۔ "ایک سے ایک ہی صادر ہوتا ہے اور ایک، ایک ہی سے صادر ہوتا ہے" فلسفہ کا ایک قاعدہ ہے. الاشارات والتنبیہات (شرح خواجہ نصیر) ج ۳ ص ۱۲۲؛ الاسفار الاربعہ، ج ۲ ص ۲۰۴ فصل ۱۳.

۳۔ "اس کے مثل کوئی چیز نہیں" سورۂ شوریٰ / ۱۱.

طرف لوگ اپنی ضرورتوں کے لیے رجوع کرتے ہیں یا "صمد" ہے، یعنی جوف نہیں رکھتا اور جب جوف نہیں رکھتا تو کوئی چیز اس سے متولد نہیں ہوتی اور وہ خود بھی چیز سے پیدا نہیں ہوتا اور کوئی اس کا مثل ونظیر نہیں ہے. یہ ایک عامیانہ عرفی بیان ہے کفار کے مقابلہ میں جن کے متعدد خدا تھے اور وہ سارے خدا صفات امکان سے متصف تھے. پیغمبر اکرم (ص) کو حکم دیا گیا کہ وہ فرما دیں کہ ہمارا خدا تمہارے خداؤں کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس کے ایسے اوصاف ہیں جو مذکور ہوئے.

یہ اس سورہ کی تفسیر ہے عرف وعادت کے مطابق اور یہ ایک گروہ کے لیے ہے اور یہ تفسیر ان معنی یا معانی سے کوئی منافات نہیں رکھتے جو اس سے زیادہ دقیق ہوں، جیسا کہ ہم نے ان میں سے بعض معانی کا ذکر کیا.

حکیمانہ تفسیر

سورۂ مبارکہ "توحید" کی جو آخر زمانہ کے باریک بینوں کے لیے نازل ہوا، موازین حکمیہ اور براہین فلسفیہ کے مطابق حکیمانہ تفسیر بھی کی جا سکتی ہے. یہ وہ تفسیر ہے جس کا استفادہ میں نے شیخ بزرگوار، عارف شاہ آبادی (مدظلہ)(۱) سے کیا ہے اور وہ یوں ہے:

"ہو" صرف الوجود اور ہستی مطلق کی طرف اشارہ ہے اور یہ (ھو) چھ اعلیٰ حکیمانہ مطالب پر برہان ہے جن کو حق تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں ثابت کیا ہے:۔

اول: مقام "الوہیت" جو استجماع جمیع کمالات اور "احدیت" "جمع" جمال وجلال" کا مقام ہے جیسا کہ کتب حکمت میں مناسب مقام پر ثابت ہو چکا ہے کہ "صرف وجود اور ہستی مطلق" صرف کمال ہے. ورنہ (اگر اس میں نقص کا شائبہ ہوگا تو) لازم آئے گا کہ وہ صرف وجود بھی نہ ہو اور چونکہ ان مطالب کے بیان سے گفتگو طولانی ہو جائے گی اور اس کے لیے کئی مقدمات کی ضرورت ہے اس لیے ہم صرف اشارہ پر اکتفا کر رہے ہیں.

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۸۶ .

دوم: مقام "احدیت" جو بساطت تامہ عقلیہ وخارجیہ وماہویہ وجودیہ کی طرف اور ترکیبات عقلیہ سے تنزہ کی طرف اشارہ ہے، چاہے یہ ترکیبات جنس وفصل ہوں، چاہے مادہ وصورت عقلیہ ہوں یا خارجیہ یا مادہ وصورت خارجیہ یا اجزاء مقداریہ ہوں، ان مطالب پر برہان بھی وہی برہان صرف الوجود وہویت مطلقہ ہے (جو مقام اول کے ذیل میں مذکور ہوا) کیونکہ "صرف" اگر احدی الذات نہ ہوگا تو صرف کا صرفیت سے خارج ہونا لازم آئے گا اور وہ اپنی ذاتیت سے الگ ہوجائے گا۔

سوم: مقام "صمدیت" جو نفی ماہیت کی طرف اشارہ ہے اور "جوف نہ رکھنے" اور "میان خالی ہونے" سے بھی ماہیت نہ رکھنے اور "نقص امکانی نہ رکھنے" ہی کی طرف اشارہ ہے، چونکہ تمام ممکنات کا مرتبہ ذات جو ان کے لئے بمنزلہ میان وجوف ہے، خالی ہے اور چونکہ ذات مقدس صرف وجود اور ہستی مطلق ہے اس لیے وہ نقص امکانی جس کی اصل ماہیت ہے، نہیں رکھتی، کیونکہ ماہیت حد وجودی سے منتزع ہوتی ہے اور وہ تعین وجود سے عبارت ہے اور صرف الوجود حد وتعین سے مبرا ومنزہ ہے، کیونکہ ہر محدود ایک مقید ہستی اور مخلوط وجود ہے، ہستی مطلق اور صرف وجود نہیں۔

چہارم: اس سے کوئی شے منفصل نہیں ہوتی، کیونکہ ایک شے سے دوسری شے کا انفصال مستلزم ہے کہ اس کا کوئی "ہیولی" بلکہ اجزائے مقداریہ ہوں جو ہویت مطلقہ اور صرافت وجود کے منافی ہے اور (اگر یہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ تمام موجودات کی علت ہے اور معلول علت سے منفصل ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ) علت سے معلولات کا وجود بہ طریق انفصال نہیں ہے، بلکہ بہ طریق تجلی وظہور وصدور ہے اور یہ ظہور وصدور اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی شے علت سے کم نہیں ہوتی اور اس کی طرف رجوع سے کسی شے کا اضافہ نہیں ہوجاتا۔

پنجم: وہ کسی سے منفصل نہیں ہوتا۔ یہ سابقہ مفسدہ کے علاوہ، دوسرے طریقہ سے بھی صرافت وجود اور ہویت مطلقہ سے منافات رکھتا ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ صرف وجود پر کوئی شے مقدم ہو اور فلسفہ عالیہ میں یہ بات ثابت ومسلم ہوچکی ہے کہ "صرف" اقدم اشیاء ہے اور متعین مطلق سے متاخر ہے۔

ششم: ہمسر وہمتا اور شبیہ ونظیر نہیں رکھتا۔ یہ بھی برہان "صرف الوجود لایتکرر" سے

ثابت ہے۔ پس دو ہویت مطلقہ متصور نہیں ہوتیں اور مطلق ومقید ایک دوسرے کی نظیر نہیں ہو سکتے۔

ان مطالب میں سے ہر ایک کی توضیح کے لیے مقدمات واصول ہیں جن کو مفصل بیان کرنا اس مختصر رسالہ میں ممکن نہیں ہے۔

حکمت مشرقیہ

معلوم رہے کہ یہ سورۂ مبارکہ کمال اختصار کے باوجود تمام شئون الٰہیہ اور تسبیح وتنزیہ کے تمام مراتب پر مشتمل ہے اور درحقیقت الفاظ کے قالب اور عبارات کی ترکیب میں جس قدر ممکن ہے، حق تعالیٰ کی نسبت سے وہ موجود ہے۔ چنانچہ "ھو اللہ احد" میں تمام حقائق صفات کمال (بیان ہوئے) ہیں اور یہ جملہ تمام "صفات ثبوتیہ" پر مشتمل ہے اور "صمد" سے آخر سورہ تک صفات تنزیہیہ (بیان ہوئے) ہیں اور سلب نقائص کی طرف اشارہ (کیا گیا) ہے۔ نیز اس سورۂ مبارکہ میں "حدین" یعنی حد "تعطیل" اور حد "تشبیہ" سے خروج کا اثبات کیا گیا ہے، کیونکہ یہ دونوں ہی حد "اعتدال" اور حقیقت توحید سے باہر کی چیزیں ہیں۔ پہلی آیۂ شریفہ "نفی تعطیل" کی طرف اشارہ اور تتمہ سورۂ "نفی تشبیہ" کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سورہ ذات "من حیث ھی" پر اور مقام احدیت پر بھی جو تجلی بہ اسمائے ذاتیہ ہے، مشتمل ہے اور مقام واحدیت پر بھی مشتمل ہے جو تجلی بہ اسمائے صفاتیہ ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل جس قدر مناسب حال تھی، بیان ہو چکی۔

تتمیم

شیخ صدوق (رضوان اللہ علیہ) نے ابو البختری، وہب بن وہب قرشی سے روایت کی ہے، انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور امامؑ نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام باقر العلوم علیہ السلام سے، خدائے تعالیٰ کے قول "قل ھو اللہ احد" کے بارے میں، آپؑ نے فرمایا: "قــل، یعنی جو کچھ ہم نے تم پر وحی کی اور جس سے تمہیں باخبر کیا اسے حرفوں کی اسی ترکیب کے ساتھ ظاہر کردو

جس طرح ہم نے تمہارے لیے قرائت کیے ہیں تاکہ اس سے اس شخص کی ہدایت ہوجائے جو گوش شنوا اور چشم بینا رکھتا ہے اور "ھو" اسم ہے کنایہ جو غائب کی طرف اشارہ ہے. پس "ہ" معنای ثابت کی طرف متنبہ کرتی ہے اور "و" اس کی طرف اشارہ ہے جو حواس سے غائب ہے جیسے "ھذا" اس کی طرف اشارہ ہے جو حواس کے سامنے حاضر ہو اور غائب کی طرف یہ اشارہ اس لیے ہے کہ کفار نے اپنے خداؤں کے بارے میں وارننگ دی تھی اس حرف کے ذریعہ سے جو شاہد مدرک (حواس کے سامنے آنے اور دریافت ہوجانے والے) کی طرف اشارہ ہے. انہوں نے کہا: یہ سب ہمارے خدا ہیں جو آنکھوں سے محسوس ہونے اور ادراک میں آجانے والے ہیں. تو اے محمد! تم بھی اپنے خدا کی طرف اشارہ کرو تاکہ ہم اسے دیکھیں اور اس کا ادراک کریں اور اس کے بارے میں متحیر نہ ہوں " خدائے تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ: کہو! "ھو" پس "ہ" ثابت کا اثبات کرتی ہے اور "و" سے اشارہ ہے " آنکھوں کے درک اور حواس کے لمس سے غائب" کی طرف اور اس بات کی طرف کہ خدائے تعالیٰ ان سے بالاتر ہے (۱) ".

حضرت امام باقر العلوم علیہ السلام نے فرمایا: "اللہ، اس معبود کے معنی میں ہے جس کی حقیقت کا ادراک کرنے اور جس کی کیفیت کے احاطہ سے مخلوقات متحیر ہیں اور اہل عرب کہتے ہیں: "الہ الرجل" جب وہ کسی چیز کے بارے میں متحیر ہو اور کسی طرح کا علم اس کے بارے میں پیدا نہ کرسکا ہو. عرب یہ بھی کہتے ہیں: "ولہ" جب اس چیز سے بچنے کے لیے جو اسے خوف دلائے کسی چیز کی پناہ لے اور عرب "الالہ" اس چیز کو کہتے ہیں جو لوگوں کے حواس سے پوشیدہ ہو ".

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: " احد، فرد یکتا ہے اور "احد" اور "واحد" ایک ہی معنی میں ہیں، یعنی وہ یکتا جس کی کوئی نظیر نہیں ہے. توحید، وحدت کا اقرار ہے اور وحدت انفراد ہے اور واحد وہ متبائن ہے جو نہ کسی چیز سے منبعث ہوا ہو اور نہ کسی چیز سے متحد ہوسکے. اسی بنا پر کہتے ہیں کہ عدد کی بنا تو واحد سے ہوئی ہے مگر خود واحد عدد نہیں ہے، کیونکہ عدد واحد کے لیے نہیں بولا جاتا، بلکہ

۱۔ التوحید، ص ۸۸ " باب تفسیر قل ھو اللہ احد " حدیث ۱.

عدد دو سے شروع ہوتا ہے. لہذا قول خدا: "اللہ احد" کے معنی یہ ہیں کہ وہ معبود جس کے ادراک سے اور جس کی کیفیت کے احاطہ سے مخلوقات متحیر ہیں، خدائی میں یکتا ہے اور مخلوق کے صفات سے بالاتر ہے (۱)".

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "مجھ سے میرے والد بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام نے، اپنے پدر بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کی حدیث بیان کی. انہوں نے فرمایا: "صمد وہ ہے جو جوف نہ رکھتا ہو. "صمد" وہ ہے جس کی آقائی منتہی تک پہنچی ہوئی ہو. "صمد" وہ ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے. "صمد" وہ ہے جو سوتا نہیں. "صمد" وہ ہمیشہ رہنے والا ہے جو ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا.

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ کہا کرتے تھے: "صمد، وہ ہے جو قائم بنفسہ اور غنی عن غیرہ (اپنی ذات سے موجود اور اپنے غیر سے بے نیاز) ہو" اور کسی اور نے کہا ہے: "صمد، وہ ہے جو کون وفساد سے بلند تر ہو اور "صمد" وہ ہے جو تغایر سے متصف نہ ہو".

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "صمد، اس عظیم فرد کو کہتے ہیں جس کی اطاعت کی جائے اور اس سے بالاتر کوئی امر و نہی کرنے والا نہ ہو." فرمایا: "حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین علیہما السلام سے "صمد" کے بارے میں سوال کیا گیا. آپؑ نے فرمایا: "صمد" وہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور کسی شے کی حفاظت اس کے لیے مشکل اور دشوار نہیں اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی (۲)".

وہب بن وہب قرشی کا بیان ہے کہ: زید بن علی نے کہا: "صمد، وہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے لیے ارادہ کرے تو کہے کہ: ہو جا، پس وہ وجود میں آجائے اور "صمد" وہ ہے کہ جو چیزوں کو وجود میں لائے تو ان کو ایسی صورت پر پیدا کرے جو ایک دوسرے کی ضد بھی ہیں، ہم شکل بھی ہیں اور جوڑا بھی

۱۔ حوالہ سابق، حدیث ۲.

۲۔ حوالہ سابق، حدیث ۳.

ہیں، لیکن وہ خود وحدت کے ساتھ متفرد ہے۔ نہ کوئی اس کی ضد ہے، نہ شکل، نہ مثل نہ شبیہ (۱)"۔

وہب بن وہب حضرت علی بن الحسین علیہما السلام کا ایک کلام بھی "صمد" کی تفسیر کے بارے میں نقل کرتے ہیں اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا بھی ایک کلام اسرار حروف "الصمد" کے متعلق نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "اگر اس علم کے لیے جو مجھے خداوند عالم نے مرحمت فرمایا ہے، مجھے (اس کے اہل اور) حاملین مل جاتے تو "الصمد" ہی کے ذریعہ توحید، اسلام، ایمان، دین اور شرائع کو نشر کرتا۔ ایسا میرے لیے کیونکر ہوسکتا ہے جب میرے جد امیر المؤمنین علیہ السلام ہی کو حاملان علم نہ مل سکے، یہاں تک کہ درد میں ڈوبی ہوئی آہیں کھینچتے تھے اور برسر منبر فرماتے تھے: مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔ یقین جانو کہ میرے سینہ کے اندر بڑا علم ہے۔ آہ آہ! مجھے اس علم کے لیے اہل نہیں ملتے (۲)"۔

خاتمة

ہم اس مقام کو سورۂ توحید کی فضیلت میں وارد چند احادیث شریفہ کے ذکر پر تمام کرتے ہیں۔ اگرچہ اس سورۂ مبارکہ کی فضیلت میں اس قدر احادیث ہیں جن کے لیے اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔

کافی شریف میں باسناد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: "جو شخص "قل ھو اللہ احد" کی تلاوت ایک مرتبہ کرے تو اس کے لیے مبارک ہے اور جو شخص دو مرتبہ پڑھے تو اس کے اور اس کے اہل کے لیے مبارک ہے اور جو شخص تین مرتبہ پڑھے تو اس کے اس کے اہل اور اس کے ہمسایوں کے لیے مبارک ہے اور جو شخص بارہ مرتبہ پڑھے تو خداوند عالم اس لیے جنت میں بارہ قصر تعمیر کرتا ہے تو محافظین جنت کہتے ہیں کہ ہم کو لے چلو اپنے فلاں بھائی کا قصر۔

۱۔ حوالہ سابق، حدیث ۴۔

۲۔ حوالہ سابق، حدیث ۶۔

دیکھیں اور جو شخص سو مرتبہ پڑھتا ہے تو خون اور اموال سے متعلق گناہوں کے علاوہ اس کے پچیس سال کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو شخص چار سو مرتبہ پڑھے تو اس کے لیے چار سو ایسے شہیدوں کا ثواب ہے جن کے گھوڑے میدان جہاد میں پے کردیے گئے ہوں اور خود ان کا خون بہایا گیا ہو اور جو شخص ایک شب و روز میں ایک ہزار مرتبہ پڑھے۔ اسے اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ خود اپنا مقام جنت میں دیکھ نہ لے یا کسی اور کے ذریعہ اس کا مقام جنت میں دیکھ لیا جائے (۱)"۔

کافی شریف میں بہ اسناد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سو مرتبہ "قل ھو اللہ احد" پڑھے تو جب وہ سونے کے لیے اپنے بستر پر جاتا ہے خداوند عالم اس کے پچاس سال کے گناہ بخش دیتا ہے (۲)"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے فرمایا: "میرے والد بزرگوار فرماتے تھے: "قل ھو اللہ احد" ایک ثلث قرآن ہے اور "قل یا ایھا الکافرون" ایک چوتھائی قرآن ہے (۳)"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد فرمایا: سعد کے جنازہ پر ستر ہزار ملائکہ آکر نماز پڑھی ہے جن کے درمیان جبریلؑ بھی تھے۔ میں نے جبرئیل سے کہا: سعد کس چیز کی وجہ سے تم فرشتوں کی نماز جنازہ کے حقدار قرار پائے؟ کہا: اس وجہ سے کہ یہ اٹھتے بیٹھتے، سوار اور پیادہ، آتے جاتے "قل ھو اللہ احد" پڑھا کرتے تھے (۴)"۔

وسائل میں مجالس سے اور معانی الاخبار میں اپنے اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

۱۔ اصول کافی، ج ۴ ص ۴۲۵ "کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن" حدیث ۱۔

۲۔ حوالہ سابق، حدیث ۴۔

۳۔ حوالہ سابق، حدیث ۷۔

۴۔ حوالہ سابق، حدیث ۱۳۔

سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اپنے آباء کرامؑ سے ایک حدیث میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ (ص) نے فرمایا: جو شخص ایک مرتبہ "قل هو الله احد" پڑھے اس نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا اور جو شخص دو مرتبہ پڑھے اس نے دو تہائی قرآن پڑھ لیا اور جو شخص تین مرتبہ پڑھے اس نے پورا قرآن پڑھ لیا (۱)"۔

ثواب الاعمال میں ہے کہ "جس شخص پر جمعہ گزر جائے اور اس نے "قل هو الله احد" نے پڑھا ہو اور مرجائے تو وہ دین ابولہب پر مرتا ہے (۲)"۔

مستدرک میں کثیر اور طولانی احادیث اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں نقل کی گئی ہیں جو چاہے اس کتاب کا اور وسائل کا مطالعہ کرے (۳)۔

والحمدللہ

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۸۶۸ "کتاب الصلاۃ، ابواب قراءۃ القرآن" باب ۳۱ حدیث ۵، معانی الاخبار، ص ۲۳۴ "باب معنی قول سلمان..."۔

۲۔ ثواب الاعمال، ص ۱۵۶ "ثواب قراءۃ قل هو اللہ احد" حدیث ۲۔

۳۔ وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۸۶۶، ۸۷۰ "کتاب الصلاۃ، ابواب قراءۃ القرآن..." باب ۳۱ و ۳۳؛ مستدرک الوسائل "کتاب الصلاۃ، ابواب قراءۃ القرآن" باب ۲۴، ۲۶۔

فصل ہفتم

سورۂ مبارکہ قدر کی مختصر تفسیر

قولہ تعالیٰ: انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ...

اس آیۂ شریفہ میں مطالب عالیہ ہیں جن میں سے بعض کی طرف اشارہ فائدہ سے خالی نہیں:

مطلب اول، خدا نے اس آیۂ شریفہ اور بہت سی اور آیات میں تنزیل قرآن کی نسبت اپنی ذات مقدس کی طرف دی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: "انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ (۱)" "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (۲)" ان کے علاوہ اور بھی آیات شریفہ ہیں اور بعض آیات میں جبریل کی طرف، جو روح الامین ہیں نسبت دی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: "نزل بہ الروح الامین (۳)"۔

علماء ظاہر ان مقامات کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ "یا ھامان ابن لی صرحاً (۴)" کی طرح مجاز ہیں۔ تنزیل کی نسبت، مثلاً حق تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے کہ اس کی ذات مقدس ہی سبب تنزیل ہے اور وہی حکم تنزیل دینے والا ہے یا یہ کہ تنزیل حق تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے حقیقت ہے

۱۔ "ہم اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں نازل گیا" سورۂ دخان / ۳

۲۔ حاشیہ ۲ ص ۲۴۲۔

۳۔ "روح الامین نے اسے اتارا" سورۂ شعراء / ۱۹۳۔

۴۔ "اے ہامان میرے لیے ایک قصر تعمیر کر" سورۂ غافر / ۳۶۔

اور چونکہ روح الامین واسطہ ہیں اس لیے مجازاً ان کی طرف بھی (تنزیل کی) نسبت دیتے ہیں اور یہ اس لیے کہا گیا کہ مخلوق کی طرف فعل حق کی نسبت کو مخلوق کی طرف مخلوق کے فعل کی نسبت کی طرح خیال کیا ہے لہذا حق تعالیٰ کی طرف سے جبریل و عزرائیل کو اسی طرح مامور قرار دیتے ہیں جیسے فرعون کی طرف سے ہامان کا مامور اور راج مزدوروں اور معماروں کا ہامان کی طرف سے مامور ہونا اور یہ قیاس مع الفارق ہے اور باطل ہے. خلق کی حق کے ساتھ نسبت کو سمجھنا اور فعل خلق و فعل خالق کو سمجھنا اہم معارف الٰہیہ اور بنیادی مسائل فلسفیہ میں سے ہے جس کو سمجھ لینے کے بعد بہت سے اہم مسائل حل ہوجاتے ہیں. ان میں سے ایک جبر و تفویض کا مسئلہ ہے جس کے شعبوں سے ایک شعبہ ہمارا یہ مطلب بھی ہے۔

جان لینا چاہیے کہ علوم عالیہ میں طے اور ثابت ہوچکا ہے کہ تمام دار تحقق اور مراتب وجود "فیض مقدس" کی صورت ہے. فیض مقدس جو حق تعالیٰ کی تجلی اشراقی ہے اور جس طرح "اضافہ اشراقیہ" محض ربط اور صرف فقر ہے اسی طرح تعینات و صور بھی محض ربط ہیں اور خود کوئی حیثیت اور استقلال نہیں رکھتے۔ بالفاظ دیگر، تمام دار تحقق حق میں فانی ہیں. ذاتی طور سے بھی، صفتی طور سے بھی اور فعلی طور سے بھی، کیونکہ موجودات میں سے کوئی موجود بھی اگر شئون ذاتی میں سے کسی ایک شان کے اعتبار سے بھی استقلال پیدا کرلے گا، چاہے یہ استقلال ہویّت وجودیہ میں ہو یا اس کی کسی شان میں، تو حدود امکان سے خارج ہوجائے گا اور وجوب ذاتی میں تبدیل ہوجائے گا اور یہ بدیہی طور پر باطل ہے۔

جب یہ لطیفہ الٰہیہ قلب میں راسخ ہوگیا اور جیسا چاہیے ویسا ذوق پیدا کرلیا تو اس پر اسرار قدر میں سے ایک راز منکشف ہوگا اور "امر بین الامرین" (استقلال اور عدم استقلال کے درمیان) کی حقیقت کا ایک لطیف نکتہ کشف ہوگا۔

لہذا آثار و افعال کمالیہ کو اسی نسبت کی طرح جیسی خلق کی طرف نسبت دیتے ہیں حق کی طرف بھی نسبت دے سکتے ہیں. بغیر اس کے کہ کسی طرف بھی مجاز ہو اور یہ وحدت و کثرت اور جمع بین الامرین کے اعتبار سے متحقق ہوتا ہے. ہاں! جو شخص کثرت محض میں پڑا ہوا ہے اور وحدت سے محجوب ہے

وہ فعل کی نسبت خلق کی طرف دیتا ہے اور حق سے غافل ہوجاتا ہے، جیسے ہم محجوبین، لیکن جس کے دل میں وحدت جلوہ کرتی ہے وہ خلق سے محجوب ہوتا ہے اور تمام افعال کی نسبت حق کی طرف دیتا ہے اور عارف محقق "وحدت وکثرت" کے درمیان جمع کا راستہ پیدا کرتا ہے اور جس وقت وہ مجاز کے شائبہ کے بغیر حق کی طرف کی نسبت دیتا ہے اسی وقت مجاز کے شائبہ کے بغیر خلق کی طرف فعل کی نسبت دیتا ہے اور آیہ شریفہ "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ [1]" عین اثبات رمی کی حالت میں اس کی نفی کررہی ہے اور عین نفی میں اثبات کررہی ہے۔ یہ اسی شیریں ترین مشرب عرفانی اور باریک مسلک ایمانی کی طرف اشارہ ہے اور یہ جو ہم نے افعال وآثار کمالیہ کے بارے میں تو کہا اور نقائص کو خارج کردیا۔ یہ اس لیے کہ نقائص اعدام کی طرف پلٹتے ہیں اور افعال وآثار کمالیہ منجملہ تعینات وجود ہیں اور حق کی طرف فقط بالعرض منسوب ہیں۔ اس مبحث کی تفصیل ان اوراق میں نہیں کی جاسکتی ہے۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا تو "تنزیل" کی نسبت حق تعالیٰ اور جبریل کی طرف "احیاء" کی نسبت حق تعالیٰ اور اسرافیل کی طرف اور "اماتت" کی نسبت حق تعالیٰ اور عزرائیل کی طرف اور ان ملائکہ کی طرف جو نفوس پر مؤکل ہیں، بھی معلوم ہوجاتی ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کی طرف بہت اشارہ کیا گیا ہے اور یہ معارف قرآن میں سے ایک ہے۔ کتاب شریف سے پہلے حکماء وفلاسفہ کے آثار میں کہیں اس کا نام ونشان نہیں ہے اور نوع بشر اس لطیف الٰہی نکتہ کے لیے اس صحیفہ الٰہیہ کی مرہون احسان ہے، جیسے اور تمام دوسرے معارف الٰہیہ قرآنیہ کے احسان مند ہیں۔

مطلب دوم: اس نکتہ کی طرف اشارہ کہ "انا" بھی صیغہ جمع کے ساتھ ہے اور "انزلنا" بھی صیغہ جمع کے ساتھ۔

معلوم ہو کہ اس میں نکتہ حق تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہے، اس کتاب شریف کی تنزیل کی مبدئیت کے ساتھ اور شاید صیغہ جمع کا یہ استعمال جمع اسمائی کے لیے ہو اور اس طرف اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ تمام شئون اسمائیہ وصفات کے ساتھ اس کتاب شریف کا مبدا ہے اور اس جہت سے یہ کتاب

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۲۴۲۔

شریف جمیع اسماء وصفات کی احدیت جمع کی صورت اور مقام مقدس حق کی تمام شئون و تجلیات کے ساتھ معرف ہے. دوسرے لفظوں میں، یہ صحیفہ نورانیہ صورت "اسم اعظم" ہے، جیسے انسان کامل بھی صورت "اسم اعظم" ہے، بلکہ ان دونوں (صحیفہ الٰہی اور انسان کامل) کی حقیقت عالم غیب میں ایک ہی ہے اور عالم تفرقہ (ظہور و تعین) میں صورت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ ضرور ہوگئے ہیں، لیکن معنوی اعتبار سے پھر بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں. یہ "لــن یفترقا حتی یردا علی الحوض (۱)" کے معنی میں سے ایک معنیٰ ہیں اور جس طرح حق تعالیٰ نے آدم اول اور انسان کامل کی طینت کو اپنے جلال و جمال کے ہاتھوں خمیر کیا اسی طرح جلال و جمال کے ہاتھوں کتاب کامل اور قرآن جامع کو نازل کیا اور شاید اسی وجہ سے اس کا ایک نام قرآن ہے، کیونکہ مقام احدیت جمع وحدت وکثرت ہے اور اسی لیے یہ کتاب منسوخ و منقطع ہونے کے لائق نہیں ہے، کیونکہ اسم اعظم اور اس کے مظاہر ازلی وابدی ہیں اور تمام شریعتیں اسی شریعت وولایت محمدیہ کی دعوت ہیں.

اور شاید اسی نکتہ کی وجہ سے جو "انا انزلنا" کے بارے میں بیان کیا گیا "انا عرضنا الامانۃ (۲)" بھی صیغہ جمع کے ساتھ آیا ہے، کیونکہ امانت باطن کے اعتبار سے حقیقت ولایت ہے اور ظاہر کے اعتبار سے شریعت یا دین اسلام یا قرآن یا نماز ہے.

مطلب سوم، نزول قرآن کی کیفیت کا اجمالی بیان، یہ ان لطیف معارف الٰہیہ اور اسرار حقائق دینیہ میں ہے جن پر علمی طریقہ سے کم ہی کوئی تھوڑی بہت اطلاع حاصل کرسکتا ہے اور سوائے اولیائے کاملین کے جن میں اول خود وجود مبارک حضرت ختمی مرتبت (ص) ہے اور آپ (ص) کے بعد آپ (ص) ہی کی دستگیری سے دوسرے اولیاء اور اہل معارف مطلع ہوتے ہیں اور کوئی شخص کشف وشہود کے طریقہ سے اس لطیف الٰہی نکتہ کو نہیں پاسکتا، کیونکہ اس حقیقت کا مشاہدہ عالم وحی تک پہنچے

۱۔ "کتاب خدا اور میری عترت ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض (کوثر) کے کنارے میرے پاس وارد ہوں". حدیث مشہور و متواتر "ثقلین" کا ایک حصہ. اصول کافی، ج ۱ ص ۲۹۹ "کتاب الحجہ، باب ما فرض اللہ ورسولہ من الکون مع الائمہ علیہم السلام" حدیث ۲، وج ۴ ص ۱۴۱ "کتاب الایمان والکفر، باب ادنی ما یکون بہ العبد مؤمناً" حدیث ۱.

۲۔ سورۂ احزاب / ۷۲.

بغیر اور عوالم امکانی کے حدود سے نکلے بغیر نہیں ہوتا۔ ہم اس مقام کے بارے میں اشارہ ورمز کے طور پر اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

معلوم ہو کہ وہ قلوب جو سلوک معنوی اور سفر باطنی کے طریقہ پر سیر الی اللہ کرتے ہیں اور نفس کے تاریک مکان اور انیت وانانیت کی منزل سے ہجرت کرتے ہیں وہ کلی طور پر دو طرح کے ہیں:

اول، وہ جو سفر الی اللہ کے تمام ہونے پر موت سے ہمکنار ہوجاتے ہیں اور اسی جذبہ دفنا وموت کے حال پر باقی رہتے ہیں ان کا اجر علی اللہ اور ھو اللہ ہے۔ یہ وہ محبوب ہیں جو "قباب اللہ" کے تحت فانی ہوجاتے ہیں اور کوئی انہیں پہچاننے والا نہیں ہوتا اور وہ کسی سے رابطہ پیدا نہیں کرتے اور وہ بھی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں پہچانتے "اولیائی تحت قبابی لا یعرفھم غیری (۱)"۔

دوم، وہ ہیں جو سیر الی اللہ وفی اللہ تمام ہونے پر اس قابل ہیں کہ خودی کی طرف پلٹیں اور صحو وہوشیاری کی حالت ان کو حاصل ہو۔ یہ وہ ہیں کہ فیض اقدس "جو سر قدر" ہے کی تجلی کے مطابق ان کی استعداد مقدر ہوچکی ہے اور وہ بندوں کی تکمیل اور ملک کی تعمیر کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ یہ سب حضرت علمیہ سے اتصال اور حقائق اعیان کی طرف واپسی کے بعد اعیان کی سیر، حضرت قدس سے ان کے اتصال اور اللہ اور سعادت کی طرف ان کے سفر کا کشف کرتے ہیں اور خلعت نبوت سے آراستہ ہوجاتے ہیں۔ یہ کشف ہی عالم وحی جبرائیل میں نزول سے قبل وحی الٰہی ہے اور جب اس عالم سے عوالم نازلہ (ادنیٰ) کی طرف توجہ کرتے ہیں تو اقلام عالیہ اور الواح قدسیہ میں جو کچھ ہے اس کو اپنے احاطہ علمی اور نشئہ کمالی کے بقدر جو حضرات اسماء کے تابع ہے کشف کرتے ہیں اور شریعتوں اور نبوتوں کا اختلاف، بلکہ تمام اختلافات وہیں سے ہیں۔

اس مقام میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس حقیقت غیبی اور سریرۂ قدسی کا مشاہدہ حضرت علمیہ اور اقلام والواح عالیہ میں ہوا ہے وہی حقیقت ان کے غیب نفس اور ان کے سرّ روح کے طور پر فرشتہ وحی، یعنی جبرئیل کے ذریعہ ان کے قلب مبارک پر نازل ہوتی ہے اور کبھی جبرئیل "مثال" کے

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۱۳۶۔

حضور میں ان کے لیے " تمثل مثالی " اختیار کرتے ہیں اور کبھی " تمثل ملکی " پیدا کرتے ہیں اور غیب کی کمینگاہ سے، اس حقیقت کے ذریعہ مشہد عالم شہادت تک ظہور کرتے ہیں اور اس الٰہی راز کو اتار لاتے ہیں اور نشئات میں سے ہر نشئہ میں، صاحب وحی کسی بھی طریقہ پر اس کا ادراک اوز مشاہدہ کرتا ہے : حضرت علمیہ میں ایک طریقہ پر، حضرت اعیان میں ایک طریقہ پر، حضرات اقلام میں ایک طریقہ پر، حضرات الواح میں ایک طریقہ پر، حضرت مثال میں ایک طریقہ پر، حس مشترک میں ایک طریقہ پر اور شہادات مطلقہ میں ایک طریقہ پر اور یہ تنزل کے سات مراتب ہیں. شاید قرآن کے " سبعہ احرف (۱) " (سات حرفوں) پر نازل ہونے سے انہیں سات مراتب کی طرف اشارہ ہو اور یہ بات اس ارشاد سے منافات نہیں رکھتی جس میں کہا گیا ہے :" قرآن واحد من عند واحد (۲). " جیسا کہ معلوم ہے اور اس مقام کی ایک تفصیل ہے جس کا ذکر اس رسالہ کے مناسب نہیں .

مطلب چہارم ، " انزلناہ " میں " ہ " (ضمیر) غائب کا رمز ہے جیسا کہ معلوم ہوا . اس عالم میں اترنے سے قبل قرآن کے مقامات اور کینونات (عالم وجود، ظہور) ہیں .

مقام اول ، اس کی کینونت علمیہ ہے حضور غیبی میں، تکلم ذاتی اور مقارعہ ذاتیہ کے ساتھ، بطریق احدیت جمع اور ضمیر غائب شاید اسی مقام کی طرف اشارہ ہو اور اس معنی کی تفہیم کے لیے ضمیر غائب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، گویا فرماتا ہے : یہی قرآن جو شب قدر میں اترا، وہی قرآن علمی ہے جو نشئہ علمیہ میں سرّ مکنون وغیبی میں ہے جس کو ان مراتب سے جو ایک مقام میں ذات کے ساتھ متحد اور تجلیات اسمائیہ میں سے تھا، ہم نے نازل کیا اور یہ حقیقت اسی سرّ الٰہی کا ظاہر ہے اور یہ کتاب جو عبارات والفاظ کے لباس میں ظاہر ہوئی ہے، مرتبہ ذات میں تجلیات ذاتیہ کی صورت ہے اور مرتبہ فعل میں عین تجلی فعلی ہے، جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا :" انما کلامہ فعلہ (۳) ".

۱۔ " ان القرآن نزل علی سبعة احرف ... " بحار الانوار، ج ۸۹ ص ۸۳ .

۲۔ " ان القرآن واحد نزل من عند واحد " اصول کافی، ج ۴ ص ۴۳۸ " کتاب فضل القرآن، باب النوادر " حدیث ۲

۳۔ حاشیہ ۳ ص ۴۱۱ .

مطلب پنجم، "لیلۃ القدر" کا بیان۔ اس میں بہت سے مباحث اور بے شمار معارف ہیں جن میں سے علماء اعلام رضوان اللہ علیہم نے اپنے اپنے مشرب ومسلک کے مطابق بحث کی ہے۔ ہم ان اوراق میں کچھ بطور اشارہ بیان کرتے ہیں جن بعض مطالب کا علماء نے ذکر نہیں کیا ہے، ہم ان کی طرف بھی چند امور کے ذیل میں اشارہ کرتے ہیں۔

اول، "لیلۃ القدر" کی وجہ تسمیہ میں علماء کے درمیان اختلافات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ یہ رات شرف ومنزلت والی رات ہے، صاحب قدر قرآن، صاحب قدر فرشتے کے توسط سے، صاحب قدر رسول (ص) پر، صاحب قدر امت کے لیے نازل ہوا ہے۔ اس لیے اسے "لیلۃ القدر" کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے "لیلۃ القدر" اس لیے کہتے ہیں کہ لوگوں کے امور، آجال (موت) اور ارزاق کی تقدیر اس رات میں ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس رات کثرت ملائکہ سے زمین تنگ ہوجاتی ہے، اس لیے اسے "لیلۃ القدر" کہتے ہیں اور وہ "ومن قدر علیه رزقه [۱]" کی قبیل سے ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اس مقام میں کہی گئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں تحقیقات کے مقامات ہیں جن کی طرف اجمالی اشارہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

علماء کے بیان فرمودہ مطالب میں پہلا مطلب صاحب منزلت وقدر ہونا ہے، پس معلوم ہو کہ اس مقام میں ایک کلام ہے کہ مطلق زمان ومکان، جن میں بعض شریف اور بعض غیر شریف، بعض سعد اور بعض نحس ہیں، آیا خود ذات زمان اور اس کے ذاتی تشخصات ہیں؟ اور اسی طرح مکان یا یہ کہ واقعات کے وقوع اور امور شریفہ ودنیہ کے حصول کی وجہ سے بالعرض ان میں شرافت وعدم شرافت اور سعادت ونحوست پیدا ہوگئی ہے؟ اور اگرچہ یہ کوئی اہم اور عظیم مبحث نہیں ہے اور اس کے اطراف سے بحث چنداں مفید نہیں ہے پھر بھی ہم اختصار کے ساتھ کچھ ذکر کرتے ہیں۔

احتمال اول کے لیے وجہ ترجیح یہ ہے کہ ان اخبار وآیات کا ظاہر، جن سے زمان ومکان کے لیے شرافت یا نحوست ثابت ہوتی ہے، یہ ہے کہ یہ خود زمان ومکان کی صفتیں ہیں۔ اس حال کی صفت

۱۔ "اور جو شخص تنگی معاش سے دوچار ہے..." سورۂ طلاق / ۷۔

نہیں جو ان سے متعلق ہے اور چونکہ کوئی عقلی مانع نہیں اس لیے ان کو ظاہر پر حمل کرنا متعین ہے۔

احتمال دوم کے لیے وجہ ترجیح یہ ہے کہ زمان ومکان کی حقیقت ایک حقیقت، بلکہ ان کی شخصیت بھی ایک ہی شخصیت ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ شخص واحد حکم میں متجزی اور مختلف ہو اس بنا پر شرافت ونحوست زمان ومکان کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسے ان میں واقع ہونے والے وقائع وقضایا پر محمول کرنا ناگزیر ہے، یہ وجہ برہانی نہیں ہے، کیونکہ زمان اگرچہ شخص واحد ہے، لیکن چونکہ تدریجی اور امتدادی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقت مقداریہ ہے تو کوئی مانع نہیں کہ اس کے بعض اجزاء دوسرے بعض اجزاء سے حکم واثر میں مختلف ہوں اور اس پر کوئی برہان قائم نہیں ہوا کہ ہر شخص جیسا بھی وہ ہے دو حکم اور دو اثر کا حامل نہیں ہوسکتا، بلکہ ظاہر اس کے خلاف ہے۔ مثلاً افراد انسان، حالانکہ ان میں ہر ایک شخص واحد ہے اس کے باوجود ان کی صورت جسمیہ میں کثیر اختلافات ہیں، مثلاً آنکھ کی پتلی، دماغ اور دل، دوسرے اعضاء سے شریف تر اور لطیف تر ہیں۔ اسی طرح انسان کی ظاہری وباطنی قوتوں میں بعض قوتیں بعض دوسری قوتوں سے اشرف ہیں اور یہ اختلاف اس لیے ہے کہ اس عالم میں انسان اگرچہ شخص واحد ہے مگر وحدت تامہ کی صفت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوا ہے، لیکن چونکہ صفت کثرت کے ساتھ ظاہر ہے لہذا اس کے احکام بھی (کثیر اور) مختلف ہیں۔

احتمال اول کو ترجیح دینے کی وجہ بھی صحیح اور کوئی دلپسند وجہ نہیں ہے، کیونکہ اس بات کا مرجع مثلاً "اصالۃ الظهور" اور "اصالۃ الحقیقۃ" ہوتا ہے اور علم اصول میں یہ معلوم ہوچکا ہے کہ "اصالۃ الظهور" اور "اصالۃ الحقیقۃ" کی غرض یہ ہے کہ جب مراد ومقصود میں شک واقع ہو تو ان کے ذریعہ وہ شک رفع ہوجائے (اور مراد ومقصود کا پتہ چل جائے) ایسا نہیں ہے کہ مراد معلوم ہونے کے بعد ان کے ذریعہ اثبات حقیقت کیا جائے۔ تامل (۱)۔

اس بنا پر دونوں وجہیں صحیح ہوسکتی ہیں، لیکن ہماری نظر میں دوسری وجہ ارجح ہے۔ اس بنا پر

۱۔ وجہ تامل یہ ہے کہ یہاں دوسری طرح سے اس دعوی کو بیان کیا جاسکتا ہے اور وہ یوں کہ محمول کی موضوع کی طرف نسبت دینے میں ظاہر یہ ہے کہ وہ موضوع خود حکم کا حامل ہو اور تمام موضوع نہ ہو جیسا کہ باب الاطلاق میں ہمارے شیخ استاد علوم نقلیہ میں مقدمات اطلاق کی احتیاج کے بغیر اس بیان سے اثبات اطلاق کرتے تھے۔

شاید "لیلۃ القدر" اس لیے صاحب "قــدر" ہوئی ہے کہ یہ نبی ختمی مرتبت (ص) کی شب وصال اور عاشق حقیقی کی اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کی شب ہے. سابق مباحث میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ تنزل ملائکہ اور نزول وحی، حصول فنا اور قرب حقیقی کے بعد ہوتا ہے اور اخبار کثیرہ اور آیات شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانوں اور مکانوں کا شرف اور نحوست ان میں واقع ہونے والے واقعات کی وجہ سے ہے اور (روایات کی طرف) رجوع کے بعد یہی (شرف و نحوست کے بارے میں) معلوم ہوتا ہے اگرچہ بعض احادیث سے (زمانوں اور مکانوں کے) شرف ذاتی کا استفادہ بھی ہوتا ہے.

دوسرا احتمال، جس کی وجہ سے اسے "لیلۃ القدر" کہتے ہیں، یہ ہے کہ اس میں امور ایام مقدر ہوتے ہیں. لہذا معلوم رہے کہ "قضا وقدر" کی حقیقت اور اس کی کیفیت اور اس کے مراتب ظہور، شریف و جلیل ترین علوم الہیۃ میں سے ہیں اور ان کے انتہائی دقیق اور لطیف ہونے کی وجہ سے ان کے اطراف میں غور و فکر نوع بشر کے لیے ممنوع اور حیرت و گمراہی کا سبب ہے. اس وجہ سے اس حقیقت کو اسرار شریعت اور امانات نبوت میں شمار کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں دقیق بحث و مباحثہ سے صرف نظر کرنا چاہیے. ہم اس کے ایک مبحث کی طرف، جو اس مقام کے مناسب ہے، اشارہ کرتے ہیں. وہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ تقدیر امور حق تعالیٰ کے علم میں ازل آزال میں (روز ازل) ہو چکی اور علم ربوبیت کے ہر نقص سے پاک و منزہ مقام کی طرف نسبت کے اعتبار سے امور تدریجیۃ میں سے نہیں ہے. پھر ہر سال ایک معین رات میں تقدیر کے کیا معنیٰ ہیں؟

معلوم ہو کہ "قضا وقدر" کے مراتب ہیں. ان مراتب کے مطابق ان کے احکام مختلف ہوتے ہیں. ان کا پہلا مرتبہ وہ حقائق ہیں جو حضور علم میں "فیض اقدس" کی تجلی سے ظہور اسماء وصفات کی تبعیت میں مقدر ہوتے ہیں اور اس کے بعد اقلام عالیہ اور الواح عالیہ میں، ظہور کے مطابق، تجلی فعلی سے تقدیر و تحکیم ہوتی ہے. ان مراتب میں تغییرات و تبدلات واقع نہیں ہوتے اور قضائے حتم لا یبدل (نہ بدلنے والا حتمی فیصلہ) وہ حقائق مجردہ ہیں جو حضرات اعیان اور نشئہ علمیہ میں واقع ہوتے ہیں اور اقلام والواح مجردہ میں نزول کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ حقائق برزخی و مثالی صورتوں کے ساتھ دوسرے

الواح اور اس سے نچلے عالم میں ظہور کرتے ہیں جو عالم "خیال منفصل" اور "خیال الکل" ہے کہ حکمائے اشراق کے طریقہ کے مطابق اس عالم کو عالم "مثل معلقہ" کہتے ہیں۔ اس عالم میں تغییرات واختلافات کا ہونا ممکن ہے، بلکہ واقع ہوتے ہیں اور اس کے بعد تقدیرات اور اندازہ گیریاں عالم طبیعت پر مؤکل ملائکہ کے توسط سے ہوتی ہیں۔ اس لوح قدر میں دائمی تغییرات اور تبدیلات ہوتے ہیں، بلکہ یہ لوح خود ایک سیال، متصرم اور متدرج صورت ہے اور اس لوح میں شدت وضعف کو قبول کرنے والے حقائق اور سرعت وبطوء اور زیادت ونقص کو قبول کرنے والے حرکات ہیں۔ اس کے باوجود انہیں اشیاء کا "یلی اللهی" رخ اور غیبی رخ جو تدلی بہ حق کی جہت ہے اور "فیض منبسط" اور "ظل ممدود" کے ظہور کی صورت ہے اور "علم فعلی" حق کی حقیقت ہے، کسی جہت سے بھی قابل تغییر وتبدیل نہیں۔

وبالجملہ، تمام تغییرات وتبدیلات، زیادتی آجال اور تقدیر ارزاق حکماء کے نزدیک لوح "قدر علمی" میں جو "عالم مثال" ہے اور راقم الحروف کے نزدیک لوح "قدر عینی" میں جو خود محل تقدیرات ہے، اس پر مؤکل ملائکہ کے ذریعہ واقع ہوتی ہے۔ اس بنا پر یہ تسلیم کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے کہ چونکہ "لیلۃ القدر" "ولی کامل" کی توجہ تام اور اس کی سلطنت ملکوتیہ کے ظہور کی رات ہے، اس لیے ولی کامل، امام ہر عصر اور قطب ہر زماں کے نفس شریف کے توسط سے عالم طبیعت میں تغییرات وتبدیلات واقع ہوتے ہیں۔ آج (ولی کامل، امام عصر اور قطب زماں) حضرت بقیۃ اللہ فی الارضین، سیدنا ومولانا، امامنا وہادینا، حجۃ بن الحسن العسکری ارواحنا لمقدمہ فداہ ہیں، (لہذا یہ تبدیلیاں انہیں کے توسط سے ہوتی ہیں)۔ لہذا (انہیں اختیار ہے کہ) عالم طبیعت کی جس حرکت کو چاہیں دھیمی کر دیں اور جس حرکت کو چاہیں تیز کر دیں اور جس رزق کو چاہیں وسیع کر دیں اور جس رزق کو چاہیں تنگ کر دیں اور (ولی کامل کا) یہ ارادہ، ارادۂ حق ہے اور ارادۂ ازلیہ کی شعاع اور اس کا سایہ وعکس ہے اور فرامین الٰہیہ کے تابع ہے، جیسا کہ ملائکۃ اللہ بھی خود اپنا کوئی تصرف نہیں رکھتے اور ان کے تمام تصرفات (اور انہیں کے تصرفات کیا؟) تمام ذرات وجود تصرف الٰہی اور اسی لطیفہ غیبیۂ الٰہیہ سے ہیں "فاستقم کما امرت"۔ (... پس ثابت قدم رہو اسی طرح جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ ہود / ۱۱۲)۔

لیکن دوسرے احتمال کے بارے میں جو کچھ کہا گیا "لیلۃ القدر" کی وجہ تسمیہ کے بارے میں، کہو چونکہ زمین ملائکہ کی کثرت سے تنگ ہوجاتی ہے اس لیے اسے "لیلۃ القدر" کہتے ہیں. یہ وجہ اگرچہ بعید ہے، چاہے اعجوبہ زماں، خلیل بن احمد رضوان اللہ علیہ (۱) نے بیان فرمائی ہے، کیونکہ جو کچھ مورد بحث بن سکتا ہے یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ اصل عالم طبیعت و مادیت سے نہیں. پھر ان کی کثرت سے زمین کے تنگ ہونے کا کیا مفہوم ہے؟

معلوم ہو کہ اس مطلب کی نظیر روایت شریفہ میں وارد ہوئی ہے، جیسے سعد بن معاذ کی تشییع جنازہ کا قضیہ (۲) یا جیسے طالب علم کے لیے ملائکہ کا اپنے پروں کو بچھا دینا (۳) یہ یا تو ملائکہ کا مثالی صورتیں اختیار کرلینے اور ان کے عالم غیب سے عالم مثال میں نازل ہونے اور ملکوت ارض کو تنگ کردینے کے باب سے ہے یا ملک ارض میں ان کا ملکی صورت اختیار کرلینا ہے. اگرچہ (ملکی صورت اختیار کرلینے کے باوجود) ان کی ملکی صورت کو مادی حیوانی آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں. بہرحال زمین کا تنگ ہوجانا مثالی یا ملکی صورتوں کے اعتبار سے ہے.

دوسرا امر حقیقت "لیلۃ القدر" معلوم ہو کہ ہر باریک نکتہ کی ایک حقیقت اور ہر ملکی صورت کا ایک ملکوتی اور غیبی باطن ہوتا ہے اور اہل معرفت کہتے ہیں کہ حقیقت وجود کے مراتب نزول کو شمس حقیقت کے افق تعینات میں پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے "لیالی" کہتے ہیں اور آفاق تعینات سے شمس حقیقت کے نکلنے کے اعتبار سے اس کے مراتب صعود "ایام" کہلاتے ہیں. "ایام ولیالی" کی

۱۔ خلیل بن احمد بن عمر بن تمیم، ابو عبدالرحمن الباہلی البصری النحوی العروضی، سنہ ۱۰۰ یا ۱۰۵ ہجری قمری میں بصرہ میں ولادت اور سنہ ۱۶۰ یا ۱۷۰ یا ۱۷۵ میں وفات ہوئی. مشہور ادیب ولغوی اور علم عروض کے موجد، امامی مذہب اور بعض کے قول کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں تھے اور آپؑ سے روایت کرتے ہیں. مختلف فنون میں ان کی متعدد تالیفات ہیں جن میں "زبدۃ العروض، العین، امامت کے بارے میں ایک کتاب، الایقاع، النغم، الجمل، الشواہد، النقط والشکل اور اسماء وحروف کے معانی کے بارے میں ایک کتاب" زیادہ تفصیل کے لیے تراجم ورجال کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے جن میں اعیان الشیعہ، ج ۳۰ ص ۵۰ شامل ہے.

۲۔ فروع کافی، ج ۳ ص ۲۳۶ "کتاب الجنائز، باب المسئلۃ فی القبر" حدیث ۶.

۳۔ معالم الاصول، ص ۷، میں یہ مضمون چند طرق اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے.

سعادت و نحوست اس بیان سے واضح ہے۔

اور ایک اعتبار سے، قوس نزول " لیلۃ القدر محمدی (ص) " اور قوس صعود " یوم القیامۃ احمدی (ص) " ہے، کیونکہ یہ دو قوس "فیض منبسط " کے نور کا پھیلاؤ ہیں جو " حقیقت محمدیہ " ہے اور تمام تعینات " اسم اعظم " کے تعین اول سے ہیں۔ پس وحدت کے اعتبار سے، عالم شب قدر اور روز قیامت ہے اور یہ ایک شب وروز سے زیادہ نہیں ہے۔ اس طرح تمام دار تحقق " لیلۃ القدر محمدی (ص) " اور " یوم القیامۃ احمدی (ص) " ہے اور جس شخص میں اس حقیقت کا تحقق ہوجائے وہ ہمیشہ لیلۃ القدر اور یوم القیامۃ میں ہے اور یہ (شب قدر و یوم قیامت) باہم جمع ہوجاتی ہیں۔

اور نظر کثرت کے اعتبار سے راتیں اور دن پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا بعض راتیں صاحب قدر ہیں اور بعض نہیں ہیں اور تمام راتوں کے درمیان، وجود احمدی (ص) اور تعین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جس کے افق میں حقیقت وجود کا نور اپنے تمام شئون واسماء وصفات سمیت، کمال نوریت وتمام حقیقت کے ساتھ غروب ہوا ہے "لیلۃ القدر " مطلق ہے جیسا کہ یوم محمدی (ص) یوم القیامۃ مطلق ہے اور دوسری راتیں اور دن مقید راتیں اور مقید ہیں۔ اس وجود شریف اور قلب مطہر میں قرآن کا نزول، " لیلۃ القدر " میں قرآن کا نزول ہے۔ لہذا قرآن کشف مطلق کلی کے طور پر پورا کا پورا بھی " لیلۃ القدر " میں نازل ہوا ہے اور تدریجاً بھی ۲۳ سال میں "لیلۃ القدر " میں نازل ہوا ہے۔

اور شیخ عارف شاہ آبادی دام ظلہ (۱) فرماتے تھے کہ دورۂ محمدیہ (ص) "لیلۃ القدر " ہے اور یہ یا اس اعتبار سے ہے کہ تمام ادوار وجودیہ دورۂ محمدی (ص) ہیں اور یا اس اعتبار سے ہے کہ اس دور میں اقطاب کاملین محمدیہ (ص) اور ائمہ ہداۃ معصومین " لیالی قدر " ہیں۔ ہم نے جو احتمال دیا ہے اس پر ایک طولانی حدیث شریف دلالت کرتی ہے جو تفسیر برہان میں کافی شریف سے نقل کی گئی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ ایک عیسائی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ "حٰم والکتاب المبین انا انزلناہ

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۸۲۔

فی لیلۃ مبارکۃ انا کنامنذرین فیھا یفرق کل امر حکیم (۱) " کی تفسیر باطن کیا ہے ؟
امام علیہ السلام نے فرمایا : " حٰمٓ " حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اور " کتاب مبین " امیر المومنین علیؑ اور " اللیلۃ " حضرت فاطمہ علیہا السلام ہیں (۲) "۔

اور ایک روایت میں " لیالی عشر " (دس راتوں) کی تفسیر امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے امام حسن عسکری علیہ السلام تک ائمہ معصومینؑ سے کی گئی ہے (۳) یہ مراتب " لیلۃ القدر " میں سے ایک ہے جس کا ذکر امام موسی کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہے اور یہ اس بات کا شاہد ہے کہ " لیلۃ القدر " تمام دورۂ محمدیہ (ص) ہے۔

جو روایت تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے اور یہ روایت چونکہ ایک عظیم روایت ہے اور اس میں کئی معارف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اہم اسرار منکشف فرمائے ہیں، اس لیے ہم اسے تبرکاً بعینہٖ نقل کرتے ہیں :

قال رحمه الله، وعن الشيخ ابی جعفر الطوسی، عن رجاله، عن عبدالله بن عجلان السكونی، قال : سمعت اباجعفر عليه السلام يقول : "بيت علیّ وفاطمة حجرة رسول الله صلی الله عليه وآله وسقف بيتهم عرش رب العالمين . وفی قعر بيوتهم فرجة مكشوطة الی العرش معراج الوحی، والملائكة تنزل عليهم بالوحی صباحاً ومساءً وكل ساعة وطرفة عين . والملائكة لا ينقطع فوجهم ؛ فوج ينزل ، وفوج يصعد . وان الله تبارك وتعالیٰ كشف لابراهيم عليه السلام عن السموات حتی ابصر العرش ، وزاد الله فی قوة ناظره . وان الله زاد فی قوة ناظر محمد وعلی وفاطمة والحسن والحسين عليهم السلام ، وكانوا يبصرون العرش ولايجدون لبيوتهم سقفاً غير العرش، فبيوتهم مسقفة بعرش الرحمن . ومعارج الملائكة

۱۔ " حٰمٓ ، قسم ہے کتاب روشن کی، ہم نے اسے ایک مبارک رات میں اتارا ، یقیناً ہم ڈرانے والے تھے ۔اس رات ہر محکم (غیر قابل زیادتی ونقصان) تفصیل کے ساتھ بیان ہوتا ہے " (سورۂ دخان / ۱ ۔ ۴) تفسیر برہان ، ج ۴ ص ۱۵۸ ۔

۲۔ اصول کافی ، ج ۲ ص ۳۲۶ " کتاب الحجۃ ، باب مولد النبی " حدیث ۴ ۔

۳۔ تفسیر برہان ، ج ۴ ص ۴۵۷ " سورۂ الفجر " حدیث ۱ ۔

والروح فیها باذن ربهم من کل امر سلام . قال ، قلت : من کل امر سلام ؟ قال : بکل امر . فقلت : هذا التنزیل ؟ قال : نعم (۱).

اس حدیث شریف میں تدبر سے اہل معرفت پر معرفت کے دروازے کھلتے ہیں اور حقیقت ولایت اور باطن "لیلة القدر" کی حقیقت کا اس سے کچھ کچھ انکشاف ہوتا ہے .

امر سوم، معلوم ہو کہ جس طرح "لیلة القدر" کی ایک حقیقت اور ایک باطن ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا اس کے لیے عالم طبیعت میں ایک صورت اور مظہر، بلکہ بہت سے مظاہر ہیں اور چونکہ مظاہر کے درمیان نقص و کمال میں فرق ہو سکتا ہے اس لیے تعیین "لیلة القدر" کے بارے میں وارد اقوال واخبار کے درمیان جمع کی صورت نکلنا ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ روایات میں جتنی لیالی قدر کا ذکر آیا ہے وہ سب "لیلة القدر" کے مظاہر ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض لیالی شرافت و کمال مظہریت میں بعض سے فرق رکھتی ہیں اور وہ عظیم شب جو "لیلة القدر" کا تمام ظہور اور حضرت ختمی مرتبت (ص) کے وصل تام اور خاتمیت کے حصول کامل کی شب ہے، تمام سال میں یا ماہ رمضان المبارک میں یا اس کے آخری عشرہ میں یا تین راتوں میں مخفی ہے اور روایات عامہ وخاصہ میں بھی

۱۔ صاحب تفسیر برہان رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ شیخ ابو جعفر طوسی سے ، ان کے اسناد کے ساتھ ، عبد اللہ بن عجلان سکونی سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو سنا آپ نے فرمایا: خانہ علیؑ وفاطمہؑ حجرۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور ان کے گھر کی چھت عرش رب العالمین اور ان کے گھر کی انتہا میں ایک شگاف ہے جس سے عرش تک معراج وحی سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے اور ملائکہ صبح وشام اور ہر ساعت اور ہر لحظہ وحی لے کر ان کے پاس آتے ہیں اور ملائکہ کی فوج کے نزول کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ ایک دستہ آتا ہے اور دوسرا دستہ جاتا ہے . یقیناً خداوند عالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آسمان کے پردوں کو ہٹایا ، یہاں تک کہ انہوں نے (زمین سے) عرش کو دیکھا اور اللہ نے ان کی آنکھوں کی قوت بڑھا دی اور یقیناً خداوند عالم نے محمدؐ ، علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ وحسینؑ کی آنکھوں کی قوت بھی بڑھائی کہ وہ (زمین ہی سے) عرش کا مشاہدہ فرماتے تھے اور عرش کے علاوہ ان کو اپنے گھروں کی کوئی چھت نظر نہ آتی تھی . ان کے گھروں کی چھت عرش رحمان ہے اور ملائکہ وروح کو ان کے گھروں میں معراج ہوتی ہے "من کل امر سلام". راوی کہتا ہے میں نے پوچھا : "من کل امر سلام ؟" فرمایا: "بکل امر" میں عرض کیا . یہ اسی طرح نازل ہوا ہے ؟ فرمایا: ہاں"

تفسیر برہان ، ج ۴ ص ۴۸۷ "سورۃ القدر" حدیث ۲۵ .

اختلاف ہے. روایات عامہ میں بھی انیسویں، اکیسویں اور تیئیسوں راتوں کے درمیان بطور تردید ذکر کیا گیا ہے اور کبھی اکیسویں اور تیئیسوں شب کے درمیان مردد کیا گیا ہے.

شہاب بن عبد ربہٗ کا بیان ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے "لیلۃ القدر" کے بارے میں باخبر کیجئے. فرمایا: "اکیسویں شب، اور تیئیسویں شب (۱)".

عبدالواحد بن المختار الانصاری کہتے ہیں: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے "لیلۃ القدر" کے بارے میں سوال کیا. فرمایا: "دو راتوں میں ہے تیئیسویں شب اور اکیسویں شب" میں نے کہا: ان دو میں کسی ایک کو تنہا بیان فرمائیے. فرمایا: "اگر دونوں راتوں میں اعمال بجا لاؤ تو کیا فرق پڑ جائے گا کیونکہ ان میں سے ایک تو بہرحال شب قدر ہے (۲)".

حسان بن علی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے "لیلۃ القدر" کے بارے میں پوچھا. فرمایا: "انیسویں، اکیسویں اور تیئیسویں شب میں تلاش کرو (۳)".

اور سید عابد زاہد رضی اللہ عنہ اقبال میں فرماتے ہیں: جان لو کہ یہ رمضان کی تیئیسویں رات ہے، اخبار صریحہ میں وارد ہوا ہے کہ یہ "لیلۃ القدر" ہے بہ مکاشفہ و بیان. منجملہ ان روایتوں کے ہم اپنے اسناد سے سفیان بن السبط (السمط۔خ ل) تک روایت کرتے ہیں. وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا، مجھے شب قدر کو بطور مفرد معین کر کے بتائیے. فرمایا: "تیئیسویں شب" اور منجملہ ان روایتوں کے یہ ہے جو ہم اپنے اسناد سے زرارہ تک روایت کرتے ہیں اور وہ عبدالواحد بن المختار الانصاری سے. انہوں نے بیان کیا: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے "لیلۃ القدر" کے بارے میں سوال کیا. فرمایا: "خدا کی قسم میں تمہیں خبر دے رہا ہوں اور تم سے پوشیدہ نہیں رکھ رہا ہوں. وہ آخری سات راتوں میں پہلی رات ہے" پھر زرارہ سے نقل کرتے ہیں کہ

۱۔ مجمع البیان، ج ۱۰ ص ۵۱۹، نور الثقلین، ج ۵ ص ۶۳۸ "سورۃ القدر" حدیث ۷۱.

۲۔ بحار الانوار، ج ۹۵ ص ۱۳۹.

۳۔ مجمع البیان، ج ۱۰ ص ۵۱۹، وسائل الشیعہ، ج ۷ ص ۲۶۳ "کتاب الصوم" باب ۳۲ حدیث ۲۱.

انہوں نے کہا: وہ مہینہ جس میں حضرت نے یہ تعیین فرمائی، انتیس دن کا تھا (۱) اس کے بعد اور روایتیں نقل کی ہیں کہ "لیلۃ القدر" تیئیسویں شب ہے. ان میں ایک جہنی (۲) کا قضیہ ہے جو مشہور ہے۔

تنبیہ عرفانی

جیسا کہ ان دو سوروں میں جن کا ذکر کیا جا چکا، کہا گیا، اظہر یہ ہے کہ ہر سورہ کی "بسم اللہ"، اسی سورہ سے متعلق ہے. اس بنا پر سورۂ مبارکہ "قدر" میں معنیٰ یوں ہوں گے کہ حقیقت شریفہ قرآنیہ اور لطیفہ مقدسہ الہیہ کو ہم نے اسم اللہ سے جو جمع اسمائی کی حقیقت اور ربوبیت کا اسم اعظم ہے اور رحمت مطلقہ "رحمانیہ ورحیمیہ" سے متعین ہے، لیلۃ القدر محمدی (ص) میں نازل کیا، یعنی ظہور قرآن ظہور جمعی الہیت اور قبض وبسط "رحیمیت ورحمانیت" ہے، بلکہ حقیقت قرآن حضرت اسم اللہ الاعظم کا مقام ظہور ہے ظہور "رحمانیت ورحیمیت" کے ساتھ اور جامع جمع وتفصیل ہے. اس وجہ سے یہ کتاب شریف "قرآن" بھی ہے اور "فرقان" بھی جس طرح حضرت ختمی مرتبت (ص) کی روحانیت اور آپ (ص) کا مقام ولایت قرآن بھی ہے اور فرقان بھی اور جمع وتفصیل کا مقام "احدیت" بھی ہے۔

پس ذات مقدس کا گویا یہ ارشاد ہے: ہم نے مقام اسم اعظم کی تجلی سے جو جمع وتفصیل کا مقام "احدیت" ہے رحمت "رحمانیہ ورحیمیہ" کے ظہور کے ساتھ لیلۃ القدر محمدی (ص) میں قرآن کو نازل کیا اور چونکہ عالم فرق، بلکہ عالم فرق الفرق، میں، "دونوں قرآنوں" کے درمیان، یعنی قرآن مکتوب جو نازل کیا گیا اور وہ قرآن جس پر قرآن مکتوب نازل کیا گیا، فرقانیت پیدا ہو گئی ہے. شب وصال میں ہم نے دونوں قرآنوں کے درمیان وصل اور دونوں فرقانوں کو مجتمع کر دیا. اس اعتبار سے بھی یہ

۱۔ اقبال الاعمال، ص ۲۰۶.

۲۔ اقبال الاعمال، ص ۲۰۷.

شب "لیلۃ القدر" ہے، لیکن اس کی قدر، جیسی چاہیے، بالاصالۃ خود حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا جو صاحب "لیلۃ القدر" ہیں اور بالتبعیۃ ان کے اوصیائے معصومینؑ کے سوا جو ان کے ساتھی ہیں، کوئی نہیں جانتا۔

تتمۃ

بعض روایتیں جو "لیلۃ القدر" کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں

ان میں وہ روایات ہیں جو عارف باللہ سید ابن طاووس رضی اللہ عنہ نے کتاب شریف اقبال میں نقل فرمائی ہیں۔ فرماتے ہیں: "مجھے کتاب یواقیت، تالیف ابوالفضل بن محمد الہروی، میں چند روایتیں "لیلۃ القدر" کی فضیلت میں ملیں" یہاں تک کہ فرماتے ہیں: پیغمبر (ص) سے منقول ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا: "موسیٰ نے کہا: "الٰہی میں تیرا تقرب چاہتا ہوں" ارشاد ہوا: "میرا تقرب اس کے لیے ہے جو شب قدر میں بیدار ہو" موسیٰ نے عرض کی: "الٰہی میں تیری رحمت کا طلبگار ہوں" فرمایا: "میری رحمت اس کے لیے ہے جو فقراء پر شب قدر میں رحم کرے" عرض کیا: "میں صراط سے گزرنا چاہتا ہوں" فرمایا: "یہ اس کے لیے ہے جو شب قدر میں صدقہ دے" عرض کی: "خدایا، میں بہشت کے درختوں اور اس کے میووں کا خواہشمند ہوں" آواز آئی: "یہ اس کے لیے ہیں جو شب قدر میں تسبیح کرے" عرض کی: "خدایا میں نجات چاہتا ہوں" ندا آئی: "آتش جہنم سے نجات؟" عرض کی: "ہاں" فرمایا: "یہ اس کے لیے ہے جو شب قدر میں استغفار کرے" عرض کی: "معبود! تیری رضا چاہتا ہوں" جواب ملا: "میری رضا اس کے لیے ہے جو شب قدر میں دو رکعت نماز پڑھے"۔

اسی کتاب میں پیغمبر (ص) سے منقول ہے۔ آپ (ص) نے فرمایا: "شب قدر میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پس کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو شب قدر میں نماز پڑھے مگر خداوند تعالیٰ اس کے لیے ہر سجدہ کے عوض بہشت میں ایک درخت لکھ دیتا ہے کہ اگر اس کے سائے میں کوئی سوار سو سال تک چلتا رہے تو اس (کے سائے) کو تمام نہیں کر سکتا اور ہر رکعت (رکوع) کے عوض ایک گھر مروارید، یاقوت، زبرجد اور موتی کا تعمیر کرتا ہے اور ہر آیت کے بدلے جنت کے تاجوں میں سے

ایک تاج عطا فرماتا ہے اور ہر تسبیح کے بدلے ایک مرغ بہترین ونفیس اور ہر قعود کے بدلے میں درجات بہشت میں سے ایک درجہ ہر تشہد کے بدلے میں جنت کے کمروں میں سے ایک کمرہ اور ہر سلام کے بدلے بہشت کے حلوں میں سے ایک حلہ اور جب صبح کا سفیدہ نمایاں ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کو ایسی باالفت وانس عورتیں، جن کے سینے ان کے لباس سے ابھرے ہوئے اور ظاہر ہوتے ہیں، خوش اخلاق اور تہذیب یافتہ کنیزیں اور ہمیشہ نوعمر رہنے والے غلمان عطا فرماتا ہے اور پاکیزہ طائر، خوشبودار پھول، بہتی ہوئی نہریں، پسندیدہ نعمتیں، تحفے، ہدیے، خلعتیں، کرامتیں اور جس چیز کی نفس خواہش کرے اور آنکھیں لذت پائیں اور تم سب ان میں ہمیشہ رہو گے۔

اسی کتاب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ: "جو شخص شب قدر میں بیدار رہے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں، چاہے تعداد میں آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر، وزن میں پہاڑوں کے وزن کے برابر اور مقدار میں دریاؤں کی مقدار کے برابر ہوں (۱)"۔

اور حدیثیں "لیلۃ القدر" کی فضیلت میں ان اوراق کی گنجائش سے زیادہ ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وما ادریٰک ما لیلۃ القدر...

جملہ کی یہ ترکیب معنیٰ کی تعظیم وتکریم اور حقیقت کی عظمت واہمیت کے اظہار کے لیے ہے، خصوصاً متکلم اور مخاطب کے لحاظ سے حالانکہ حق تعالیٰ متکلم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب ہیں۔ اس کے باوجود مطلب اس قدر باعظمت ہے کہ اس کا اظہار لفظوں کی بندش اور حروف وکلمات کی ترکیب کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ گویا حق تعالیٰ فرماتا ہے: "لیلۃ القدر" کیا باعظمت حقیقت ہے، تم نہیں جانتے ہو۔ اس کی حقیقت کو بیان نہیں کیا جاسکتا اور حروف وکلمات کا نظم وربط اس حقیقت کو بیان کرنے کے لائق نہیں ہے۔ اس لیے، اس کے باوجود کہ لفظ "ما" بیان حقیقت کے لیے آتا ہے، اس کے بیان سے صرف نظر کرلیا اور فرمایا: "لیلۃ القدر خیر من الف شھر" اس

۱۔ بحار الانوار، ج ۹۸ ص ۱۶۸۔

کے خواص و آثار سے اس کا تعارف کرایا، کیونکہ اس کی حقیقت کا بیان ممکن ہی نہیں ہے. اس سے بھی یہ قوی حدس پیدا ہوتا ہے کہ " لیلۃ القدر " کی حقیقت اور اس کا باطن اس کی صورت اور ظاہر کے علاوہ ہے. اگرچہ یہ ظاہر بھی اہمیت و عظمت کا حامل ہے، لیکن اس مقام تک نہیں کہ رسول اللہ (ص) جیسے ولی مطلق اور محیط بہ کل عوالم کی نسبت اس (ظاہر) سے تعبیر کی جائے.

اگر تم کہو کہ: اس احتمال کی بنا پر جو مذکور ہوا کہ باطن " لیلۃ القدر " خود وجود و حقیقت رسول اکرم (ص) ہے جس میں شمس حقیقت اپنے تمام شئون کے ساتھ پوشیدہ ہے، اشکال اور زیادہ قوی ہوجاتا، کیونکہ پھر خود آنحضرت (ص) سے نہیں کہا جاسکتا کہ تم نہیں جانتے کہ " لیلۃ القدر " جو خود تمہاری ملکی صورت ہے، کیا ہے؟

تو ہم کہیں گے کہ اس مطلب کا ایک راز اور اس نکتہ کا ایک باطن ہے " وذلک لمن القی السمع و ھو شھید (۱) " اے عزیز! یاد رکھو کہ چونکہ حقیقی " لیلۃ القدر " یعنی حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود یا صورت یا عین ثابت کے باطن میں جلوۂ اسم اعظم یا تجلی احدی جمعی الٰہی ہے، اس وجہ سے جب تک عبد سالک الی اللہ، یعنی حضرت رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجاب میں ہیں، اس وقت تک اس باطن اور اس حقیقت کا مشاہدہ نہیں فرما سکتے. جیسا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے بارے قرآن شریف میں آیا ہے " لن ترانی یا موسیٰ (۲) " حالانکہ ان کے لیے تجلی ذاتی یا صفاتی ہوئی جس پر آیہ کریمہ " فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکاً وخرّ موسیٰ صعقاً (۳) " اور دعائے شریف عظیم الشان " سمات " کے فقرے دلیل ہیں، جیسا کہ اچھی طرح واضح ہے اور اس کا نکتہ بھی یہی ہے کہ: اے موسیٰ! جب تک حجاب موسوی اور پردۂ خودی میں ہو، مشاہدہ ممکن نہیں ہے. مشاہدۂ جمال جمیل اس کے لیے ہے جو خودی سے

۱۔ " اس شخص کے لیے جو شہادت (پوری توجہ) کے ساتھ کان کھلے رکھے " آیہ " لمن کان لہ قلب او القی السمع و ھو شھید " سے اقتباس. سورۂ ق / ۳۷.

۲۔ " ہرگز مجھے نہ دیکھو گے اے موسیٰ " سورۂ اعراف / ۱۴۳.

۳۔ حاشیہ ۱ ص ۳۴۰.

باہر نکل جائے اور جب خودی سے باہر نکل جائے گا تو چشم حق سے دیکھے گا اور چشم حق ہی خود حق میں ہوجائے گی۔ پس جلوۂ اسم اعظم کو جو "لیلۃ القدر" کی صورت کمالیہ ہے، خودی کے پردے میں رہتے ہوئے نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس لیے اس تحقیق کی بنا پر یہ تعبیر صحیح اور بر محل ہے۔

اور اگر تم یہ کہو کہ: "لیلۃ القدر" نفس وجود احمدی (ص) ہے اس اعتبار سے کہ شمس حقیقت اس میں پوشیدہ ہے خود شمس حقیقت (لیلۃ القدر) نہیں ہے تو یہ توجیہ کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟

تو ہم کہیں گے کہ: اہل نظر کی زبان میں کسی شے کی شیئیت اس شے کی صورت کمالیہ سے ہے اور جو اشیاء ذات الاسباب ہوتی ہیں، خصوصاً اگر سبب الٰہی ہو، وہ اس وقت تک نہیں پہچانی جاسکتی ہیں جب تک ان کا سبب نہ پہچان لیا جائے اور اہل معرفت کی نظر سے ظاہر و باطن اور جلوہ و متجلی کی باہمی نسبت دو مفارق چیزوں کی نسبت نہیں ہے، بلکہ ایک ہی حقیقت ہے جو کبھی جلوۂ ظہوری میں آتی ہے کبھی جلوۂ بطونی میں، جیسا کہ ایک مشہور عارف نے کہا ہے:

ما عدم ہائیم ہستی ہا نما
تو وجود مطلق و ہستی ما

سب کے سب عدم ہیں ہم، بس دکھاتے ہیں ہستی
تو وجود مطلق ہے، تو ہماری ہستی

یہ عارف رومی کی کہی ہوئی بات کوئی انتہا نہیں رکھتی اور اس سے صرف نظر ہی بہتر ہے۔

قولہ تعالیٰ: لیلۃ القدر خیر من الف شہر ...

اگر ہم "لیلۃ القدر" کو اس کی ظاہری ملکی صورت کے لحاظ سے دیکھیں تو اس کی "خیریت" "الف شہر" یعنی ہزار مہینوں سے ہے، جن میں "لیلۃ القدر" شامل نہیں ہے یا "لیلۃ القدر" اور اس میں عبادت وطاعت ان ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں اسرائیلی ہتھیار بندی کرتے رہے اور راہ خدا میں جہاد کرتے رہے یا یہ کہ "لیلۃ القدر" بہتر ہے بنی امیہ لعنۃ اللہ علیہم کی سلطنت کے ہزار مہینوں

سے جیسا کہ روایات شریفہ میں ہے (۱).

اور اگر "لیلۃ القدر" کو اس کی حقیقت کے لحاظ سے دیکھیں تو "الف شھر" ممکن ہے تمام موجودات سے کنایہ ہو. اس اعتبار سے کہ "الف" عدد کامل ہے اور "شہر" سے مراد انواع ہے، یعنی وجود شریف محمدی (ص) جو انسان کامل ہیں ہزار نوع، یعنی تمام موجودات سے بہتر ہیں، جیسا کہ بعض اہل معرفت نے کیا ہے (۲).

راقم الحروف کی نظر میں ایک اور احتمال آیا ہے وہ یہ ہے کہ "لیلۃ القدر" ممکن ہے اشارہ ہو مظہر اسم اعظم کی طرف، یعنی مرآت تام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور "ہزار شہر" سے مراد دوسرے اسماء کا مظہر ہو اور چونکہ حق تعالیٰ کے "ایک ہزار ایک" اسم ہیں جن میں ایک اسم "مستاثر" علم غیب میں ہے اس جہت سے "لیلۃ القدر" بھی مستاثر ہے اور وجود محمدی (ص) کی "لیلۃ القدر" بھی اسم مستاثر ہے. اس وجہ سے اس مستاثر پر سوائے ذات مقدس رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی مطلع نہیں ہوسکتا.

تنبیہ عرفانی

جاننا چاہئے کہ جس طرح ولی کامل و نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "لیلۃ القدر" ہیں. اس اعتبار سے کہ اسم اعظم آپ (ص) ہی کا باطن ہے اور حق اپنے تمام شئون کے ساتھ آپ (ص) ہی کی ذات میں محتجب ہے. اسی طرح آپ (ص) "یوم القدر" بھی ہیں، اس اعتبار سے کہ شمس حقیقت کا ظہور اور اسم جامع کا حضور آپ (ص) ہی کے افق تعین سے ہے، جیسا کہ "یوم القیامۃ" بھی آنحضرت (ص) ہی ہیں.

وبالجملہ، آپ (ص) کی ذات مقدس "شب قدر" بھی ہے اور "روز قدر" بھی اور "روز قیامت"

۱۔ بحار الانوار، ج ۹۴ ص ۸ از مجالس شیخ، تفسیر علی بن ابراہیم، ص ۷۳۲، تفسیر برہان، ج ۴ ص ۴۸۶، کافی (روضہ) ص ۲۲۲ حدیث ۲۸۰.

۲۔ ماخذ معلوم نہ ہوسکا.

بھی روز قدر ہے. بنا بریں، ایک نکتہ، کہ تمام "مظاہر" کی تعبیر "شہر" سے اور اس مظہر مقدس تام کی تعبیر "لیلۃ" سے کی گئی ہے، شاید یہ ہو کہ شہور و سنین (مہینوں اور برسوں) کا مبدا "شب و روز" ہے جیسے واحد عدد کا مبدا ہے اور آنحضرت (ص) باطن حقیقت، یعنی اسم اعظم کے اعتبار سے تمام اسماء کا مبدا ہیں اور اپنے تعین اور عین ثابت کے اعتبار سے اصل شجرۂ طیبہ اور مبدا تعینات ہیں "تدبر تعرف واغتنم".

قولہ تعالیٰ: تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر...

اس آیۂ شریفہ میں کچھ مطالب ہیں. بطور اجمال ہم ان میں بعض کو بیان کرتے ہیں.

امر اول، اصناف ملائکۃ اللہ کا ذکر اور ان کی حقیقت کی طرف اجمالی اشارہ.

معلوم ہو کہ محدثین و محققین کے درمیان ملائکۃ اللہ کے تجرد اور تجسم کے بارے میں اختلاف ہے. تمام حکماء و محققین اور بہت سے محققین فقہاء ان کے اور نفس ناطقہ کے تجرد کے قائل ہیں. انہوں نے اس پر مستحکم براہین قائم کیے ہیں اور بہت سے روایات و آیات شریفہ سے بھی تجرد کا استفادہ ہوتا ہے. چنانچہ محدث محقق مولانا محمد تقی مجلسی، پدر بزرگوار مرحوم مجلسی، نے شرح فقیہ میں، بعض روایات کے ذیل میں فرمایا ہے کہ یہ نفس ناطقہ پر دلالت کرتی ہے (۱).

بعض بزرگ محدثین عدم تجرد کے قائل ہیں اور سب سے آخری دلیل جو وہ لائے ہیں، یہ ہے کہ تجرد کو ماننا منافی شریعت ہے اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ ذات مقدس حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی مجرد نہیں ہے. یہ کلام بہت ہی کمزور ہے. اس لیے کہ ان کی نظر میں شاید سب سے اہم دو باتیں ہوں گے: اول، عالم کے حدوث زمانی کا قضیہ، کہ یہ توہم پیدا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی موجود

---

۱. منجملہ اور روایتوں کے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس روایت "اذا قبضت الروح فھی مطلۃ فوق الجسد..." کے ذیل میں یوں لکھا ہے: "وھذا الخبر والخبر الذی یجی. بعدہ وما ماثلھا من الاخبار الکثیرۃ وغیرھا من الاخبار بالغۃ حد التواتر وظواھر الایات تدل علی المعاد الروحانی، وھو بقاء النفس بعد خراب البدن..." روضۃ المتقین، ج ۱ ص ۴۹۲.

کا مجرد ہونا اس (عالم کے حدوث زمانی) کے منافی ہے۔

دوسرے حق تعالیٰ کا فاعل مختار ہونا، کہ گمان پیدا ہوا ہے کہ عالم عقل اور ملائکۃ اللہ کا مجرد ہونا اس (حق تعالیٰ کے فاعل مختار ہونے) کے منافی ہے اور یہ دونوں مسئلے علوم عالیہ کے اہم مسائل میں سے ہیں اور اس طرح کے مسائل کا موجود مجرد کے منافی نہ ہونا واضح ہوچکا ہے، بلکہ نفوس ناطقہ اور عالم عقل اور ملائکۃ اللہ کو مجرد نہ ماننا بہت سے مسائل الٰہیہ اور عقائد حقہ کے منافی ہے جن کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے اور حدوث زمانی عالم، جس طور سے ان لوگوں نے گمان کیا ہے، اصل مسئلہ حدوث زمانی کے منافی ہے۔ مزید یہ کہ بہت سے قواعد الٰہیہ کے بھی منافی ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک عقل ونقل کے مطابق حق یہ ہے کہ ملائکہ اللہ میں کثیر اصناف ہیں جن میں بہت سے مجرد ہیں اور بہت سے جسمانی برزخی ہیں " وما یعلم جنود ربک الا ھو (۱) " اور تقسیم کلی کے اعتبار سے ان کی صنفیں یہ ہیں کہ علماء نے کہا ہے کہ موجودات ملکوتیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق عالم اجسام سے نہیں، نہ تعلق حلولی اور نہ تعلق تدبیری۔ اور دوسرے وہ جس کا ان دو وجہوں (تعلق حلولی اور تعلق تدبیری) میں سے کسی ایک سے تعلق ہو۔

پہلی قسم دو طرح کی ہے :

ایک وہ قسم جنہیں ملائکہ " مہیمنہ " کہتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو جمال جمیل میں مستغرق اور ذات جلیل میں متحیر ہیں اور دوسرے مخلوقات سے غافل اور دوسرے موجودات کی طرف توجہ نہیں رکھتے۔

اولیائے خدا میں بھی ایک گروہ ایسا ہی ہے اور جس طرح ہم مادیت کے تاریک سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور عالم غیب اور ذات ذو الجلال سے، حالانکہ وہ ظاہر بالذات ہے اور ہر ظہور اسی کے ظہور کا پرتو ہے، کلی طور پر غافل ہیں۔ وہ عالم اور جو کچھ عالم میں ہے، سب سے غافل اور حق اور اس کے جمال جمیل میں مشغول ہیں۔ روایت میں ہے کہ خدا کے ایسے مخلوقات بھی ہیں جنہیں نہیں معلوم کہ خدا نے آدم وابلیس کو خلق فرمایا (۲)۔

۱۔ " تمہارے رب کے لشکر والوں سے اس کے علاوہ کوئی آگاہ نہیں " سورۂ مدثر / ۳۱۔

۲۔ علم الیقین، ج ۱ ص ۲۵۰، کافی (روضہ) ص ۲۳۱ حدیث ۳۰۱۔

دوسری قسم وہ ہیں جنہیں خدا نے اپنی طرف سے وسائط رحمت وکرم قرار دیا ہے۔ وہ سلسلہ موجودات کا مبدا اور ان کی غایت شوق ہیں۔ اس گروہ کو "اہل جبروت" کہتے ہیں۔ ان کا پیش رو اور رئیس "روح اعظم" ہے اور شاید آیۂ شریفہ "تنزل الملائکۃ والروح" بھی ملائکۃ اللہ کے اسی گروہ کی طرف اشارہ ہو اور مخصوص طور پر "روح" کا ذکر، حالانکہ وہ ملائکہ میں شامل ہے، اس کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے۔ چنانچہ آیۂ شریفہ "یوم یقوم الروح والملائکۃ صفاً (۱)" میں بھی اسی طرف اشارہ ہے اور ایک اعتبار سے روح کو "قلم اعلیٰ" کہتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے "اول ما خلق اللہ القلم (۲)" اور ایک اعتبار سے اسے "عقل اول" کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے "اول ما خلق اللہ العقل (۳)" اور بعض لوگ روح سے "جبرائیلؑ" کو مراد لیتے ہیں اور فلاسفہ جبرئیل کو آخر ملائکہ کروبین سمجھتے ہیں اور ان کو "روح القدس" سمجھتے ہیں اور روح کو اول ملائکہ کروبین جانتے ہیں۔

روایت شریفہ میں بھی ارشاد ہے کہ "روح اعظم" جبرئیل ہے۔ جیسا کہ کافی شریف سے منقول ہے کہ ابو بصیر کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا خدا کے قول "یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربّی" کے بارے میں۔ آپؑ نے فرمایا: "جبرئیل ومیکائیل سے بڑی ایک مخلوق ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی اور اب ائمہ علیہم السلام کے ساتھ ہے اور وہ ملکوت میں سے ہے (۴)"۔ اور بعض روایات میں ہے کہ "روح" ملائکہ میں سے نہیں ہے، بلکہ ان سے عظیم تر ہے (۵)۔

اور شاید قرآن واحادیث کی زبان میں "روح" کے دو اطلاق ہوں جس طرح اہل اصطلاح کی زبان میں کئی اطلاق ہیں۔ ایک روح اصناف ملائکہ میں ہے، جیسا کہ (معصومؑ نے) فرمایا کہ ملکوت سے ہے

۱۔ "جس دن ملائکہ اور روح صف بستہ کھڑے ہوں گے" سورۂ نبا / ۳۸۔

۲۔ "پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ قلم تھا" تفسیر نور الثقلین، ج ۵ ص ۳۸۹ حدیث ۹، علم الیقین، ج ۱ ص ۱۵۴۔

۳۔ "سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا" بحار الانوار، ج ۱ ص ۹۷۔

۴۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۱۸ "کتاب الحجۃ، باب الروح التی یسدد ھا اللہ بھا الائمۃ" حدیث ۳۔

۵۔ بحار الانوار، ج ۲۵ ص ۴۳ "کتاب الامامۃ، ابواب خلقھم وطینتھم وارواحھم" باب ۳ حدیث ۴۵۔

اور ایک روح خود حضرات اولیاء کی روح ہے، جو ملائکہ میں سے نہیں اور ان سے عظیم تر ہے۔ اس بنا پر ممکن ہے "روح" سورۂ شریفہ "قدر" میں شب قدر میں نازل ہونے کے اعتبار سے "روح الامین" یا "روح اعظم" سے عبارت ہو اور آیۂ شریفہ "یسئلونک عن الروح (۱)" میں روح انسانی سے عبارت ہو جو مرتبہ کمال میں جبرئیل اور دیگر ملائکہ سے عظیم تر ہے، بلکہ کبھی "مشیت" سے بھی متحد ہوجاتی ہے جو امر مطلق ہے۔

دوسری قسم ملائکۃ اللہ کی، وہ ہیں جو موجودات جسمانیہ پر مؤکل اور ان میں مدبر ہیں اور ان کی کثیر صنفیں اور بے شمار گروہ ہیں، کیونکہ ہر علوی یا سفلی، فلکی یا عنصری موجود کے لیے ایک ملکوتی جہت ہے جس سے وہ عالم ملائکۃ اللہ سے متصل اور جنود حق کے ساتھ ہوتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ ملکوت اشیاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیۂ شریفہ میں فرماتا ہے: "فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون (۲)"۔

اور حضرت رسول (ص) کثرت ملائکہ کے بارے میں فرماتے ہیں، جیسا کہ روایت ہے: "اطّت السماء و حق لہ ان تئط: ما فیھا موضع قدم الا و فیہ ملک ساجد او راکع (۳)" اور روایات شریف میں کثرت ملائکہ کے بارے میں اور ان کی کثیر صنفوں سے متعلق بہت ذکر آیا ہے (۴)۔

امر دوم، ولی امر پر ملائکۃ اللہ کے نزول کی کیفیت

معلوم ہے کہ روح اعظم جو ملائکہ اللہ کے درمیان مخلوق اعظم ہے، یعنی ملائکۃ اللہ کے مرتبہ اول میں واقع ہے اور ان سب میں اشرف و اعظم ہے اور عالم جبروت کے رہنے والے مجرد ملائکۃ اللہ اپنے مقام سے تجاوز نہیں کرتے اور ان کے لیے ان معنی میں نزول و صعود جو اجسام کے لیے ہے محال ہے،

۱۔ "تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں..." سورۂ اسراء / ۸۵۔

۲۔ "پس پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر شے کا ملکوت ہے اور اسی کی طرف پلٹو گے" سورۂ یٰس / ۸۳۔

۳۔ "آسمان نے آواز دی ہے اور اسے حق ہے کہ آواز دے۔ کوئی جائے قدم اس میں نہیں ہے مگر وہاں کوئی فرشتہ حالت سجود یا حالت رکوع میں ہے" علم الیقین، ج ۱ ص ۲۵۹۔

۴۔ بحار الانوار، ج ۵۶ ص ۱۴۴ کے بعد تک "ابواب الملائکہ"۔

کیونکہ مجرد لوازم اجسام سے منزہ ومبرا ہوتا ہے. لہذا ان کا نزول چاہے ولی اللہ کے مرتبہ قلب میں ہو یا مرتبہ صدر میں یا مرتبہ حس مشترک میں ہو اور یا کسی بقعۂ ارض میں، جیسے کعبہ یا قبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد یا بیت المعمور میں ہو، وہ ملکوتی یا ملکی تمثل کے طور پر ہوتا ہے. چنانچہ خدائے تعالیٰ حضرت مریمؑ پر "روح الامین" کے نزول کے بارے میں فرماتا ہے :" فتمثل لها بشراً سویاً (۱) " چنانچہ کامل اولیاء کے لیے بھی تمثل ملکوتی اور تروح جبروتی ممکن ہے. پس ملائکۃ اللہ کو تروح اور ظاہر سے باطن کی طرف رجوع کے طور پر ملک وملکوت میں داخل ہونے کی قوت وقدرت حاصل ہے اور اس معنیٰ کی تصدیق اس شخص کے لیے آسان جو حقائق مجردات کو، چاہے مجرد ملکوتی ہوں یا جبروتی اور چاہے نفوس ناطقہ ہوں کہ وہ بھی مجردات جبروتیہ یا ملکوتیہ ہیں، سمجھتا ہو اور مراحل وجود اور ان کے مظاہر اور ظاہر کی باطن سے اور باطن کی ظاہر سے نسبت کا تصور کر چکا ہو .

اور جاننا چاہیے کہ "جبروتیین وملکوتیین" کا مثالی صورت اختیار کرنا انسانی قلب وصدر اور حس میں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ لباس بشریت سے نکل نہ جائے اور ان عوالم (جبروت وملکوت) سے تناسب نہ پیدا کرلے. ورنہ جب تک نفس تدبیرات ملکیہ میں مشتغل اور ان عوالم سے غافل رہے گا اس وقت تک ان مشاہدات وتمثلات کا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے. ہاں ! کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ اولیاء میں سے کسی کے اشارہ پر اس عالم سے صرف نظر حاصل ہوجائے اور بقدر لیاقت عوالم غیب کا کچھ معنوی یا صوری ادراک کرلے اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مثلاً بعض ہولناک امور کے واسطہ سے نفس کو مادیت سے انصراف حاصل ہوجائے اور عالم غیب کے کسی نمونہ کا ادراک کرلے، جیسا کہ شیخ الرئیس نے ایک سادہ لوح شخص کا قضیہ نقل کیا ہے جس نے حج بیت اللہ میں آتش جہنم سے نجات کا پروانہ حاصل کرلیا تھا اور شیخ عارف، محیی الدین (ابن عربی) نے بھی ایسا ہی ایک قضیہ نقل کیا ہے (۲) . یہ بھی عالم ملک سے نفوس کا انصراف وانحراف ہے اور توجہ ملکوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اولیائے کاملین کے نفوس عوالم سے جدا ہونے اور روح اعظم یا تمام

۱۔ " پس انسان کامل کی صورت میں ان پر تجلی کی " سورۂ مریم / ۱۷ .

۲۔ ماخذ معلوم نہیں ہوسکا .

ملائکہ اللہ کی قوت نفس کے واسطہ سے مشاہدہ کے بعد ہوش میں آتے ہیں اور حضرات غیب وشہادت کو محفوظ کرلیتے ہیں. اس صورت میں تمام نشئات میں، آن واحد میں، حقائق جبروتیین کا مشاہدہ کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود ولی کامل کی قدرت سے نزول ملائکہ ہوتا ہے. واللہ العالم.

امر سوم، معلوم ہو کہ "لیلۃ القدر" چونکہ حضرت رسول خدا وائمہ ھدیٰ علیہم السلام کی شب مکاشفہ ہے، اس وجہ سے ان کے لیے غیب ملکوت سے تمام ملکی امور کا کشف ہوتا ہے اور امور میں سے ایک ایک امر پر موکل ملائکہ ان حضرات کے لیے نشئہ غیب اور عالم قلب پر ظاہر ہوتے ہیں اور تمام امور جو سال بھر کے عرصہ میں خلائق کے لیے مقدر ہوتے ہیں اور الواح عالیہ وسافلہ میں خط ملکوتی اور غیر مرئی تحریر کے طور پر لکھے جاتے ہیں، وہ سب ان پر کشف اور ان کو معلوم ہوجاتے ہیں اور یہ مکاشفہ، مکاشفہ ملکوتیہ ہے جو عالم طبیعت کے ذرہ ذرہ پر محیط ہے اور امور رعیت میں سے کوئی امر ولی امر پر مخفی نہیں رہتا اور اگر ان کے لیے ایک شب میں ایک سال کا امر اور ایک حال میں زمانے کے تمام امور اور ایک لحظہ میں تمام ملکی وملکوتی مقدرات اور تدریجی طور پر سال کے دنوں میں بھی تمام یومیہ امور اجمال وتفصیل کے طور پر منکشف ہوتے ہیں تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے. مثلاً جیسا کہ نزول قرآن کی کیفیت کے بارے میں حدیث میں ہے کہ "بیت المعمور" میں دفعہ واحدہ اور رسول خدا (ص) پر تیئیس سال میں نازل ہوا ہے [۱] اور بیت المعمور میں ورود بھی رسول خدا (ص) ہی پر نزول ہے.

وبالجملہ، کبھی ولی امر ملا اعلیٰ اور اقلام عالیہ والواح مجردہ سے متصل ہوتا ہے اور اس کے لیے ازل سے ابد تک تمام موجودات کا مکاشفہ تامہ ہوجاتا ہے اور کبھی الواح سافلہ سے اتصال پیدا ہوتا ہے اور تقدیر شدہ مدت کا کشف حاصل کرتا ہے اور تمام صفحہ وجود اس کی بارگاہ ولایت مآبی میں حاضر رہتا ہے اور جو کچھ بھی امور واقع ہوتے ہیں ان حضرات کی نظر سے گزرتے ہیں.

روایات میں وارد ہوا ہے کہ جملہ اعمال مخلوقات ولی امر کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں. ہر پنجشنبہ اور دوشنبہ کو حضرت رسول خدا اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کی خدمت میں بندوں کے اعمال پیش

۱۔ اصول کافی، ج ۴ ص ۲۴۴ "کتاب فضل القرآن، باب النوادر" حدیث ۶.

ہوتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ ہر صبح اور بعض میں ہے کہ ہر صبح وشام پیش ہوتے ہیں. یہ بھی اجمال وتفصیل اور جمع وتفریق کے اعتبار سے ہے اور اس سلسلہ میں اہل بیت عصمت وطہارتؑ سے روایات شریفہ وارد ہوئی ہیں جو تفسیر برہان اور تفسیر صافی جیسی تفسیروں میں مذکور ہیں (۱).

قولہ تعالیٰ: سلام ھی حتی مطلع الفجر ...

یعنی یہ شب مبارک طلوع تک شیطانی شرور اور آفات وبلیات سے سلامتی ہے یا یہ کہ اولیائے خدا اور اہل اطاعت پر سلام ہے اور یا یہ کہ ملائکۃ اللہ جو ان سے ملاقات کرتے ہیں ان پر سلام کرتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے طلوع فجر تک.

تنبیہ عرفانی

جیسا کہ سابق میں "لیلۃ القدر" کی حقیقت کے بیان میں مذکور ہوا، مراتب وجود اور تعینات غیب وشہود کی تعبیر، ان کے افق میں شمس حقیقت کے پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے "لیل" سے کی جاتی ہے اور اس بنا پر "لیلۃ القدر" وہ رات ہے جس میں حق تعالیٰ جمع اسماء وصفات کے تمام شئون واحدیت کے مطابق جو اسم اعظم کی حقیقت ہے، محتجب ہوتا ہے اور وہ (لیلۃ القدر) تعین ووجود ولی کامل ہے جو زمانہ رسول (ص) میں آنحضرت (ص)، آپ (ص) کے بعد ائمہ ھدیٰؑ ایک کے بعد ایک رہے ہیں. اس بنا پر "فجر" لیلہ القدر وہ وقت ہے جب شمس حقیقت کے آثار حجابات تعینات کے پیچھے سے ظاہر ہوتے ہیں اور افق تعینات سے طلوع شمس "فجر" یوم القیامہ بھی ہے اور چونکہ ان اولیائے کاملین کے افق تعینات میں شمس حقیقت کے غروب ومخفی ہونے کی مدت سے وقت طلوع فجر تک، مدتً لیلہ القدر ہے، لہذا وہ صاحب شرف رات شیطانی تصرفات سے مطلقاً محفوظ وسالم ہے اور شمس جس طرح پوشیدہ ہوا ہے اسی طرح کسی شیطانی کدورت وتصرف کے بغیر طالع ہوگا. فرمایا

---

۱. بحار الانوار، ج ۲۳ ص ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۴۷ ـ و تفسیر صافی.

ہے: "سلام ہے وہ شب، طلوع فجر تک" لیکن اور تمام راتیں یا تو اصلاً سلامتی ہی نہیں رکھتیں اور وہ بنی امیہ اور ان جیسوں کی راتیں ہیں اور یا تمام معانی میں سلامتی نہیں رکھتیں اور وہ تمام لوگوں کی راتیں ہیں۔

خاتمة

بیانات عرفانیہ ومکاشفات ایمانیہ سے جو اولیائے عظام علیہم السلام کی دستگیری سے اہل معرفت کے روشن دلوں پر ظاہر ہوئے، معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سورۂ مبارکہ "توحید" ذات مقدس حق تعالیٰ کی نسبت سے نازل ہوا ہے۔ اسی طرح سورۂ شریفہ "قدر" اہل بیت علیہم السلام کی نسبت سے نازل ہوا ہے۔

چنانچہ روایات معراج میں وارد ہوا ہے:

محمد بن یعقوب باسناده عن ابی عبدالله علیه السلام ، فی صلوة النبی صلی الله علیه وآله فی السماء ، فی حدیث "الاسراء" قال (ع): ثم اوحی الله عزوجل الیه : اقرا یا محمّد نسبة ربک تبارک وتعالیٰ : "الله احد ، الله الصمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن له کفواً احد ۔" وهذا فی الرکعة الاولیٰ ۔ ثم ، اوحی الله عزوجل الیه : اقراء ب "الحمد لله ۔ " فقراها مثل ما قرا اولاً ۔ ثم اوحی الله : اقرا : "انا انزلناه " فانها نسبتک ونسبة اهل بیتک الیٰ یوم القیامة (۱)۔

سورۂ مبارکہ "قدر" کی فضیلت کے بارے میں روایات شریفہ بہت ہیں۔ منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو کافی شریف میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا: جو شخص بلند آواز سے "انا انزلناه فی لیلة القدر" کی تلاوت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنی شمشیر راہ

۱۔ محمد بن یعقوب امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہ اسناد روایت کرتے ہیں کہ حدیث "اسراء" میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بارے میں فرمایا: "تب خداوند عالم نے آنحضرتؐ پر وحی کی: اے محمدؐ! اپنے پروردگار کا نسب پڑھو: "الله احد، الله الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفواً احد" اور یہ پہلی دو رکعتیں تھیں۔ پھر خداوند عزوجل نے وحی نازل فرمائی: "الحمد لله..." پڑھو۔" تفسیر برہان، ج ۴ ص ۴۸۷ "سورة القدر" حدیث ۲۲۔

خدا میں نیام سے کھینچی ہو اور جو شخص آہستہ قرائت کرے وہ اس شخص کے مثل ہے جو راہ خدا میں اپنے خون میں غلطاں ہوا ہو اور جو شخص دس مرتبہ پڑھے اس کے گناہوں میں سے ہزار گناہ محو کردیے جاتے ہیں (۱). خواص القرآن سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ: جو شخص اس سورہ کو قرائت کرے اس کے لیے اس شخص کا اجر ہے جس نے ماہ مبارک میں روزے رکھے ہوں اور لیلۃ القدر کا ادراک کیا ہو اور اس کے لیے اس شخص کا ثواب ہے جس نے راہ خدا میں جہاد کیا ہو (۲)" والحمدللہ اولاً وآخراً.

اعتذار

اس کے باوجود کہ راقم الحروف کا ارادہ اس رسالہ کے سلسلہ میں یہ تھا کہ مطالب عرفانی کی غیر مانوس نوع سے احتراز کروں اور فقط نماز کے آداب قلبیہ کے بیان پر اکتفا کروں، لیکن اب دیکھتا ہوں کہ قلم بے خود ہوگیا اور خاص طور سے تفسیر سورۂ شریفہ میں اپنے طے شدہ موضوع سے بیشتر تجاوز کرگیا. اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ برادران ایمانی اور دوستان روحانی سے معذرت کروں اور ضمناً اگر اس رسالہ میں کوئی بات اپنے مذاق کے مطابق نہ پائیں تو بے تامل ابطال باطل کریں. اس لیے کہ ہر علم کے لیے کچھ اہل اور ہر راہ کے کچھ راہ نورد ہوتے ہیں. "رحم اللہ امرءاً عرف قدرہ، ولم یتعدّ طورہ (۳)".

اور ممکن ہے بعض لوگ حقیقت حال سے غفلت کریں اور چونکہ معارف قرآن اور دقائق سنن النبیؐ سے بے خبر ہیں، اس رسالہ کے بعض مطالب کو تفسیر بالرائے قرار دیں. یہ خطائے محض اور افترائے فاحش ہوگا، کیونکہ:

۱۔ اصول کافی، ج ۴، ص ۴۴۷ "کتاب فضل القرآن، باب فضل القرآن" حدیث ۲.

۲۔ تفسیر برہان، ج ۴، ص ۴۸۸ "سورۃ القدر" حدیث ۱۱ از خواص القرآن.

۳۔ "خدا رحمت کرے اس شخص پر جو اپنی قدر (حد) کو پہچانے اور اپنی حد سے آگے قدم نہ بڑھائے" غرر الحکم، فصل ۳ حرف الراء، حدیث ۱.

اولاً : یہ معارف ولطائف سب قرآن شریف اور احادیث شریفہ سے مستفاد ہیں اور ان پر شواہد سمعیہ موجود ہیں. جیسا کہ ان میں بعض کا ذکر مباحث کے ذیل میں کیا گیا اور بیشتر کو اختصار کے خیال سے ترک کردیا گیا.

ثانیاً : ان معارف میں اکثر براہین عقلیہ یا عرفانیہ کے موافق ہیں اور ایسے امور تفسیر بالرائے نہیں کہلاتے.

ثالثاً : زیادہ تر مطالب جو ہم نے بیان کیے ہیں یا آیات شریفہ کے ذیل میں ذکر کیے ہیں، وہ مصادیق مفاہیم کا بیان ہے اور حقائق کے مصادیق ومراتب کا بیان تفسیر ہی سے مربوط نہیں ہے کہ اسے تفسیر بالرائے کہا جاسکے.

رابعاً : تمام مراحل کے بعد، ہم نے دین میں انتہائے احتیاط کی غرض سے حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی، غیر ضروری مطالب میں ہم نے "علی سبیل الاحتمال" اور "بیان احد محتملات" کے طور پر مطالب کو بیان کیا ہے اور معلوم ہے کہ احتمال کا دروازہ نہ کسی نے بند ہی کیا ہے اور نہ وہ تفسیر بالرائے سے مربوط ہے اور اس موقع پر اور بھی مطالب ہیں جن کے ذکر سے ہم نے احتراز کیا ہے اور اختصار کی کوشش کی ہے.

باب پنجم

رکوع کے کچھ آداب واسرار

اس میں پانچ فصلیں ہیں

فصل اول

رکوع سے پہلے تکبیر

ظاہر یہ ہے کہ یہ تکبیر رکوع سے متعلق ہے اور رکوع کے لیے نماز گزار کے مہیا ہونے کی غرض سے ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ مقام عظمت وجلال حق اور عزت و سلطنت ربوبیت کو نظر کے سامنے لائے اور عبودیت کے ضعف و عجز اور فقر وذلت کو اپنا نصب العین بنائے. اس حال میں عز ربوبیت اور عجز عبودیت کی معرفت کے بقدر تکبیر کے ذریعہ حق تعالیٰ کی توصیف کرے.

اور بندۂ سالک خدائے تعالیٰ کی جو توصیف کررہا ہے اور اس کی جو تسبیح وتقدیس بجالا رہا ہے وہ محض اطاعت امر اور توصیف وعبادت کے لیے حق تعالیٰ کا اذن حاصل کرنے کی غرض سے ہو. ورنہ خود اس کو ایسی جسارت نہ ہونا چاہیے کہ محضر ربوبیت میں اس جیسا بندۂ ضعیف جو درحقیقت لاشیء ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے بھی، وہ سب معبود عظیم الشان کا ہے، اس کی توصیف و تعظیم سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنے لگے. جس مقام پر حضرت علی بن الحسین علیہما السلام جیسا عبادت گزار، اس ولایت مآبی شیریں زبان کے باوجود، جو در اصل لسان اللہ ہے " افبلسانی ھذا الکال اشکرک (۱) " عرض کررہا ہو، وہاں: " از پشہ لاغری چہ خیزد (۲) ".

۱۔ "کیا اس تھکی ہوئی زبان سے تیرا شکر ادا کروں" مصباح المتہجد، ص ۵۳۴ از دعائے ابو حمزہ.

۲۔ "پشہ لاغر سے کیا اٹھ پائے گا" حاشیہ ۲ ص ۲۵۲.

پس جب عبد سالک رکوع کی پر خطر منزل میں وارد ہونا چاہے، تو چاہیے کہ پہلے خود کو اس مقام کے لیے تیار کرے اور اپنے ہاتھ سے اپنی توصیف و تعظیم و عبادت و سلوک کو پس پشت ڈال دے، ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک بلند کرے، اپنی خالی ہتھیلیوں کو رو بقبلہ کرے اور خالی ہاتھ، تہی دست، امید و بیم کی کیفیت سے دوچار دل، تقصیر سے خائف، مقام عبودیت میں قیام سے عاجزی اور مقام مقدس حق سے امید واثق کے ساتھ، کہ اس کو یہ اعزاز بخشا کہ ایسے مقامات پر جو خالص اولیا اور کامل احباء کے مقامات ہیں، باریاب کیا۔ منزل رکوع میں وارد ہو اور شاید اس کیفیت کے ساتھ ہاتھوں کو بلند کرنا، مقام قیام اور اس حد میں وقوف سے دست برداری کا اظہار ہو اور منزل قیام سے کوئی زاد نہ لینے کی طرف اشارہ ہو اور تکبیر ان توصیفات کی تعظیم اور بڑائی کے لیے ہو جو منزل قیام میں کی ہیں اور اہل معرفت کے نزدیک رکوع چونکہ منزل توحید صفات ہے، تکبیر رکوع اسی منزل کی بزرگی و عظمت کا اظہار اور ہاتھوں کو بلند کرنا صفات خلق سے ہاتھ اٹھالینا ہے۔

فصل دوم

رکوع میں خم ہونے کے آداب

معلوم ہو کہ احوال صلاۃ میں تین حال سب سے اہم ہیں کہ اور تمام افعال واعمال انہیں کے مقدمات اور انہیں کے لیے تیاریاں ہیں: اول: قیام ، دوم: رکوع ، سوم: سجود۔ اور اہل معرفت ان تین کو توحیدات ثلاثہ کی طرف اشارہ جانتے ہیں اور ہم نے "سرّ الصلاۃ" میں ان مقامات کا ذوق عرفانی کے مطابق ذکر کیا ہے اور یہاں دوسری زبان میں ان منازل کا ذکر کرتے ہیں جو عام ذوق کے مناسب ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ چونکہ نماز مؤمن کی معراج کمال، اور اہل تقویٰ کو (حق تعالیٰ سے) قریب کرنے والی ہے، لہذا اس کا قوام دو چیزوں سے ہے جن میں ایک چیز دوسری چیز کا مقدمہ ہے۔

اول: خود بینی وخود خواہی کو ترک کرنا جو تقویٰ کی حقیقت اور اس کا باطن ہے۔

دوم: خدا خواہی وحق طلبی جو حقیقت معراج وحقیقت قرب ہے۔ اور اسی لیے روایات شریفہ میں ہے: "الصلاۃ قربان کل تقی (۱)" جیسا کہ قرآن مجید بھی نور ہدایت ہے، مگر متقین کے لیے: "ذلک الکتاب لا ریب فیه هدیً للمتقین (۲)"۔

۱۔ "نماز ہر پرہیزگار کیلیے (خدا سے) تقرب کا ذریعہ ہے" فروع کافی، ج ۳ ص ۲۶۵ "کتاب الصلاۃ" باب فضل الصلاۃ" حدیث ۲

۲۔ حاشیہ ۱ ص ۲۶۵

وبالجملہ، ان تین مقامات، یعنی قیام ورکوع وسجود میں، یہ دو مقامات بتدریج حاصل ہوتے ہیں۔ حالت "قیام" مقام فاعلیت کے اعتبار سے خود بینی کا ترک اور حق تعالیٰ کی فاعلیت وقیومیت مطلقہ کی رویت ہے۔ "رکوع" مقام اسماء وصفات کے اعتبار سے خود بینی کا ترک اور مقام اسماء وصفات حق کی رویت ہے اور "سجود" مطلق طور پر خود بینی کا ترک اور مطلق طور پر خدا خواہی وخدا طلبی ہے۔ سالکین کے تمام منازل انہیں تینوں مقامات کے شئون میں سے ہیں۔ جیسا کہ اہل بصیرت اور اصحاب عرفان وسلوک پر واضح ہے۔

اور جب سالک نے ان مقامات میں اس طرف توجہ کرلی کہ ان اعمال کا سر توحیدات ثلاثہ ہیں تو مقامات میں جتنا زیادہ دقیق اور لطیف مقام آتا جائے سالک کو اتنی ہی زیادہ مراقبت ونگرانی کرنا چاہئے اور یقیناً ان مقامات میں خطرہ زیادہ ہے اور لغزش کا امکان زیادہ ہے۔ لہذا مقام رکوع میں جب سالک کو یہ دعویٰ ہے کہ دار وجود میں علم وقدرت اور حیات وارادہ بس حق تعالیٰ کا ہے اور یہ دعویٰ بہت بڑا اور یہ مقام بہت دقیق ہے اور ہم جیسے لوگ ایسے دعووں کی اہلیت نہیں رکھتے تو باطن ذات میں بھی ہمیں حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں تضرع ومسکنت اور عجز وذلت کے ساتھ حاضری دینا چاہئے، اپنے قصور وتقصیر کے لیے معذرت خواہ ہونا چاہئے اور اپنی کوتاہیوں کو بصیرت کی آنکھوں اور وجدان کے مشاہدہ سے معلوم کرنا چاہئے، شاید مقام مقدس سے توجہ وعنایت ہو اور ہماری حالت اضطرار ذات مقدس کی طرف سے دستگیری کے اسباب فراہم کردے۔

امن یجیب المضطر اذا دعـــاه ویکشف السوء (۱)

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۱۰۷۔

فصل سوم

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلاۃ معراج کے بارے میں وارد ہے کہ رکوع کے بعد ربّ العزت کی طرف سے خطاب ہوا : فانظر الیٰ عرشی . قال رسول اللہ : فنظرت الیٰ عظمۃ ذھبت لھا نفسی وغشی علیّ؛ فالھمت ان قلت: "سبحان ربّی العظیم وبحمدہ" لعظم ما رایت . فلما قلت ذلک، تجلی الغشی عنّی، حتی قلتھا سبعاً الھم ذلک؛ فرجعت الیٰ نفسی کما کانت... (۱) الحدیث۔

غور کرو اے عزیز ! سرور کل، ہادی سبل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلوک کے مقام عظمت پر کہ حالت رکوع میں، جب نظر اپنے علاوہ پر ہے تو نور عرش کو دیکھتے ہیں اور چونکہ اولیاء کی نظر میں نور عرش کی آئینہ کے بغیر جلوۂ ذات ہے، تو تعین نفسی ختم ہوجاتا ہے اور غشی کی حالت طاری ہوجاتی ہے تب ذات مقدس نے ازلی عنایات کے ذریعہ اس وجود شریف کی دستگیر فرمائی اور محبّت آمیز الہام کے ذریعہ "تسبیح و تعظیم اور تحمید" کی تلقین کی، یہاں تک کہ سات مرتبہ حجابات کے عدد اور مراتب

۱۔ "... عرش کی طرف دیکھو ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس میں نے ایک عظمت کی طرف دیکھا جس سے میری جان سی نکل گئی اور میں بے ہوش ہوگیا. تب اس عظمت کے دیکھنے کے بعد مجھ پر الہام ہوا اور میں نے کہا: "سبحان ربّی العظیم وبحمدہ" (منزہ ہے میرا پروردگار بزرگ اور حمد اسی کے لیے ہے) جب میں نے یہ کہا تو غشی کی حالت سے افاقہ ہوا یہاں تک کہ پے در پے الہامات کی وجہ سے میں نے سات مرتبہ یہی کہا. پس میں ہوش میں آگیا اور اپنے حال پر واپس آگیا..." علل الشرائع، ص ۳۱۵ حدیث صلاۃ معراج کا ایک ٹکڑا .

انسان کے عدد کے موافق، کہنے کے بعد ہوش آیا اور حالت صحو پیدا ہوئی اور یہ احوال پوری صلاۃ معراج میں باقی رہے۔

اور اب جبکہ ہیں خلوت انس میں جانے کی کوئی راہ نہیں اور مقام قدس میں جایگاہ نہیں، بہتر ہے کہ اپنی ذلت وعاجزی کو مقصد تک پہنچنے کا سرمایہ اور حصول مطلوب کی دستاویز قرار دیں اور دامن مقصود سے ہاتھ نہ اٹھائیں تاکہ مراد دلی پائیں اور کم سے کم اگر خود اس میدان کے مرد نہیں ہیں تو جو اس میدان کے مرد ہیں، ان سے راہ ہدایت کا پتہ پوچھیں اور اہل کمال کی روحانیت سے مدد مانگیں، شاید معارف کی خوشبو کا کوئی لپکا مشام جاں تک پہنچ جائے اور لطائف کی نسیم کا کوئی جھونکا ہمارے پیکر بے روح میں جان ڈال دے، کیونکہ حق تعالیٰ کی عادت احسان اور اس کا طریقہ تفضل وانعام ہے (۱)۔

اور یاد رکھنا چاہئے کہ رکوع حق تعالیٰ کی "تسبیح، تعظیم اور تحمید" پر مشتمل ہے۔ پس "تسبیح" توصیف سے تنزیہ اور تعریف سے تقدیس ہے (یعنی نہ اس کی صفت بیان کی جاسکتی ہے نہ تعریف کی جاسکتی ہے) اور "تعظیم وتحمید" حد تشبیہ وتعطیل سے باہر ہونا ہے، کیونکہ تحمید، خلقی آئینوں میں ظہور کا مفہوم بتاتی ہے اور تعظیم سلب تحدید کو دکھاتی ہے۔ پس وہ ظاہر ہے اور عالم میں کوئی ظہور اس سے زیادہ ظاہر نہیں ہے، لیکن وہ خلقی تعینات سے بھی متلبس نہیں ہے۔

۱۔ "اذ من عادتہ الاحسان ومن شیمتہ التفضل"

فصل چہارم

عن مصباح الشریعہ، قال الصادق علیہ السلام : لا یرکع عبد للہ رکوعاً علی الحقیقۃ، الا زینہ اللہ تعالیٰ بنور بہائہ، واظلہ فی ظلال کبریائہ، وکساہ کسوۃ اصفیائہ ۔

والرکوع اول، والسجود ثان؛ فمن اتیٰ بمعنی الاول، صلح للثانی ۔ وفی الرکوع ادب، وفی السجود قرب؛ ومن لا یحسن الادب لا یصلح للقرب ۔

فارکع رکوع خاضع للہ بقلبہ، متذلل وجل تحت سلطانہ، خافض لہ بجوارحہ خفض خائف حزن علیٰ ما یفوتہ من فائدۃ الراکعین ۔

وحکی ان الربیع بن خثیم کان یسھر باللیل الی الفجر فی رکعۃ واحدۃ؛ فاذا ھو اصبح، رفع (تزفر۔ خ) وقال: "آہ، سبق المخلصون وقطع بنا۔" واستوف رکوعک باستھواء ظھرک ۔ وانحط عن ھمتک فی القیام بخدمتہ الا بعونہ ۔ وفر بالقلب من وساوس الشیطان وخدائعہ ومکائدہ ۔ فان اللہ تعالیٰ یرفع عبادہ بقدر تواضعھم لہ؛ ویھدیھم الیٰ اصول التواضع والخضوع بقدر اطلاع عظمتہ علیٰ سرائرھم (۱)۔

۱۔ کوئی بندہ خدا کے لیے حقیقی رکوع نہیں کرتا مگر خدا اس کو اپنے نور جمال سے آراستہ کرتا ہے اور اپنی کبریائی کے سائے میں جگہ دیتا ہے اور برگزیدہ بندوں کا لباس پہناتا ہے۔ رکوع پہلا ہے اور سجود دوسرا۔ جو شخص پہلے کی حقیقت بجالائے گا دوسرے کی اہلیت پیدا کرلے گا۔ رکوع میں ادب (عبودیت) ہے اور سجود میں (معبود سے) قرب اور جو شخص اچھی طرح ادب نہ ==

اس حدیث شریف میں اشارات وبشارات اور آداب ودستورات ہیں۔ چنانچہ نور بہاء اللہ سے تزین (اللہ کی زیبائی کے نور سے خود کو زینت دینا) اللہ کی کبریائی کے سایوں میں رہنا ، اللہ کے منتخب بندوں جیسا لباس پہننا ، تعلم اسمائی اور "علم آدم الاسماء کلھا (۱) " کے مقام تک پہنچنے کی بشارتیں ہیں اور مقام فنائے صفاتی میں تحقق اور اس مقام سے حالت صحو کا حصول ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کا بندہ کو مقام "نور بہاء" سے مزین کرنا اس کو مقام اسماء پر متحقق کرنا ہے جو آدمی کی تعلیم کی حقیقت ہے اور اس کو سایہ کبریا جو اسمائے قہریہ میں ہے، میں لے جانا اور اس میں فنا کے لیے جگہ دینا، خود سے بندہ کو فنا کرنا ہے اور اس مقام کے بعد اس کو "کسوۃ اصفیاء" میں داخل کرنا، فنا کے بعد اس کو بقا عطا کرنا ہے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ سجود فنائے ذاتی ہے، جیسا کہ اہل معرفت نے کہا ہے، کیونکہ رکوع اول ہے اور وہ یہ مقامات ہیں اور سجود ثانی ہے اور وہ سوائے ذات میں فنا کے اور کچھ نہیں۔

اس مقام پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرب مطلق جو سجود میں حاصل ہوتا ہے، حقیقی رکوع کے حصول کے بغیر میسر نہیں ہے اور جو شخص ثانی کے لیے صلاحیت پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ قرب رکوعی اور ادب رکوع حاصل کرے۔

== بجا لائے وہ قرب کے لائق نہیں۔ لہذا اس شخص کی طرح رکوع ادا کرو جو خدا کے لیے خاضع دل کے ساتھ اور اس کی سلطنت کے ماتحت ذلیل وخائف ہے اور اپنے اعضاء کو اس خوف سے کہ رکوع کرنے والوں کے فائدے سے محروم رہ گیا ہے رنجیدہ رہتا ہے۔

حکایت کی گئی ہے کہ ربیع بن خثیم ایک رکوع میں شب کو صبح کر دیتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو قیام کرتے تھے (رخ ل۔ نالہ کرتے تھے) اور کہتے تھے : " آہ ! مخلصین آگے بڑھ گئے اور ہم راستہ میں پڑے رہ گئے " اور اپنے رکوع کو مکمل کرو۔ اس طرح کہ اپنی پشت سیدھی رکھو ، اور اس خیال کو دل سے نکال دو کہ اپنی ہمت سے اس کی بارگاہ میں کھڑے ہو؛ کیونکہ اس کی روکے بغیرہ (یہ حاصل نہیں ہوسکتا) اور دل سے شیطانی وسوسوں اور فریب کاریوں سے دور بھاگو، کیونکہ خدا اپنے بندوں کا مرتبہ ان کی تواضع کے مطابق بلند کرتا ہے اور جس قدر بندوں کے باطن پر اس کی عظمت آشکار ہوتی ہے اسی قدر فروتنی اور انکساری کی راہیں (اپنے مقابل) ان کو دکھاتا ہے "۔ مصباح الشریعہ ، ص ۱۲ ، بحار الانوار ، ج ۸۲ ص ۱۰۸۔

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۲۱۸۔

رکوع و سجود کے لطائف و اسرار بیان کرنے کے بعد متوسطین کے لیے ان کے آداب قلبیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہ وہ امور ہیں جن میں بعض عام ہیں اور ہم مقدمات میں ذکر کر چکے ہیں اور بعض رکوع کے ساتھ خاص ہیں اور چونکہ ان امور میں سے اکثر بیان ہو چکے ہیں اس لیے ان کی تفصیل سے ہم صرف نظر کر رہے ہیں ۔

فصل پنجم

رکوع سے سر اٹھانے کا ذکر

رکوع سے سر اٹھانے کا راز کثرت اسمائیہ میں وقوف سے واپسی ہے۔ چنانچہ مولا علیؑ نے فرمایا ہے :" کمال التوحید نفی الصفات عنه (۱) " کیونکہ فنائے اسمائی سے صحو کی حالت حاصل ہونے کے بعد عبد سالک اپنے قصور اور تقصیر کا مشاہدہ کرتا ہے، کیونکہ آدم کی خطا کا مبدا جن کی تلافی ان کی ذریت کو کرنا چاہیے، کثرت اسمائی کی طرف توجہ ہے جو باطن شجرہ ہے اور جب اپنی خطا جو ذریت ہے اور آدم کی خطا کہ اصل خود ہے، معلوم کرلی تو اپنے نقص اور کوتاہی کی طرف توجہ رکھتا ہے اور رفع خطا کی تیاری کرتا ہے جو بارگاہ کبریا میں عاجزی کا اظہار ہے اور اپنے صلب (کمر) کو اس مقام پر سیدھا کرتا ہے اور رکوع کے بعد تکبیر کے ذریعہ کثرات اسمائیہ کو رفع کرتا ہے اور خالی ہاتھ منزل ذلت و مسکنت اور اصل ترابیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے اہم آداب، اس مقام کے بڑے خطرے کا احساس کرنا، قلب کو تذکر تام کے ذائقہ سے آشنا کرنا، حضور ذات کی طرف توجہ اور اپنے سے ترک توجہ میں اپنی ذلت کی حد تک مجاہدہ کرنا ہے ۔

اور اے عزیز ! یاد رہے کہ حضرت حق کا تذکر تام اور باطن قلب سے اس ذات مقدس کی طرف توجہ مطلق ہو تو قلب کی باطنی آنکھیں کھل جاتی ہیں جس سے بقائے الٰہی جو اولیاء کی آنکھوں کی ٹھنڈک

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۳۷۸ ۔

ہے، حاصل ہوتی ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (۱)

۱۔ "جو لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کرتے ہیں" سورۂ عنکبوت / ۶۹۔

باب ششم

اسرار وآداب سجود کی طرف اجمالی اشارہ

اس میں چند فصلیں ہیں

سجود کا مجموعی راز

اصحاب عرفان اور ارباب قلوب کے نزدیک "سجدہ" خود کو ترک کرنا، ما سویٰ اللہ سے بغیر کسی حجاب کو دیکھے، آنکھیں بند کرلینا اور اپنی اصل کی طرف توجہ کرتے ہوئے معراج یونسی جو بطن ماہی میں چلے جانے سے حاصل ہوئی، متحقق ہونا ہے اور سر کو خاک پر رکھنا، باطن قلب خاک اور اصل عالم طبیعت میں جمال جمیل کی رویت کی طرف اشارہ ہے۔

سجدہ کے قلبی آداب، اپنی حقیقت اور اپنے وجود کی اصل کا ادراک کرلینا اور مرکز دماغ کو جو سلطان نفس کا مرکز اور روح کا عرش ہے، مقام قدس کے سب سے نچلے زینہ پر رکھنا اور عالم خاک کو مالک الملک کی دہلیز سمجھنا ہے۔

لہذا سجود کی وضع کا راز، خودی (کی آلودگی) سے آنکھوں کو دھولینا ہے اور خاک پر سر رکھنے کی وضع کا ادب، اپنے اعلیٰ مقامات کو نظروں سے گرا دینا اور خاک سے بھی پست سمجھنا ہے اور اگر قلب میں، ان دعووں کے بارے میں جن کی طرف نماز کے مختلف اوضاع کے ذریعہ اشارہ کیا جاتا ہے، کوئی کھوٹ ہو تو ارباب معرفت کی نظر میں یہ نفاق ہے اور چونکہ یہ مقام تمام مقامات سے زیادہ پر خطر ہے اس لیے سالک الی اللہ کو لازم ہے کہ جبلت ذاتی اور فطرت قلبی کے ساتھ حق تعالیٰ کے دامن عنایت سے متمسک ہوجائے اور ذلت و مسکنت کے ساتھ تقصیرات کی معافی مانگے کہ یہ ایک پر خطر

مقام ہے جو ہمارے جیسے لوگوں کی طاقت سے باہر ہے۔

اور ہم نے چونکہ رسالہ "سر الصلاۃ" میں ان مقامات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اس لیے اس رسالہ میں تفصیل کو چھوڑتے ہیں اور ان کے آداب سے متعلق مصباح الشریعہ کی روایت شریفہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

فصل دوم

عن مصباح الشریعة ، قال الصادق علیه السلام : ما خسر ، واللّٰہ ، من اتیٰ بحقیقة السجود ولو کان فی العمر مرةً واحدةً ۔ وما افلح من خلا بربّه فی مثل ذلک الحال تشبیهاً بمخادع نفسه ، غافلاً لاهیاً عما اعده اللّٰہ للساجدین من انس العاجل وراحة الآجل ۔ ولا بعد عن اللّٰہ ابداً من احسن تقربه فی السجود ۔ ولا قرب الیه ابداً من اساء ادبه وضیّع حرمته بتعلق قلبه بسواه فی حال سجوده ۔

فاسجد سجود متواضع للّٰہ تعالیٰ ذلیل، علم انه خلق من تراب یطأه الخلق؛ وانه اتخذک (رکب . خ) من نطفة یستقذرها کل احد؛ وکون ولم یکن ۔

وقد جعل اللّٰہ معنی السجود سبب التقرب الیه بالقلب والسرّ والروح ۔ فمن قرب منه، بعد من غیره؛ الا تریٰ فی الظاهر انه لایستوی حال السجود الا بالتواری عن جمیع الاشیاء والاحتجاب عن کل ما تراه العیون، کذلک امر الباطن ۔

فمن کان قلبه متعلقاً فی صلوته بشی ء دون اللّٰہ تعالیٰ، فهو قریب من ذلک الشی ء بعید عن حقیقة ما اراد اللّٰہ منه فی صلوته ۔ قال اللّٰہ عزوجل : "ما جعل اللّٰہ لرجل من قلبین فی جوفه "

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله : " قال اللّٰہ تعالیٰ : لا اطلع علی قلب عبد فاعلم فیه حب الاخلاص لطاعتی لوجهی وابتغاء مرضاتی، الا تولیت تقویمه وسیاسته ۔ ومن اشتغل بغیری،

فھو من المستھزئین بنفسہ، ومکتوب اسمہ فی دیوان الخاسرین (۱) ۔

اس حدیث شریف میں سجدہ کے اسرار و آداب جمع کردیے گئے ہیں اور اس میں تفکر سے سالک الی اللہ کے سامنے معرفت کی راہیں کھلتی ہیں اور منکرین کے انکار اور ان کی ہٹ دھرمی کے تار و پود بکھر جاتے ہیں اور اولیاء عرفان و اصحاب ایقان کی تائید و حمایت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ انس و خلوت کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے ۔

فرماتے ہیں: " خدا کی قسم! نقصان نہیں دیکھتا وہ شخص جو سجدہ کی حقیقت کو بجا لائے، چاہے عمر میں ایک ہی مرتبہ سہی اور نجات کا منہ نہیں دیکھتا وہ شخص جو غیر حق کو ترک کرکے حق سے خلوت تو کرے، لیکن دھوکہ دھڑی کرنے والوں کی طرح صورت میں تو خلوت و انس میں ہو، لیکن درحقیقت حق سے غافل ہو اور سجدہ گزاروں کے لیے حق تعالیٰ نے جو کچھ مہیا فرمایا ہے، وہ اس عالم میں حق سے انس ہے اور اس عالم میں راحت و آرام ہے اور ہرگز اللہ سے دور نہیں ہوتا وہ شخص جو سجدہ میں حق تعالیٰ سے حسن تقرب چاہے اور حق تعالیٰ سے نزدیک نہیں ہوتا وہ شخص جو سجدہ میں سوئے ادب سے کام لے اور اس کی حرمت کو ضائع کرنے کہ حالت سجدہ میں اپنے قلب کو غیر حق سے متعلق کرے۔ اب جب تم کچھ سرّ سجود کو جان چکے اس شخص کی طرح سجدہ کرو جو بارگاہ قدس حق میں تواضع و ذلت اختیار کیے ہو اور اپنے نقص اور بے سر و سامانی کی حالت پر غور کرو یاد رکھو کہ تم اس مٹی سے پیدا ہوئے ہو جسے مخلوقات خدا روندا کرتے ہیں اور ایسے نطفہ سے پیدا ہوئے ہو جس سے ہر شخص بچتا ہے اور اس صورت میں کہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا اور خدائے تعالیٰ نے سجود کی معنویت کو اپنے سے تقرب کا سبب قرار دیا ہے۔ قلب اور سرّ روح کے ساتھ تقرب! لہذا جو شخص حق سے قریب ہوگیا وہ غیر حق سے دور ہوگیا۔ چنانچہ سجدہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب تمام اشیاء سے پوشیدہ اور آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اس سے محجوب ہوجائے۔ اسی طرح باطن سے بھی یہی مظاہرہ کرے۔ پس جس شخص کا دل سجدہ میں غیر حق سے متعلق ہوجاتا ہے وہ اسی چیز (غیر حق) سے نزدیک اور جو اللہ نے چاہا ہے

۱۔ مصباح الشریعہ " الباب السادس فی السجود " ۔

اس سے دور ہو جاتا ہے. چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: "ہم نے ایک شخص کے لیے دو دل قرار نہیں دیے (۱)" اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: "میں اس بندہ کے دل پر جس میں میری اطاعت کی خالص محبت اور میری رضا حاصل کرنے کی آرزو ہے، جلوہ نہیں کرتا، مگر یہ کہ میں خود اس کے امور کی مشیت کا ذمہ دار ہو جاتا ہوں اور اس کے کاموں کی تدبیر کرتا ہوں اور جو شخص میرے علاوہ کسی اور میں مشتغل ہوتا ہے اس کا شمار کھلواڑ کونے والوں میں ہوتا ہے اور اس کا نام نقصان اٹھانے والوں کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے۔

۱۔ احزاب / ۴۔

فصل سوم

حدیث میں ہے کہ جب آیۂ شریفہ "فسبح باسم ربک العظیم (۱) " نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا (ص) نے فرمایا: " اس آیت کو رکوع میں شامل کرلو " اور جب آیۂ شریفہ " سبح اسم ربک الاعلیٰ (۲) " نازل ہوئی تو فرمایا: " اس کو اپنے سجدہ میں قرار دو (۳) " ۔

اور کافی کی حدیث شریف میں ہے کہ "پہلے نام جو اللہ نے اپنے لیے قرار دیے " العلی " اور " العظیم " تھے (۴) اور شاید " العلیٌ " اسمائے ذاتیہٌ میں پہلا ہو اور " العظیم " اسمائے صفاتیہٌ میں پہلا ہو ۔

اور معلوم ہو کہ سجود میں، نماز کے تمام اوضاع کی طرح، ایک ہیئت، ایک حال، ایک ذکر اور ایک سر ہے اور یہ امور کاملین کے لیے جس طور پر ہیں اس کی طرف اس رسالہ میں اشارہ کیا جاچکا، تفصیلی بیان اس رسالہ سے مناسبت نہیں رکھتا۔ درمیانی درجہ کے لوگوں کے اس کی ہیئت، خاکساری کا اظہار اور استکبار و خود بینی کو ترک کردینا ہے اور (سجدہ میں زمین پر) ناک رگڑنا جو مستحباب مؤکدہ میں ہے

۱۔ " پس اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرو " سورۂ واقعہ / ۷۴ ۔

۲۔ " اپنے پروردگار کے برتر نام کی تسبیح کرو " سورۂ اعلیٰ / ۱ ۔

۳۔ مجمع البیان ، ج ۹ ص ۲۲۴ ذیل آیۂ ۷۴ سورۂ واقعہ ۔

۴۔ اصول کافی ، ج ۱ ص ۱۰۳ " کتاب التوحید ، باب حدیث الاسماء " حدیث ۲ ۔

بلکہ اس کو ترک کرنا خلاف احتیاط ہے، کمال خضوع وتذلل وخاکساری ہے۔ نیز اپنی اصل کی طرف توجہ اور اپنی خلقت کو یاد کرنا ہے اور اپنے اہم ترین اعضاء ظاہرہ کو جو ادراک اور حرکت وقدرت کے ظہور کا محل ہیں، اور وہ یہی سات آٹھ اعضا ہیں، (جو سجدہ میں زمین پر رکھے جاتے ہیں) عاجزی اور مسکینی کے ساتھ زمین پر رکھنا تسلیم کامل اور اپنی قوتوں کو پوری طرح (حق تعالیٰ کی بارگاہ میں) پیش کردینا اور خطیئہ آدمیت سے باہر آنے کی علامت ہے۔

جب ان معانی کا تذکر قلب میں قوی ہوگا تو دھیرے دھیرے قلب اس سے متاثر ہوکر ایسی حالت پیدا کرلے گا جو خودی سے فرار اور خود بینی کا ترک ہے اور اس حالت کے نتیجہ میں حالت انس پیدا ہوگی جس کے بعد خلوت تام حاصل ہوتی ہے اور محبت کلی پیدا ہوتی ہے۔

اور ذکر سجدہ، اس کا قوام "تسبیح" سے ہے جس کا مفہوم توصیف اور تعمیل امر کے لیے قیام سے تنزیہ یا تکثیر اسمائی سے تنزیہ یا توحید سے تنزیہ ہے، کیونکہ توحید (باب) تفعیل (سے) ہے جس کے معنیٰ "کثرت سے وحدت میں جانا" ہیں اور یہ معنیٰ کثرت اور شرک کے شائبہ سے خالی نہیں جیسا کہ علو ذاتی کے ساتھ توصیف اور تحمید بھی اس شائبہ سے خالی نہیں ہے۔

اور "العلیٰ" اسمائے ذاتیہ میں سے ہے اور کافی کی روایت کے مطابق یہ پہلا نام ہے جو اللہ نے اپنے لیے اختیار کیا، یعنی ذات کی اپنے لیے یہ پہلی تجلی ہے اور عبد سالک جب اس مقام میں "خود" سے فانی ہوگیا اور عالم اور جو کچھ عالم میں ہے سب کو ترک کردیا تو اس تجلّی ذاتی سے سرفراز ہوجائے گا۔

اور معلوم ہو کہ چونکہ رکوع اول اور سجود ثانی ہے اس لیے ان کی تسبیح و تحمید میں فرق ہے اور "ربّ" بھی ان دونوں مقامات میں فرق رکھتا ہے، کیونکہ "ربّ" جیسا کہ اہل معرفت نے کہا ہے اسمائے ذاتیہ وصفاتیہ وافعالیہ میں ہے تین اعتبار سے اس بناپر "ربّ" "الحمد للّٰہ ربّ العالمین" میں شاید مقام قیام کی مناسبت سے اسمائے فعلیہ میں ہے جو مقام توحید افعالی ہے اور رکوع میں اسمائے صفاتیہ میں ہے اس مناسبت سے کہ رکوع مقام توحید صفات ہے اور سجود میں اسمائے ذاتیہ میں سے ہے اس مناسبت سے کہ سجود مقام توحید ذات ہے اور "تسبیح و تحمید" بھی جس مقام میں

واقع ہوئی ہو اسی مقام سے مربوط ہے (۱).

۱۔ نسخہ خطی میں، فصل چہارم کے آغاز سے پہلے حضرت امامؒ نے تقریباً دو صفحات "تنبیہ عرفانی" کے عنوان سے تحریر فرمائے ہیں، لیکن اس کے بعد اس حصہ پر حذف کی علامت کے طور پر قلم کھینچ دیا ہے اور حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے: یہ تنبیہ زیادہ ہے اور آخر تک محو کر دی جانی چاہیے۔ کتاب کے نئے نسخہ میں بھی یہ حصہ موجود نہیں ہے، لیکن مطلب مذکور قبل کے اڈیشنوں میں درج ہو گیا ہے اس اڈیشن میں یہ حصہ حذف کیا گیا۔

فصل چہارم

جیسا کہ صلوۃ معراج میں ہے، سجدہ غشی اور بے ہوشی کا نام ہے جو حق تعالیٰ کے انوار عظمت کے مشاہدہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور جب بندہ خود سے بے خود ہوگیا اور محو وصعق کا حال اس کو حاصل ہوگیا تو عنایت ازلی اس کے شامل حال ہوجائے گی اور الہام غیبی ہونے لگے گا۔

ذکر سجود اور اس کی تکرار حال صحو حاصل کرنے اور بے خودی سے خودی میں آنے کے لیے ہے۔ پس جب خودی وہوش میں آگیا تو مشاہدۂ نور حق کے شوق کی آگ اس کے دل میں مشتعل ہوجاتی ہے ہے اور وہ سجدہ سے سر اٹھاتا ہے اور چونکہ خود میں انانیت کا کچھ بقایا نظر آتا ہے تو ہاتھوں سے اس کے ترک کا اشارہ کرتا ہے تو دوسری مرتبہ اس پر نور عظمت کی تجلی ہوتی ہے اور بقیہ انانیت کو جلا ڈالتی ہے اور فنا سے بھی فانی ہوجاتا ہے اور تکبیر کہتے ہیں محو کلی مطلق اور مکمل حقیقی بے ہوشی کی حالت اس کو حاصل ہوجاتی ہے۔ پس غیبی دستگیری اذکار کا الہام کر کے اس کو اس مقام میں متمکن کرتی ہے اور اس مقام میں صحو کی حالت جو صحو مقام ولایت ہے اور ہر خلقی احتجاب وآلائش سے منزہ ہے اس کو حاصل ہوجاتی ہے اور حال تشہد سلام بھی جو احکام کثرت سے ہے اس صحو بعد المحو (بے خودی کے بعد ہوش) میں حاصل ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر تمام دائرۂ سیر انسانی مکمل اور تمام ہوجاتا ہے۔

باب ہفتم

آداب تشہّد کی طرف اجمالی اشارہ

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

معلوم ہو کہ وحدانیت ورسالت کی گواہی اذان واقامہ میں جو نماز کے متعلقات اور نماز میں ورود کی تیاریوں میں سے ہے اور تشہد میں جو فناء سے بقاء کی طرف اور وحدت سے کثرت کی طرف خروج ہے اور نماز کے آخر میں ہے، عبد سالک کو یاد دلاتی ہے کہ حقیقت صلوۃ توحید حقیقی کا حصول ہے اور وحدانیت کی گواہی ان مقامات میں ہے جو اس میں شامل ہیں اور سالک کے ساتھ اول صلوۃ سے آخر صلاۃ تک رہتے ہیں اور اس میں حق تعالیٰ کی اولیت وآخریت کا راز بھی مضمر ہے اور اس میں ایک اور عظیم راز یہ بھی ہے کہ سفر سالک من اللہ والیٰ اللہ (اللہ سے، اللہ کی طرف) ہے " کما بداکم تعودون (۱) " لہذا سالک کو چاہیے کہ تمام مقامات میں اس مقصد کی طرف توجہ رکھے اور وحدانیت والوہیت کی حقیقت کو قلب تک پہنچائے اور قلب کو اس سفر میں الٰہی معراج کا حامل بنائے تاکہ اس کی گواہی حقیقت پیدا کرلے اور نفاق وشرک سے منزہ ہوجائے۔

اور رسالت کی گواہی میں بھی شاید اس کی طرف اشارہ ہو کہ ولی مطلق ونبی ختمی مرتبت (ص) کی رسالت کی گواہی بھی اس معراج سلوکی میں شامل مقامات میں سے ہے جس کی طرف سالک کو تمام مقامات میں متوجہ رہنا چاہیے اور ظہور " اولیت " وآخریت کا راز ان کے لیے واضح ہوجائے جو اس کے اہل ہیں۔

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۲۰۳۔

اور معلوم ہونا چاہیے کہ اول نماز میں گواہی اور تشہد میں گواہی کے درمیان فرق ہے، کیونکہ وہ گواہی قبل سلوک ہے اور شہادت تعبدی (تعمیل امر کو قبول کرنے) یا تعقلی (مطابق عقل) ہے اور یہ شہادت تحققی (وجود میں آنے کی) یا تمکنی (قدرت حاصل ہونے کی) ہے. پس شہادت "تشہد" بہت پرخطر ہے، کیونکہ اس میں تحقق و تمکن کا دعویٰ ہے اور کثرت کی طرف بے حجاب واپسی کا دعویٰ ہے اور چونکہ یہ اعلیٰ مقام ہم جیسوں کو حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ہمارا جو حال ہوگیا ہے اس میں اس کی توقع بھی نہیں ہے. لہذا بارگاہ باری کا ادب یہ ہے کہ اپنا قصور اور اپنی ذلت ونقص اور عاجزی وبےچارگی کو نظر میں رکھیں اور ندامت وشرمساری کے ساتھ محضر قدس کی طرف رخ کرکے عرض کریں:

بارالٰہا! ہم کو مقامات اولیاء ومدارج اصفیاء اور کمال مخلصین وسلوک سالکین سے چند الفاظ کے علاوہ کچھ میسر نہیں ہے اور تمام مقامات کے بارے میں ہم نے صرف قیل وقال پر اکتفا کی ہے جس سے نہ کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے نہ حال.

بار خدایا! حبّ دنیا اور اس سے تعلقات نے ہم کو تیری بارگاہ قدس اور محفل انس سے محجوب کردیا ہے تو اپنے لطف خفی سے ہم پریشاں حالوں کی دستگیری فرما اور ہماری گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی فرما تاکہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوکر تیرے محضر قدس میں آنے کی راہ پا سکیں.

﴿آمین یاربّ العالمین﴾

فصل دوم

عن مصباح الشریعة ، قال الصادق علیه السلام : التشهّد ثناء علی الله تعالیٰ، فکن عبداً له فی السرّ خاضعاً له فی الفعل، کما انک عبد له بالقول والدعویٰ . وصل صدق لسانک بصفاء صدق سرک فانه خلقک عبداً وامرک ان تعبده بقلبک ولسانک وجوارحک، وان تحقق عبودیّتک له بربوبیّته لک، وتعلم ان نواصی الخلق بیده، فلیس لهم نفس ولا لحظ الا بقدرته ومشیته، وهم عــــاجزون عن اتیان اقلّ شی ء فی مملکته الا باذنه وارادته . قال الله عزوجل : "وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لهم الخیرة سبحان الله وتعالیٰ عما یشرکون (۱) ".

فکن عبداً شاکراً بالفعل، کما انک عبد ذاکر بالقول والدعویٰ . وصل صدق لسانک بصفاء سرک، فانه خلقک، فعزوجل ان یکون ارادة ومشیة لاحد الا بسابق ارادته ومشیته، فاستعمل العبودیّة فی الرضا بحکمه، وبالعبادة فی اداء أوامره . وقد امرک بالصلوة علی نبیّه (حبیبه . خ) صلی الله علیه وآله ، فاوصل صلوته بصلوته وطاعته بطاعته وشهادته بشهادته . وانظر لا یفوتک برکات معرفة حرمته، فتحرم عن فائدة صلوته . وامره بالاستغفار لک والشفاعة فیک ان اتیت بالواجب فی الامر والنهی والسنن والاداب وتعلم جلیل مرتبته عند الله عزوجل (۲).

۱۔ "اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور انتخاب کرتا ہے ۔ ان لوگوں کو اپنے کام میں کوئی اختیار نہیں ہے ۔ خدا منزہ ہے اور برتر اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں " سورۂ قصص / ۶۸ .

۲۔ مصباح الشریعہ " الباب السابع عشر، فی التشہد " .

اس حدیث شریف میں عبادات کے قلبی آداب اور ان کے حقائق واسرار کی طرف اشارے ہیں. چنانچہ امامؑ فرماتے ہیں: "تشہد ثنائے حق تعالیٰ ہے" بلکہ سابق میں اشارہ کیا جا چکا کہ مطلق عبادت ثنائے حق ہے یا ایک اسم کے ساتھ یا بہت سے اسماء کے ساتھ یا تجلیات میں سے کسی تجلی کے ساتھ اور یا اصل ہویت کے ساتھ.

اور بہترین آداب کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ جس طرح تم ظاہر میں بندگی کرتے ہو اور عبودیت کے مدعی ہو اسی طرح باطن میں بھی بندگی کرو تاکہ باطنی قلبی عبودیت اعمال اعضاء وجوارح میں بھی سرایت کرے، قول وعمل سرّ وباطن کی تصویر بن جائے، حقیقت عبودیت تمام اجزائے وجود میں چاہے وہ اجزائے ظاہری ہوں یا اجزائے باطنی، سرایت کرجائے. ہر عضو توحید کی لذت پائے اور ذاکر کی زبان ذکر کو قلب تک پہنچائے اور موحد ومخلص قلب، توحید واخلاص کو زبان تک پہنچائے اور حقیقت عبودیت سے ربوبیت کو طلب کرے، خود پرستی سے باہر آئے اور الوہیت حق کو قلب تک پہنچائے اور جان لے کہ بندوں کی پیشانی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ سانس لینے اور دیکھنے پر بھی قادر ہیں تو قدرت ومشیت حق تعالیٰ سے اور وہ سب کے سب مملکت حق میں کسی بھی قسم کا تصرف کرنے سے عاجز ہیں، چاہے معمولی تصرف ہی کیوں نہ ہو، مگر اسی ذات مقدس کے اذن اور ارادہ سے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے" خدائے تعالیٰ ہی جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے، کسی کو اپنے امور میں کوئی اختیار نہیں ہے، یعنی استقلالی طور پر خدائے تعالیٰ منزہ ہے مملکت وجود میں تصرف کرنے والے کسی شریک سے" جب یہ پرلطف نکتہ تم نے قلب تک پہنچا دیا تو تمہارا شکر خدا حقیقت بن جائے گا اور یہ شکر تمہارے اعضاء اور تمہارے اعمال میں سرایت کرجائے گا اور جس طرح عبودیت میں زبان وقلب کو ساتھ ہونا چاہیے اسی طرح اس توحید فعلی میں بھی صدق لسان کو صفائے سرّ قلب تک پہنچنا چاہیے، کیونکہ حق تعالیٰ ہی خالق ہے اور اس کے علاوہ (کائنات میں) کوئی مؤثر نہیں ہے اور تمام ارادے اور مشیتیں اس کی ازلی مشیت وارادہ کے سائے ہیں.

وحدانیت والوہیت کے آداب کی گواہی کے بعد عبد مطلق ورسول ختمی مرتبت (ص) کے مقام مقدس کی طرف متوجہ ہو اور رسالت پر عبودیت کے مقام کے مقدم ہونے پر متنبہ ہو کہ تمام مقامات

سالکین کا مقدر قدم عبودیت ہے اور رسالت عبودیت کا ایک شعبہ اور چونکہ رسول ختمی مرتبت (ص) عبد حقیقی اور حق میں فانی ہیں، لہذا ان کی اطاعت حق کی اطاعت ہے اور رسالت کی شہادت، وحدانیت کی شہادت سے متصل ہے اور عبد سالک کو چاہیئے کہ اپنی نگرانی کرے کہ رسول (ص) کی اطاعت میں جو خدا ہی کی اطاعت ہے قصور نہ ہونے پائے تاکہ اطاعت، یعنی بارگاہ قدس میں باریابی کی برکتوں سے جو ولی مطلق کی دستگیری سے حاصل ہوتی ہیں محروم نہ رہ جائے اور جان لے کہ کسی کو ولی نعمت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دستگیری کے بغیر بارگاہ قدس وجایگاہ انس میں باریابی نہیں ملتی.
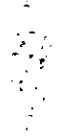
باب ہشتم

سلام کے آداب

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

معلوم ہو کہ عبد سالک جب مقام سجود سے، جس کا راز "فنا" ہے ہوش میں آیا اور حالت صحو وہوشیاری اس کو حاصل ہوئی اور "خلق سے غیبت" کی حالت سے حضور کی حالت کی طرف واپس ہوا تو موجودات پر سلام کرے، اس شخص کے سلام کی طرح جو سفر وغیبت سے لوٹا ہے. پس سفر سے واپسی کے آغاز میں نبی اکرم (ص) کو سلام کرے، کیونکہ وحدت سے کثرت کی طرف واپسی کے بعد پہلی حقیقت، حقیقت ولایت کی تجلی ہے "نحن الاولون السابقون (۱)" اس کے بعد دوسرے اعیان موجودات کی طرف تفصیل وجمع کے طریقہ پر توجہ کرے.

اور جو شخص نماز میں خلق سے غائب نہیں رہا اور مسافر الیٰ اللہ نہیں ہوا اس کے لیے سلام کی کوئی حقیقت نہیں اور زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں ہے. لہذا سلام کا قلبی ادب، پوری نماز کے ادب کے ساتھ ہے اور اگر اس نماز میں، جو حقیقت معراج ہے، کوئی عروج حاصل نہیں ہوا اور بیت نفس سے خارج نہ ہوا تو سلام اس کے لیے نہیں ہے. نیز اس سفر میں اگر تصرفات شیطانی اور تصرفات نفس امارہ سے سلامتی رہی اور اس معراج حقیقی کے تمام ہونے پر قلب میں کوئی کھوٹ نہ ہوا تو اس کا سلام حقیقت رکھتا ہے. ورنہ اس کے لیے کوئی سلامتی نہیں ہے. ہاں! نبی (ص) پر سلام اسی بنا پر حقیقت میں

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۵ ص ۱۵: "فنحن الاولون ونحن الاخرون" صحیح مسلم، ج ۲ ص ۵۸۵ اور صحیح بخاری، ج ۱ ص ۳۶ میں "نحن الاخرون ونحن السابقون" نقل کیا ہے.

سلام ہے، کیونکہ وہ اس سفر معراجی اور اس سیر الیٰ اللہ میں بلند ہوتے ہوئے بھی اور واپس آتے ہوئے بھی سلامتی سے متصف رہے اور پورے سفر میں غیر حق سے عاری و بری رہے جیسا کہ سورۂ مبارکہ "انــا انزلنا" میں ہم نے اشارہ کیا۔

فصل دوم

عن مصباح الشريعة ، قال الصادق عليه السلام : معنى " السلام " فى دبر كل صلوة الامان، اى من ادىٰ امر الله وسنة نبيّه صلى الله عليه وآله خاشعاً منه قلبه، فله الامان من بلاء الدنيا وبرائة من عذاب الاخرة .

والسلام اسم من اسماء الله تعالىٰ، اودعه خلقه ليستعملوا معناه فى المعاملات والامانات والاضافات وتصديق مصاحبهم فيما بينهم وصحة معاشرتهم . واذا اردت ان تضع السلام موضعه وتؤدى معناه، فاتق الله، وليسلم منک دینک وقلبک وعقلک، ولا تدنّسها بظلمة المعاصى، ولتسلم حفظتک ان لا تبرمهم (اى، لا تضجرهم) ولا تملهم وتوحشهم منک بسوء معاملتک معهم، ثم صدیقک ثم عدوک، فان من لم يسلم منه من هو الاقرب اليه، فالابعد اولىٰ .

ومن لا يضع "السلام "مواضعه هذه فلا سلام ولا تسليم (سلم . خ) وكان كاذباً فى سلامه وان افشاه فى الخلق (۱) .

۱۔ " سلام کے معنیٰ نماز کے اختتام پر ، امان ہیں یعنی جو شخص حکم خدا اور سنت پیغمبرؐ کو خشوع قلب کے ساتھ بجا لائے وہ دنیا کی بلا سے امان میں ہے اور عذاب آخرت سے محفوظ اور " سلام " اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جسے اپنی مخلوق کے درمیان بطور امانت رکھا ہے تاکہ عطا و بخشش ، امانات کی حفاظت ، باہمی تعلقات ، صدق معاشرت و ہمنشینی میں اس ==

فرماتے ہیں :" سلام کے معنی نمازوں کے آخر میں " امان " ہے، یعنی جو شخص اوامر الٰہیہ اور سنن نبویہ (ص) کو ادا کرے خشوع قلب کے ساتھ، وہ دنیا کی بلا اور آخرت کے عذاب سے امان پاتا ہے" یعنی دنیا میں شیطانی تصرفات سے محفوظ ہوجاتا ہے، کیونکہ اوامر الٰہیہ کو خشوع قلب کے ساتھ ادا کرنا تصرف شیطانی کے قطع ہوجانے کا سبب ہے " ان الصلاۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر (۱) "

اس کے بعد " سلام " کے اسرار میں ایک راز کی طرف اشارہ فرماتے ہیں :" سلام، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو خدا نے موجودات میں امانت کے طور پر رکھا ہے " یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ موجودات اسمائے الٰہیہ کا مظہر ہیں اور عبد سالک کو چاہئے کہ اس الٰہی راز کو جو اس کے باطن ذات اور اس کے خمیر میں مضمر کیا گیا ہے ظاہر کرے اور تمام معاملات، معاشرات، امانات اور تعلقات میں استعمال کرے اور اپنی مملکت باطن وظاہر میں نافذ کرے اور حق اور دین حق کے ساتھ معاملات میں استعمال کرے تاکہ اللہ کی امانت میں خیانت کا مرتکب نہ قرار پائے. پس " سلام " کی حقیقت کو اپنی تمام قوائے ملکی وملکوتی اور تمام عادات وعقائد اور اخلاق واعمال میں نافذ کرے تاکہ خود تمام تصرفات سے محفوظ رہے اور اس سلامتی کے حصول کا طریقہ تقویٰ کو قرار دیا ہے.

معلوم ہونا چاہئے کہ تقویٰ کے کچھ مراتب ومنازل ہیں:

۱۔ تقوائے ظاہر، یعنی جسمانی گناہوں کی گندگی اور اندھیرے سے ظاہر کو محفوظ رکھنا.

= سے کام لیں اور اگر سلام کو اس کی جگہ پر رکھنا چاہو اور اس کے معنی ادا کرنا چاہو تو خدا کی فکر رکھو اور تمہارا دین، دل اور عقل سے سالم رہیں اور ان کو گناہوں کی تاریکی سے آلودہ نہ کرو اور اپنے نگہبان فرشتوں کو امان میں رکھو اور ان کو آزار نہ دو، ان کو ملول نہ کرو اور اپنی ناشائستہ رفتار سے انہیں دور ہونے پر مجبور نہ کرو پھر تمہارا دوست اور اس کے بعد تمہارا دشمن (تمہاری طرف سے امان میں رہنا چاہئے) کیونکہ جس کے قریب رہنے والے اس سے امان میں نہ رہیں، غیر یقیناً اس سے امان میں نہ رہیں گے اور جو شخص سلام کو ان مقامات پر کام میں نہ لائے (اس کے لیے) نہ سلام ہے نہ تسلیم (نسخہ، اور نہ سلم) اور وہ اپنے سلام میں جھوٹا ہے چاہے لوگوں کے درمیان سلام کے ذریعہ دکھاوا کرو."

مصباح الشریعہ " الباب الثامن عشر، فی السلام ". بحار الانوار، ج ۸۲ ص ۳۰۷.

۱۔ " یقیناً نماز فحشاء ومنکر سے روکتی ہے " سورۂ عنکبوت / ۴۵.

۲۔ تقوائے باطن، یعنی باطن کو اخلاق اور روحانی عادات میں افراط وتفریط اور حد اعتدال سے ادھر ادھر ہونے سے پاک و محفوظ رکھنا۔ یہ خاص تقویٰ ہے۔

۳۔ تقوائے عقل، یعنی عقل کو غیر الٰہی علوم میں مصروف رہنے سے پاک و محفوظ رکھنا۔ علوم الٰہیہ سے مراد وہ علوم ہیں جو شرائع وادیان الٰہیہ سے مربوط ہیں اور تمام طبیعی وغیر طبیعی علوم، جو مظاہر حق کی معرفت کے لیے ہیں، الٰہیہ ہیں اور ایسی معرفت کے لیے نہ ہوں تو الٰہیہ نہیں، چاہے مبدا ومعاد کے مباحث ہی کیوں نہ ہوں اور یہ تقویٰ اخص خواص ہے۔

۴۔ تقوائے قلب، یعنی قلب کو غیر حق کے مشاہدہ اور مذاکرہ سے پاک و محفوظ رکھنا۔ یہ اولیاء کا تقویٰ ہے اور حدیث شریف (قدسی) سے مراد جس میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: "انا جلیس من جلسنی (۱) " یہی خلوت قلبی ہے اور یہ خلوت بہترین خلوات ہے اور دوسری خلوتیں اسی خلوت کے حاصل کرنے کا مقدمہ ہیں۔

پس جو شخص تقویٰ کے تمام مراتب سے متصف ہوجائے اس کا دین، عقل، روح، قلب اور اس کے تمام قوائے ظاہرہ وباطنہ محفوظ وسالم ہوگئے اور اس کے محافظین وموکلین بھی سالم ہوگئے اور اس سے رنجیدہ وملول اور وحشتناک نہ ہوں گے اور ایسے شخص کے معاملات ومعاشرت، دوست دشمن سب کے ساتھ سلامت ہوں گے، بلکہ عداوت کی بنیاد ہی اس کے باطن قلب سے منہدم ہوجائے گی، چاہے لوگ اس سے عداوت کریں اور جو شخص تمام مراتب میں سلامت نہ ہوگا (وہ سلامت نہ ہونے کے بقدر) "سلام" کے فیض سے محروم اور افق نفاق سے نزدیک ہوگا۔ نعوذ باللہ منہ۔

والسلام

۱۔ "میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے اپنا ہم نشین منتخب کرے" المواہب السنیہ، ص ۷۷، المحجۃ البیضاء، ج ۸ ص ۵۸ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)۔

خاتمہ کتاب

نماز کے بعض داخلی وخارجی امور کے آداب

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

تیسری اور چوتھی رکعت میں پڑھی جانے والی تسبیحات اربعہ اور بقدر مناسب ان کے قلبی اسرار و آداب۔

تسبیحات اربعہ کے چار ارکان ہیں:

رکن اول: تسبیح، یعنی تحمید و تہلیل کی ادائیگی کے ذریعہ، توصیف سے اس کی تنزیہ کا اظہار جو نماز کے مقامات شاملہ میں ہے اور بندۂ سالک کو چاہئے کہ تمام عبادات میں اس کی طرف متوجہ رہے اور اپنے قلب کو حق تعالیٰ کی توصیف وثنا کے دعوے سے محفوظ رکھے۔ گمان نہ کرے کہ بندگی کا حق ادا کرنا بندہ کے امکان میں ہے چہ جائیکہ ربوبیّت کا حق ادا کرنا جس تک اولیائے کاملین کی چشم امید بھی نہیں پہونچ سکی اور اکابر اہل معرفت کا دست شوق اس کے دامن تک پہنچنے سے قاصر رہا۔

عنقا شکار کس نہ شود دام باز گیر (۱) عنقا شکا ہوتا نہیں ہے، یہ دام اٹھا

اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اہل معارف کا کمال معرفت یہ ہے کہ اپنی عاجزی کا عرفان حاصل کرلیں (۲)۔

ہاں! چونکہ حق تعالیٰ کی رحمت واسعہ ہم کمزور بندوں کے شامل حال ہے، اس نے اپنی رحمت کے سائے میں ہم بے چاروں کو حاضری کی اجازت دے دی ہے اور ایک ایسے مقدس و منزہ مقام پر

۱۔ " عنقا شکار کس نشود، دام باز گیر کانجا ہمیشہ باد بہ دست است دام را " حافظ۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۹۴ ص ۱۵۰ " المناجات ثمانیۃ عشر، مناجات العارفین "۔

جانے کی اجازت مرحمت فرما دی ہے جس کے قریب جانے سے فرشتوں کی کمر خم ہو جاتی ہے اور یہ ولی نعمت کی ذات پاک عظیم ترین تفضلات و نعمات میں سے ہے جو اس نے بندوں کے شامل حال کی ہیں جن کی قدر و قیمت اہل معرفت، اولیائے کاملین اور اولیاء اللہ ہی اپنی معرفت کے بقدر جانتے ہیں اور ہم محجوبین جو ہر مقام و منزلت سے بچھڑے ہوئے اور ہر کمال و معرفت سے دور افتادہ و محروم کلی طور پر ان سے غافل ہیں اور اوامر الٰہیہ کو جو درحقیقت لا محدود عظیم نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہیں، تکلف اور کلفت سمجھتے ہیں اور کاہلی و بے دلی کے ساتھ ان کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی نورانیت سے پوری طرح محروم ہیں اور محجوب ہیں۔

اور یاد رکھنا چاہیے کہ چونکہ "تحمید و تہلیل" توحید فعلی کو شامل ہے اور اس میں تحدید و تنقیص کا شائبہ ہے، بلکہ تشبیہ و تخلیط کا شائبہ ہے، لہٰذا عبد سالک کو اس میں ورود کی تیاری کے لیے لازم ہے کہ خود کو تسبیح و تنزیہ کے مضبوط قلعہ میں وارد کرے اور اپنے باطن قلب کو سمجھائے کہ حق تعالیٰ تعینات خلقیہ اور تلبیس کثرات کے شائبہ سے منزہ ہے تاکہ تحمید میں ورود تکثیر کے شائبہ سے پاک رہے۔

رکن دوم: "تحمید" ہے اور وہ مقام توحید فعلی ہے جو قیام کے مناسب حال بھی ہے اور قرائت کے مناسب بھی اور اسی وجہ سے یہ تسبیحات آخری رکعتوں میں "حمد" کی قائم مقام ہیں اور نماز گزار کو اختیار ہے کہ ان کی جگہ "حمد" بھی پڑھ سکتا ہے اور توحید فعلی کا جیسا کہ "حمد" میں ذکر ہوا، حق تعالیٰ کے لیے حمد کے حصر سے استفادہ کریں، بندہ کے ہاتھ کو ہر طرح کی حمد سے کلی طور پر قاصر سمجھیں "ھو الاول والاخر والظاھر والباطن (۱)" کو گوش قلب تک پہنچائیں "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (۲)" کے ذائقہ سے روح کو آشنا کریں اور خود بینی و خود خواہی کو سلوک کے قدموں تلے روند ڈالیں تاکہ خود کو مقام تحمید تک پہونچا سکیں اور دل کو مخلوق کا زیر بار احسان ہونے سے روکیں۔

رکن سوم: تہلیل ہے، اس کے چند مقامات ہیں:۔

ایک مقام نفی الوہیت فعلیہ ہے جو لا مؤثر فی الوجود الا اللہ کی دوسری تعبیر ہے اور یہ مقام

۱۔ حاشیہ ۱ ص ۱۲۴۔

۲۔ حاشیہ ۲ ص ۲۴۲۔

حصر "تحمید" کی تاکید کرتا ہے، بلکہ اس کا موجب و مسبّب ہے، چونکہ وجودات امکانیہ کے مراتب حقیقت وجود حق تعالیٰ کا سایہ اور ربط محض ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی ذاتی استقلال وقیام نہیں ہے، اس وجہ سے ان کی طرف ایجادی تاثیر کی نسبت کسی طرح بھی نہیں دی جا سکتی، کیونکہ تاثیر کے لیے استقلال ایجاد لازم ہے اور استقلال ایجاد، استقلال وجود کو مستلزم ہے اور اہل ذوق کے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وجودات ظلّیہ کی حقیقت خلقی آئینوں میں قدرت حق ظہور ہے اور لا الہ الا اللہ کے معنیٰ خلق میں فاعلیّت وقدرت حق کا مشاہدہ اور تعینات خلقیہ کی نفی اور ان کے مقام فاعلیّت اور ان کی تاثیر کو حق میں فنا کر دینا ہے۔

ایک اور مقام، نفی معبود غیر حق ہے اور لا الہ الا اللہ کے معنیٰ لا معبود سوی اللہ ہیں اور اسی بنا پر مقام "تہلیل"، نتیجہ مقام "تحمیـد" ہے، کیونکہ اگر حمد وستایش ذات حق میں منحصر ہو گئی تو عبودیّت بھی اپنا بار اسی مقام مقدس پر ڈال دے گی اور ساری عبودیتیں جو مخلوق کی طرف سے مخلوق کے لیے ہوتی ہیں جو سب کی سب حمد وستائش کی رویت کے لیے ہیں منتفی ہو جائیں گی۔ پس گویا سالک یوں کہتا ہے کہ جب تمام حمد وستائش حق میں منحصر ہے تو عبودیّت بھی اسی میں منحصر ہونا چاہیے اس طرح وہی معبود قرار پائے گا اور سارے بت شکستہ ہو جائیں گے۔ تہلیل کے اور بھی مقامات ہیں جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔

رکن چہارم: تکبیر ہے۔ یہ بھی توصیف سے بالاتر ہونے کے معنیٰ میں ہے۔ گویا بندہ نے "تحمید وتہلیل" میں ورود کے آغاز ہی میں توصیف سے تنزیہ کی ہے اور ان سے فارغ ہونے کے بعد بھی توصیف سے تنزیہ وتکبیر کرتا ہے تاکہ اس کی تحمید وتہلیل تقصیر وتذلل کے اعتراف سے گھری رہے اور شاید تکبیر اس مقام میں "تحمید وتہلیل" سے بالاتری ہو کیونکہ اس میں کثرت کا شائبہ پایا جاتا ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا اور شاید "تسبیح" میں تکبیر سے تنزیہ اور تکبیر میں تنزیہ سے بھی بالاتری مراد ہو تاکہ تمام دعوے کلی طور پر ساقط ہو جائیں اور توحید فعلی میں متمکن ہو جائے اور دل میں قیام بہ حق کے مقام کا ملکہ پیدا ہو جائے۔ بہت سے رنگوں میں رنگنے سے باہر آئے اور حالت تمکین حاصل ہو جائے۔

عبد سالک کو چاہیے کہ ان اذکار شریفہ میں جو معارف کی روح ہیں، تضرع وتذلل اور زہد وانقطاع

کی حالت دل میں پیدا کرے اور مداومت کی کثرت سے باطن قلب کو ذکر کی صورت دے دے اور حقیقت ذکر کو باطن قلب میں متمکن کردے تاکہ قلب لباس ذکر سے آراستہ ہوجائے اور اپنا لباس، جو لباس بعد ہے، اتار دے تب قلب حقانی ہوجائے گا اور " انّ اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم (۱) "کی حقیقت اور روح اس میں متحقق ہوجائے گی۔

۱۔ " یقیناً خدا نے مؤمنین سے ان کی جانوں کو خرید لیا ہے " سورۂ توبہ / ۱۱۱۔

فصل دوم

قنوت کے قلبی آداب

معلوم ہو کہ "قنوت" مستحباب مؤکدہ میں سے ایک ہے جس کا ترک کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ احتیاط اس کے بجالانے ہی میں ہے، کیونکہ بعض فقہاء اس کے وجوب کے قائل ہیں اور بعض روایات کا ظاہر بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے اگرچہ فنّ فقہ میں اقویٰ عدم وجوب ہے جیسا کہ علماء کے درمیان مشہور ہے اور وہ اسی خاص کیفیت کے ساتھ ہے جو فرقہ امامیہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان متعارف ہے، یعنی ہاتھوں کو چہرہ کے مقابل بلند کرنے، ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف پھیلانے اور ماثور یا غیر ماثور دعائیں پڑھنے سے وجود میں آتی ہے اور جائز ہے کہ عربی یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں دعا پڑھی جائے، مگر عربی میں پڑھنا احوط اور افضل ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ قنوت میں سب سے بہتر دعائے فرج کا پڑھنا ہے (۱) اور راقم الحروف کی نظر سے افضلیت پر کوئی معتد بہ فقہی دلیل تو نہیں گزری، لیکن دعا کا مضمون اس کی فضیلت تامہ پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ وہ تہلیل، تسبیح اور تحمید پر مشتمل ہے جو روح توحید ہے جیسا کہ بیان ہوچکا۔ اس کے علاوہ اللہ کے عظیم اسماء پر مشتمل ہے جیسے: " اللہ، الحلیم، الکریم، العلیّ، العظیم، الربّ "

۱۔ " لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم ... " وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۹۰۴ " کتاب الصلاۃ، ابواب القنوت " باب ۷ حدیث ۴۔ مستدرک وسائل الشیعہ " کتاب الصلاۃ، ابواب القنوت " باب ۶ حدیث ۴-۹۔

نیز ذکر رکوع و سجود پر مشتمل ہے. اسماء ذات وصفات وافعال پر بھی مشتمل ہے. مراتب تجلیات حق تعالیٰ پر بھی مشتمل ہے اور سلام بر مرسلین پر بھی مشتمل ہے. اگرچہ اس کے ترک کرنے میں احتیاط ہے، لیکن اقویٰ جواز ہے. پیغمبر (ص) اور ان کی آل پر صلوات پر بھی مشتمل ہے. گویا یہ دعائے شریف مختصر ہونے کے باوجود نماز کے تمام ذکری وظائف پر مشتمل ہے.

فقہاء کے قول سے بھی افضیلت کا اثبات کیا جاسکتا ہے یا تسامح فی ادلۃ السنن (۱) کے قاعدہ کے مطابق افضیلت تسلیم کی جاسکتی ہے. اگرچہ راقم الحروف کو اس میں تامل ہے اور یا کوئی ایسی معتبر دلیل کشف کرکے جو ہماری نظر سے نہیں گزری ہے جو متاخرین کی نظر میں اجماع کا مبنا ہو.

اور ادعیۂ شریفہ میں سے ایک دعا جو بہت فضیلت رکھتی ہے اور بندہ کی حق کے ساتھ مناجات پر مشتمل ہے اور اللہ کے عطایائے کاملہ کی تعداد پر مشتمل ہے، قنوت کی حالت سے جو مناجات اور سب سے کٹ کے اللہ سے لو لگانے کی حالت ہے، پوری مناسبت رکھتی ہے اور بعض مشائخ بزرگ رحمہم اللہ اس کی تقریباً پابندی کرتے تھے وہ دعائے "یا من اظھر الجمیل" ہے. یہ عرش کے خزانوں میں سے ہے اور رسول خدا (ص) کے لیے تحفہ حق ہے اور اس کے ہر فقرہ کے کثیر فضائل اور ثواب ہیں، جیسا کہ توحید شیخ صدوق علیہ الرحمہ میں ہے (۲).

ادب عبودیت میں بہتر یہ ہے کہ حالت قنوت میں جو حال مناجات وحال انقطاع بحق ہے خصوصاً نماز میں جو کل کی کل اظہار عبودیت وثنائے حق ہے اور اس حالت میں حق تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ بندہ کے لیے مناجات ودعا کا در کھولا ہے اور اس کو اس اعزاز سے سرفراز کیا ہے، بندۂ سالک کو بھی مقام مقدس ربوبیت کے ادب کا لحاظ رکھنا چاہیے اور اپنی دعاؤں کی نگرانی کرنا

۱۔ متعدد روایتیں۔ حد استفاضہ کے بارے میں۔ وارد ہوئی ہیں کہ اگر کسی کو خبر پہنچے (سنے یا کسی جگہ پڑھے) کہ کسی عمل کے بجالانے میں ثواب ہے اور وہ اس عمل کو بجالائے تو اس عمل کی وجہ سے وہ اجر وثواب پائے گا چاہے وہ خبر صحیح نہ ہو. یہ روایات "اخبار من بلغ" کے عنوان سے مشہور ہیں اور ان کے مفاد مضمون کو "تسامح فی ادلۃ السنن" کہتے ہیں. رجوع کیا جائے. بحار الانوار، ج ۲ ص ۲۵۶ "کتاب العلم" باب ۳۰. اصول کافی، ج ۲ ص ۱۳۹ "کتاب الایمان والکفر، باب من بلغہ ثواب من اللہ علی عمل".

۲۔ التوحید" باب اسماء اللہ تعالیٰ" باب ۲۹ حدیث ۱۳.

چاہیے کہ وہ حق تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ پر مشتمل اور ذکر و یاد حق پر متضمن ہوں اور جو چیزیں اس حالت میں حق تعالیٰ سے مانگ رہا ہے وہ معارف الٰہیہ، فتح باب مناجات وانس و خلوت اور اس کی طرف انقطاع کی طلب ہو اور دنیا اور پست حیوانی امور اور خواہشات نفسانیہ کی طلب سے احتراز کرے اور خود کو پاک و پاکیزہ لوگوں کے سامنے شرمسار اور محفل ابرار میں بے مقدار نہ ہونے دے۔

اے عزیز! قنوت غیر حق سے ہاتھ دھونا اور غیر ربوبیت کے سامنے پوری طرح حاضر ہونا ہے اور خالی ہاتھ کو غنی مطلق کی جانب سوال کے لیے دراز کرنا ہے۔ انقطاع کی اس حالت میں، شکم و شرمگاہ کی بات کرنا اور دنیا کو یاد کرنا پورا پورا نقصان اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

اے عزیز! اب جب تم اپنے وطن سے دور افتادہ ہو اور آزادوں کے جوار سے محروم ہوگئے ہو اور اس رنج و محن کے اندھیرے زندان میں گرفتار ہوگئے ہو ریشم کے کیڑے کی طرح اپنے اوپر خود ہی تار نہ تنو۔

اے عزیز! خدائے رحمان نے تمہاری فطرت کو نور معرفت اور نار عشق سے خمیر کیا ہے اور انبیاء جیسے انوار اور اولیاء جیسے عشاق کے ذریعہ تمہاری مدد کی ہے اس آگ کو دنیائے دنی کی خاک اور راکھ سے خاموش نہ کرو اور اس نور کو دنیا کی طرف توجہ سے جو دار غربت و مسافرت ہے، دھندلا نہ ہونے دو۔ ہوسکتا ہے کہ اگر تم اپنے وطن اصلی کی طرف توجہ کرو اور حق کی طرف انقطاع بہ حق کی دعا کرو اور اپنے ہجران و حرمان کی حالت کو دردناک دل کے ساتھ اس کے سامنے پیش کرو اور اپنی بے چارگی و بے نوائی اور درماندگی کے احوال کا اظہار کرو تو غیب سے کوئی مدد پہنچے اور باطنی طور سے دستگیری ہو اور نقائص کی تلافی ہوجائے " اذ من عادته الاحسان و من شیمته التفضل (۱) "۔

اگر امام المتقین، امیر المؤمنینؑ اور ان کی اولاد معصومینؑ جو اہل معارف و حقائق کے امام ہیں، کی مناجات "شعبانیہ" کے فقرے تم قنوت میں پڑھو، خصوصاً وہاں سے جہاں عرض کرتے ہیں: " الٰهی هب لی کمال الانقطاع الیک... الخ (۲) " لیکن اضطرار اور تضرع وزاری کی حالت میں، راقم

۱۔ " اس کی عادت احسان کرنا اور اس کا طریقہ تفضل ہے "

۲۔ حاشیہ ا ص ۱۷۔

الحروف کی طرح مردہ دلی کے ساتھ نہیں، تو بہت مناسب حال ہے۔

وبالجملہ، مقام "قنوت" راقم الحروف کی نظر میں مقام "سجود" کی طرح ہے۔ وہ ذلت عبودیت کی طرف توجہ اور عز ربوبیت کا تذکر ہے اور یہ عز ربوبیت کے سامنے حاضری اور عجز وذلت عبودیت کا تذکر ہے۔ یہ درمیانی درجہ کے لوگوں کے مقام کے مطابق ہے، لیکن کاملین کے مقام کے مطابق، جیسا کہ "سجود" فنائے عبد اور ترک غیر وغیریت ہے، "قنوت" مقام انقطاع بہ حق اور غیر پر اعتماد کو ترک کرنا ہے جو مقام توکل کی روح ہے اور بالجملہ جس طرح "قیام" مقام توحید افعالی ہے اور یہ توحید دوسری رکعت میں متمکن ہوتی ہے، قنوت میں اس کے نتیجہ کا اظہار کرے کہ کشکول گدائی اللہ کے سامنے لے جائے، خلق سے قطع تعلق کرلے اور گریزاں رہے۔

فصل سوم

تعقیبات

مستحباب مؤکدہ میں سے ہے اور اس کو ترک کرنا مکروہ ہے. نماز صبح و عصر میں اس کی زیادہ تاکید ہے اور تعقیبات ماثورہ بہت ہیں، جن میں تین اختتامی تکبیریں بھی ہیں۔

مشایخ عظام پابندی کرتے ہیں کہ تکبیرات افتتاحیہ کی طرح، ہر تکبیر میں ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک بلند کریں اور ہتھیلیاں قبلہ کے مقابل پھیلا دیں، اگرچہ اس کو ثابت کرنا مشکل ہے، اگرچہ ممکن ہے بعض روایات سے تین مرتبہ ہاتھ اٹھانے کا ثبوت مل جائے اور شاید ہاتھوں کو بلند کرنا، تین مرتبہ تکبیر کہنا اس کے بعد دعائے "لا الہ الا اللہ وحدہ وحدہ... الخ (۱)" پڑھنا کافی ہو اور اگر ہاتھوں کو اٹھانا اس طرح جس طرح مشائخ پابند ہیں، مستحب ہو تو یہ انہیں اسرار کو متمکن کرتا ہے جو مذکور ہوئے اور شاید اپنی نماز اور عبادات کو ممنوع کرنا ہو کہ ایسا نہ ہو خودپسندی اور خود بینی دل میں راہ پاجائے۔

اور تکبیرات ثلاثہ شاید اشارہ ہوں توحیدات ثلاثہ کی طرف جو پوری نماز کی روح کے وجود میں آنے کا سبب ہیں. لہٰذا ان تکبیرات کا قلبی ادب یہ ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھانے میں توحیدات ثلاثہ کی نفی توحیدی کرے اور اپنی توصیفات و توحیدات سے حق تعالیٰ کی تکبیر و تنزیہ کرے (یعنی خود جو اللہ کی

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۱۰۳۰ "کتاب الصلاۃ، ابواب التعقیب" باب ۱۴ حدیث ۲۔

صفتیں بیان کی ہیں اور اس کی ذاتی، صفاتی اور افعالی توحید کا اقرار کیا ہے. اس سے اسے بڑا بے نیاز اور پاک مانے) اور اپنے عجز و ذلت اور قصور و تقصیر کو محضر مقدس حق میں پیش کردے. ہم نے رسالہ سرّ الصلاۃ میں ان تکبیرات اور رفع ید کے روحانی اسرار ایک لطیف انداز میں جو اس رسالہ میں مذکور ہے، بیان کیے ہیں اور وہ اس مسکین پر حق تعالیٰ کے الطاف میں سے ایک الطاف ہے، و له الشکر و له الحمد.

منجملہ تعقیبات شریفہ کے، تسبیحات حضرت صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا ہیں جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معظمہ کو تعلیم فرمائی. وہ تمام تعقیبات میں افضل ہے. حدیث میں ہے کہ اگر کوئی چیز اس سے افضل ہوتی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کو عطا فرماتے (۱) اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ تسبیحات ہر روز ہر نماز کی تعقیب میں میرے نزدیک روزانہ ہزار رکعت سے زیادہ محبوب ہیں (۲) اور اصحاب فقہ کے نزدیک معروف یہ ہے کہ اس کی ترتیب یوں ہے " تکبیر " چونتیس مرتبہ، " تحمید " تینتیس مرتبہ اور " تسبیح " تینتیس مرتبہ، اسی ترتیب کے ساتھ. اور بعید نہیں ہے کہ یہ افضل ہو اور متعین نہ ہو، بلکہ " تحمید و تسبیح " کی تقدیم و تاخیر میں انسان مخیر ہو، بلکہ شاید " تکبیر " کو مؤخر کرنے اور " تسبیح " کو مقدم کرنے میں بھی مخیر ہو، لیکن افضل اور احوط وہی مشہور ترتیب ہے.

اس کے قلبی آداب وہی ہیں جو تسبیحات اربعہ میں مذکور ہوئے اور اس سے زائد یہ کہ چونکہ یہ اذکار نماز کے بعد ہیں اور ان کی تسبیح، حق عبودیت کی ادائیگی سے تکبیر (بالاتری) اور تنزیہ (پاک ہونا) ہے نیز اس کے محضر مقدس میں بندہ کے لائق عبادت ہونے سے تکبیر، اور معرفت سے جو غایت عبادت ہے، تکبیر لہذا سالک کو چاہیے کہ نماز کے تعقیبات میں اپنے اور اپنی عبادتوں کے نقص کے بارے میں اور حال حضور میں اپنی غفلتوں کے بارے میں غور کرے جو مذہب عشق و محبت

۱۔ فروع کافی، ج ۳ ص ۳۴۳ " کتاب الصلاۃ، باب التعقیب بعد الصلاۃ والدعاء " حدیث ۱۴ .

۲۔ بحار الانوار، ج ۸۳ ص ۳۳۲، از ثواب الاعمال، ص ۱۴۹، وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۱۰۲۴ " کتاب الصلاۃ، ابواب التعقیب " باب ۹ حدیث ۲

میں بجائے خود ایک گناہ ہے اور حضور و محضر مقدس میں اپنے نصیب سے محرومی کو نظر میں لائے اور تعقیبات میں جو خود رحمت حق کے ایک دوسرے دروازے کا کھلنا ہے جتنا ممکن ہو اس محرومی کی تلافی کرے اور ان اذکار شریفہ کو قلب تک پہنچائے اور دل کو ان کے ذریعہ زندہ کرے شاید ان کا اختتام حسن وسعادت پر ہو اور تسبیح حضرت صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی تحمید میں بھی اس حمد وستائش کا اثبات بھی ہویّت الہیہ کے لیے کرے جو بندگی کے لیے قیام ہے اور اسے اس ذات مقدس ہی کی توفیق وتائید اور حول وقوت کی وجہ سے سمجھے (نہ کہ اپنی وجہ سے) اور ان امور کے حقائق کو باطن قلب تک پہنچائے اور ان لطائف کے راز سے ذائقہ دل کو آشنا کرے تاکہ قلب ذکر حق سے زندہ ہو اور دل حق کے ساتھ حیات جاوید پیدا کرلے .

اور چونکہ صبح ، کثرت میں اشتغال اور دنیا میں ورود کا آغاز وافتتاح ہے اور انسان کو خلق کے ساتھ اشتغال اور حق کے ساتھ غفلت سے سامنا ہے اس لیے بہتر ہے کہ انسان سالک بیدار اس نازک موقع پر اس ظلمتکدۂ تاریک میں وارد ہونے کے لیے حق کو وسیلہ بنائے اور اسی کے محضر میں حاضر رہے اور چونکہ خود کو اس محضر مقدس میں حاضری کے لائق نہیں پاتا لہذا اولیائے امر پناہ گاہ زماں، شفعائے انس وجاں یعنی حضرت رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کو وسیلہ بنائے اور ان ذوات مقدسہ کو شفیع اور واسطہ قرار دے اور چونکہ ہر دن کا ایک پناہ دہندہ ہے چنانچہ ہفتہ، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اتوار حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے، پیر کو حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے، منگل حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے، بدھ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام، حضرت امام علی رضا علیہ السلام، حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے، جمعرات حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے اور جمعہ حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ الشریف سے متعلق ہے [۱] لہذا مناسب یہ ہے کہ نماز صبح کی تعقیب میں اس تاریک ومہلک دریا اور اس ہولناک شیطانی دامگاہ میں وارد ہونے کے لیے اس دن

۱۔ بحار الانوار، ج ۲۴ ص ۲۳۹ از الخصال، ج ۲ ص ۳۹۴ باب ۷ .

کے پناہ دہندگان کو وسیلہ بنائے اور ان کی شفاعت کے ذریعہ جو مقربان بارگاہ قدس اور محرمان سرا پردۂ محضر حق ہیں، حق تعالیٰ سے شر شیطان و شر نفس امارہ سے حفاظت کا طلبگار ہو اور اپنی ناقص عبادات کی تکمیل اور غیر شائستہ مناسک کی قبولیت کے لیے انہیں حضرات کو واسطہ قرار دے۔ ضرور حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کو ہدایت کے وسائط اور ہمارے لیے رہنما مقرر فرمایا ہے اور ان کی برکتوں سے امت کو جہالت وضلالت سے نجات دی ہے، اسی طرح ان کے وسیلہ اور ان کی شفاعت سے ہمارے قصور کی ترمیم اور ہمارے نقص کی تتمیم فرما دے گا اور ہماری ناقابل قبول عبادات کو قبول فرمائے گا "انّه ولیّ الفضل والانعام"۔ تعقیبات ماثورہ کتب ادعیہ میں موجود ہیں۔ ہر شخص اپنے مناسب حال انتخاب کرے اور اس سفر روحانی کو خیر وسعادت پر تمام کرے۔

ختم ودعاء

مناسب ہوتا اگر ہم اس رسالہ کو نماز کے موانع معنویہ (باطنی رکاوٹوں) جیسے ریا، خود پسندی اور اس طرح کے امور پر تمام کرسکتے، لیکن چونکہ کتاب اربعین (۱) میں بعض احادیث کی شرح کے ذیل میں ان موضوعات کو تفصیل سے بیان کرچکے ہیں اور اب کثرت اشتغال اور قوائے فکری کے انتشار کی وجہ سے اس خدمت سے معذور ہیں، لہذا ان اوراق کو نقص وتقصیر کے اعتراف پر ختم کرتے ہیں اور ارباب نظر پاک سے عفو خطا چاہتے ہیں اور ان کی اور ان کے نفوس کریمہ کی دعائے خیر کے محتاج ہیں۔

بارالٰہا! تو نے ہم بندگان ضعیف کو کسی سابقہ خدمت واطاعت یا عبادت وبندگی کی احتیاج کے بغیر محض اپنے فضل وعنایت اور رحمت وکرامت سے لباس وجود بخشا اور طرح طرح کی روحانی وجسمانی نعمتوں اور باطنی وظاہری رحمتوں سے سرفراز فرمایا بغیر اس کے کہ ہمارے نہ ہونے سے تیری قدرت وقوت میں کوئی خلل واقع ہوتا یا ہمارا وجود تیری عظمت وحشمت میں کچھ اضافہ ہوتا، اب جبکہ

۱۔ حاشیہ ۲ ص ۵۹۔

تیری رحمانیت کا چشمہ جوش میں آچکا اور تیرے خورشید جمال جمیل کی چشم (عنایت) روشن ہو چکی اور تو ہمیں رحمت کے دریاؤں میں مستغرق اور انوار جمال سے منور فرما چکا، ہمارے نقائص، خطاؤں، گناہوں اور کوتاہیوں کی تلافی بھی اپنی توفیق باطنی کے نور اور دستگیری وہدایت سری سے فرما دے اور ہمارے از سر تا پا تعلق دل کو علائق دنیا سے آزادی دلا دے اور اپنے عز قدس کے تعلق سے آراستہ کر دے۔

بار الہا! ہم ناچیزوں کی اطاعت سے تیرے ملک میں کوئی وسعت نہیں پیدا ہو جاتی ہے اور نہ ہماری نافرمانی سے تیری مملکت میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے اور گناہگاروں کو عذاب وعقاب دینے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ملتا اور نہ پریشاں حالوں پر بخشش ورحمت کرنے سے تیری قدرت میں کوئی کمی آتی ہے، عین ثابت خطاکاراں تجھ سے طالب رحمت ہے اور فطرت ناقصاں طلبگار تمامیت، تو خود ہی اپنا لطف عمیم ہمارے شامل حال کر دے اور ہمارے سوء استعداد اور نااہلی سے صرف نظر فرما۔

الھی، ان کنت غیر مستاھل لرحمتک، فانت اھل ان تجود علیّ بفضل سعتک

الھی، قد سترت علیّ ذنوباً فی الدنیا، وانا احوج الی سترھا علیّ منک فی الاخریٰ.

الھی، ھب لی کمال الانقطاع الیک، وانر ابصار قلوبنا بضیاء نظرھا الیک حتی تخرق ابصار القلوب حجب النور، فتصل الیٰ معدن العظمۃ (۱).

یہاں پر ہمارا کلام ختم ہوا، بتقدیر الہی جلّ وعلا، حامداً شاکراً علیٰ نعمائہ، مصلیاً علیٰ محمد وآلہ الطاہرین، بتاریخ روز دوشنبہ ۲۰/ ربیع الثانی/ سال ایک ہزار تین سو اکسٹھ (۱۳۶۱) قمری (۲).

۱۔ "میرے معبود! اگر میں تیری رحمت کے لائق نہیں تو، تو اہل ہے کہ اپنے وسعت فضل سے مجھ پر کرم فرمائے۔ معبود! دنیا میں تو نے میرے گناہوں پر پردہ ڈالا ہے اور میں آخرت میں اپنے گناہوں کی پردہ پوشی کے لیے تیرا زیادہ محتاج ہوں..." حاشیہ ۱ ص ۱۷۔

۲۔ مطابق ۳۰ فروردین ۱۳۲۱ ہجری شمسی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ نماز کی عام ظاہری صورت کے علاوہ ایک معنوی صورت ہے اور اس ظاہر کے علاوہ ایک باطن ہے اور جس طرح ظاہر کے آداب ہیں، جن کا لحاظ نہ رکھنے سے یا نماز باطل ہو جاتی ہے یا ناقص رہ جاتی ہے (اور شکیات وسہویات کے احکام پر عمل کر کے اس کی تکمیل کرنا پڑتی ہے) اسی طرح باطن کے بھی قلبی وباطنی آداب ہیں جن کا لحاظ نہ رکھنے سے نماز معنوی باطل یا ناقص رہتی ہے اور ان کا لحاظ رکھنے سے نماز میں روح ملکوتی پیدا ہوتی ہے۔

ہماری مطبوعات

حسینؑ شناسی

فکرِ حسینؑ کی الف ' بے

صحیفۂ وفا حضرت ابو الفضلِ العباسؑ

فلسفۂ عزاداری و قیام امام حسینؑ

انقلابِ حسینؑ

آمریت کے خلاف ائمہ طاہرینؑ کی جدوجہد

قیام امام حسینؑ کا جغرافیائی جائزہ

تفسیر سیاسی قیام امام حسینؑ

اصول عزاداری

مثالی عزاداری کیسے منائیں؟

عزاداری کیوں؟

تفسیر عاشورا

ائمہ معصومینؑ کی سیاسی زندگی کا تحقیق و جائزہ

سوانح حضرت امام حسینؑ

عاشورا اور خواتین

آداب اہلِ منبر

اہل بیتؑ کی زندگی مقاصد کی ہم آہنگی' زمانہ کی نیرنگی

پیام شہیدان

صدائے حضرت سجادؑ

عزاداری ایک تحقیقی جائزہ

حضرات حسنینؑ

قیام مقدسِ امام حسینؑ غیر مسلموں کی نظر میں

خاک پر سجدہ' مقصد' اہمیت' حقیقت

آدابِ نماز

رازِ نماز

نماز کے ۱۱۴ نکتے

سوانح حضرت فاطمۃ الزہراؑ

فاطمۃ زہراؑ اسلام کی مثالی خاتون

ازدواج در اسلام

اسلام میں خواتین کے حقوق

آسان مسائل

خاندان کا اخلاق

انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار

عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز